تبیان الفرقان

جلد دوم

سورہ آل عمران وسورہ نساء

شیخ المشائخ حکیم العصر حضرت اقدس

مولانا عبدالمجید لدھیانوی

دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا

امیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

اٰیاتہا ۲۰۰ ۳ سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ ۸۹ رکوعاتہا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ؕ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ ﴿۳﴾
مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو
انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا
فِی السَّمَآءِ ؕ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِیْ يُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ
مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ
ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا
اللّٰهُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ
رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ
اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَآ
اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۹﴾ ع

ترجمہ:

الم (الله اعلم بمرادہ بذلك الحروف) اللہ کوئی معبود نہیں مگر وہی وہ زندہ ہے تھامنے والا ہے، اتاری اس نے آپ پر کتاب ٹھیک ٹھیک (جو مشتمل ہے حق پر) تصدیق کرنے والی اس چیز کی جو اس سے پہلے ہے اور اتاری اس نے تورات وانجیل اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کیلئے، اور اتاری اس نے حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی چیز (معجزات) بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات کے ساتھ انکار کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے انتقام والا ہے، بے شک اللہ نہیں چھپتی اس پر کوئی چیز زمین اور آسمان میں وہی ہے جو تمہاری تصویر بناتا ہے رحموں میں جیسے چاہتا ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی زبردست ہے حکمت والا ہے، اللہ وہ ہے جس نے تیرے پر کتاب اتاری اس کتاب میں سے کچھ آیات محکمات ہیں (جن کی مراد بالکل واضح ہے اور ان میں تاویل کی گنجائش نہیں) وہی آیات کتاب پر اصل ہیں اور کچھ اور آیتیں متشابہات ہیں (جن کی مراد مشتبہ ہے) پھر وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیچھے لگ جاتے ہیں ان آیات کے جو اس کتاب میں سے متشابہ ہیں، فتنہ تلاش کرنے کے لئے اور اس کا مطلب طلب کرنے کے لئے حالانکہ نہیں جانتا ان آیات متشابہات کی تاویل کو مگر اللہ اور وہ لوگ جو علم میں پکے ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس کتاب پر ایمان لے آئے ہر قسم کی آیتیں ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے، اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں سیدھے راستہ پر چلایا ہے اور عطا کر ہمیں اپنے پاس سے رحمت بیشک تو بہت عطا کرنے والا ہے، اے ہمارے پروردگار بے شک تو اکھٹا کرنے والا ہے لوگوں کو ایسے دن میں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں بے شک اللہ تعالیٰ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

تشریح:

اس سورت کا نام سورۃ آل عمران ہے اور اس سورت میں حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آرہا ہے اور وہ آل عمران میں سے ہیں حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام عمران تھا اسی مناسبت کی وجہ سے اس سورت کا نام آل عمران رکھدیا گیا اور اس کو مدینہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی ہجرت کے بعد جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں آگئے تھے تو مدنی زندگی میں یہ سورت نازل ہوئی۔

سورۃ بقرۃ اور سورت آل عمران کی فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں اکٹھی بیان فرمائی ہے کہ جو شخص ان کو پڑھے گا اور ان کے اوپر عمل کرے گا قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں اس طرح آئیں گی جس طرح دو سائبان ہوتے ہیں

اوران کے درمیان مین ایک چمک ہوگی جوان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کریگی اور وہ اپنے پڑھنے والوں پر میدان محشر میں سایہ کریں گی اس طرح دونوں سورتوں کی آپس میں مناسبت واضح ہوجاتی ہے۔

سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ سے طلب ہدایت کی گئی تھی ،سورۃ بقرۃ میں اللہ تعالیٰ نے اس دعا قبول کرتے ہوئے اس کتاب کی نشاندہی کی تھی ،اورسورۃ بقرہ میں کثرت کے ساتھ احکام بیان کئے گئے تھے،سورۃ بقرہ میں لفظ ایمان کوذکرکر کے دوتین جگہ اس کی وضاحت کی تھی اورسورۃ آل عمران میں زیادہ تر لفظ اسلام کے ساتھ وضاحت کی جائے گی تو دونوں سورتوں کی آپس میں مناسبت ایسی ہے، جیسے ایمان واسلام میں ہے سورۃ بقرہ میں عقائد کی وضاحت زیادہ تر آئی ،اوراس میں زیادہ تر عملی چیزیں آئیں گی ،اس میں عملی چیزیں تھیں لیکن اس میں ایمان کا لفظ استعمال کیا گیا اوراس میں اسلام کا عنوان اختیار کیا گیا،سورۃ بقرہ میں مخالفین میں سے زیادہ رجحان یہود کی طرف رہاہے اور عیسائیوں کا تذکرہ ضمناً آیاہے اوراس سورت میں زیادہ تر گفتگو کا رجحان عیسائیوں کی طرف ہے، یہود کو بھی خطاب ہوگا لیکن وہ ضمناً ہوگا۔

نصاریٰ کا ایک وفد سرورکائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں آیا تھا اورانہوں نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ کچھ مذہبی گفتگو کی تھی اس مذہبی گفتگو میں خاص طور پر حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی شخصیت زیر بحث آئی ،چونکہ وہ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے متعلق الوہیت کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ عقیدہ توحید کے خلاف ہے تو سرورکائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کے سامنے توحید کی وضاحت کی اور عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی الوہیت کواس دلیل توحید کے ساتھ باطل کیا، جس وقت ان عیسائیوں کے پاس کسی قسم کا جواب نہ رہا توانہوں نے پھر حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کی الوہیت یا ابنیت کوثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کے اس قسم کے الفاظ سے سہارالیا کہ قرآن کریم عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کوکلمۃ اللہ کہتاہے، روح اللہ کہتاہے توپھران الفاظ کا کیا مطلب؟

اس قسم کے الفاظ سے سہارا لیکر انہوں نے اپنے عقیدہ کو ثابت کرنا چاہا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی وضاحت بھی کی کہ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کی مراد پوری طرح انسان نہیں سمجھ سکتا،عقائد کی بنیادان پرنہیں ہوتی عقائد کی بنیادان الفاظ پر ہوتی ہے جو بالکل واشگاف اور دلالت لغوی کے تحت ان کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آجائے، اس طرح ان کی تردید کی گئی تو ابتداءِ سورت میں وہی عقیدہ توحید بیان کیا گیا اور آگے نصف سورت سے زائد تک تقریباً انہی نصاریٰ کے متعلق ہے۔

اوراس کے بعد پھرغزوات کا ذکرآئے گا، جس میں کچھ بدر کا اشارہ بھی ہوگا اور زیادہ تفصیل غزوہ احد کی آئے گی اورآخر میں غزوہ حمراء الاسد کوذکرکیا جائے گا،تو سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے آخر میں جو دعا تلقین فرمائی تھی ”فانصرنا علی القوم الکافرین“تواس سورت میں مسلمانوں کا غلبہ دلائل کے اعتبار سے اور جوغزوات میں اللہ کی مددونصرت شامل ہوئی اس

کا تذکرہ ہوگا، اس طرح مابعد والی سورت ماقبل کے ساتھ مرتبط ہو جاتی ہے۔

اور سورۃ بقرہ میں انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا، اور اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت زکریا علیہ السلام اور یحیٰ علیہ السلام کا ذکر آئے گا اور یہ بعد والے ہیں تو متقدمین کا ذکر پہلی سورت میں تھا اور متاخرین کا ذکر دوسری سورت میں ہے۔

اور ایک وجہ فرق دونوں سورتوں میں اس طرح سے بھی نمایاں ہے کہ سورۃ بقرہ میں اللہ کی توحید کو ثابت کرنے کے لئے زیادہ تر استدلال عقلی دلائل سے کیا گیا ہے، آفاقی دلائل سے مثلاً زمین کا پیدا کرنا، آسمان کا پیدا کرنا، ہواؤں کا چلنا بادلوں کا آنا، زمین کو بنجر ہونے کے بعد آباد کرنا، اور سورت میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو زیادہ تر نقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔

"الم" سورۃ بقرہ کی ابتداء میں بھی یہی لفظ آیا تھا اور عام طور پر تفسیر میں ان کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے، مقطعات کا مطلب ہے کہ ان کو توڑ توڑ کے علیحدہ علیحدہ کر کے پڑھتے ہیں اکٹھا جس طرح لکھا ہوا ہے اس طرح نہیں پڑھتے، بعض حضرات کے نزدیک یہ سورتوں کے نام ہی ہوتے ہیں اور قدیم عرب کے لٹریچر میں اس چیز کا ثبوت ملتا ہے کہ فصحاء، بلغاء جس وقت اپنی تقریر کا آغاز کرتے تھے تو ابتداء میں اس قسم کے حروف بولتے تھے، اس لئے قرآن کے ان الفاظ پر اس زمانہ میں بھی کوئی اعتراض نہیں کیا گیا کہ قرآن کریم کی سورتوں کی ابتداء ایسے الفاظ سے کیوں کی گئی کہ جس قسم کے لفظ معروف نہیں ہیں اور یہ ایک نیا طرز ہے کسی کی طرف سے یہ سوال نہیں اٹھایا گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم عرب میں یہ انداز معروف تھا، باقی اللہ تعالیٰ نے اس میں کیا اشارہ فرمایا، کیا بیان کیا اور ان حروف میں کیا رموز ہیں؟ یہ اللہ اور اللہ کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔

"اللہ لاالہ الاھو" پہلے یہ توحید بطور دعویٰ کے ہے اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، "الحی القیوم" یہ لفظ آیت الکرسی میں گزر چکے ہیں، الحی زندہ جس کی زندگی ذاتی ہے، جس کے اوپر موت کا ورود ہوا نہ ہوگا، القیوم خود قائم رہنے والا اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ذکر کی جارہی ہیں جن سے استدلالاً خود بخود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا ابطال ہو جائے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تو حی وقیوم ہے اور عیسیٰ علیہ السلام پر فنا آئے گی، اور وہاں آپ نے لفظ یاتی استعمال کیا کہ فناء آئے گی، حالانکہ ان عیسائیوں پر دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے یہ بات زیادہ واضح تھی کہ یہ کہا جاتا کہ تمہارے اپنے خیال کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہو گئے، اور وہ تو اس دنیا سے فناء ہو گئے ان کے فناء ہونے کا ذکر کر کے ان کی الوہیت کو زیادہ واضح طور پر رد کیا جا سکتا تھا۔

لیکن چونکہ یہ بات خلاف واقعہ تھی اور صحیح بات کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی فنا آئی نہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی لیکن ایک وقت آئے گا جب ان کی فنا ہوگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام الزام میں بھی ان کو میت

نہیں مانا بلکہ یہ کہا"یاتی علیہ الفناء"ان پرفناء آئے گی ایک وقت آئے گا کہ وہ نہیں رہے گا تو یہ حی ہونے کے خلاف ہے اوراللہ تعالیٰ کی ذات قیوم ہے اور قیوم وہ ہوتا ہے جوخود قائم ہواور دوسرے کو قائم رکھنے والا ہو،تو اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جو کسی کے سہارے قائم نہیں ہے اپنی حیات کو باقی رکھنے کے لئے اسے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی اور ساری کائنات اسی کی تھانی ہوئی ہے بخلاف اس کے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ مریم پہلے نہیں تھے پھر پیدا ہوئے۔

اور پھر جو زندگی انہوں نے یہاں گزاری قرآن ان کے متعلق کہتا ہے "کانایاکلان الطعام "کہ یہ دونوں تو کھانا کھایا کرتے تھے ان کو اپنی زندگی باقی رکھنے کے لئے کھانے کی احتیاج تھی،اور صرف کھانے کا ذکر کرنا یہ بہت بڑا احتیاج ہے جس کی یہاں نشاندہی کی گئی ہے،جو شخص کھانے کامحتاج ہے یوں سمجھو کہ وہ کائنات کے ہر ذرہ کامحتاج ہے،زمین کامحتاج ہے، آسمان کامحتاج ہے،بارش کامحتاج ہے،سورج کی روشنی کامحتاج ہے،لوہے کامحتاج ہے،لکڑی کامحتاج ہے،آگ کامحتاج ہے، پانی کامحتاج ہے،روٹی کا ایک لقمہ حاصل کرنے کے لئے،کونسی چیز ایسی ہے جس کی ضرورت پیش نہیں آتی ؟اس سے ساری کائنات کی طرف اس کا احتیاج نمایاں ہو جاتا ہے اور پھر جو شخص روٹی کھاتا ہے تو پھر روٹی کھانے کا نتیجہ کیا ہوتا ہے،پھر پیشاب پاخانہ کی طرف احتیاج،اور انسان کے اوپر جتنے عوارض لاحق ہوتے ہیں وہ بھی اسی کھانے پینے کے شعبے سے ہیں۔

تو جس شخصیت کے اوپر اس قسم کے عوارض طاری ہوتے ہیں کہ اس کو بھوک لگتی ہے بھوک لگنے کے بعد اپنی زندگی کو سہارا دینے کے لئے وہ روٹی کامحتاج ہے اور روٹی حاصل کرنے کے لئے درختوں کا،فصلوں کا،زمین کا،آسمان کا،موسم کا،ہواؤں کا،بادلوں کا،بارشوں کا،ہر چیز کا وہ محتاج ہے تو وہ قیوم کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ تومحتاج ہے اور جومحتاج ہو وہ الٰہ کیسے ہوگیا، تو "الحی القیوم" یہ دوصفتیں جوذکر کی گئیں ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی برتری تمام کائنات کے مقابلہ میں بالکل نمایاں ہے، اور معبود وہی ہوسکتا ہے جس کو انتہائی درجہ کی عظمت حاصل ہو کیونکہ عبادت انتہائی قسم کی عاجزی ہے جو اس کے مقابلہ میں اختیار کی جاتی ہے تو جس کو انتہائی عظمت حاصل ہوگی یہ عاجزی اس کے مقابلہ میں اختیار کی جائے گی اور یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے ثابت نہیں ہیں اس لئے کسی دوسرے کو الٰہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔

"نزل علیك الکتاب بالحق "اس نے آپ پر کتاب اتاری جو حق پر مشتمل ہے جس میں بات واضح کردی گئی یہ کتاب بھی توحید کی منادی کرتی ہے،"مصدقالمابین یدیہ " اور جو اس سے پہلے اتری اس کی بھی تصدیق کرتی ہے یعنی اس کے حقائق کی تائید کرتی ہے یا اس کی پیش گوئیوں کا مصداق بنتی ہے جیسا کہ ان کی وضاحت گزر چکی ہے یعنی پہلی کتابوں میں جو پیشین گوئیاں ہیں ان پیش گوئیوں کی صداقت آپ کے آنے کے ساتھ ہی واضح ہوئی ہے اور اس کتاب کے اترنے کے ساتھ ہی واضح ہوئی ہے گویا کہ یہ کتاب ان کو سچا قرار دیتی ہے اگر یہ نہ آتی تو ان صحیفوں کی تصدیق کس طرح ہوتی جن میں

کہا گیا تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے اور ایک کتاب اترنے والی ہے اس اعتبار سے ان پیش گوئیوں کا یہ مصداق بنتی ہے اور مصداق بن کے ان کے کتابوں کی صداقت کو ظاہر کرتی ہے۔

"وانزل التوراۃ والانجیل" اور اتارا اس نے تورات وانجیل کو یعنی یہ سب کتابیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی اتاری ہوئی ہیں اور اپنے حقائق میں، مضامین میں ایک دوسرے کی مصدق ہیں اور عقیدہ توحید ان کتابوں کے اندر بھی خوب اچھی طرح واضح کیا ہوا ہے "من قبل" اس کتاب کے اترنے سے پہلے "ھدی للناس" لوگوں کی رہنمائی کے لئے اور اللہ تعالیٰ نے حق وباطل کے درمیان فرق کرنے والی چیز اتاری جس کا مصداق انبیاء کے معجزات ہیں۔

"ان الذین کفروا بآیات اللہ" بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ان کیلئے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے انتقام لینے والا ہے۔

"ان اللہ لا یخفیٰ علیه شیٔ" اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کا ذکر ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں اس پر مخفی کوئی چیز زمین میں نہ آسمان میں علم اسی کا نام ہے ذرے ذرے پر محیط ہے اور اس قسم کا علم چونکہ کسی دوسرے کے لئے ثابت نہیں تو وہ اس کی الوہیت میں شریک نہیں ہوسکتا، حیاۃ، قیومیت اور علم یہ تینوں امہات صفات میں شمار ہوتی ہیں۔

"ھوالذی یصورکم" یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت خالقیت ہے اور اس میں عیسائیوں کے اس شبہ کو بھی زائل کیا جاسکتا ہے کہ وہ کہتے تھے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے جب اس کی تردید کی جاتی تو پھر وہ کہتے کہ بتاؤ اس کا باپ کون ہے اور یہ بات ان کے سامنے اشتباہ پیدا کردیتی کہ جب ان کو کہا جاتا کہ ان کا تو باپ کوئی ہے نہیں تو وہ کہتے کہ پھر یہ اللہ کی طرف منسوب ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس چیز کو واضح کیا "ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم" عیسیٰ علیہ السلام کی مثال تو اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام جیسی ہے "خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون" کہ آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے بنایا اور پھر کہدیا تو جاندار ہوجا وہ ہوگیا تو جیسے اللہ تعالیٰ نے ظاہری اسباب کے خلاف یعنی اس وقت جو سلسلہ اسباب ہے انسان کے وجود میں آنے کا اس سلسلہ اسباب کے خلاف اللہ تعالیٰ نے جس طرح آدم علیہ السلام کو پیدا کیا بغیر ماں کی وساطت کے اور بغیر باپ کی وساطت کے مٹی سے بنا کے کہہ دیا" کن فیکون" عیسیٰ علیہ السلام کی مثال بھی اللہ کے نزدیک ایسے ہی ہے کہ اگر آدم علیہ السلام کو بغیر ماں اور باپ کے اللہ تعالیٰ براہ راست بنا سکتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی بغیر باپ کی وساطت کے پیدا کرسکتے ہیں، اگر باپ نہ ہونا اللہ کا بیٹا ہونے کی دلیل ہے تو پھر سب سے پہلے یہ عقیدہ آدم علیہ السلام کے متعلق بنانا چاہیئے کیونکہ آدم علیہ السلام کا بھی تو باپ کوئی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم" اور یہاں بھی وہی بات ذکر کی جارہی ہے کہ تمہاری صورتیں اللہ تعالیٰ رحموں کے اندر بناتا ہے تمہاری تصویر کھینچتا ہے یہ اس کی خالقیت ہے اور اس

کی قدرت ہے تو اگر وہ مرد کے پانی کو عورت کے پانی کے ساتھ شامل کر کے تصویر بنا سکتا ہے تو صرف عورت کے پانی پر بھی بنا سکتا ہے، اس کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے، اس سب صفات کا تقاضا یہ ہے کہ "لاالہ الاھو" اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

"ھو الذی انزل علیك الکتاب" اب عیسائیوں نے کلمۃ اللہ اور روح اللہ جیسے الفاظ سے جو استدلال کرنے کے کوشش کی تھی یہاں ان کے اس استدلال کو واضح کیا جاتا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب اتاری تو اس کتاب میں دو قسم آیات ہوا کرتی ہیں بعض آیات کو محکمات سے تعبیر کیا جاتا ہے اور محکمات وہ آیات ہوتی ہیں کہ کوئی شخص زبان جانتا ہے عربی زبان کی تراکیب سے واقف ہے اس کی لغوی دلالت سمجھتا ہے تو اس کے سامنے اس مراد بالکل منکشف ہوتی ہے اور کسی قسم کا اس میں اشتباہ نہیں ہوتا اور یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو ہمارے حالات سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہیں کہ جب کوئی بات سامنے آتی ہے تو ہم اس کی حقیقت، اس کا مصداق، اس کا واقعہ سمجھ جاتے ہیں، اور بعض آیات اس قسم کی ہوتی ہیں کہ جن کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حقائق غیبیہ پیش کیے ہوئے ہوتے ہیں ان کا ہمیں مشاہدہ نہیں ہوتا، اور جب وہ انسان کی گرفت میں آتے ہی نہیں کہ نہ آنکھ اس کو دیکھ سکے نہ کان اس کو براہ راست سن سکیں اور نہ ہم کسی دوسرے حاسہ کے ساتھ اسکو محسوس کر سکیں اور وہ واضح کرنے ہوتے ہیں صرف ایمان لانے کے لئے تاکہ ہم اس کو سمجھیں اور ایمان لے آئیں لیکن چونکہ وہ ہمارے ماحول کی چیزیں نہیں ہوتیں اس لئے ایسے کوئی الفاظ ہماری زبان میں موجود نہیں ہوتے جو اس کی تصویر آپ کے سامنے پیش کر دیں کہ جس سے آپ کے ذہن کو، دل ودماغ کو اطمینان ہو جائے اور کوئی شک وشبہ نہ رہے اس لئے ان کی نشاندہی کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ وہی الفاظ استعمال فرماتے ہیں جو آپ لوگوں کی اور استعمال میں ہیں لیکن وہ الفاظ اپنی اس دلالت پر جو اللہ کو مطلوب ومقصود ہے واضح نہیں ہوتے اور اس سے زائد وضاحت کرنے کے لئے آپ کی اصطلاح میں الفاظ نہیں ہیں۔

اور پھر چونکہ وہ غیبی چیز ہے اور انسان کے ذہن کی وہاں تک رسائی نہیں تو ان سے کچھ پردہ اٹھانے کے لئے اور ان کی نقاب کشائی کیلئے الفاظ استعمال کر لئے جاتے ہیں اور ساتھ امسام کو یہ مکلّف کر دیا جاتا ہے کہ اس کو سمجھنے کی کوشش کرو جتنا سمجھ میں آ گیا ظاہری طور پر ان پر ایمان لے آؤ زیادہ کھود کرید کرنے کے کوشش نہ کرنا، ورنہ شبہات میں پڑتے چلے جاؤ گے کیونکہ وہ ایسی چیز ہے جو تمہاری گرفت میں آنے والی نہیں ہے، یعنی ان آیات میں ایسے حقائق بیان کئے ہوئے ہوتے ہیں کہ جن حقائق تک کماحقہ انسان کے ذہن کی رسائی نہیں ہوتی، مثال کے طور پر روٹی پانی کپڑا جب بھی ان کا تذکرہ ہو گا ان کا نقشہ آپ کے سامنے آتا چلا جائے گا اور جس وقت آپ کے سامنے یہ کہا جائے کہ مرنے کے بعد جس وقت انسان قبر میں دفن

کر دیا جاتا ہے اس وقت اس کو سزا دینے کے لئے ایک فرشتہ متعین ہے اور وہ فرشتہ اس کے ایک گرز مارتا ہے جس کے ساتھ یہ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے، اب یہ واقعہ آپ کے سامنے آیا لیکن چونکہ اس کی مثال آپ کے سامنے کوئی نہیں ہے کہ ایک چیز ریزہ ریزہ ہو جائے پھر زندہ ہو جائے پھر ریزہ ریزہ ہو جائے تو آپ اتنی سی حقیقت کو سمجھنے کے بعد اس پر ایمان لے آئے کہ واقعہ ہے اور اس طرح پیش آتا ہے، لیکن آپ اگر اس کو سوچنے لگ جائیں کہ کس طرح ریزہ ریزہ ہوگا پھر کیسے زندہ ہوگا ہم تو دیکھتے ہیں ہمیں تو قبروں میں کچھ نظر نہیں آتا نہ کوئی چیخ وپکار ہے نہ کوئی آواز ہے اب حقیقت تو ہے کہ برزخ میں عذاب دیا جائے گا اور مختلف صورتوں میں دیا جائے گا لیکن اس کو آپ اس وقت تک اس واضح انداز میں نہیں سمجھ سکتے جس وقت تک آپ کے سامنے اس کی کوئی مثال نہ آئے۔

اور اگر اس کے برعکس یہ کہہ دیا جائے کہ یہ شخص آپ کے شہر کا چیئرمین ہے تو آپ فوراً حقیقت سمجھ جائیں گے کہ ایک کمیٹی کا دفتر ہے اور اس کے اندر کرسیاں رکھی ہوئی ہیں ایک کرسی مقام صدر پہ ہوتی ہے اور وہ شخص وہاں جا کے بیٹھتا ہے اور پورے شہر کی حکومت اس کو حاصل ہو جاتی ہے اور سارے معاملات وہی طے کرتا ہے کہ فوراً آپ کے ذہن میں یہ نقشہ آ گیا، اب جس وقت یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش نشیں ہو گیا اللہ کا ایک عرش ہے اگر آپ یونہی سوچیں گے کہ ایک کرسی رکھی ہوئی ہے اور اور اللہ تعالیٰ اس کے اوپر آ کے بیٹھتا ہے، اس پر پابندی ہے کہ اس میں تو تشبیہ لازم آئے گی اللہ تعالیٰ کا تجسم لازم آ گیا کہ اللہ بھی ایک جسم ہے اور کرسی پر جو بیٹھتا ہے تو کرسی اس کو محیط ہوتی ہے کرسی بڑی ہوتی ہے اور آدمی چھوٹا ہوتا ہے اگر کرسی چھوٹی ہو اور آدمی بڑا ہو تو اس پر بیٹھے گا کیسے؟ اب یہ چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کو آپ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت کرنا چاہیں گے تو یہ خلاف واقعہ بات ہو جائے گی لیکن ایسا بھی نہ سوچیں اور پھر یہ کہیں کہ وہ کرسی نشین ہے عرش نشین ہے تو ذہن میں نہیں آتی، اب اس کی جو تعبیرات کریں گے وہ غلط ہونگی وہ واقعہ کے مطابق نہیں ہیں اس طرح فتنہ پیدا ہو جاتا ہے تو بیان کئے جاتے ہیں وہ حقائق جن پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اب جہنم کے اندر اللہ تعالیٰ نے انیس ۱۹ فرشتے قائم کر دیے اب مشرکوں نے مذاق اڑایا اور ایک کہنے لگا دس کو تو میں اکیلا سنبھال لوں گا باقی نو کو تم قابو کر لینا اب یہ ہے کہ یہ عذاب کس طرح ہوگا اور وہ فرشتے وہاں انتظام کیسے کریں گے ساری مخلوق کو کیسے سنبھالیں گے یہ سارے کے سارے ایسے حقائق ہیں جو ہمارے ذہن کی گرفت میں اس لئے نہیں آتے کہ یہ مشاہدہ میں نہیں ہیں اب وہ آگ بھی جل رہی ہے اور اس میں گرم پانی بھی ہے اور وہ لوگ آگ میں بھی جل رہے ہیں اور گرم پانی بھی پی رہے ہیں تو آگ کے اندر پانی کا کیا جوڑ اب اس قسم کی چیزوں کی چونکہ ہمارے سامنے مثالیں واضح نہیں ہیں، واقعات نہیں ہیں تو ان حقائق کو ذہن میں بٹھانا مشکل ہوتا ہے عقلمند کا کام یہی ہے کہ ان کو سنے اور سننے کے بعد مان لے اور اس

کی حقیقت اور واقعہ کو اللہ کی طرف محول کردے کیونکہ ان کو کما حقہ واضح کرنے کے لئے نہ تو آپ کی لغات میں الفاظ ہیں اور جس وقت تک واقعہ سامنے نہ آجائے اس وقت تک ہمارا ذہن اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے، اس قسم کی آیات میں منصفانہ رویہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان حقائق سے پردہ اٹھایا ہے اور ہمارے ذہنوں کے اس کو قریب کیا ہے ہماری لغت جہاں تک متحمل ہے وہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔

تو ہم اس بات کی رعایت رکھتے ہوئے مثلاً اللہ کے لئے ہاتھ کا ذکر آ گیا تو ہم اس ہاتھ کو مانیں گے کہ اللہ کے لئے ہاتھ ہے لیکن کیسا ہے یہ ہماری گرفت میں نہیں آسکتا کیونکہ مثال سامنے نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں یہ واقعہ ہے ہم اس پر ایمان لائیں گے کہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں لیکن کس طرح؟ کیا اسی طرح زبان ہلاتا ہے؟ ہونٹ ہلاتا ہے؟ ہم اس طرح نہیں کہیں گے کیونکہ یہ مثال لازم آجائے گی تشبیہ لازم آجائے گی اور تشبیہ و مثال بھی نہیں دی جاسکتی "لیس کمثله شیء" تو ان چیزوں پر ایمان لانا ان حدود کی رعایت رکھتے ہوئے یہ عقل مندوں کا کام ہے، حقیقت حال اللہ کے سپرد کردو، اسی لئے جب ہم ان صفات کو ذکر کرتے ہیں تو یوں کہہ دیتے ہیں "کمایلیق بشانه" یہ چیز اللہ کے لئے ثابت ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔

ایسے اللہ تعالیٰ کے لئے کسی کی ابنیت ثابت نہیں کی جاسکتی کہ اللہ کا بیٹا ہو یہ بات قرآن کریم میں واشگاف الفاظ میں کہہ دی گئی، "لم یلد ولم یولد" کہ نہ اللہ نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا نہ اس کا باپ نہ اس کا بیٹا، اب کوئی اس قسم کا لفظ لے کر کہ "کلمۃاللہ" آ گیا "روح الله" آ گیا جس کی حقیقت آپ کے سامنے واضح نہیں ہے اگر کوئی شخص ابنیت کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یوں سمجھو کہ محکمات کو چھوڑتا ہے اور متشابہات کے پیچھے لگتا ہے، اب اللہ تعالیٰ عیسیٰ کے متعلق واضح طور پر کہدیا کہ "ان هو الا عبد انعمنا علیه" اس کے علاوہ وہ کچھ نہیں تھا کہ ہمارا بندہ ہے اور ہم نے اس کے اوپر انعام کیا ہے یہ کتنی واضح بات ہے کہ ہمارا بندہ ہے تو جب وہ عبد ہو گیا تو معبود کیسے، جب وہ ہمارا بندہ ہے تو پھر اس کو ہمارے ساتھ شریک کس طرح ٹھہراتے ہو یہ وہ آیات ہیں جن کو ہم محکمات کہہ سکتے ہیں اور عیسیٰ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا "ان الله هوربی وربکم فاعبدوه" اللہ ہی میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب ہے تم اسی کی عبادت کرو یہ محکمات میں سے ہے مطلب اس کا بالکل واضح ہے۔

اور اب ایسے الفاظ جن کی حقیقت انسان کے بس میں نہیں ان کا سہارا لے کے اس قسم کے غلط عقیدے نکالنے کی کوشش کرنا یہ اتباع متشابہات ہے، یہ اہل علم کا کام نہیں یہ سمجھدار لوگوں کا کام نہیں سمجھدار لوگوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ جو حقائق ایسے ہیں ایسے الفاظ سے بیان کئے گئے ہیں کہ جو ہمارے سامنے واضح ہو گئے ہم ان کو تو مانیں گے ان پر تو اسی وضاحت کے

ساتھ ہی ایمان لائیں گے باقی جس کی حقیقت ہماری گرفت میں نہیں آتی ہم اس کو اللہ کے سپرد کریں گے اور اس کے ظاہر سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس پر ایمان لائیں گے، اس کی حقیقت کی گرفت کرنے کی کوشش نہیں کریں گے اور جس وقت ہم اس کی حقیقت میں زیادہ سے زیادہ کھود کرید کریں گے آگے شبہات بڑھتے ہی چلے جائیں گے یہ عقل والوں کا کام نہیں ہے کہ اس قسم کی الجھنیں پیدا کریں، ان آیات پر ظاہری الفاظ کے اعتبار سے ایمان لاؤ حقیقت اللہ کے سپرد کرو اور جو محکمات ہیں ان پر اسی تفصیل کے ساتھ ایمان لاؤ۔

بنیاد محکمات پر رکھی جاتی ہے نہ کہ متشابہات پر، متشابہات کا اتنا سا مطلب سمجھا جاتا ہے جو محکمات سے نہ ٹکرائے اس لئے اصل ہوں گے محکمات اور متشابہات کو ان کے تابع کر کے ہم مانیں گے، اور ہم کہیں گے کہ ان کی حقیقت حال اللہ جانتا ہے محکمات کے ساتھ اتنی سی مطابقت رکھنی ہے اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں، باقی اگلا معاملہ اللہ کے سپرد ہے یہ ہے ہدایت یافتہ لوگوں کا طریقہ اور جو ان کو چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کے پیچھے لگ جائیں گے ان کے نقشے کھینچنے لگ جائیں گے متشابہات کے پیچھے لگ جائیں گے تو حضور ﷺ نے بھی فرمایا کہ جس وقت تمہارے سامنے اس قسم کے لوگ آئیں جو محکمات کو چھوڑ دیں متشابہات کے پیچھے لگیں تو ان سے بچا کرو یہی ہیں اہل زیغ جن کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے۔

اور یہ جو قبر نشین ملنگ ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو جو اپنے آپ کو اہل باطل قرار دیتے ہیں ان کے پاس آپ کو بھی کبھی بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہوگا تو آپ دیکھیں گے کہ انکو کوئی کسی قسم کی باتیں ذکر کریں گے جن کو متشابہات قرار دیا گیا ہے، اور ان کو محکمات سے کوئی دلچسپی نہیں، یہی ان کے گمراہ ہونے کی نشانی ہے تو کتاب سے استفادہ کا طریقہ یہی ہے کہ محکمات پر مدار رکھو اپنے عقائد اور خیالات کی، اور متشابہات کے اوپر ایمان لاؤ اور اس کی اتنی حقیقت جتنی محکمات کے ساتھ جوڑ کھاتی ہے اتنی حقیقت اپنے ذہن میں لا کے مانو اور جو ذہن کی گرفت میں نہیں آتی اس کے اوپر ایمان لاؤ اور یہ کہو کہ حقیقت حال اللہ جانتا ہے۔

اسی کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے تیرے پر کتاب اتاری اس کتاب میں سے کچھ کچھ آیات محکمات ہیں جن کی مراد بالکل واضح ہے اور جن میں کوئی کسی قسم کا اشکال نہیں جو شخص صاحب زبان ہے تراکیب کو سمجھتا ہے، دلالت لغوی سے واقف ہے، وہ اس کے مفہوم کو فوراً سمجھ جاتا ہے یہی ہیں کتاب کی اصل، یعنی کتاب سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے انہی پر مدار رکھا جاتا ہے، اور کچھ دوسری آیتیں ہیں جو کہ متشابہات ہیں پھر وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کتاب میں سے جو آیتیں متشابہ ہیں ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں گمراہی تلاش کرنے کے لئے، ضلالت پھیلانے کے لئے اور ان ما تشابہ کا مطلب تلاش کرنے کے لئے، اور ان کی حقیقت نہیں جانتا مگر اللہ، انسان کے دماغ کی گرفت سے باہر

ہے ان کی حقیقت کو جاننا، جس وقت تک آپ آخرت میں جا کے ان چیزوں کو دیکھ نہیں لیں گے، مشاہدہ نہیں ہوگا عقل کے ساتھ اگر آپ سوچنے کی کوشش کریں گے تو سوائے اشکالات کے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور جن لوگوں نے بھی عقل کے ساتھ ان چیزوں میں سوچ و بچار کرنے کی کوشش کی وہ گمراہی کی دلدل میں جا پھنسے۔

جیسے ایک بات بیان کی گئی کہ آخرت میں اللہ کی رؤیت ہوگی ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ رؤیت ہوگی، اور اس بات کی تمنا رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا دیدار کروائے بس ہم نے اس حقیقت کو مان لیا، باقی یہ سوال کہ کیسے ہوگی دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ چیز آنکھوں کے سامنے ہو، پھر آنکھوں سے کچھ مسافت پر ہو تب نظر آئے گی بالکل ساتھ آجائے تو نظر نہیں آتی، اور زیادہ دور چلی جائے تو نظر نہیں آتی، پردہ میں ہو تو نظر نہیں آتی، اس قسم کے شبہات پیدا کر کے معتزلہ اس حقیقت کے منکر ہو گئے کہ آخرت میں کوئی رؤیت ہوگی ہی نہیں یہ عقل کے خلاف ہے، بخلاف عقل والوں کے کہ اللہ کی رؤیت ہوگی ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کیسے ہوگی کیفیت اللہ جانتا ہے، "ومایعلم تاویله الاالله" یہاں وقف لازم ہے، اور وقف لازم کا مطلب ہوتا ہے کہ مابعد والی کلام ماقبل سے منقطع ہے۔

آگے نیا مضمون ہے اور جو علم میں رسوخ پیدا کرنے والے ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں ہر قسم کی آیات ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے، عقل والوں کا کام ہوتا ہے کہ ہر چیز کو اس کے منصب پہ رکھیں اور ساتھ ساتھ اللہ سے دعا بھی کرتے رہتے ہیں کہاے اللہ ہمارے دلوں کو سیدھا رکھنا ہمارے دلوں کو کجی میں نہ ڈال دینا بعد اس کے کہ تو نے ہمیں سیدھا راستہ دکھایا، یعنی وہ اللہ سے ہدایت پر استقامت مانگتے رہتے ہیں اور ان کو اپنی عملی زندگی پر بھی کوئی غرور نہیں ہے کہ ہم جس طریق پر چل رہے ہیں ایسے ہی رہیں گے نہیں، بلکہ اس میں بھی اللہ کا سہارا تلاش کرتے ہیں تو انسان کو علم صحیح کے لئے، عمل صحیح کے لئے پھر اس پر استقامت کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیئے کہ یہ جو ہدایت انسان کو نصیب ہوتی ہے اور جو اس پر ثبات نصیب ہوتا ہے یہ محض اللہ تبارک تعالیٰ کی عنایت سے ہے۔

سرورِ کائنات ﷺ فرمایا کرتے تھے "یامقلب القلوب ثبت قلبی علیٰ دینك" اور فرماتے تھے کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے وہ جدھر چاہے گھما دے، جیسے کوئی چیز انگلیوں کے درمیان پکڑی ہوئی ہو تو اس کا گھمانا بہت آسان ہوتا ہے اس طرح " ان قلوب بنی آدم بین اصبعتین من اصابع الرحمان یقلبها کیف یشاء" جدھر چاہے گھما دیتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے چاہیئے جو دلوں کا پھیرنے والا ہے کہ ہمیں ہدایت پر، دین پر ثابت قدم رکھ، اس قسم کی دعائیں حضور ﷺ سے منقول ہیں اور وہ یہیں سے بات نکلتی ہے کہ "والراسخون فی العلم" اللہ تعالیٰ سے یہ

دعا بھی کرتے رہتے ہیں کہ کہ اے اللہ تو ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا بعد اس کے کہ تو نے سیدھے راستہ پر چلا دیا "وھب لنا من لدنك رحمة" اس رحمت کا مصداق یہاں یہی تثبیت ہے کہ ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطاء فرما بے شک تو بہت عطاء کرنے والا ہے۔

اور یہ جو ہم ہدایت اور ہدایت پر جمنے کی دعا کرتے ہیں اس میں ہم آخرت کی کامیابی چاہتے ہیں کیونکہ تو لوگوں کو اکٹھا کرنے والا ہے ایک ایسے دن میں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں یہ تیرا وعدہ ہے کہ تو اکٹھا کرے گا اور بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اور اس دن یہی ہدایت اور ہدایت پر ثابت قدمی کام آئے گی، جس کی بناء پر ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں ہدایت پر ثابت قدم رکھ جو ہدایت تو نے ہمیں دیدی ان لوگوں کی طرح نہ کرنا جو متشابہات کے پیچھے لگ کے ہدایت کے راستہ کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْ
لَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ ﴿۱۰﴾
كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ
الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ
وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي
الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ
وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ

وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ
حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُکُمْ بِخَیْرٍ مِّنْ ذٰلِکُمْ ؕ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا
عِنْدَ رَبِّہِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا
وَاَزْوَاجٌ مُّطَہَّرَۃٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ۚ
اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اِنَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ
النَّارِ ﴿۱۶﴾ ۚ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ
وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ:

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہیں آئیں گے ان کے اموال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اور یہ لوگ جہنم کا ایندھن ہیں ان کا حال فرعون کے لوگوں کے حال کی طرح ہے اور ان لوگوں کے حال کی طرح ہے جو ان سے پہلے گذرے انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا، پھر پکڑ لیا اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے، آپ کہہ دیجئے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا عنقریب تم مغلوب کئے جاؤ گے اور جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے، تحقیق تمہارے لئے نشانی ہے دو جماعتوں میں جن کی آپس میں ٹکر ہوئی تھی ایک جماعت لڑائی کرتی تھی اللہ کے راستہ میں اور دوسری جماعت کافر تھی (جو طاغوت کے راستہ میں لڑتی تھی) وہ کافر لوگ دیکھتے تھے ان مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھنا آنکھ کا (کھلی آنکھوں) اللہ تعالیٰ قوت پہنچاتا ہے اپنی مدد کے ساتھ جس کو چاہتا ہے بے شک اس میں البتہ عبرت ہے آنکھ والوں کے لئے، مزین کردی گئی لوگوں کے لئے مرغوبات کی محبت یعنی عورتیں بیٹے، جمع کئے ہوئے ڈھیر سونے اور چاندی کے اور نشان زدہ گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں خبر دوں ان سب چیزوں سے اچھی چیز کی ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے رب کے پاس باغات ہیں جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں وہ ہمیشہ رہنے والے

ہونگے ان باغات میں اور پاک صاف بیویاں ہیں اور اللہ کی طرف سے رضا ہے اور اللہ دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار بے شک ہم ایمان لے آئے پس تو بخش دے۔

تشریح:

آپ کے سامنے ذکر آیا تھا کہ ابتدائی آیات کا تعلق زیادہ تر عیسائیوں کے ساتھ اس گفتگو سے ہے جو سرور کائنات ﷺ کے سامنے ایک وفد کی صورت میں آئے تھے اور کچھ اختلافی مسائل پر انہوں نے حضور ﷺ سے گفت وشنید کی تھی، پچھلی آیات میں مسئلہ توحید کو واضح کیا گیا اور متشابہات سے جو استدلال کر کے وہ اپنے عقائد باطلہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے اس کے اوپر انکار کیا گیا، ان آیات میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ آخرت کی یاد دہانی کراتے ہیں اور اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ دنیا کی طمع اور لالچ میں آ کر جو لوگ حق کو قبول کرنے رکتے ہیں وہ اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رہے ہیں یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والی نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جانے کے بعد یہ چیزیں کچھ کام نہیں آئیں گی، کامیاب وہی لوگ ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور اللہ کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں اور اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین نہ عیسائیت ہے نہ یہودیت ہے بلکہ مقبول دین جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول کیا جائے گا وہ صرف دین اسلام ہے اور ان اختلاف کرنے والوں سے یہ کہا گیا ہے کہ یہ محض ضد کے طور پر اختلاف کرتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کی صورت میں ان کی سرداریوں میں فرق آتا ہے، اور ان کے جاہ ومال میں کمی آتی ہے جس کی بناء پر یہ قبول نہیں کر رہے ورنہ دلیل کے اعتبار سے مسئلہ بالکل واضح ہو چکا ہے۔

"ان الذین کفروا" وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ان کے کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اور یہ جہنم کا ایندھن ہیں اس لئے مال واولاد کی محبت میں مبتلا ہو کے کچھ لوگ کفر کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو برباد کرتے ہیں۔

"کدأب آل فرعون" ان کا حال فرعون کے لوگوں کی طرح ہے یہاں آل سے فرعون کے متعلقین مراد ہیں کیونکہ جس فرعون کا قرآن میں ذکر آتا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدمقابل تھا عام طور پر مشہور یہی ہے کہ اس کی اولاد نہیں تھی اس لئے یہ لفظ آل اولاد کے معنی میں نہیں ہے اور یہی دلیل ہے اس بات کی کہ لفظ آل متبعین کے لئے بولا جاتا ہے تو جس طرح آل فرعون میں فرعون کی فوجیں، فرعون کے درباری، فرعون کے متعلقین، فرعون کے متبع مراد ہیں، اسی طرح جب آل محمد ﷺ کا ذکر آئے تو اس کو بھی عمومی معنی کے طور پر حضور ﷺ کے متبعین کے لئے لے لیا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "کل تقی نقی

فھو آلی " وہ یہی مفہوم ہے، یہاں بھی آل سے متبعین مراد ہیں یعنی ان کا حال فرعون کے متبعین کی طرح ہے اور ان لوگوں کے حال کی طرح ہے جو ان سے پہلے گذرے ان سب کا مشترکہ حال یہ تھا کہ ان سب نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا تو پھر اللہ نے ان کو پکڑ لیا ان کے گناہوں کے سبب سے ان کو بھی تنبیہ کر دی گئی کہ اگر یہ بھی اسی حال پر قائم رہیں گے تو جو حال آل فرعون اور دوسرے لوگوں کا ہوا تھا وہی حال ان کا ہوگا کہ ان کو ان کے جرائم کی بناء پر اللہ تعالیٰ پکڑ لیں گے "واللہ شدید العقاب" اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

"قل للذین کفروا " اس آیت میں ایک پیش گوئی کی گئی ہے کہ ان کافروں سے کہہ دیجئے اب یہاں جو کفر کا عنوان اختیار کیا جا رہا ہے یہ بہت صراحت ہے کہ تمہارا طریقہ غلط ہے، ان کافروں سے کہہ دیجئے جو ان موجودہ حقائق کو تسلیم نہیں کرتے، سرور کائنات ﷺ پر اتری ہوئی وحی کو تسلیم نہیں کرتے ان سے کہہ دو کہ آخرت میں تمہارے مال و اولاد تو کام نہیں آئیں گے وہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے، اس کے ساتھ یہ بھی سن لیجئے کہ دنیا کا جاہ وجلال بھی ہاتھ سے نکل جائے گا "ستغلبون" عنقریب تم مغلوب کر دیے جاؤ گے، ان کافروں کا مصداق اس زمانہ کے مشرکین مکہ بھی ہو سکتے ہیں عمومی الفاظ کے طور پر ورنہ جو صراحتاً مد مقابل تھے یہود و نصاریٰ وہ بھی اس کا مصداق ہو سکتے ہیں، اور سین استقبال کے لئے ہے تو بہت جلد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان الفاظ کی صداقت لوگوں کے سامنے واضح کر دی مشرکین کا جاہ وجلال بھی سات آٹھ سال کے اندر خاک میں مل گیا اور یہودیوں کا انجام بد تو ان سے بھی پہلے سامنے آ گیا، اور عیسائی بھی سرور کائنات ﷺ کی زندگی میں ہی مغلوب ہو گئے ،اس کی پیش گوئی لوگوں نے اسی وقت اپنی کھلی آنکھوں دیکھ لی، ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے یہ تو دنیا میں ہوگا "وتحشرون الیٰ جھنم " یہ آخرت میں ہوگا اور تم جمع کئے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

باقی تم یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے پاس مال زیادہ ہے دولت زیادہ ہے ہم بڑے خاندانی لوگ ہیں ابھی ابھی تمہارے سامنے بدر کے میدان میں یہ حق و باطل کی ٹکر ہوئی تھی، اس سورت کا نزول چونکہ غزوہ بدر کے بعد ہے اس لئے آگے ایک جنگ کا نمونہ دکھایا جا رہا ہے، جس طرح سورت بقرہ میں طالوت اور جالوت کی جنگ کا نمونہ دکھایا تھا وہ چیز بیان کے درجہ میں تھی کہ یہ طالوت اور جالوت کا جو مقابلہ ہوا تھا، جالوت کے پاس اس وقت بہت بڑی قوت تھی، اس کو ہر قسم کا سامان حاصل تھا افراد کی کثرت تھی اور اس کے مقابلہ میں حق کے علم بردار جو طالوت کی قیادت میں آئے تھے وہ گنتی کے تین سو تیرہ تھے اور اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے دکھایا کہ طالوت کو فتح ہوئی اور جالوت مارا گیا وہ صرف بیان کے درجہ میں تھی اس زمانہ کے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں تھا لیکن جو بدر کا معرکہ تھا یہ تو موجودہ لوگوں نے دیکھا، ان کے سامنے ایک بات آ گئی اس کی طرف نشاندہی کی جا رہی ہے کہ ذرا اس واقعہ کو دیکھو ایک جماعت اللہ کے لئے لڑنے والی تھی، اور ایک جماعت کافر تھی

تو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کافروں کو کس طرح مسلمانوں کے ہاتھوں پٹوایا، تو تم اپنے ساز وسامان کے اوپر غرور نہ کرنا اور اپنی کثرت کے اوپر ناز نہ کرنا، جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آجائے تو پھر یہ مال واولاد یہ کثرت دنیا میں بھی کام نہیں آتی یہ ان کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اب ذرا آنکھیں کھول لو وقت بہت قریب آرہا ہے۔

تمہارے لئے نشانی ہے دو جماعتوں میں ان میں سے ایک جماعت مشرکین مکہ کی اور ایک جماعت صحابہ کی اور یہ اشارہ ہے جنگ بدر کی طرف "التقتا" جن کی آپس میں ٹکر ہوئی تھی ایک جماعت لڑی تھی اللہ کے راستہ میں اور دوسری کافر تھی جو لڑتی تھی شیطان کے راستہ میں، پھر جب میدان کے اندر دونوں جماعتیں آپس میں مدمقابل ہوئی ہیں، اس واقعہ کی زیادہ تفصیل سورۃ انفال میں آئے گی تو اس معرکہ میں مختلف احوال طاری ہوئے، واقعہ کے لحاظ سے کافر مسلمانوں سے تین گنا سے بھی زیادہ تھے، کیونکہ کفار کی تعداد ایک ہزار یا اس سے کچھ اوپر تھی اور مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی، واقعہ کے لحاظ سے تو کافر تین گنا تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو چونکہ یہ لڑائی کروانی مقصود تھی تاکہ حق وباطل کا فیصلہ مشاہدہ کے ساتھ ہو جائے۔

ابوجہل جس وقت مکہ معظّمہ سے چلا تھا تو روایات میں آتا ہے کہ بیت اللہ کا غلاف پکڑ کر اس نے اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی تھی اور یہ کہا تھا اے رب البیت آج فیصلہ ہو جائے، جو قاطع الرحم ہے جس نے رشتہ داریاں برباد کردیں، قوم میں پھوٹ ڈالدی، ہمارے حالات خراب کر دیئے، گھر گھر میں جنگ برپاء کردی جو باطل پر ہے جو قاطع الرحم ہے اس کو برباد کردے، یہ اشارہ تھا حضور ﷺ کی طرف کہ اس کو ہلاک کردے، اور وہ دعا تو قرآن کریم نے بھی نقل کی ہے جو نظر بن حارث نے کی تھی، "اللھم ان کان ھٰذا ھو الحق فامطر علینا حجارۃ من السماء اوئتنا بعذاب الیم "اے اللہ اگر یہ حق ہے جو یہ کہتے ہیں تو پھر ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا اور ہمارے اوپر عذاب الیم بھیج دے، اس طرح وہ دعائیں کر کے نکلے تھے گویا کہ ان کے نزدیک بھی معرکہ حق وباطل کے فیصلہ کا تھا۔

اور ادھر سرور کائنات ﷺ نے بھی اپنے صحابہ کو پیشین گوئیاں کی ہوئیں تھیں غلبہ کی حتی کی صحیح روایات میں موجود ہے کہ حضور ﷺ جب میدان بدر میں پہنچے ہیں تو صحابہ کہتے ہیں حضور ﷺ نے ہمیں ہاتھ لگا لگا کے حد بندی کردی تھی کہ اس جگہ فلاں شخص گرے گا، یہاں فلاں گرے گا، آپ نے نشاندہی کردی تھی، تو گویا کہ حضور ﷺ کی طرف سے بھی فیصلہ کن بات تھی اور مشرکوں کے مغلوب ہونے کی پیش گوئی کردی گئی تھی، وہیں وہیں وہ گرا، تو گویا کہ مشاہدہ کے طور پر حضور ﷺ کی حقانیت لوگوں کو دکھلا دی گئی، اور وہ خود حق وباطل کا فیصلہ طلب کر کے آئے تھے تو ان کے سامنے فیصلہ بھی آگیا، اس لئے یوم البدر کو اللہ تعالیٰ نے یوم الفرقان کے ساتھ تعبیر کیا ہے، کہ یہ حق وباطل کے درمیان فیصلہ کا دن تھا، یعنی یہ پہلی لڑائی تھی مشرکین اور مسلمین کے درمیان اور اس کی حیثیت فیصلہ کی بن گئی۔

تو پھر وہ پٹے اور اچھی طرح پٹے تو اللہ تعالیٰ نے کھلی آنکھوں دکھلا دیا کہ جب اللہ تعالیٰ غلبہ دینا چاہتا ہے تو پھر نہ کثرت کام آتی ہے نہ ہتھیار کام آتے ہیں، بلکہ جس کے ساتھ اللہ کی نصرت ہوتی ہے وہ کامیاب ہوتا ہے، تو اب آنکھیں کھول کے ذرا اس واقعہ کو دیکھ لو اس لئے اپنے مالوں پر، اپنی کثرت پر ناز نہ کرو "ستغلبون "اس کے لئے ایک نمونہ دیکھایا جارہا ہے کہ تمہارے لئے نشانی ہے دو جماعتوں میں جن کی آپس میں ٹکر ہوئی تھی ایک جماعت اللہ کے راستہ میں لڑتی تھی اور دوسری جماعت کافر تھی اب واقعہ کے لحاظ سے مشرکین کی تعداد زیادہ تھی ،لیکن آپ کے سامنے مختلف احوال آئیں گے کہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے جس وقت مسلمان کافروں کی طرف نظر دوڑاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا تصرف تھا کہ مسلمانوں کی آنکھوں پر کہ ان کو کافر تھوڑے نظر آتے تھے جیسا کہ قرآن میں ہے "یقللکم فی اعینھم "اور کافر جب مسلمانوں پر نظر ڈالتے تھے تو ان کو مسلمان تھوڑے نظر آتے تھے اور وہ واقعہ کے اعتبار سے بھی تھوڑے تھے، یہ تھوڑا نظر آنا اس لئے تھا تا کہ دونوں کے حوصلے بڑھیں اور یہ لڑنے پر تیار ہو جائیں، ایسا نہ ہو کہ اگر کافروں کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آجائے تو یہ میدان چھوڑ کے پہلے ہی بھاگ جائیں اور اللہ کا مقصد تھا کہ ان کا سر کٹوا دیا جائے ،اور مسلمانوں کے سامنے اگر ان کی تعداد بہت زیادہ ہو جاتی اور یہ بہت تھوڑے ہوتے تو اپنے سے دوگنی تعداد کے ساتھ لڑنے کا اگر چہ حوصلہ ہوتا ہے زیادہ نمایاں ہو جاتے تو ہو سکتا تھا کہ ان کے حوصلوں پر بھی اثر پڑتا۔

تو دونوں ایک دوسرے کو قلیل تعداد میں نظر آئے تو دونوں طرف سے حوصلے بڑھ گئے اور جس وقت پھر آپس میں ٹکراؤ ہو گیا اور مسلمانوں کی طرف سے فرشتے نازل ہوئے تو ان کو اپنی تعداد کافروں سے دوگنی نظر آنے لگ گئی اور اس تعداد کے دوگنی نظر آنے سے ان کے حوصلے ٹوٹ گئے ،اور لڑائی کے میدان میں اگر کسی کی ہمت پست ہو جائے تو سب سے بڑی شکست یہی ہوتی ہے جب دل میں حوصلہ نہ رہے تو پھر بازو میں بھی لڑنے کی قوت ختم ہو جاتی ہے، تو پھر وہ کافران مسلمانوں کو کھلی آنکھوں دوگنا دیکھنے لگ گئے جس سے ان کے حوصلے پست ہو گئے ، یہ ایک ذہنی انقلاب تھا، اور تصور کے طور پر اس قسم کے حالات پیدا کئے جارہے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت شامل ہے، جس کے ساتھ دشمن کا حوصلہ پست ہو گیا، تو یہ مختلف احوال پیش آئے اور یہاں جو ذکر کیا جارہا ہے یہ ایک حال ہے کہ کافر دیکھتے تھے مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا کھلی آنکھوں، اور یہ دیکھنا خلاف واقعہ تھا، اور اللہ تعالیٰ قوت پہنچاتا ہے اپنی مدد کے ساتھ جس کو چاہتا ہے، بے شک اس میں البتہ عبرت ہے آنکھوں والوں کے لیے۔

چونکہ یہ واقعہ پیش آیا اور مشاہدہ کے طور پر پیش آیا تو جن کی آنکھیں ہیں وہ جا کر دیکھیں اور ان کے حالات کو سمجھیں تو پتہ چل جائے گا کہ فتح وہی پایا کرتا ہے جس کے ساتھ اللہ کی نصرت ہوتی ہے، تو یہ ان کو نمونہ دکھایا ہے "ستغلبون" کا کہ اس

کو دیکھ کے ہوا کا رخ سمجھ جاؤ کہ اب ان کافروں کا کیا انجام ہونے والا ہے تو اپنے مال واولاد پر ناز چھوڑ دو بڑے بڑے فرعون اور سرکش پہلے گزرے ہیں جب اللہ تعالیٰ ان کو جرموں اور گناہوں کی بناء پر پکڑنا چاہتا ہے تو پھر کسی کی فرعونیت سامنے رکاوٹ پیدا نہیں کرتی۔

آگے دوسرے انداز میں تنبیہ ہے کہ انسانوں کے سامنے دنیا کی چیزیں اور دنیا کی مرغوبات بڑی مزین ہیں ان کو بڑی خوبصورت لگتی ہیں اور ان کی محبت میں مبتلا ہو کے انسان حق کو چھوڑ دیتا ہے اب جتنی چیزیں یہاں شمار کی گئی ہیں یہی ہیں جن کے ساتھ دنیا میں انسان کا تعلق ہوتا ہے، پہلے نمبر پر عورتیں ہیں، سب سے زیادہ مشتہیات میں یہی شامل ہیں، ان کی طرف رغبت ہوتی ہے، اور پھر دوسرے نمبر پر بیٹے ہیں، پھر سونا چاندی کے ڈھیر، گھوڑے، عرب میں لوگ فخر زینت اور دفاع کے لئے سب سے زیادہ ترجیح گھوڑوں کو دیتے تھے، چوپائے چونکہ شہری زندگی اور شہری تمدن اختیار کرنے سے قبل لوگوں کی بدویانہ زندگی میں یہ چوپائے ہی تھے جو گزر اوقات کا ذریعہ تھے ان کا دودھ پینا، ان کے اوپر سواری کرنا، ان کے چمڑوں اور بالوں سے فائدہ اٹھانا، اسی کا ساتھ ہی گزر اوقات ہوتا تھا۔

پھر کھیتیوں کا ذکر ہے یہ چیزیں ہیں دنیا کی مرغوبات اور ان کی محبت انسان کے قلب میں پیوست ہے اور ان کی محبت میں ہی انسان سب کچھ کرتا ہے، بیوی حاصل کرنے کے لئے، اولاد کی محبت میں، مال دولت اکٹھا کرنے کے لئے، گھوڑے اور جانور اکھٹے کرنے کے لئے، کھیت اور باغات کے لئے، یہی ہے محنت انسان کی اور ساری صلاحیتیں انسان انہی کو حاصل کرنے کے لئے صرف کرتا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے، دنیاوی زندگی کے اندر انسان کے بڑے بڑے مقاصد یہی ہیں، ساری نقل وحرکت انہی کی وجہ سے ہی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " ذٰلك متاع الحيوة الدنيا " یہ تو دنیوی زندگی کا سامان ہے، جتنی دیر تک تمہیں سانس آرہا ہے تمہاری آنکھیں کھلی ہیں ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے ہو۔

اور یہ بھی مشاہدہ ہے کہ جب سانس ختم ہوا زندگی ختم ہوئی تو یہ سب چیزیں گئیں، نہ بیوی ساتھ جاتی ہے، نہ بیٹے ساتھ جاتے ہیں، نہ سونا چاندی ساتھ جاتا ہے، نہ گھوڑے بیل ساتھ جاتے ہیں، نہ باغات اور کھیت ساتھ جاتے ہیں، یہ چند روزہ دنیوی سامان ہے جس کو آپ استعمال کر لیتے ہیں اور مرنے کے بعد یہ کام نہیں آتا اللہ تعالیٰ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں اس سے ایک اچھی چیز بتاؤں جو ملے گی ان لوگوں کو جو تقویٰ اختیار کریں گے یہ اس کے حاصل کرنے کا طریقہ بتادیا، اور وہ اچھی چیز ہے "جنات تجری من تحتها الانهار" باغات جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں ہمیشہ رہیں گے اس میں اور پاک صاف ستھری بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا ہے یہ چیزیں ہیں جن کو اس سارے سامان کے مقابلہ میں بہتر قرار دیا گیا ہے۔

توجہ کرنا پیچھے چھ چیزیں شمار کی گئیں ہیں اور یہاں مقابلہ میں صرف تین چیزیں ذکر کی گئیں ہیں، باغات، ازواج مطہرہ، اللہ کی رضا، اور ان چھ کے مقابلہ میں ان کو بہتر قرار دیا گیا ہے، وہ اس طرح کہ وہاں پہلے ذکر آیا تھا نساء کا یہ انسان کے لئے تلذذ کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں، یہ جیسے دنیا میں تلذذ کا ذریعہ ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو آخرت میں بھی جنت کے اندر تلذذ کا ذریعہ بنائے گا، اس کے بغیر انسان کی زندگی تکمیل نہیں ہے، اس کے بغیر انسان اپنی زندگی میں بہت سارا خلا پاتا ہے، تو بیویاں خوشحال زندگی کا ایک جزو لازم ہیں، باقی دنیا کے اندر جو بیٹیوں کی محبت ہے یہ محبت اپنی ایک خاص غرض کے تابع ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ بیٹے ہونگے میرے ساتھ کاروبار میں معاون ہونگے، میں مر جاؤں گا میری جائیداد کو سنبھالیں گے، بوڑھا ہو جاؤں گا تو بڑھاپے میں یہ ہاتھ کی لاٹھی ہیں، انسان کے لئے سہارا بنتے ہیں، اور اغراض کے تحت انسان ان کی پریشانیاں اٹھاتا ہے، ان کو پالنے کی، ان کے اخراجات کی، یہ سب اسی مقصد کے تحت کرتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ آخرت میں یہ مقاصد نہیں ہیں، نہ تو بوڑھا ہونے کا ڈر ہوگا، نہ موت کا اندیشہ ہے، اس لئے وہاں اولاد کی چاہت انسان میں نہیں ہوگی اور حدیث شریف میں صراحتاً آتا ہے کہ اگر کسی کے دل میں ایسی تمنا پیدا ہو بھی گئی کہ میرے ہاں بیٹا ہو تو آناً فاناً اولاد بھی اس کے سامنے آجائے گی، لیکن ایسے کوئی نہیں چاہے گا، اگر چاہے گا تو ہو جائے گا۔

اور اسی طرح سونا چاندی کے ڈھیر یہ بھی بذات خود مقصود نہیں ہیں اس لئے مقصود ہے کہ ان کے ذریعہ ضروریات زندگی خریدی جاتی ہیں، آپ کو کپڑوں کی ضرورت ہے تو سونا چاندی سے آپ کو کپڑا ملے گا، آپ کو خوراک کی ضرورت ہے تو سونا چاندی خرچ کر کے آپ اپنی خوراک مہیا کر لیں گے، اور اگر سونا چاندی کو ضروریات میں صرف نہ کیا جائے تو صرف رکھا ہوا یہ انسان کے کسی کام نہیں، اور آخرت میں ضروریات خود بخود پوری ہوں گی، خرید وفروخت کی ضرورت ہی نہیں ہوگی اس لئے سونا چاندی کی بھی کوئی چاہت نہیں ہوگی، اور ویسے جنت میں سونا چاندی کی کمی بھی نہیں ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مکانات سونے کے ہوں گے، کسی درخت کا تنا سونے کا، کسی کا چاندی کا، کوئی برتن سونے کے، کوئی چاندی کے، لیکن وہاں سونے اور چاندی کی انسان کے دل میں نہ محبت ہوگی اور نہ ہی ضرورت ہوگی۔

اور آگے ہے گھوڑے گھوڑے سواری کے لئے مطلوب ہیں کہ ایک جگہ سے سفر کر کے دوسری جگہ جانا ہے اور دشمن سے دفاع کے لیے مطلوب ہیں اور جنت میں یہ دونوں باتیں نہیں ہوں گی، نہ دفاع کی ضرورت ہوگی اور نہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے کے لئے سواری کی ضرورت ہوگی، لیکن اس کے باوجود جنت میں گھوڑے ہوں گے لیکن ان کی محبت اور ضرورت وہاں ختم ہوگی، اور ایسے ہی انعام وحرث ہیں کہ یہ چوپائے آپ کے دودھ کے لئے مطلوب ہیں اور جنت میں دودھ کی نہریں چلیں گی، ضرورت ہی نہیں کہ آپ بکریاں پال کر اس میں سے دودھ نکالیں، اور اس قسم کی دوسری ضرورتیں بھی

ساری کی ساری پوری ہوں گی حقیقت سمٹ کر "جنات تجری من تحتھاالانھار "کے اندر آجاتی ہے۔

اورعورتوں کے اندر جو بھلائی کی پہلو ہے اس کوازواج مطہرہ میں لے لیا گیا، اور دنیا کی عورتوں میں جو مضرت کا پہلو ہے اس کومطہرہ کے لفظ سے کاٹ دیا، کہ اخلاق کی اچھی ہوں گی، شکل کی صاف ستھری ہوں گی، آپ پر کسی قسم کا ان ضروریات کا بوجھ نہیں ہوگا، تو یہ سارے کا سارا معاملہ یہ مکمل ہو گیا، اور سب سے بڑی بات یہ ہوگی کہ دنیا کے اندر ایک شخص کو جو اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھتا ہے یہ فکر لگا رہتا ہے کہ کہیں اللہ ناراض نہ ہو جائے اور یہ ناراضگی کا تصور یہ بھی سوہان روح ہے، انسان کے لئے پریشانی کا باعث ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس پریشانی کو بھی دور کردیں گے ،"رضوان من اللہ" یہ اللہ کی طرف سے رضا کا اعلان جنت کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ہوگی ،اس کے ملنے سے انسان اتنا خوش ہوگا اور جنتی اس میں اتنا لطف لیں گے کہ جنت کی کسی نعمت میں اتنا لطف نہیں آئے گا۔

اور پھر ان نعمتوں کے چھن جانے کا اندیشہ نہیں ہوگا ،جیسا کہ دنیا میں کہہ دیا"ذٰلك متاع الحیٰوۃ الدنیا " اور "خالدین فیھا" میں اس کا بھی ازالہ کردیا، تو گویا کہ انسان کو جس قسم کی عیش مطلوب ہے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اکمل طریقہ سے وہ مرنے کے بعد جنت میں نصیب ہوگی، لیکن ہوگی ان لوگوں کو جوتقویٰ اختیار کرتے ہیں، اس لئے ان مشتبہات کے پیچھے اپنے آپ کو خراب نہ کروان کے ساتھ تعلق رکھو بقدر ضرورت، اوران کو چھوڑنا بھی نہیں ہے کہ دنیوی زندگی میں ان کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن قلب کے اندر غالب آ کے اللہ کی نافرمانی کا ذریعہ نہ بنے، ان کو اپنی زندگی کے لئے ایک وسیلہ کے لئے اختیار کرواور اصل مقصود اللہ کی عبادت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت ہو تب جا کے معاملہ ٹھیک رہے گا، جیسے بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ یہ دنیا کا مال، دنیا کا سامان، اوراس کے متعلقین ان سب کی مثال پانی جیسی ہے اور انسان کا قلب ایک کشتی کی طرح ہے اگر پانی کشتی کے نیچے رہے تو کشتی کے سفر میں معاون ہے اور اگر وہی پانی کشتی کے اندر داخل ہو جائے تو کشتی کے غرق ہونے کا ذریعہ ہے پھر کشتی ڈوب جاتی ہے۔

اسی طرح اگر آپ کے پاس پیسے ہوں گے، مال ہوگا، مکان ہوں گے، چیزیں ہوں گی، لیکن ہوں گی دل سے باہر باہر تو یہ اللہ کی عبادت، اللہ کی اطاعت، اللہ کی فرمانبرداری کے لئے ذریعہ بنیں گی، پیٹ میں روٹی ہو تو انسان اللہ کو اچھی طرح یاد کرسکتا ہے ،اور اگر بھوکا ہو تو بسا اوقات اس پریشانی کے اندر ہی اپنے خیالات کو کھودیتا ہے ،اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا ،اور دوسری ضروریات اگر پوری نہ ہوں تو انسان انہی کے اندر ہی گھل گھل کر مرجاتا ہے اور جب یہ چیزیں ہوں تو ظاہری اسباب کے اعتبار سے اطمینان ہوگا تو انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہوتا ہے، لیکن اگر یہ انسان کے قلب میں داخل ہو گئے تو یہ ذرائع جو تھے یہ مقاصد بن جائیں گے تو انسان کی زندگی کا رخ ہی

بدل جائے گا، پہلے تو ان کو آپ نے ذریعہ بنانا تھا، اللہ تعالیٰ کی عبادت کا پھر اپنی ساری زندگی کو جس وقت آپ ان کی خدمت میں لگادیں گے تو ساری زندگی ان کے پیچھے برباد ہوگئی، اور حاصل کچھ بھی نہ ہوا۔

جیسے ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "خوردن برائے زیستن وذکر کردن است تو معتقد که زیستن ازبهر خوردن است" کہ اصل میں اللہ تعالیٰ نے کھانے کا سلسلہ اس لئے بنایا ہے تاکہ تم زندہ رہو اور اللہ کو یاد کرو اور ہم نے اعتقاد ایسا بنالیا کہ شاید زندگی ہی کھانے پینے کے لئے ملی ہے، تو زندگی کا رخ بدل گیا حالانکہ کھانا پینا تو اس لئے تھا تاکہ زندگی باقی رہے اور اللہ کو یاد کریں اور ہمارا رخ یہ ہے کہ جیسے ہم پیدا ہی کھانے پینے کے لئے ہوئے ہیں، جب دیکھو رات دن، صبح شام، یہی کھانے اور کمانے کے چکر ہیں، تو زندگی بے مقصد ہو کر رو گئی، کیونکہ کھانا یہ مقصود نہیں ہے جو ہم نے مقصد سمجھ لیا ہے، اور اسی طرح یہ اشیاء ہیں ان کو وسیلہ کے طور پر تو استعمال کر سکتے ہو لیکن اگر ان کو اپنے دل میں داخل کر لیا تو پھر زندگی کا رخ بدل جاتا ہے پھر انسان اپنی ساری صلاحیتیں انہی چیزوں کے پیچھے خرچ کر دیتا ہے، تو جو اللہ کی طرف سے ملے گا وہ بہتر ہوگا اور ملے گا ان لوگوں کو جو تقویٰ اختیار کریں گے، اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

"الذین یقولون ربنا" یہ "الذین اتقوا" سے بدل ہے اور یہاں متقین کے احوال بیان کئے ہیں کہ متقین وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار بے شک ہم ایمان لے آئے ہم نے تیرے احکام کو مان لیا ہے، اب مان لینے کے بعد عملی زندگی کے اندر ہم سے بہت کوتاہیاں ہوں گی "فاغفر لنا ذنوبنا" ہمارے ان ذنوب کو تو معاف کر دے اور یہ جذبہء استغفار اسی طرح پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا احساس کرنے کے بعد اپنی طاعت وعبادت کا جب ان کے ساتھ موازنہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہم تو اللہ کی نعمتیں زیادہ استعال کرتے ہیں، اور اس کے مطابق ہم عبادت نہیں کر سکتے، پھر یہ احساس پیدا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلائیں اور استغفار کریں، ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا۔

"الصابرین" یہ بھی متقین کی ہی صفت ہے کہ جو صبر کرنے والے ہیں اور صبر کا مفہوم یہ ہے کہ جو مستقل مزاج ہیں، ثابت قدم ہیں، مصیبت میں بھی نہیں گھبراتے، اور اسی طرح معصیت کی طرف اگر توجہ ہوتی ہے تو وہاں بھی اپنے نفس کو روک رکھتے ہیں، طاعت سے اگر طبیعت ہٹتی ہے تو بھی اس کے اوپر اپنی طبیعت کو جماتے ہیں، تو یہ صبر کی تینوں نوعیں ہیں کہ مصیبت میں صبر کرنا، معصیت سے صبر کرنا، طاعت پر صبر کرنا، مستقل مزاج ہونے کا معنی یہی ہے کہ طاعت پر جمے رہیے چاہے طبیعت ناگوار گزرے، معصیت سے بچے رہیے چاہے طبیعت نہ چاہے، مصیبت کے وقت میں اپنے آپ کو سنبھالیے شکوہ شکایت نہ کیجئے، یہ سارے کا سارا صبر کا مفہوم ہے۔

"صادقین "جو اپنے قول وعمل کے سچے ہیں، جو زبان سے کہتے ہیں کردار وعمل بھی ویسا ہی ہے۔

"قانتین "جو اللہ کے سامنے فروتنی اختیار کرنے والے ہیں، اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں، اس کی اطاعت کرنے والے ہیں۔

"منفقین "جو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے ہیں، مال کی محبت میں اس طرح مبتلا نہیں کہ جمع کرنے کی ہی فکر ہو بلکہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود پھر صبح کے وقت میں اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کرتے ہیں، اپنی کوتاہیاں پھر بھی پیش نظر ہیں، اور استغفار کے لیے جو اسحار کا وقت ذکر کردیا یہ وقت قبولیت کا گویا کہ سب سے اچھا وقت ہے، اسحار یہ سحر کی جمع ہے اور یہ رات کے آخری چھٹے حصے کو کہتے ہیں، مدارج میں لقمان حکیم کا یہی قول نقل کیا گیا ہے کہ "یابنی لا یکن الدیك اکیس منك ینادی بالاسحار وانت نائم " بیٹا خیال کرنا کہیں مرغا تجھ سے زیادہ ہوشیار ثابت نہ ہوجائے، وہ تو صبح کے وقت اٹھ کے آوازیں دیتا ہے اور تو سویا رہ جائے یہ مناسب نہیں ہے، تو تمام انبیاء کی تعلیمات میں اور سرور کائنات ﷺ کی طرف سے تو خاص طور پر اس وقت کی بہت زیادہ اہمیت بیان کی گئی ہے۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ صبح کے وقت اللہ تبارک ورتعالیٰ بندوں کو خود آواز دیتے ہیں، کہ کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے، اور میں اس کی دعا کو قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے استغفار کرے اور میں اس کے گناہ معاف کردوں، کوئی ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کی حاجت پوری کردوں، اس طرح کہتے رہتے ہیں حتی کہ طلوع فجر ہوجاتی ہے، تو جب اللہ تبارک وتعالیٰ خود بلائیں اور خود دعوت دیں بندوں کو استغفار کی، دعا کرنے کی اس سے اچھا وقت قبولیت کا اور کونسا ہوسکتا ہے، طبعی طور پر بھی یہ وقت دل جمعی کا ہوتا ہے، کہ صبح کے وقت نہ زیادہ بھوک کا نہ انسان کا پیٹ زیادہ بھرا ہوا، نہ کسی قسم کی کوئی دوسری مشغولیت ہوتی ہے، ساری مخلوق ساکن صامت ہوتی ہے، سکون اطمینان کا وقت ہوتا ہے، کسی طرف سے طبیعت میں کوئی پریشانی کی بات نہیں ہوتی، ایسے وقت میں جب انسان اللہ کی طرف توجہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت کی زیادہ توقع ہوتی ہے، تو متقین کے لئے خاص طور پر اس بات کو ذکر کردیا گیا کہ "والمستغفرین بالاسحار" جو رات کے آخری حصوں میں استغفار کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرنے والے ہیں۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا
بِالْقِسْطِؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ
الْاِسْلَامُ۫ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ
هُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ
الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَمَنِ
اتَّبَعَنِؕ وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْؕ فَاِنْ
اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْاۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ
بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ
حَقٍّۙ وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِۙ فَبَشِّرْهُمْ
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا
وَالْاٰخِرَةِ٘ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ:

اللہ نے گواہی دی بے شک شان یہ ہے کہ کوئی معبود نہیں مگر وہی اور فرشتوں نے گواہی دی اور علم والوں نے گواہی دی اس حال میں کہ اللہ قائم رکھنے والا ہے انصاف کو، کوئی معبود نہیں مگر وہی وہ زبردست ہے حکمت والا ہے، بے شک (پسندیدہ) دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہے اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جو کتاب دیئے گئے، مگر بعد اس کے کہ ان کے پاس علم آ گیا، اختلاف کیا آپس میں ضد کی وجہ سے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے پس بے شک اللہ جلدی حساب لینے والے ہیں، پھر اگر یہ لوگ آپ سے محبت بازی کریں تو آپ کہہ دیجئے میں نے سپرد کر دیا اپنے چہرے کو اللہ کے

لئے اور اس شخص نے جس نے میری اتباع کی ،اور آپ کہہ دیجئے ان لوگوں کو جو کتاب دیئے گئے اور کہہ دیجئے امیوں کو کیا تم اپنے آپ کو سپرد کرتے ہو اگر وہ بھی اپنے آپ کو سپرد کردیں تو وہ ہدایت یافتہ ہو گئے ،اور اگر انہوں نے پیٹھ پھیری تو سوائے اس کے نہیں تیرے ذمہ تو پہنچا دینا ہے ،اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو ،بے شک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ کی آیات کا اور قتل کرتے ہیں نبیوں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان لوگوں کو جو حکم دیتے ہیں انصاف کا لوگوں میں سے انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیدو یہی لوگ ہیں کہ ان کے اعمال ضائع ہو گئے دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

تفسیر:

اس سورت کی ابتداء مسئلہ توحید کے ساتھ کی گئی تھی جیسا کی آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ اس کے شان نزول میں اس وقت کے عیسائیوں کی گفتگو سرور کائنات ﷺ کے ساتھ مذکور ہے اور ان کے ساتھ چونکہ خصوصیت کے ساتھ گفتگو توحید پر ہی ہوئی تھی اور وہ عیسیٰ کی الوہیت کے قائل تھے تو اس کو باطل کیا گیا تھا تو مختلف پہلوؤں کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سورت میں توحید کو نمایاں کیا ہے اور یہاں سے پھر اس عقیدہ توحید کو دوسرے انداز سے واضح کیا گیا ہے کہ اللہ گواہ ہے کہ اس کے بغیر کوئی معبود نہیں اس بات پر اللہ کی شہادت ہے ،اللہ تعالیٰ کی شہادت کے مختلف پہلو ہیں شہادت آفاقی دنیا کا نظام جو چل رہا ہے ،زمین ،آسمان ،سورج ،چاند ستارے ،ہواؤں کا نظم ،اس میں اگر غور کیا جائے تو یہ سارے کا سارا نظام اس بات کے اوپر گواہ ہے کہ اس کے بنانے والا کوئی موجود ہے ،یہ خود بخود موجود نہیں ،اس طرح یہ اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل بنتے ہیں ،اور پھر یہ کسی ایک ہی صاحب حکمت کی کارفرمائی ہے ،جس کے اندر متعدد ہاتھوں کا تصرف نہیں ،اگر متعدد ہاتھ اس کے اندر متصرف ہوتے تو یہ نظام قائم نہ رہ سکتا ،اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس انداز کے ساتھ بھی توحید کو ثابت فرمایا ہے ،اس کو آفاقی دلیل کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے ،جو اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور توحید پر قائم فرمائی ہے۔

دوسری دلیل نفسی ہے کہ انسان اگر اپنے اندر غور کرے تو "وفی انفسکم افلاتبصرون" اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے دلائل خود تمہارے اندر بھی موجود ہیں اگر تم سوچو تو تمہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل تمہارے اندر سے بھی سمجھ میں آجائے گی ،اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں کسی قسم کی حکمت رکھی ہے خاص طور پر اگر آپ دل اور دماغ کا مطالعہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے دل کو کیا بنایا ہے اور اس میں جتنی اللہ تعالیٰ کی قدرت نمایاں ہے کہ کیسے کیسے اس میں متضاد جذبات ہیں ،وہی ایک ہی دل ہے جس میں غصہ بھی ہے اور محبت بھی ہے ،اس میں نفرت بھی ہے اور شوق بھی ہے ،اور انسان کا دماغ کیا کمال لئے ہوئے ہے ،اور اس طرح باقی اعضاء ،اس مشین پر اگر آپ غور کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی نمایاں ہے اور اس کی

وحدانیت بھی انسان کو سمجھ میں آجاتی ہے، تو اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعدد آیات میں خود انسان کو اس کی اپنی خلقت کی طرف متوجہ کیا ہے۔

اور تیسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ کی توحید کی شہادت وحی کے ذریعہ سے بھی ہوئی کہ اللہ نے جتنی وحی اتاری حضرت آدم سے لیکر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک اس سب کے اندر اس مضمون کو واضح کیا کہ اللہ ایک ہے اور اس کے ساتھ کوئی کسی قسم کا شریک نہیں مختلف آیات کے اندر اس کو بھی ذکر کای گیا ہے کہ جو بھی نبی آیا جو بھی رسول آیا اس کی طرف یہی وحی کی گئی کہ "انه لا اله الاهو "اس کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی شہادت کے یہ مختلف پہلو ہیں، آفاقی دلائل بھی قائم کئے، نفسی دلائل بھی قائم کئے، اور اس طرح وحی کے اندر بھی اس شہادت کو قائم کیا کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہے، یہ مسئلہ توحید اتنا اہم ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو اتنا واضح کیا ہے۔

اور اللہ کے فرشتے بھی اس بات پر گواہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں، اللہ کے فرشتے اپنی تسبیحات میں اپنے اذکار میں اس بات کی گواہی دیتے ہیں ان کے اذکار کے اندر بھی "سبحان الله والحمد لله ولااله الاالله " شامل ہیں اپنی زبان سے بھی وہ اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور اپنے عمل کے ساتھ بھی وہ صرف ایک ذات کے مطیع اور فرمانبردار ہیں کسی اور ذات کے نہیں اور اس کے حکم کے پابند ہیں، ملائکہ کو خاص طور پر ذکر کر دیا اگر چہ ان کی تسبیح ہم سنتے نہیں ہیں، اور ان کی شہادت ہم اپنے کانوں سے سن نہیں سکتے، لیکن اللہ نے اپنی کتاب کے اندر ان کی شہادت کو ذکر کر کے ان لوگوں کے عقیدہ کے اوپر رد کی جو ملائکہ کو اس کارخانہ ہستی کے اندر اللہ کا شریک بناتے ہیں، اور ان کو معبود بنا کر ان کو پوجتے ہیں اور ان کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں، ان کے سامنے اس بات کو نمایاں کر دیا کہ جن کو تم اپنا کارساز سمجھتے ہو وہ سارے کے سارے خود بھی اپنی زبان کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کا تعلق اسی ایک ہی ذات کے ساتھ ہے، تو جو اپنی زبان سے بھی دعویٰ کریں کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں، الٰہ کا لفظ کسی دوسرے کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا اور خود بھی وہ مطیع اور فرمانبردار اسی ذات کے ہیں تو کوئی اٹھا کے انہی کو ہی اللہ کا شریک کرے اور اس کارخانہ ہستی کے اندر ان کو حصہ دار بنائے تو اس سے بڑھ کر اور حماقت کیا ہو سکتی ہے۔

"الوا العلم "، علم والوں نے اس بات کی گواہی دی یعنی جن لوگوں کے پاس علم ہے وہ سارے کے سارے لوگ بھی یہی شہادت دیتے ہیں اور س علم کے حاملین اول نمبر پر انبیاء علیہم السلام ہیں سب نبیوں نے اپنی زبان کے ساتھ یہی گواہی دی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں اور دوسرے نمبر پر انبیاء کے متبعین میں سے مصلحین مجددین، اولیاء، علماء جو انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے علوم حاصل کرتے ہیں اور ان کو اپناتے ہیں اور ان کے علم کی سند صحیح ہے، وہ سارے اس

بات پر گواہ ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا معبود نہیں اور دنیا میں رہتے ہوئے انسانوں نے انسانوں کو جو معبود بنایا ان کے اندر اولیت انہی کو حاصل ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کو پوجا، جو اپنے زمانہ میں کوئی بزرگی لئے ہوئے تھے ان کو پوجا، مشائخ کو، علماء کو، درویشوں کو، حالانکہ اگر ان کے پاس علم صحیح تھا تو وہ سارے کے سارے اس بات پر گواہ تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں، تو جس طرح فرشتے اپنی زبان سے گواہی دیں کہ اللہ ایک ہے اور اس کی خدائی میں اس کا کوئی دوسرا شریک نہیں اور دنیا انہی کو ہی خدا بنالے اور اللہ الوہیت میں شریک کرلے یہ حماقت ہے، اسی طرح صحیح علم رکھنے والے وہ تو اپنی زبان کے ساتھ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ ایک ہے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں اور اپنے عمل کے ساتھ بھی گواہی دیتے ہیں کہ اطاعت اور فرمانبرداری صرف اسی کی کرنی ہے اور لوگ انہی کو ہی اللہ کی الوہیت میں شریک کرلیں تو اس سے بڑھ کر حماقت اور کیا ہوسکتی ہے۔

اس ضمن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات بھی آگئی، اور حضرت عزیر علیہ السلام اور احبار ورہبان کی بھی آگئی کہ اگر ان کے پاس صحیح علم ہے تو وہ سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں، تو ایسی صورت میں ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کا کوئی مطلب نہیں، اور اس سے علم کا درجہ بھی نمایاں ہوگیا کہ اہل علم کی شہادت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی شہادت اور ملائکہ کہ شہادت کو ساتھ ذکر کیا ہے گویا کہ جو صحیح علم کے حامل ہوتے ہیں ان کا درجہ فرشتوں کی طرح ہے اس شہادت کے بعد اس لئے اس سے اس علم کی فضیلت بھی نمایاں ہے۔

"قائما بالقسط "اور اللہ نے جو وحدانیت کی گواہی دی وہ اس حال میں کہ وہ قائم رکھنے والا ہے انصاف کو یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جو ساری کائنات میں انصاف کو قائم رکھے ہوئے ہے، اس انصاف کو قائم رکھنے کی صفت ذکر کرنے کے ساتھ وہ عیسائیوں کی شفاعت کا عقیدہ، کفارہ کا عقیدہ جو بالکل انصاف کے خلاف ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی، گناہ کوئی کرے اور سزا کسی اور کو ہو جائے یہ انصاف کی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کائنات کے اندر انصاف کو قائم رکھے ہوئے ہے، عدل اور اعتدال کو قائم رکھے ہوئے ہے، تکوینی طور پر بھی اور تشریعی طور پر بھی، ساری کائنات کے نظم کو دیکھیں کہ اگر یہ نکتہء اعتدال سے ہل جائے تو یہ قائم نہیں رہ سکتی، سورج کی حرکت اسی نکتہ اعتدال پہ ہے، چاند کی حرکت وہ بھی ایک نکتہ اعتدال پہ ہے، اور جتنے بھی تصرفات دنیا کے اندر چلتے ہیں وہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے قائم کئے ہوئے عدل وانصاف اور اعتدال کے ساتھ چلتے ہیں، جس طرح اگر ان کا عدل ختم ہوجائے اور جو اللہ تعالیٰ نے قانون عدل ان کو دیا ہوا ہے اگر یہ خود چھوڑ بیٹھیں تو ایک لمحہ کے لئے کائنات ٹھیک نہیں رہ سکتی، سارے کا سارا نظام بگڑ جائے گا۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے نظریات میں، عقائد میں، عمل میں اپنی تعلیم کے ساتھ لوگوں کو نکتہ اعتدال بتایا ہے کہ

عقائد کے بارے میں نکتہ اعتدال یہ ہے، عمل کے بارے میں نکتہ اعتدال یہ ہے، افراط وتفریط اس نظم کو خراب کردینے والی بات ہے، اور اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے جزاء اور سزا کے اندر بھی ایک انصاف اور میزان قائم کی ہے اور قاعدہ کی رو سے وہ عدل وانصاف کرے گا اور لوگوں کو جزا اور سزا دے گا، احکام کے اندر بھی قانون عدل ہے، جزا اور سزا کے اندر بھی قانون وعدل ہے، اس لئے جھوٹے عقیدے جس میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل میں نقص پڑتا نظر آتا ہے وہ سب عقیدے غلط ہیں، اور یہ کفارہ کا عقیدہ یہ بالکل عدل کے خلاف ہے کہ گناہ کرے کوئی اور سزا کسی کو دیدی جائے، یہ اللہ تعالیٰ کے انصاف کا تقاضا نہیں ہے، تو یہاں "قائماً بالقسط "خصوصیت کے ساتھ اس صفت کو ذکر کردیا گیا ہے۔

تو تشریعات میں بھی اللہ تعالیٰ آپ سے عدل ہی چاہتا ہے اور تکوینیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں عدل واعتدال کو قائم رکھا ہوا ہے، قوموں کی تاریخ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ قوموں سے مطالبہ یہی ہے کہ اس عدل واعتدال کے ساتھ رہیں لیکن اگر قومیں اس نکتہ کو چھوڑ دیتی ہیں اور بے اعتدالی اختیار کرلیتی ہیں تو ان کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہات آتی ہیں لیکن اگر وہ باز نہیں آتیں تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ایسی بے اعتدالی اور بدنظمی کو برداشت نہیں کرتا، انسان کو چونکہ اس نے مختار بنایا اس لئے عدل کا قانون تو ان کو دیا ہے اور اس کے اوپر چلنے کا مطالبہ کیا ہے اگر چلتے رہیں تو ٹھیک اگر نہیں چلتے تو بار باران کو تنبیہ کی جاتی ہے سمجھایا جاتا ہے کہ سیدھے راستہ پر آجاؤ، عدل وانصاف کو اختیار کرلو، لیکن اگر وہ عدل وانصاف کے راستہ پر نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ تو "قائماً بالقسط "ہے، اس نے تو عدل وانصاف کو قائم رکھنا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو صفحہ ہستی سے مٹادیتا ہے، اگر اپنے ارادے کے ساتھ سیدھے رہیں گے تو رضا حاصل کرکے ثواب پالیں گے اور اگر وہ سیدھے نہیں رہتے تو اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ تنبیہات کے ذریعہ سے سیدھا کرتا ہے، رسولوں کے ذریعہ سے سمجھاتا ہے، مصلحین کے ذریعہ سے تفہیم کرتا ہے لیکن اس کے باوجود اگر وہ نہیں مانتے تو پھر اس کے عدل کے قائم کرنے کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو پھر صفحہ ہستی سے مٹادیتا ہے۔

"لاالٰہ الا ھو" کوئی معبود نہیں اس کے علاوہ وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے یعنی ہر قسم کی قدرت اس کو حاصل ہے اس لئے وہ انصاف کو قائم رکھ سکتا ہے اور حکیم ہے حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ انصاف کو قائم رکھے۔

"ان الدین عنداللہ الاسلام "مقبول دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اسلام یہ اسلم سے ہے اور اسلم کا معنی اپنے آپ کو سپرد کردینا، کامل اور مکمل طور پر اطاعت قبول کرلینے کو اسلام کہتے ہیں، ابتداء سے ہی اللہ تعالیٰ کی نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے، جو نبی آیا وہ اسلام کا ہی مدعی ہے اور اسلام کی ہی اس نے تعلیم دی ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے جو حکم آجائے اس کے سامنے اپنی گردن رکھ دے اس لئے ہر نبی کا دین اپنے وقت کے اندر اسلام کا مصداق تھا ، کیونکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بیان فرمائے اس کو قبول کرلو، آدم ہو گئے، نوح ہو گئے، دعوت یہی ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردو جو حکم آجائے پس اس کو قبول کرلو، اس لئے جو نبی بھی آیا اور اس نے جو دین پیش کیا اور جنہوں نے اس دین کو قبول کرلیا گویا کہ وہ مسلم ہو گئے، آخر آخر میں یہ بات آکر ٹھہر گئی سرور کائنات ﷺ پر اب اسلام آپ کے ہی طور طریقے کا نام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے علاوہ کوئی دوسرا دین نہیں آیا، جو آپ کے لائے ہوئے دین کو قبول کریں گے وہی مسلم کا صحیح مصداق ہیں، اور یہی اسلام کے حامل ہیں، اب اس کے مقابلہ میں بعض خصوصیات قائم کر کے اڑی اختیار کرلی کہ اللہ تعالیٰ نے جو موسیٰ پر دین اتارا تھا ہم تو اسی کو مانیں گے اور دوسرے کو ہم نہیں مانتے، تو اب یہ اسلام نہ رہا یہ یہودیت بن گئی، جب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلہ میں اس پر ضد اختیار کرلی گئی تو اسلام والا معنی اس سے ختم ہو گیا، اب وہ یہودیت ہے۔

اسی طرح اگر عیسیٰ علیہ السلام کے لائے ہوئے دین پر کوئی اڑ گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارا پیغمبر تھا جو وہ لایا ہم تو وہی قبول کریں گے کتنی ہی صحیح سند کے ساتھ کوئی دوسرا حکم آجائے ہم اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تو اب اس سے اسلام والا معنی ختم ہو گیا ان اس میں نصرانیت آگئی یہ تعصب اور ضد ہے، جس کی وجہ سے لوگوں نے اپنے آپ کو ایک ایک فرقہ پر پکا کرلیا، اور یہ سوچنا ہی چھوڑ دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا حکم آرہا ہے اور کیا نہیں آرہا، اب یہودیت اسلام کا مصداق نہیں، ہاں موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہی اسلام کا مصداق تھی، اب نصرانیت اسلام کا مصداق نہیں ہاں عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یہی اسلام کا مصداق تھی ،لیکن جب اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا جذبہ ختم ہو گیا اور گروہ بندی آگئی، تعصب آگیا اور اس پر انسان پختہ ہو گیا، اب ان نظریات سے اسلام کا معنی ختم ہو گیا، لہٰذا اب یہ دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں رہے اب یہ مردود ہو گئے اور جو بھی اس دین کو لے کر اللہ تعالیٰ کے ہاں جائے گا وہ کوئی کسی قسم کا اجر وثواب نہیں پائے گا، کیونکہ اب اس میں ضد اور تعصب کے سوا کچھ نہیں رہا، تو اسلام سے مراد ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قانون آئے اسی کو ماننا اور اب نتیجۃً سرور کائنات ﷺ کے طور طریقے پر یہ لفظ بولا جاتا ہے کیونکہ اللہ کی فرمانبرداری کا تقاضہ یہی ہے کہ اسی کو قبول کیا جائے اب اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے طریقہ کو اپنایا نہیں جاسکتا، اب اسلام کا مصداق حضور ﷺ کی شریعت اور آپ کا لایا ہوا دین ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول یہی ہے۔

”وما اختلف الذین اوتوا الکتاب “اختلاف نہیں کیا ان لوگوں نے جو کتاب دیے گئے مگر علم آجانے کے بعد ہر چیز کی واقفیت حاصل ہو جانے کے بعد انہوں نے اختلاف کیا اور اختلاف کیا آپس میں ضد کی بناء پر، یہودی بضد ہیں اپنے

مسلک پر عیسائیت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، ہر قسم کی خبر و علم حاصل ہو جانے کے بعد جب انہوں نے آپس میں اپنی دنیوی جاہ وجلال کی خاطر، دنیوی عزت کی خاطر، اپنے مال و دولت کی خاطر جب انہوں نے یہ تعصب اختیار کرلیا تب یہ اختلاف برپاء ہوئے اور لوگ اسلام سے پھر کر دوسرے فرقوں کی طرف متوجہ ہو گئے، یہ ضد ہے جس کی بناء پر انسان اپنے مسلک کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں جس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح دلیل بھی آ چکی ہے، اور جو کوئی انکار کرے گا اللہ کی آیات کا پس بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

"فان حاجوك" اب یہ نصرانی اور یہودی اگر آپ کے ساتھ حجت بازی کریں جھگڑنے کی کوشش کریں تو آپ انہیں صاف کہہ دیجئے کہ ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو حکم آ جائے ہم تو اس کو مان لیتے ہیں اور جنہوں نے میری اتباع کی انہوں نے بھی اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیا تو یوں سمجھو کہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کردیا، ہمارے اردو کے محاورے میں چہرہ کا لفظ نہیں آتا، ہمارے محاورہ میں عام طور پر سر کا لفظ بولا جاتا ہے، کہ فلاں کے حکم کے سامنے میں نے سر جھکا دیا تو سر جھکا دینا جس طرح قبول کرنے اور اطاعت اختیار کرنے سے کنایہ ہوتا ہے اسی طرح عربی لغت میں وجہ کا لفظ کسی کے حکم کو قبول کرنے اور اپنے آپ کو اس کا مطیع بنانے سے کنایہ ہوتا ہے، ہمارے محاورے کے مطابق بات اس طرح ہوگی کہ میں بھی اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا اور میرے متبعین نے بھی اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا، ہم تو اللہ کے حکم کے مقابلہ میں سر نہیں اٹھاتے تم سرکشی کرتے ہو تو کرتے رہو۔

"وقل للذين اوتوا الكتاب" آپ کہہ دیجئے ان لوگوں کو جو کتاب دیے گئے اس کا مصداق بھی یہود و نصاریٰ ہیں۔

"والاميين" اس کا مصداق مشرکین مکہ ہیں عربی لوگ جن کے ہاں تعلیم کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا، یہ لقب ہے بنی اسماعیل کا یعنی تورات وانجیل کے اندر بھی اگر بنو اسماعیل کا لقب آیا ہے تو امیین کے لفظ کے ساتھ ہی آیا ہے، کیونکہ اہل کتاب کے مقابلہ میں ان کو امی قرار دیا جاتا تھا، اور وہ بھی اپنے لئے بسا اوقات یہی لفظ استعمال کیا کرتے تھے اور اس میں وہ اپنے لئے کوئی تحقیر نہیں سمجھتے تھے، جیسے سرور کائنات ﷺ نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں فرمایا "نحن امة امية لانكتب ولانحسب" ہم تو امی قسم کے لوگ ہیں نہ ہم لکھنا جانتے ہیں نہ ہم حساب جانتے ہیں، "الشهر هكذا هكذا هكذا" ایک مرتبہ تو ہاتھ کے اشارے سے اس طرح فرمایا اور اپنے ہاتھوں کی ساری انگلیاں کھولیں کہ اس کے تیس دن ہوتے ہیں، اور کبھی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "هكذا هكذا هكذا" اب تیسری مرتبہ ایک انگلی بند کر لی یعنی کبھی مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے اس طرح انگلیوں کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا، تو آپ نے "نحن امة امية" جو فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ لقب کے طور پر استعمال ہوتا تھا اس میں کوئی تحقیر کا پہلو نہیں ہے، اور یہ لفظ جاہل اور ان پڑھ کے معنی میں بھی آتا ہے

لیکن بنو اسماعیل کے لئے بطور لقب کے تھا۔

اور سرور کائنات ﷺ کے لئے بھی امی کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے آپ کے لئے اس لفظ میں اعزاز ہے کہ آپ جس قسم کے علوم و معارف ظاہر کیے یہ کسی مدرسہ میں پڑھنے کا نتیجہ نہیں آپ تو امی تھے، آپ نے کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا، کسی مدرسہ کے اندر داخل نہیں ہوئے اور علوم و معارف ایسے ظاہر کیے کہ بڑے بڑے عقلمند عاجز آ گئے تو اس لئے آپ کا امی ہونا آپ کے لئے شرف ہے۔

"اء سلمتم "ان سے پوچھیئے کہ کیا تم بھی اپنے آپ کو اللہ کے تابع کرتے ہو یا نہیں؟ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ کیا تم بھی اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکاتے ہو؟ اگر یہ تیار ہو جائیں کہ ٹھیک ہے ہم بھی اللہ کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں تو ٹھیک ہے پھر یہ ہدایت یافتہ ہو گئے پھر جھگڑا ہی ختم ہو گیا، یعنی جھگڑا اس بات پر ہے کہ ہم نے تو اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا، تم جھکاتے ہو یا نہیں؟ اگر وہ کہدیں کہ ہم اللہ کے سامنے نہیں جھکتے تو پھر ان کا راستہ اور ہے تمہارا راستہ اور ہے، پھر آپ کا اس میں کوئی قصور نہیں، پھر ان کا براہ راست اللہ تعالیٰ سے جھگڑا ہے آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا، اور اگر یہ بھی تیار ہو جائیں کہ ہوں ہم بھی اللہ کے حکم کو مانتے ہیں اور اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکاتے ہیں، تو پھر اختلاف ختم اور آپس میں اتفاق ہو گیا جیسے تم ہدایت یافتہ اسی طرح یہ بھی ہدایت یافتہ ہیں، ان سے فیصلہ یوں کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے یہ جھکتے ہیں یا نہیں جھکتے اگر جھک جائیں تو ہدایت یافتہ ہیں اور اگر پیٹھ پھیر کر چلے جائیں تو پھر آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں " فانما علیك البلاغ والله بصیر بالعباد" اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے ہر کسی کا حال اس کے سامنے ہے۔

"ان اللذین کفروا بآیات الله "بے شک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ کی آیات کا اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں، نبیوں کو ناحق قتل کرنا یہ یہودیوں کا کام تھا انہوں نے کئی نبی قتل کئے او یہاں ان کی مذمت بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ پیٹھ پھیریں اللہ کے حکمت کو نہ مانیں تو آپ کے لئے یہ چیز باعث تعجب نہیں ہونی چاہیئے یہ تو نبی کے قاتلوں کی اولاد ہے جنہوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کیا اور نبیوں کو قتل کرتے رہے، اور جو بھی ان کے سامنے عدل وانصاف کا حکم لے کر آیا اس کے سامنے سرکشی کرتے رہے، تو ایسے لوگوں سے اگر اس قسم کا رویہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے احکام کو نہیں مانتے تو آپ کے لئے یہ بات باعث تعجب نہیں ہوئی چاہیئے، وہ خاندانی طور پر ان صفات کے حامل ہیں، ان کو صرف یہی سنا دو کہ اگر تم نے اس راستہ پر چلنا ہے اور جو اللہ کے احکام لے کر آئے تم نے اس کے مقابلہ میں سرکشی کرنی ہے تو تمہارے لئے دردناک عذاب ہے اور دنیا و آخرت میں تم ذلیل ہو کر رہو گے اور تمہارا کوئی انجام نہیں ہے یہی لوگ ہیں جن کے اعمال برباد ہو گئے دنیا میں بھی آخرت میں بھی، آخرت میں برباد ہونا تو ظاہر ہے کہ ان کی کاروائیاں جو ان کے خیال کے مطابق اچھی ہے

جن کو یہ نیک خیال کرتے ہیں، ان کے اوپر آخرت میں کوئی کسی قسم کا ثواب مرتب نہیں ہوگا اور دنیا کے اندر بھی ان کی اس نیکی کوئی قیمت نہ رہی اور ایسے دین اسلام کو مٹانے کے لئے یہ جتنی کاروائیاں کرتے ہیں سب بے اثر ہو جائیں گی یہ ذلیل ہو کے رہیں گے، تو دنیا وآخرت میں ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور نہیں ہے کوئی ان کے لئے کسی قسم کا کوئی مددگار کہ جب اللہ تعالیٰ کی گرفت آئے گی تو کوئی شخص ان کو بچا نہیں سکے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٣﴾ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٤﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ
الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ
وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ
شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ ۡ
وَتُخْرِجُ الْحَىَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَىِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ
تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِىْ
شَىْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ
وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِىْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ

يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ
مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا
بَعِيْدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾ قُلْ
اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾

ترجمہ:

کیا آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کی طرف جو دیے گئے کتاب سے ایک حصہ بلائے جاتے ہیں وہ اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ یہ اللہ کی کتاب ان کے درمیان فیصلہ کردے پھر بھی پیٹھ پھیرتا ہے، ان میں سے ایک فریق اور وہ ہیں ہی اعراض کرنے والے، اور یہ اس سبب ہے کہ بے شک یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں آگ مگر چند گنتی کے دن اور ان کو دھوکہ میں ڈال دیا ان کے دین کے بارے میں ان باتوں نے جو یہ تراشتے ہیں، پھر کیا حال ہوگا ان کا جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے ایسے دن میں جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، اور پورا دیا جائے گا پر نفس جو اس نے کیا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے، آپ کہہ دیجئے اے اللہ! اے سلطنت کے مالک تو دیتا ہے سلطنت جس کو چاہتا ہے اور تو ذلیل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے، بھلائی تیرے ہاتھ (قبضہ) میں ہے بے شک تو ہر چیز پہ قدرت رکھنے والا ہے، داخل کرتا ہے تو رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے تو دن کو رات میں، اور تو نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور تو نکالتا ہے بے جان کو جاندار سے، اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے شمار مؤمن نہ بنائیں کافروں کو دوست مؤمنوں کو چھوڑ کر اور جو ایسا کرے گا تو یہ اللہ تعالیٰ کی دوستی سے کسی درجہ میں نہیں ہے مگر یہ کہ تم ان سے بچاؤ اختیار کرو، اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اسی کی طرف ہی لوٹنا ہے، آپ کہہ دیجئے اگر تم چھپاؤ ان چیزوں کو جو تمہارے دلوں میں ہیں یا تم اس کو ظاہر کرو اللہ اسے جانتا ہے، اور جانتا ہے اللہ تعالیٰ

ان چیزوں کو جو آسمان میں اور جو زمین میں ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے، جس دن پائے گا ہر نفس اپنے اچھے کیے ہوئے عمل کو حاضر اور اپنے برے کیے ہوئے عمل کو حاضر تو وہ نفس چاہے گا کہ کاش کہ اس نفس کے درمیان اور اس دن کے درمیان لمبی مدت ہوتی (یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا) اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ نرمی کرنے والا ہے، آپ کہہ دیجئے اگر تم محبت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے، آپ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر انہوں نے اعراض کیا تو (وہ کافر ہیں) پھر اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

تفسیر:

شروع سورت سے آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ ابتدائی آیات زیادہ تر حضور ﷺ کا جو عیسائیوں کے ساتھ مکالمہ ہوا تھا اسی کے مضمون پر مشتمل ہیں، ابنیت مسیح کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا، اللہ تعالیٰ کی توحید کا مسئلہ زیر بحث آیا تھا، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول دین کا تذکرہ آیا تھا، ان سب مضامین کی وضاحت پچھلی آیات میں آپ کے سامنے کی گئی تھی، اگلی آیات بھی اسی مضمون سے تعلق رکھتی ہیں جس میں یہ کہا گیا تھا کہ اگر یہ لوگ اعراض کریں تو کہہ دو کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور پھر ان کی خاندانی مذمت کی گئی تھی کہ یہ تو انبیاء کو قتل کرتے رہے ہیں، اور قسط اور انصاف کا حکم دینے والے انسانوں کو برداشت نہیں کرتے یہ آپ پر ایمان کس طرح لائیں گے، آپ ان سے اچھی توقعات وابستہ نہ کریں اگر یہ نہ مانیں تو یہ ان کی خاندانی صفات ہیں اور انہیں دردناک عذاب کی خبر دیدو، دنیا و آخرت میں اب ان کے حصے میں خسارہ ہے، ان کی کاروائیاں نہ آخرت میں رنگ لائیں گی اور نہ دنیا کے اندر یہ کسی کامیابی سے ہم کنار ہونگے۔

اسی مضمون کے متعلق اگلی آیت ہے کہ یہ کیسے لوگ ہیں خود اپنے آپ کو حامل کتاب قرار دیتے ہیں اور واقعی ان کے لئے تورات و انجیل کی کچھ بچی کھچی آیات ہیں جن کے یہ حامل ہیں اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا یہ فیصلہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو جائیں لیکن جب ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے فیصلہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ اعراض کر جاتے ہیں پھر یہ اللہ کی بات بھی ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اور یہ جو اتنے ڈھیٹ ہو گئے ہیں کہ موقع پر تولی اختیار کر لیتے ہیں، اعراض اختیار کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بات کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتے، تو ان کی اس سرکشی کے اندر ان کے برے عقیدوں اور غلط نظریات کا دخل ہے کہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں "نحن ابناء الله واحباؤه" ہم اللہ کے لئے بیٹوں کی طرح ہیں اور اس کے محبوب ہیں اس لئے اول تو ہم جہنم میں جائیں گے ہی نہیں آخرت میں ہمارے بڑے ہم کو چھڑالیں گے، بڑوں کی

طرف جو ہماری نسبت ہے وہ کام آجائے گی اس لئے اول تو جہنم میں جائیں گے ہی نہیں نجات پہلے ہی ہو جائے گی ، اگر بالفرض چلے بھی گئے تو تھوڑی بہت سزا ہوگی سزا پا کر ہم چھوٹ جائیں گے ،تو جب انہوں نے اپنے خیال کے مطابق آخرت کی نجات کو اپنے لئے رجسٹری کرایا ہوا ہے تو پھران کو کیا ضرورت ہے کسی دین کی پابندی کرنے کی اور کیا ضرورت ہے یہ سوچنے کی کہ ہمارے اوپر کیا ذمہ داریاں آتی ہیں اور کیا نہیں آتیں ، یہ غلط نظریہ اور غلط عقیدہ انسان کو بد عملی کی طرف لے جاتا ہے ،عمل پر برانگیختہ کرنے والی چیز تو یہی ہے کہ انسان یہ سوچ کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے میں پیش ہونا ہے ،اپنے عملوں کا میں نے حساب دینا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے پکڑ لیا تو کوئی چھڑانے والا نہیں ، جب یہ بات ذہن کے اندر بیٹھی ہوئی ہوگی تو پھر انسان پھونک پھونک کے قدم رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو ماننے کی کوشش کرے گا اور نافرمانیوں سے بچنے کی کوشش کریگا۔

آج بھی اگر کسی عدالت کے اندر آپ کی پیشی ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ عدالت میں انصاف ہوگا اور اگر میرا قصور ثابت ہو گیا تو پکڑا جاؤں گا ، گرفتار ہو جاؤں گا ، اور پھر وہاں نہ رشوت کام آئے گی اور نہ کوئی سفارشی کام آئے گا ،تو یقیناً آپ عدالت کے قانون کا احترام کریں گے اور کوشش کریں گے کہ ہمارے اوپر کوئی فرد جرم عائد نہ ہو ،لیکن اگر آپ کو یہ سہارا ملا ہوا ہے کہ حاکم وقت رشوت لے کے چھوڑ دیتا ہے یا کسی بڑے آدمی کی سفارش کا سہارا ملا ہوا ہے ،تو آپ مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ ایسا شخص پھر قوانین کا احترام نہیں کیا کرتا پھر وہ آزادانہ زندگی گزارتا ہے ،ظلم کرے گا ،قتل کرے گا ،لوگوں کو نقصان پہنچائے گا صرف اس وجہ سے کہ اس کے اوپر قانون کی حکمرانی نہیں ہے ، وہ اپنے اوپر قانون کی گرفت نہیں ہونے دے گا ، اور انہوں نے بھی ایسے ہی عقیدے گھڑ لئے تھے یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی عدالت بھی ایسی ہی ہے کہ ہم چونکہ بڑوں کی اولاد ہیں اور بڑوں نے ہمارے بہت کچھ کر رکھا ہے ، جب ہم جائیں گے تو اس نسبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کہے گا جاؤ جنت تو تمہارے لئے ہی ہے ، ”لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ “اور اگر کسی وجہ سے گرفت میں آ بھی گئے تو یا ہمارا بڑا کوئی سفارش کر دے گا یا کوئی اور بات ہوگی کہ جائیں گے اور برائے نام سی سزا ہوگی اور نکل آئیں گے تو یہ جو انہوں نے اپنے دین کے اندر غلط عقیدے گھڑ لئے ہیں اس نے ان کو دین کے معاملہ میں دھوکہ میں ڈال دیا ہے ، یہ دین کی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کرتے ان کی آزادانہ روش ان کے انہی نظریات کا نتیجہ ہے ، یہی بات اس آیت میں کہی گئی ہے کہ ”ذلک بانھم “کہ یہ ان کی تولی اور ان کا اعراض اس وجہ سے ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہرگز آگ نہیں چھوئے گی مگر چند گنتی کے دن اور” ما کانوا یفترون“ کے تحت بھی اسی قسم کے عقیدے اور نظریے ہیں ، جن کو سورۃ بقرہ کے اندر ” تلک امانیھم “ سے تعبیر کیا گیا تھا ، کہ یہ انکی بنائی ہوئی خواہشات ہیں ان کے دل کے اندر پکائے ہوئے خیالات ہیں یہ وقت پر ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے جو باتیں انہوں نے گھڑ لی ہیں وہ دین کے بارے میں ان کو جب پیشی ہوگی تو جو کیا ہوا ہوگا پورا پورا بھگتنا پڑے گا ، وہاں نہ نسبتیں کام آئیں گی

نہ سفارشیں کام آئیں گی ،اس وقت کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جواب بھول بھلیوں میں اپنا وقت گزار رہے ہیں، جو اس قسم کے خیال پلاؤ پکا پکا کے خوش ہو رہے ہیں ان کا کیا حال ہوگا جس وقت ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے ایسے دن میں جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں ،یقینی طور پر وہ دن آنیوالا ہے، ہر نفس کو اس کا کیا ہوا پورا پورا دیدیا جائے گا اور ان کی حق تلفی نہیں کی جائے گی ،اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ، یہاں تک کہ ان کے نظریات کی تردید کر کے ان کے ذہن پر یہ فکر ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی عدالت کو دنیا کی عدالتوں کی طرح نہ سمجھو وہاں جانا بھی ضروری ہے بچ نہیں سکتے اور پھر جس وقت حساب وکتاب ہوگا تو اللہ تعالیٰ قسط اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا اور ہر نفس کو اس کا کیا ہو پورا پورا دیدیا جائے گا اور تمہارے یہ نظریات اس وقت " هباءً منثوراً " ہو جائیں گے،اور تمہارے کوئی کام نہیں آئیں گے اس لئے بے فکری کو چھوڑ دو اور کچھ اپنے دماغ کے اندر اس بات کا فکر لے آؤ۔

پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے تک ہر قسم کی دینی ،علمی ریاست ان کو حاصل تھی اور اب ان کے زوال کا وقت آ گیا تھا،اب بنی اسرائیل کو چھوڑا جا رہا تھا، گرایا جا رہا تھا،اور وہ اس دنیا کے اندر اپنی اس خاندانی عزت وشرافت سے محروم ہو رہے تھے اور بنی اسماعیل کو ابھارا جا رہا تھا،اب یہ قوم ابھر رہی تھی، علم بھی ان کی طرف آ رہا تھا، دینی ریاست بھی ان کی طرف آ رہی تھی ،اور ظاہری حکومت بھی ان کی طرف آ رہی تھی ،اب آگے دعا کے پیرائے میں یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کو بعید نہ سمجھو کہ ایک قوم کو گرا دیا جائے اور دوسری قوم کو ابھار دیا جائے ،ایک قوم کو ملی ہوئی عزت چھین لی جائے اور دوسری قوم کو عزت دیدی جائے ،اور ایک فاقہ مست قوم کا بادشاہ بنا دیا جائے،اور خزانہ والوں کو گداگر بنا دیا جائے ، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بات بعید نہیں ہے اس لئے چلنے والی ہوا کا رخ پہچانو، آنے والے حالات کا کچھ اندازہ کرو اب یہ عزت تم سے چھن رہی ہے اور کسی دوسری قوم کو مل رہی ہے، اب ذلت تمہارا مقدر ہو چکی ہے، اگر تم باز نہیں آؤ گے تو پھر یہی دن تمہیں دیکھنے پڑیں گے، ہاں البتہ اس نبی کا دامن پکڑ تو جب ان کو عزت ملے گی تو ساتھ تم بھی باعزت بن جاؤ گے۔

یہ آنے والی آیت کا ماقبل کے ساتھ ربط ہو جائے گا، گویا کہ یہ اسی سلسلہ کی آیات ہیں جو یہود ونصاریٰ کو خطاب کیا جا رہا ہے اور انتقال اقتدار اور انتقال ریاست کی نشاندہی اس دعا کے ضمن میں کر دی ، ویسے ان آیات کے شان نزول میں یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ جس وقت غزوہ خندق پیش آیا جس کو غزوہ احزاب کہتے ہیں اس کی تفصیل سورۃ احزاب میں آئے گی، مشرکین اور عرب کے سارے کے سارے قبائل اکٹھے ہو کے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو گئے تھے،اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے مشورہ کیا کہ اتنے بڑے دشمن کا مقابلہ کھلے میدان میں نکل کر مشکل ہوگا، سلمان فارسی کے مشورہ کے ساتھ مدینہ کے اردگرد ایک بہت بڑی خندق کھودی جا رہی تھی تاکہ دشمن مدینہ منورہ میں نہ آ سکے اس طرح دفاع ہو جائے گا بہت لمبی اور گہری خندق

کھودی گئی جس وقت وہ خندق کھودی جارہی تھی اس وقت ایک چٹان سامنے آگئی جو کسی طریقہ سے اکھڑتی نہیں تھی، صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کدال لے کے خود نیچے اترے جس وقت آپ نے پورے زور کے ساتھ اس چٹان پر ضرب لگائی تو چٹان بھی ٹوٹی اور اس سے آگ کا ایک شعلہ نکلا، تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں بشارت ہو اللہ نے مجھے اس کے اندر روم کے محلات دکھادیے ہیں، اور پھر دوسری چوٹ ماری پھر ایک شعلہ نکلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حیرہ اور فارس کے علاقہ کے محلات دکھادیے ہیں، اور تیسری مرتبہ صنعاء اور یمن کے متعلق فرمایا کہ مجھے وہاں کے محلات نظر آئے ہیں اور مجھے امید ہے کہ میری امت ان سب علاقوں پر قبضہ کرے گی، اور تین ضربوں کے ساتھ وہ چٹان بھی ریزہ ریزہ ہوگئی اور کھدائی کا کام پھر جاری ہوگیا۔

تو منافقین جو مدینہ کے اندر محصور تھے جن کی ہمدردیاں کافروں اور مشرکوں کے ساتھ تھیں، یہودیوں کے ساتھ تھیں جب انہوں نے یہ بات سنی تو انہوں نے استہزاء کیا کہ عربی قبائل سے ڈر کر مدینہ کے اردگرد خندق کھودنے والے کہ کہیں دشمن مدینہ پر نہ چڑھ آئے وہ فارس اور روم کی فتوحات کے خواب دیکھتے ہیں، جب انہوں نے اس طرح استہزاء کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو دعا کے انداز میں یہ بشارت دی گئی کہ یہ کوئی مشکل نہیں ہے ٹھیک ہے کہ آج تمہیں یہ کمزور نظر آتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلہ میں کچھ مغلوب سے نظر آتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے اختیار میں سب کچھ ہے اصل مالک الملک وہ ہے اس لئے جس کو چاہے سلطنت دیدے اور جس کا چاہے دے کے چھین لے، اس میں تعجب کی کونسی بات ہے اور دعا کے انداز میں اس لئے ذکر کی گئی تاکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع اور انکسار کو اپنائیں اور ہاتھ پھیلا پھیلا کے اللہ سے مانگتے رہیں تاکہ ان ک اندر تکبر اور کوئی بڑائی نہ آئے، اور فتوحات کو اپنا استحقاق نہ سمجھنے لگ جائیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح ہاتھ پھیلائیں جس طرح کوئی محتاج ہاتھ پھیلایا کرتا ہے، چنانچہ اس دعا کے اندر جو کچھ کہا گیا تھا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس کے آثار بالکل نمایاں ہوگئے، اور سارا عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی زیر نگیں آگیا، اور باقی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں روم وفارس کی طاقتیں بھی ٹوٹ گئیں جو بشارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی وہ ساری کی ساری لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آگئی تو شان نزول کے تحت بھی آیات کا مطلب یہی ہوا اور جس سلسلہ کے اندر یہ آیات رکھی ہوئی ہیں اس کے تحت بھی یہی پیش گوئی کردی گئی کہ یہ باعزت قومیں ذلیل ہوں گی اور جن کو ذلیل سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ ان کو عزت دے گا، یہ بادشاہ قسم کے لوگ اب زوال میں آجائیں گے اور جو فقراء سمجھے جاتے ہیں اب اللہ تعالیٰ ان کو عزت سے نوازے گا، اس دعا کے اندر یہ پیش گوئی صاف لفظوں میں آگئی، اور اس کا مصداق چند سالوں کے اندر اندر ہی لوگوں کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔

اس لئے فرمایا آپ کہہ دیجئے اے اللہ اے سلطنت کے مالک جس میں ذکر کر دیا کہ سلطنت کا اصل مالک اللہ ہے تو جس کو چاہتا ہے سلطنت دے دیتا ہے یعنی سلطنت کسی کا ذاتی حق نہیں ہے اللہ کے دینے سے ملتی ہے جس کو چاہے دیدے اور جس سے چاہے سلطنت کو چھین لیتا ہے، اور تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو تو چاہتا ہے ذلت دیدیتا ہے، یعنی مطلب یہ ہے کہ کوئی دوسرا رکاوٹ نہیں پیدا کرسکتا، ورنہ اللہ عزت اسی کے متعلق ہی چاہے گا جن کا کردار اچھا ہوگا، جن کے حالات اچھے ہونگے، اور ذلت انہی کے متعلق ہی چاہے گا جو اپنے اصولوں کو چھوڑ بیٹھیں گے اور اللہ کے احکام سے روگردانی کریں گے، اللہ کی مشیئت کو ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ مالک ومختار ہے اس کے فیصلہ کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، بھلائی تیرے قبضہ میں ہی ہے، یہاں خیر کا لفظ بولا ساتھ شر کا لفظ نہیں بولا اگرچہ عزت کا ملنا خیر ہے اور بظاہر کسی قوم کو ذلت نصیب ہو جائے اس میں شر کا پہلو ہے اور اسی طرح ملک کا ملنا خیر ہے اور کسی شخص سے سلطنت کا چھن جانا اس کے حق میں یہ شر کا پہلو ہے۔

لیکن یہاں شر کو ذکر نہیں کیا گیا "بیدك الخیر" میں صرف خیر کو ذکر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کے اندر جو حالات پیش آتے ہیں شخصی طور پر انفرادی طور پر کسی قوم کی سطح پر چاہے ان کے حق میں برے ہوں لیکن نظام عدل کے تحت دنیا میں جو کچھ پیش آتا ہے مجموعی طور پر وہ خیر ہی خیر ہے چاہے شخصی طور پر کسی کے لئے نقصان دہ ہی کیوں نہ ہو مجموعہ عالم کے اعتبار سے خیر ہے، جیسا کی صاحب متنبّی کہتا ہے کہ کسی قوم پر اگر مصیبت آتی ہے تو کسی دوسری قوم کا اس میں فائدہ بھی ہوتا ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس میں کلیۃ شر ہی شر ہو خیر کا کوئی پہلو بھی نہ ہو مجموعہ عالم کے اعتبار سے اس میں یقیناً خیر کا پہلو ہوتا ہے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو وہی مقصود ہے اور نظام عالم کے اعتبار سے چونکہ اس میں خیر ہی خیر ہے اس لئے اللہ کے ہر فیصلہ کو ہم خیر سے تعبیر کریں گے، اللہ کے کسی فیصلہ کے اندر شر کا پہلو نہیں ہے۔

اس لئے یہاں صرف خیر کا ذکر کیا گیا ہے، جیسا کہ مفتی محمد شفیع صاحب مثال دیتے ہیں کہ یہ بال ان کو اگر بدن سے علیحدہ کرکے دیکھا جائے تو کوئی حسن معلوم نہیں ہوتا، بلکہ اس سیاہ دانہ کو اگر آپ علیحدہ کرکے دیکھیں گے تو یہ ایک قابل نفرت سی چیز ہے اور بالوں کے اندر بھی کوئی کسی قسم کا حسن نمایاں نہیں ہے لیکن جس وقت یہ مجموعہ جسد میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں تو یہ کتنی خوبصورتی کا باعث ہوتے ہیں اس طرح اگر واقعہ کو علیحدہ کرکے دیکھا جائے تو ممکن ہے کہ اس میں آپ کو کوئی خیر کا پہلو نظر نہ آئے لیکن جس وقت اس کو نظام عالم کے اندر سیٹ کرکے دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا کے نظام میں اس کا خیر کا پہلو ہی غالب ہے اور اس نظام عالم کے اعتبار سے یہ بہت اہم واقعہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیصلہ بھی ہو وہ سارا کا سارا خیر کا پہلو ہی لئے ہوئے ہوتا ہے۔

"انك علىٰ كل شيء قدير" بے شک تو ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے، اللہ کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں تو " کل شیء " سے مراد یہاں یہی عزت ذلت، ملک کا لینا، ملک کا دینا ہے اور آج تو اس کی مثالیں اتنی عام ہیں کہ آپ کھلی آنکھوں ان کا مشاہدہ کرسکتے ہیں کہ شاہ ایران کی کل کیا حیثیت تھی اور آج کیا حیثیت ہے، یعنی اب تو بادشاہوں کا انجام اس طرح سامنے آتا ہے کہ انسان پناہ مانگتا ہے کہ اللہ کسی کو بادشاہ نہ بنائے کہ یہ کل عزت کے کس مقام پر تھے اور آج ذلت کے کس مقام پر ہیں، بہرحال دنیا کے اندر اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عزت ذلت ، ملک کا ملنا، ملک کا چھن جانا یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے تو کوئی قوم یہ ناز نہ کرے کہ اب یہ سلطنت ہمارے پاس ہے تو کوئی چھین نہیں سکتا یا فلاں قوم کو ہم نے دبایا ہوا ہے، وہ کبھی ابھر نہیں سکتی یا عزت ہمارے لئے ہے اور ذلت دوسروں کا مقدر ہے ایسی بات نہیں ہے، عزت، ذلت اور ملک یہ سب دھوپ چھاؤں کی طرح آنے جانے والی چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیئت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں عزت دے دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں ذلت کی طرف دھکیل دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں سلطنت عطاء کردیتے ہیں، اور جس سے چاہتے ہیں چھین لیتے ہیں، لیکن چاہتے ہیں کسی قاعدے اور قانون کے مطابق جو اس نے اپنی حکمت کے تحت متعین کیا ہوا ہے، مشیئت کا ذکر صرف اس لئے ہے کہ کوئی دوسرا اللہ کے فیصلوں کے سامنے رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔

"تولج اليل فى النهار" یہ زمانہ پر اللہ تعالیٰ کا تصرف کتنا نمایاں ہے، اور دن اور رات کا چکر چونکہ سورج اور چاند وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے تو گویا کہ چاند، سورج، ستارے یہ زمین و آسمان کی گردش یہ سب اللہ کے تصرف کے تحت ہے اس میں بھی اس کی قدرت کا احاطہ معلوم ہوتا ہے، وہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں کہ کبھی دن آگیا کبھی رات آگئی، اور اسی طرح کبھی رات چھوٹی ہوگئی دن بڑا ہوگیا، اور کبھی دن چھوٹا ہوگیا رات بڑی ہوگئی "وتخرج الحی من الميت" یہ تصرف ہے جو عالم ارواح میں چلتا ہے کہ زندہ کو بے جان سے نکالتا ہے اصل بے جان اور اس میں سے جاندار چیز نکال دی جیسے پانی کی بوند سے انسان بنادیا، انڈہ بے جان ہوتا ہے، اس میں سے بچہ نکال دیا، اور اس طرح بے جان کو جاندار سے نکالتا ہے، مرغی جاندار ہوتی ہے اور اس میں سے بے جان انڈہ نکال دیا، انسان جاندار ہے اور اس میں سے پانی کا قطرہ بے جان نکال دیا، یہ تو حسی طور پر ہیں اور اگر اس میت اور حی کو عام لے لیا جائے تو عالم اور جاہل بھی اس سے مراد ہوسکتے ہیں، کہ عالم کی اولاد جاہل ہوجائے اور جاہل کی اولاد عالم ہوجائے اور اچھے آدمی کے گھر برا پیدا کردیا جائے، اور برے کے گھر اچھا پیدا کردیا جائے، جیسے آذر کے گھر ابراہیم آگئے اور نوح کے گھر کنعان پیدا ہوگیا۔

ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ باعزت قوم کی نسل ذلیل ہوگئی اور ذلیل قوم کی نسل عزت پاگئی، یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی

قدرت کے تصرفات ہیں تو حی اور میت کو اس طرح عام بھی رکھا جاسکتا ہے کہ بنی اسماعیل پہلے اس طرح تھے، کہ جیسے بے جان ہوتے ہیں ان کا دنیا کے اندر کوئی اثر ورسوخ بھی نہیں تھا اور بنی اسرائیل علمی سطح کے اوپر یہی چمکتے تھے اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنواسرائیل کو میت کی طرح کر دیا اور اس قوم کو زندہ کر دیا، یعنی جو قوم مردہ خیال کی جاتی تھی وہ مردہ ہوگئی، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد فلسطین اور شام کے علاقہ میں پھیلی تھی، اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد حجاز اور عرب کے علاقہ میں پھیلی تھی، گویا کہ انہوں نے ایک پودا لگایا تھا شام میں، اور ایک لگایا تھا عرب میں، اب وہ پودا اپنا وقت گزار کے خشک ہوتا جا رہا ہے اور یہ خشک زمین میں جو لگا تھا اب اس کے پھلنے پھولنے کا وقت آگیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کے تصرف ہوتے رہتے ہیں۔

"وترزق من تشاء بغیر حساب "اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے یہاں بھی رزق عام ہے چاہے اس سے روحانی رزق مراد لیا جائے چاہے جسمانی رزق مراد لیا جائے جس کو اللہ چاہتا ہے بے شمار دیتا ہے، یہ گویا کہ ان کے زوال کی طرف اشارہ ہوگیا اور اس قوم کے باعزت ہونے کی طرف اشارہ ہوگیا۔

"لایتخذ المؤمنون " یہ بات خاص طور پر منافقین کی تنبیہ کے لئے ہے جو ظاہری طور پر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے لیکن ان کی دلی ہمدردیاں اور ان کا تعلق یہود اور کفار کے ساتھ تھا اور یہ دوغلا پن ان کے اندر اس احتمال کے تحت تھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ آگئے ہیں اور انہوں نے شور برپا کر دیا آج تو یہ کچھ ہیں لیکن اردگرد قوتیں اتنی بکھری ہوئی ہیں کفر اور یہودیت کی کہ ایک نہ ایک دن یہ اسلام کا نام لینے والے مٹ جائیں گے، اور دوبارہ اقتدار انہی کے ہاتھ ہی آنا ہے اور آج ہم اگر ان مسلمانوں کے ساتھ وفادار ہیں اور ان سے بالکل دوستیاں توڑ دیں تو مصیبت آئے گی، اس لئے ظاہری طور پر تو ان کے ساتھ بنائے ہوئے تھے اور دلی طور پر ان کے ساتھ تھے اور ان کے ساتھ ہمدردیاں ظاہر کرتے رہتے تھے اس خیال سے کہ اگر کل کو وہ غالب آگئے تو کم از کم ہم کہہ تو سکیں گے کہ ہماری دوستیاں تمہارے ساتھ ہیں۔

اس قسم کے لوگ ہمیشہ ہوا کرتے ہیں جو دل اور دماغ کے اعتبار سے مخلص نہیں، جیسے آج اس حکومت کے ساتھ ظاہری طور پر تعاون کئے ہوئے ہیں، لیکن اندر اندر ان کی دوستیاں روس کے ساتھ ہیں، اس احتمال سے کہ روس غالب آنے والا ہے اور جب وہ آجائے گا تو ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا، اور ظاہری طور پر ان کے ساتھ بنائے رکھیں گے، ہر زمانہ میں ہر قوم کے اندر اس قسم کے افراد ہوا کرتے ہیں جن کا ظاہر کچھ ہوتا ہے اور باطن کچھ ہوتا ہے، ظاہری طور پر ایک کے ساتھ وفاداری کا دم بھر لیا اور باطنی طور پر دوسرے کے ساتھ تعلقات رکھے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ جب تک ہو سکے ان سے فائدہ اٹھائیں اور جب دوسروں کا دور آجائے گا تو ان سے فائدہ اٹھائیں گے تو منافق اسی خیال کے تحت کہ آخر انہی قوتوں نے غالب

آنا ہے جوارد گرد اتنی کثرت کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں یہ نحیف اور کمزور مسلمان تھوڑے عرصہ کے لئے شور مچا رہے ہیں، ورنہ یہ ختم ہو جائیں گے یہ آگے کامیاب نہیں ہو سکتے۔

تو ان کی ہمدردیاں یہودیوں اور مشرکوں کے ساتھ تھیں اب یہاں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اب تم سمجھو کہ وہ گھر اجڑ گئے ہیں اب ان کے گھروں کے دروازوں پر دربانی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، یہ عمارت اب بوسیدہ ہوگئی ہے، اور گرے گی اور جو اس کی دیواروں کے سائے کے نیچے آرام کرنا چاہتے ہیں وہ بھی دب جائیں گے اس لئے تمہاری بھلائی اب اسی میں ہے کہ ان سے تعلق ختم کردو، اپنے دلوں کا ان سے تعلق توڑ لو اور مسلمانوں کے حق میں مخلص ہو جاؤ آنے والے وقت کے اعتبار سے تمہارے لئے یہی مفید ہے، اور اگر ان کے ساتھ تمہاری دلی دوستیاں رہیں پھر تم خدا کی محبت کے دعوے بھی کرو تو اس محبت کا کوئی مقام نہیں ہے، اس میں ذکر کر دیا گیا کہ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کافر کے ساتھ دلی دوستی لگائے، اس کی پوری وفاداریاں مسلمانوں کے ساتھ ہونی چاہئیں، اور کافروں کے ساتھ ایسا تعلق رکھنا جو مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہو یہ ٹھیک نہیں ہے۔

"لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء" مؤمن کافروں کو دوست نہ بنائیں مؤمنوں کو چھوڑ کر یعنی دلی محبت کافروں کے ساتھ رکھنی نہیں ہے، دلی محبت اگر لگائی جاسکتی ہے تو مسلمانوں کے ساتھ لگائی جاسکتی ہے، دلی محبت کے اعتبار سے تو مسئلہ بالکل صاف ہے، جس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں ہے، البتہ دیکھئے ایک ہوتی ہے موالات، ایک ہے مواسات، اور ایک ہے مدارات، اور ایک لفظ ہے مداہنت، ان لفظوں کے مفہوم میں کچھ تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔

موالات کہتے ہیں دل سے کسی دوست بنا لینا اور اس سے محبت رکھنا اور اس کو اپنا حمائتی اور کارساز سمجھنا۔

مواسات کا مطلب ہوتا ہے کہ دکھ اور تکلیف کے وقت کسی سے خیر خواہی سے پیش آگئے، رواداری کرلی، مدد کردی، بھوکا آیا کھانا کھلا دیا، ننگا آیا کپڑا دیدیا، اس قسم کے جو احسانات کئے جاتے ہیں وہ مواسات کہلاتے ہیں۔

مدارات کا معنی ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر خوش اخلاقی سے پیش آگئے۔

مداہنت کا معنی ہوتا ہے کہ دین کے معاملہ میں نرمی دکھانا، کہ اپنے دنیوی مفاد کے حصول کے لئے حق کو چھپانا، مداہنت بہر حال حرام ہے چاہے مسلمان کے ساتھ ہو چاہے کافر کے ساتھ ہو۔

موالات (دلی دوستی لگانا) یہ کافروں کے ساتھ ممنوع ہے اور اسی کے حکم میں فاسق اور بدعتی ہے کہ دلی طور پر ان سے محبت نہیں لگائی جاسکتی کیونکہ محبت دوسرے کی عظمت کو چاہتی ہے، محبت دوسرے کے ساتھ مناسبت کو چاہتی ہے اور مسلمان کی کافر کے ساتھ مناسبت اور مسلمان کے دل کے اندر کافر فاسق اور بدعتی کی عظمت نہیں ہونی چاہیئے، یہ تو قلب کا گناہ ہے

اگر کوئی شخص کافر، فاسق اور بدعتی کے ساتھ اس قسم کی محبت لگاتا ہے تو یہ اس کے قلب کا گناہ ہے۔

البتہ مواسات کافر کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے، لیکن حربی کے ساتھ اچھا برتاؤ ٹھیک نہیں ہے، باقی کافروں، فاسقوں اور بدعتیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاسکتا ہے۔

اور مدارات کا معنی ہوتا ہے کہ خوش اخلاقی سے پیش آگئے، ظاہری طور پر نرمی دکھادی، مسکرا کے بات کرلی، یہ بھی کافر کے ساتھ کی جاسکتی ہے، بدعتی کے ساتھ کی جاسکتی ہے، فاسق کے ساتھ کی جاسکتی ہے، مہمان آجائے تو اس کے ساتھ بھی اکرام کا معاملہ کرنا چاہیئے، چاہے وہ فاسق اور بدعتی ہی کیوں نہ ہو اور اگر دینی فائدہ مدنظر ہو تو پھر تو بہت ہی اچھی بات ہے، ہاں البتہ مدارات کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اگر کسی کی طرف سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور نقصان ایسا ہے جو آپ کے لئے ناقابل برداشت ہے تو چاہے دل نہ چاہے پھر بھی اگر اس کے ساتھ دوستی کا اظہار کردیا جائے، خوش اخلاقی سے پیش آیا جائے اس کی بھی اجازت ہے جیسے "الاان تتقوا منهم تقوة" میں ذکر کیا گیا ہے، جیسے حاکم وقت آگیا اب ہے تو وہ فاسق اب اگر اس کو ہم سلام نہیں کہتے اس سے مسکرا کے بات نہیں کرتے تو کل کو یہ ہمیں نقصان پہنچادے گا، اس قسم کے ظاہری نقصان کے اندیشہ سے بھی اگر ظاہری خوش اخلاقی اپنالی جائے تو اس کی بھی اسلام میں اجازت ہے۔

اور مداہنت بالکل جائز نہیں ہے کہ اگر انسان یہ سمجھے کہ میں نے حق ظاہر کیا تو مجھے فائدہ نہیں پہنچے گا، نقصان سے بچنا اور چیز ہے فائدہ حاصل کرنا اور چیز ہے، فائدہ حاصل کرنے کے لئے حق کو چھپانا اس کو مداہنت کہتے ہیں، کہ اگر میں نے حق کی بات ظاہر کردی تو میرا فلاں مفاد جو اس سے متعلق ہے وہ مجھے حاصل نہیں ہوگا، اس کو مداہنت کہتے ہیں، یہ ہیں مختلف الفاظ اور ان کے یہی مختصر سے احکام ہیں، مختلف آیات میں ان کا ذکر آئے گا، پھر وہاں ان کی تفصیل عرض کرتے جائیں گے۔

یہاں یہ ہے کہ مؤمن نہ بنائیں کافروں کو دوست مؤمنوں کو چھوڑ کر جو ایسا کرے گا یعنی اس کی دلی محبت کافروں کے ساتھ ہوگی تو اللہ تعالیٰ کے تعلق میں وہ کسی درجہ میں نہیں ہے، یعنی اللہ کی محبت میں اس کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں البتہ اگر کسی نقصان سے بچنے کے لئے ظاہری طور پر ان سے دوستی کا اظہار کرتے ہو تو اس کی گنجائش ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے یعنی اللہ کی عظمت کو اپنے ذہن میں لاؤ، اللہ کے حکموں کی خلاف ورزی نہ کرو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اور آپ کہہ دیجئے اگر تم اپنے دلوں میں چھپاؤ کسی چیز کو یا ظاہر کرو اللہ جانتا ہے، یعنی اگرچہ دلوں کے جذبات کو دوسرے انسان کو پتہ نہ چلے لیکن اللہ سے مخفی نہیں، اس لئے اگر تمہارے دلوں کے اندر کافروں کے متعلق ہمدردی چھپی ہوئی ہوگی یا کافروں کی محبت چھپی ہوئی ہوگی وہ اللہ کے سامنے ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

”یوم تجد کل نفس ماعملت من خیر محضرا وماعملت من سوء“ جس دن پائے گا ہر نفس اپنے اچھے برے کیے کو حاضر اور پھر چاہے گا کہ میرے درمیان اور اس دن کے درمیان امد بعید ہوتی، بہت دراز مدت ہوتی کہ مجھے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے ساتھ شفقت کرنے والا ہے، اس لئے آنیوالے برے انجام سے ڈرا رہا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شفقت کا تقاضہ ہے۔

”قل ان کنتم تحبون اللہ الخ“ اب دوسری طرف اعلان ہو گیا کہ کافروں سے تو محبت کرنی نہیں اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے مدعی ہو تو اس محبت کا معیار بھی یہی ہے کہ اس رسول کی اتباع کرو جو اس وقت تمہارے سامنے موجود ہے، آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو یعنی اللہ سے محبت کرنے کا دعوی ہے تو اس کا معیار یہ ہے کہ میری اتباع کرو، اور جس وقت تم میری اتباع کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا محبت کا دعوی بھی درست ہوگا، اور تمہیں یہ نعمت بھی نصیب ہوگی کہ پھر اللہ تعالیٰ بھی تمہارے ساتھ محبت کرنے لگ جائے گا، اور تم اللہ کے محبوب بھی بن جاؤ گے۔

اصل میں یہاں بھی وہی نفسیاتی بات ہے کہ ذکر تو کیا جا رہا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اور آگے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان جب بھی کسی سے محبت کرے تو اس کا جی چاہتا ہے کہ دوسرا بھی میرے ساتھ محبت کرے، اور جس وقت انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ مجھے تو محبت ہے اور وہ مجھ سے محبت نہیں کرتا تو سارے شکوے شکایت اسی پر ہی مبنی ہوتے ہیں، تو جو محب ہوتا ہے اس کا نفسیاتی تقاضہ ہے کہ وہ اپنے محبوب کی نظر میں محبّ کے ساتھ ساتھ محبوب بھی ہو، اور کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ مجھے فلاں کے ساتھ محبت ہے اور اسے بھی میرے ساتھ محبت ہے تو یہ دوطرفی محبت لطف پیدا کرتی ہے، اور انسان کو قلبی سکون نصیب ہوتا ہے، ورنہ اگر یہ خیال ہو کہ مجھے تو اس سے محبت ہے اور اسے مجھ سے محبت نہیں ہے یہ باب محبت میں ایک مستقل پریشانی کا باعث ہے۔

تو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ یہی بتاتے ہیں کہ اگر تم اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو یہ طریقہ اپناؤ تو تم میرے محبوب بھی بن جاؤ گے، اور جب اللہ کے محبّ بھی ٹھہرے اور محبوب بھی ٹھہرے تو پھر اور کیا چاہیئے؟ لیکن اس کا طریقہ میری اتباع ہے اگر میری اتباع کرو گے تو پھر اللہ کے ساتھ محبت کا دعوی بھی صحیح ہوگا، اور پھر تم اللہ کے محبوب بھی بن جاؤ گے، اور اس اتباع کے نتیجہ میں تمہاری غلطیاں بھی معاف ہو جائیں گی اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

”قل اطیعو اللہ واطیعوالرسول“ اور آپ کہہ دیجئے اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اگر یہ لوگ پیٹھ پھیریں تو اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا، پھر ان کے پیٹھ پھیرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر یہ اللہ کے محبّ بھی نہیں بنیں گے، پھر یہ کافر ٹھہرے اور اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں رکھتا، پھر ان کا یہ دعوی کہ ہم اللہ کے محبّ ہیں بے کار ہوگا، تو یہاں تو لی حقیقت کے

اعتبار سے تولی اطاعت عن الرسول مقصود ہے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت لازم ملزوم ہیں کہ اگر کوئی اللہ کی اطاعت کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرے، تو یہ اگر رسول کی اطاعت نہیں کریں گے پیٹھ پھیریں گے تو ایسی صورت میں یہ مؤمن نہیں کافر ہیں، پھر اگر یہ اللہ کی محبت کا دعوی بھی کریں تو قابل قبول نہیں، پھر اللہ تعالیٰ ایسے کافروں سے محبت نہیں رکھتا تو کافرین کا لفظ استعمال کرنے سے معلوم ہو گیا کہ اطاعت رسول سے منہ موڑنا کفر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾
ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ۚ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ
رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ
الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ
بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَ لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَ اِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ
وَ اِنِّىْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا
رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕۚ
كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ
يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ
مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ
هَبْ لِىْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ
الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّىْ فِى الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ
بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ سَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا

مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِىَ
الْكِبَرُ وَ امْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ
رَبِّ اجْعَلْ لِّىْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ
اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع

ترجمہ:

بے شک اللہ نے چن لیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو تمام جہانوں پر یہ اولاد ہے بعض بعض کی اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے، قابل ذکر ہے وہ وقت جب کہا عمران (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا اور مریم کے والد) کی بیوی نے اے میرے پروردگار! بے شک میں نے نذر مانی تیرے لئے اس چیز کی جو میرے پیٹ میں ہے اس حال میں کہ وہ آزاد کیا ہوا ہے پس تو میری طرف سے قبول کر لے بے شک تو سننے والا ہے جاننے والا ہے، جس وقت اس عمران کی بیوی نے مافی بطن کو جنا تو کہنے لگی اے میرے پروردگار میں نے جنا ہے اس کو لڑکی اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے اس چیز کو جو اس نے جنی اور نہیں ہے لڑکا لڑکی کی طرح اور بے شک میں نے اس لڑکی کا نام رکھا ہے مریم اور بے شک میں اس لڑکی کو پناہ میں دیتی ہوں تیری اور اس کی اولاد کو مردود شیطان سے، پس قبول کر لیا اس لڑکی کو اس کے رب نے اچھی طرح سے قبول کرنا اور پرورش کی اس کی اچھی طرح سے پرورش کرنا اور ذمہ دار ٹھہرا دیا اس لڑکی کا زکریا کو جب کبھی داخل ہوتے زکریا اس لڑکی پر محراب (حجرہ) میں تو پاتے اس کے پاس رزق تو کہتے اے مریم یہ کہاں سے آیا ہے تیرے لئے؟ مریم کہتیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے بے شک اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب اسی موقع پر پکارا زکریا نے اپنے رب کو کہا زکریا نے اے میرے رب عطاء کر مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد بے شک تو دعا سننے والا ہے پس آواز دی اس زکریا کو فرشتوں نے اس حال میں زکریا کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں کہ بے شک اللہ بشارت دیتا ہے تجھ کو یحییٰ کی کہ وہ تصدیق کرنے والا ہوگا اللہ کی جانب سے ایک کلمہ کی اور سردار ہوگا اور اپنے آپ کو بہت روک کے رکھنے والا ہوگا اور نبی ہوگا عمدہ بہترین اور شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے، زکریا نے کہا اے میرے پروردگار! کیونکر ہوگا میرے لئے بیٹا تحقیق مجھے بڑھاپا پہنچ چکا اور میری بیوی بھی اولاد کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے ہی کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے، زکریا نے کہا

اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی متعین کردے اللہ تعالیٰ نے کہا تیری نشانی یہ ہے کہ تو نہیں کلام کر سکے گا لوگوں سے تین دن تک مگر اشارہ سے اور یاد کر تو اپنے رب کو بہت زیادہ اور تسبیح بیان کر اس کی شام کو اور صبح کو۔

تفسیر:

"ان اللہ اصطفیٰ آدم" اس آیت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر شروع ہو رہا ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر ہے جہاں سے نسل آدم کی ابتداء ہوئی اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کے بعد مرکزی شخصیت ہوئیں بلکہ اکثر روایات تفسیر کے مطابق یہ آدم ثانی ہیں کہ جب سیلاب آیا تھا تو سارے کے سارے انسان اس طوفان نوح میں غرق ہو گئے تھے صرف نوح کے تین بیٹے بچے تھے جن کی اولاد اس دنیا میں پھیلی تو موجودہ سارے کے سارے انسان جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی نسل ہیں اسی طرح ثانوی درجہ میں نوح کی اولاد بھی ہیں، اور نوح کے بعد مرکزی شخصیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نامور شخصیت ہیں جن کے اوپر بنی آدم علیہ السلام نے اتفاق کیا ہے، اور آئندہ جتنی نبوت آئی وہ ساری حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں آئی، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام لے کر اصل تذکرہ آل ابراہیم کا مقصود ہے کہ آل ابراہیم ہی آگے نبوت کے حامل بنے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں اللہ نے نبوت ٹھہرائی ہے، اور ابراہیم علیہ السلام کی نبوت معروف ہی ہے اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں دو شاخیں ہوئیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام، اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ نے آل عمران کو ممتاز کیا۔

اور اس عمران سے اگر موسیٰ علیہ السلام کے والد مراد ہوں تو پھر آل عمران کے اندر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں آجائیں گے، یہ بنی اسرائیل میں معروف شخصیتیں گزری ہیں، اور اگر اس عمران سے مریم علیہا السلام کے والد مراد ہوں تو پھر ان کا خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا کہ آگے اصل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ حل کرنا مقصود ہے کہ وہ پیدا کس طرح ہوئے؟ اور ان کے پیدا ہونے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کس طرح نمایاں ہوئی؟ اور وہ اللہ کے بندے ہیں یا خدا ہیں؟ یا ابن خدا ہیں؟ اس مسئلہ کو چونکہ واضح کرنا ہے تو خصوصیت سے آل عمران کا ذکر کر دیا، اور اس آل عمران میں پھر صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے، ویسے برگزیدہ ہونے میں حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر بھی ہوگا، ان کے ذکر کرنے سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نسل آدم سے تعلق رکھتے ہیں، اور یہ ان کا سلسلہ نسب ہے جس کی موٹی موٹی شخصیات بیان کر دی ہیں تو جیسے باقی انسان ہیں اور بعض بعض انسانوں کو وقت وقت پر اللہ تعالیٰ نے ممتاز کیا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ممتاز کیا وہ مصطفیٰ تو ہیں چنے ہوئے تو ہیں لیکن وہ الٰہ اور ابن الٰہ نہیں ہیں وہ انسانوں میں سے ایک انسان ہیں۔

یہ اجمالی طور پر سارے سلسلہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ہے سنہری لڑی جو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کی چلی آ رہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی لڑی کے فرد ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ دنیا میں ظاہر ہونے کے اعتبار سے ان کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کچھ عجیب طریقہ سے نمایاں ہوئی، لیکن بہر حال وہ آدمیوں کی فہرست سے باہر نہیں ہیں، آدم کی نسل ہیں نوح کی اولاد ہیں آل ابراہیم میں سے ہیں آل عمران میں سے ہیں یہی ان کا شجرہ نسب ہے اور اسی خاندان سے وہ تعلق رکھتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ وہ ایک انسان ہیں آدم زاد ہیں اور ان کے اندر الوہیت اور ابن الوہیت والی کوئی صفت نہیں ہے یہاں گویا کہ ان کے سلسلہ نسب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"اذقالت امرء ۃ عمران" اس عمران سے متعین طور پر حضرت مریم علیہا السلام کے والد مراد ہیں یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا اور امرء ۃ عمران یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نانی ہوئی حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ، جب یہ حاملہ ہوئیں تو انہوں نے اپنے اس زمانہ کے مذہب کے مطابق منت مانی کہ میرے بطن میں جو بچہ ہے میں اس کو اللہ کے لئے آزاد کر دوں گی، اس زمانہ میں اس قسم کی نذر مانی جاتی تھی، اللہ کے لئے آزاد کر دوں گی کا مطلب یہ ہے کہ صرف مذہب کے لئے ہوگا، دین کی خدمت کرے گا، بیت المقدس کا مجاور ہوگا میں اس سے اپنی خدمت نہیں لوں گی، گھر کا کام کاج نہیں کراؤں گی، اس بچہ کو ہیکل یعنی عبادت خانہ کی خدمت کے لئے چھوڑ دوں گی تو اس کو میری طرف سے قبول کر لے تو گویا کہ اس آیت کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی ولادت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ ان کی والدہ کے کیسے جذبات تھے کہ ابتداء سے ہی اس کو عبادت اور خانہ خدا کے لئے وقف کر رہی ہیں۔

تو مریم علیہا السلام کے متعلق بھی بعض لوگوں کا خیال تھا کہ یہ الوہیت میں شریک ہیں اور یہاں جو ان کی ولادت کا تذکرہ آ گیا کہ وہ تو پیدا ہی ایسے جذبات کے تحت ہوئی کہ ان کی والدہ نے پہلے ہی نذر مان لی تھی کہ وہ اللہ کی عبادت کرے گا، اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت کرے گا، وہ تو اللہ کی حکمت تھی کہ لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت کرے گا وہ تو اللہ کی حکمت تھی کہ لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوگئی، پھر اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے رواج کے خلاف مریم علیہا السلام کو بھی بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کر لیا، تو بنیاد ہی سارے خاندان کی عبدیت پر ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی پر ہے اللہ تعالیٰ کے گھر کی خدمت پر ہے، "فتقبل منی" پس تو اس کو قبول کر لے، بے شک تو سننے والا ہے جاننے والا ہے ان کا خیال تھا کہ لڑکا پیدا ہوگا اور اس کو دین کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی۔

"فلما وضعتھا قالت ربی انی وضعتھا انثیٰ" اور جب اس نے اس حمل کو جنا تو وہ لڑکی تھی تو لڑکی کو دیکھ کے ان کے اندر احساس کہتری ابھرا کہ میں تو سمجھ رہی تھی کہ لڑکا پیدا ہوگا اور اس کو دین کی خدمت کے لئے چھوڑ دوں گی، کہنے لگی اے

اللہ میں نے تو اس کو لڑکی جن دیا، یہ تعجب کے اظہار کے طور پر ہے اللہ تعالیٰ کو کوئی اطلاع نہیں دی جا رہی کہ نعوذ باللہ اللہ کو پتہ نہیں، جیسے ہم کہتے ہیں کہ یہ کیا ہو گیا، میں تو یوں سمجھا تھا یہ ایسے ہو گیا، یہ ایک قسم کے تعجب کا اظہار ہے۔

اور آگے جملہ معترضہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ " واللہ اعلم بماوضعت ولیس الذکر کالانثیٰ" اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا اس لڑکی کی شان کو جو اس نے جنی ہے، اور جو لڑکا مطلوب تھا وہ اس لڑکی کی طرح نہیں ہے، یعنی اس لڑکی کی شان لڑکوں سے بھی ممتاز ہو گی، جب یہ ذکر کیا جائے " لیس الذکر کالانثیٰ " تو جو کاف کا مجرور ہوتا ہے اس کو فضیلت دینا مقصود ہوتا ہے یعنی لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہے بلکہ لڑکی افضل ہے، یہ ہم نے جو لڑکی دی ہے اس لڑکی کی شان اس لڑکے کے مقابلہ میں زیادہ نمایاں ہو گی جو اس کے بطن سے پیدا ہوتا۔

"وانی سمیتھا مریم " یہ امرءۃ عمران کا قول ہے کہ میں نے اس کا نام مریم علیہا السلام رکھا ہے اور مریم کا لفظ سریانی زبان میں عابدہ کے معنی میں ہے، یعنی نام بھی ایسا رکھا جس سے اس کی عبدیت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عبادت گزار ہے، " وانی اعیذھا بك وذریتھا من الشیطان الرجیم " میں اس لڑکی کو اور اس کی اولاد کو وہ جب کبھی بھی ہو گی تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان رجیم سے کہ شیطان رجیم کے اثرات سے ان کو بچا کے رکھنا، جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کے متعلق دعا کیا کرتے ہیں مختلف قسم کی تو یہ بھی اسی طرح مریم کی والدہ نے دعا کی تھی، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بچہ بھی ماں کے بطن سے پیدا ہوتا ہے شیطان اس کو چوگا لگاتا ہے اور اس چوگے کا اثر ہے کہ بچہ دنیا میں آ کر سب سے پہلے چیختا ہے، جب بچہ باہر آتا ہے تو اس کا سب سے پہلا کام رونا ہوتا ہے۔

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بچہ کی چیخ اس وقت نکلتی ہے جب شیطان اس کو چوگا لگاتا ہے، کیونکہ اب وہ دنیا میں آ گیا شیطان نے اس کے ساتھ ربط قائم کرنے کی کوشش کرنی ہے، "غیر مریم وابنھا" صرف مریم اور مریم کا بیٹا اس سے بچا ہے تو ممکن ہے کہ انہوں نے متصل ہی اولاد کے لئے دعا کی ہو اور ان کو شیطان نے ابھی تک نہیں چھیڑا تھا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ تو بہت بعد میں پیدا ہوئے ان کے پیدا ہونے کے بعد بھی شیطان نے ان کو چوگا نہیں لگایا، یہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ کی دعا قبول ہوئی کہ شیطان کا جو ابتدائی اثر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اس سے بھی محفوظ رکھا ہے۔

فتقبلھا ربھا بقبول حسن وانبتھا نباتا حسنا :

قبول کیا اس لڑکی کو اس کے رب نے اچھی طرح قبول کرنا اور اس کی اچھی طرح سے پرورش کی، اس کو بڑھایا اگایا ،نشوونما کی اچھی طرح سے نشوونما کرنا، صحت وعافیت کے ساتھ بہت اچھی صلاحیتوں کے ساتھ اس لڑکی نے نشوونما پائی، "وکفلھا زکریا" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس لڑکی کو اس کی والدہ بیت المقدس میں لے کر گئی اور وہ دور تھا حضرت زکریا

علیہ السلام کا یعنی ان میں اس وقت بڑے یہی تھے، جا کے اس لڑکی کو پیش کیا کہ میں نے یہ اللہ کے لئے نذر مانی تھی آپ اس کو لے لیجئے، اب میں تو اس کو اپنے گھر نہیں رکھتی ،اگر چہ رواج یہ تھا کہ لڑکیوں کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول نہ کیا جاتا تھا لیکن اس وقت کے جو اہل حق موجود تھے جن میں حضرت زکریا بھی تھے انہوں نے اس کو قبول کرلیا، تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف یہ قبولیت ان کا خاصہ تھی ورنہ اس سے پہلے کوئی لڑکی بیت المقدس کے لئے نہیں لی گئی تو "تقبلها بقبول حسن" کے تحت وہ لڑکی قبول ہوگئی اور انہوں نے وصول کرلی۔

اور جو مجاور وہاں بیٹھے تھے اب ان کے اندر آپس میں جھگڑا ہوگیا کہ اس بچی کو کون اپنے پاس رکھے گا اور اس کی تربیت کون کرے گا؟ جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی نوبت آگئی آگے آپ کے سامنے آئے گا، "اذیلقون اقلامهم ایهم یکفل مریم" اپنی قلمیں ڈال رہے تھے تا کہ معلوم کرلیں کہ مریم کا کفیل کون بنے گا؟ یہ قلموں کا ڈالنا قرعہ اندازی کے طور پر تھا کہ جس کے نام قرعہ نکلے گا وہ مریم کو سنبھال لے گا، تفصیل روایات کے اندر ہے کہ انہوں نے قرعہ اندازی کی یہ صورت تجویز کی کہ بہتے ہوئے پانی کے اندر قلمیں ڈالدیں جسکی قلم مخالف سمت چلی جائے وہ مریم کا کفیل بنے گا، تو جب اس بہتے پانی کے اندر قلمیں ڈالی گئیں تو حضرت زکریا کی قلم مخالف سمت چل پڑی، یہی گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر ہوا کہ ان کو اللہ تبارک وتعالی نے اس مریم کا کفیل بنایا کہ ان کی قلم مخالف جانب بہہ گئی، اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے یہ تفصیل روایات کے اندر مذکور ہے۔

قرآن مجید میں تو صرف اتنا ہے کہ انہوں نے اپنی قلمیں ڈالیں تا کہ یہ دیکھیں کہ مریم کا کفیل کون بنتا ہے یہ قرعہ اندازی کی ایک صورت تھی تو یہ بھی قبولیت کی ایک صورت تھی ،اس وقت کے سب سے بڑے شخص کو جو نبی تھا اور ان کی اصطلاح کے مطابق کاہن اعظم تھا، ان کی تربیت میں حضرت مریم علیہا السلام کو دیدیا، اگلے الفاظ سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے لئے کوئی حجرہ مخصوص کر کے اس حجرہ میں ان کو ٹھہرادیا، حضرت مریم علیہا السلام وہیں رہتی تھیں وہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگی رہتی تھیں کہ ان کا مشغلہ یہی تھا، کسی اور کام میں ان کو لگانا ہی نہیں تھا، اس زمانہ کے رواج کے مطابق وہیں عبادت کرتیں، اللہ اللہ کرتیں، حضرت زکریا علیہ السلام ان کے کفیل تھے اور جب باہر جاتے تو جاتے ہوئے باہر سے تالا لگا جاتے اور پھر دوسرے وقت میں آتے تو آ کر حضرت مریم علیہا السلام کا حال احوال پوچھتے، اسی وقت حضرت مریم علیہا السلام کی کرامات ظاہر ہونا شروع ہوگئیں، کہ حضرت زکریا علیہ السلام جس وقت آتے تو حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمے پھل پڑے ہوئے دیکھتے، کہ ان کا موسم بھی نہیں ہوتا تھا اور کسی کے آنے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، کیونکہ باہر سے تالا لگا ہوتا تھا، جب آتے تو نئی نئی چیزیں ان کے پاس دیکھتے۔

یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی اور کرامت کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ نیک آدمی کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کا برتاؤ ایسا ہوجائے جو عام عادت کے مطابق نہیں ہے اس لئے ایسے واقعات کو خرق عادت کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت کچھ اور ہے اور اس عادت کو چھوڑ کر ایک نیا واقعہ پیش آگیا اس کو خرق عادت کہتے ہیں، اگر مدعی نبوت کے ہاتھ پر اس قسم کا واقعہ پیش آئے تو اس کو معجزہ کہتے ہیں، اور اگر وہ مدعی نبوت نہیں ہے لیکن کسی نبی کا متبع ہے شریعت کا پابند ہے، نیک ہے، صالح ہے، اس کے ساتھ اگر اس قسم کا واقعہ پیش آجائے تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے، کرامت ہو یا معجزہ دونوں کی حقیقت ایک ہے کہ یہ فعل خداوندی ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر، اس لئے اس کرامت میں ولی قدرت و فعل نہیں ہوتی، اور اسی طرح معجزہ میں نبی کا اختیار دخیل نہیں ہوتا، براہ راست یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے، دونوں کی حقیقت ایک ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ معجزات اور کرامات انبیاء اور اولیاء کے اختیار کی دلیل نہیں ہیں کہ یہ ان کے اختیار میں نہیں ہوتے کہ جب چاہیں معجزہ دکھادیں، جب چاہیں کرامت دکھادیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز دی جاتی ہے جو لوگوں کے سامنے نمایاں ہوتی ہے، تو معجزہ اور کرامت نبی اور ولی کے اختیار کی بات نہیں، قرآن کریم کی بیسیوں آیات کے اندر یہ بات ظاہر کی گئی ہے کہ لوگ نبی سے معجزہ کا مطالبہ کرتے تھے لیکن نبی یہ جواب دیتا ہے کہ میں اس قسم کے اختیار نہیں رکھتا، اللہ چاہے گا تو کوئی معجزہ دکھادے گا، یہ میرے بس کی بات نہیں ہے، ہر نبی کی طرف سے یہی جواب ہوتا تھا، تو کرامت کی بھی یہی حقیقت ہے، اس لئے کرامت کے واقعات یا معجزات کے واقعات یہ ولی کی قدرت یا نبی کے اختیار کی دلیل نہیں۔

اور جو چیز عقلاً ممکن ہو اور شرعاً اس میں کسی قسم کا امتناع نہ ہو ایسا واقعہ معجزہ یا کرامت کے ساتھ ظاہر ہوسکتا ہے، اور جو چیز معجزہ کے طور پر واقع ہوسکتی ہے وہی چیز کرامت کے طور پر بھی واقع ہوسکتی ہے، ہاں جس چیز میں عقلی امتناع ہے وہ چیز نہ معجزہ کے طور پر واقع ہوسکتی ہے نہ کرامت کے طور پر واقع ہوسکتی ہے، اور اسی طرح جس چیز میں شرعی امتناع آجائے کہ شرعاً یہ چیز ممکن نہیں ہے شریعت نے اعلان کردیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا ایسی چیز بھی نہ بطور معجزہ کے ظاہر ہوسکتی ہے اور نہ بطور کرامت کے ظاہر ہوسکتی ہے۔

مثلاً شرعی امتناع کی مثال یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعلان کردیا کہ اس کتاب کی مثل کوئی نہیں لاسکتا تو نہ کسی کی کرامت کے طور پر اس کی مثل وجود میں آسکتی ہے اور نہ کسی اور طریقہ سے، باقی جس قسم کے واقعات دنیا کے اندر بطور معجزہ کے ظاہر ہوئے ہیں اس قسم کے واقعات کرامت کے طور پر بھی ظاہر ہوسکتے ہیں، اس میں کوئی بعید نہیں ہے، تو جب کرامت کی حقیقت یہ ہوگئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ واقع ہوتی ہے، بندہ کی قدرت اس میں دخیل نہیں ہوتی، تو جب کسی واقعہ کو

کسی ولی کی کرامت کے طورذکر کیا جائے کہ یہ فلاں ولی کی کرامت ہے اور ایسا واقعہ پیش آ گیا تو ظاہری طور پر آپ کو کتنا ہی خلاف اسباب کیوں نہ نظر آئے اگر اس واقعہ کی سند صحیح ہو اور اس کو نقل کرنے والے معتبر لوگ ہیں، یعنی وہ واقعہ اہل علم کی وساطت سے آیا، معتبر کتب کے اندر مذکور ہے یا اہل حق علماء اس واقعہ کو ذکر کرتے آرہے ہیں، اس قسم کے واقعات تسلیم کرنے میں کوئی تردد اور انکار نہیں ہونا چاہیئے، کیونکہ یہ واقعہ براہ راست اللہ کی قدرت سے صادر ہوتا ہے بندے کی قدرت اس میں دخیل نہیں ہوتی۔

ہزاروں واقعات کسی ولی سے ثابت ہو جائیں تو بھی اس کی عبدیت میں فرق نہیں آتا، کیونکہ عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی کرم نوازی ہے کہ کسی بندے کو عزت دینے کے لئے اس کی طرف نسبت کر کے اس قسم کے واقعات ظاہر کر دیئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات آپ کے سامنے آرہے ہیں کہ وہ اندھوں کو درست کر دیا کرتے تھے، کوڑی صحت یاب ہو جایا کرتے تھے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کتان کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ ان کے پاس ایک بوڑھی اپنے نابینا بچہ کو لیکر گئی اور کہنے لگی کہ میرے بچہ کو صحیح کر دو تو حضرت فرمانے لگے کہ میں کوئی عیسیٰ علیہ السلام ہوں جو اس کو ٹھیک کر دوں اس نے بہت زیادہ اصرار کیا تو یہ انکار کر کے اس مجلس سے اٹھ کر چل دیے، تھوڑی دیر بعد واپس آرہے ہیں اور زبان کے اوپر یہ الفاظ ہیں ''مامی کنیم، مامی کنیم، مامی کنیم''اور آکر بچہ کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور بچہ ٹھیک ہو گیا، اب دیکھنے والوں کو تعجب ہوا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے تو انکار کر رہے تھے اور اب زبان پر مامی کنیم کے الفاظ جاری ہیں تو اس کا کیا مطلب؟ مریدوں میں سے بعض نے سوال کیا تو حضرت نے فرمایا کہ میں تو یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ میری قدرت اور طاقت میں نہیں، میں کوئی عیسیٰ علیہ السلام ہوں جو کر دوں، تو مجھے اللہ کی طرف سے تنبیہ ہوئی کہ نہ عیسیٰ علیہ السلام کر سکتا ہے نہ تو کر سکتا ہے جو کچھ کرتے ہیں ہم کرتے ہیں، جاؤ جا کے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرو، جس طرح ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ شفاء رکھی تھی اسی طرح یہاں بھی ہم ٹھیک کر دیں گے، تو مامی کنیم یہ اللہ کا قول تھا جو وہ نقل کرتے ہوئے آرہے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں ہم کرتے ہیں تم نہیں کر سکتے، سننے والا یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ ان کا قول ہے، لیکن جب انہوں نے وضاحت فرمائی تو پتہ چلا کہ یہ اللہ کا قول ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں بھی شفاء ہم نے رکھی تھی اور تیرے ہاتھ میں بھی ہم شفاء دیں گے۔

تو اگر اس قسم کا واقعہ صحیح سند کے ساتھ مذکور ہو تو ہمیں ماننے میں کوئی کسی قسم کا انکار نہیں، کیونکہ جب ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ یہ ظاہر ہی اللہ کی قدرت کے ساتھ ہوا ہے، اللہ چاہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں شفاء دیدے، اور اگر چاہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں بھی شفاء نہ رکھے، اور اگر اللہ چاہے تو کسی دوسرے مقبول بندے کے ہاتھ میں شفاء رکھ دے کہ اس

کے ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے مریض ٹھیک ہوجائے ، جب اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے تو واقعہ پیش آجانے کے بعد اگر وہ صحیح سند کے ساتھ منقول ہو تو ہمیں اس قسم کے واقعات بالکل بھی توحید کے خلاف معلوم نہیں ہوتے۔

اسی طرح سرور کائنات ﷺ کا معراج والا معجزہ آپ کے سامنے ہے کہ تھوڑے سے وقت میں اللہ تعالیٰ ان کو کہاں کہاں لے گیا، کتنا لمبا سفر کروادیا، کیسی کیسی معلومات دیدیں، اسی طرح اگر کسی ولی کے متعلق ایسا واقعہ آجاتا ہے کہ تھوڑے سے وقت میں یہاں سے وہاں پہنچ گیا اور وہاں سے یہ کام کر کے واپس آگیا اس قسم کا واقعہ اگر کسی ولی کے متعلق صحیح سند کے ساتھ مذکور ہو ہمیں تسلیم کرنے سے کوئی انکار نہیں ہے، کیونکہ جب ہم اس کو کرامت کہتے ہیں تو کرامت کا تو مطلب ہی یہی ہے کہ اس بندے کے اختیار میں کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے جیسے وہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرتا ہے اسی طرح اولیاء کے ہاتھ پر کرامت ظاہر کرتا ہے، معجزات انبیاء علیہم السلام کے بااختیار ہونے کی دلیل نہیں اور اسی طرح کرامت اولیاء کے اللہ کی الوہیت میں شریک ہونے کی کوئی دلیل نہیں، جب عنوان معجزہ یا کرامت کا آگیا تو بندے کا اختیار ختم ہوگیا۔

یہ میں نے ویسے ہی مثال کے طور پر بات عرض کردی ورنہ عقیدہ اصل کے اعتبار سے یہی ہے کہ کرامات اولیاء برحق ہیں، ایسے واقعات جو اللہ تعالیٰ کی عام عادت کے خلاف ہیں اولیاء اللہ کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں، لیکن اس میں اولیاء اللہ کی طاقت، ان کے عزم، اور قصد کا دخل نہیں ہوتا، براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے انہیں یہ کرامت اور شرافت دی جاتی ہے کہ ان کے ہاتھ پر ایسا واقعہ ظاہر ہوجاتا ہے جو عام آدمیوں کے ہاتھ پر ظاہر نہیں ہوتا، لیکن اس میں ولی کا کوئی اختیار نہیں ہوتا، براہ راست اللہ کی قدرت سے صادر ہوا ہے اس لئے اس کے تسلیم کرنے میں کوئی کسی قسم کا بوجھ نہیں، ایسے واقعات انبیاء علیہم السلام سے بطور معجزہ کے صادر ہوسکتے ہیں، تو اسی قسم کے واقعات اولیاء اللہ سے بطور کرامت کے صادر ہوسکتے ہیں۔

اجمالی عقیدہ یہی ہے کہ باقی اگر واقعہ کوئی بیان کرے کہ فلاں ولی کے ہاتھ سے ایسا ہوگیا تو دیکھنا یہ ہے کہ واقعی وہ ولی اہل حق کے نزدیک ولی ہے، اور پھر اس کے نقل کرنے والے واقعی اہل علم اور اچھے لوگ ہیں، اگر یہ دونوں باتیں ثابت ہوجائیں تو پھر تسلیم کرنے میں انسان کو کوئی انکار نہیں ہونا چاہیے، اور اس واقعہ کو تسلیم کرنا یہ عقیدہ توحید کے خلاف نہیں ہے، نہ معجزات سے انبیاء علیہم السلام میں الوہیت ثابت ہوتی ہے اور نہ کرامات سے اولیاء میں کوئی الوہیت ثابت ہوتی ہے، ہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ربط اور تعلق معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر اس قسم کے واقعات ذکر کر کے لوگوں کے اندر ان کی کرامت اور شرافت کو ظاہر کردیا ہے، اس لئے یہ حضرت مریم علیہا السلام کی کرامت تھی۔

اور ایسی ہی کرامت بخاری شریف میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی آتی ہے، جو مشرکوں کے ہاتھ میں گرفتار

ہو گئے تھے، صحیح بخاری میں روایت موجود ہے کہ جب وہ مشرکوں کے پاس بندھے ہوئے تھے، جس کے گھر میں بندھے ہوئے تھے اس کی لڑکی یہ کہتی ہے کہ میں نے خبیب کے پاس ایسے موسم میں تازہ انگوروں کے خوشے دیکھے ہیں جس وقت سارے مکہ کے اندر یہ پھل موجود نہیں تھا اور وہ اندر بندھے ہوئے تھے باہر آ جا بھی نہیں سکتے تھے، اور ان کے سامنے یہ انگوروں کے خوشے دیکھے تو یہ رزق تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان کو پہنچتا تھا، تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت ہے، جیسی کرامت یہاں حضرت مریم علیہا السلام کی قرآن کریم میں ذکر کی گئی ادھر بعینہ ایسی ہی کرامت بخاری شریف میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی ذکر کی گئی ہے۔

تو اگر کسی ولی کے متعلق اگر اس قسم کی بات سن لیں کہ اس کو حجرے کے اندر بیٹھے بیٹھے ہی رزق مل جاتا تھا، ہمیں تو اس کے قبول کرنے میں کوئی کسی قسم کا بوجھ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء اللہ کے ساتھ، اللہ کے مقبول بندوں کے ساتھ اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، تو کرامات اولیاء برحق ہونے کا یہی معنی ہے، اور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ ایسے واقعات جو عام عادت کے خلاف ہیں، عام لوگوں کے لئے ظاہری اسباب کے خلاف ہیں، اور عام لوگ ظاہری اسباب کے ساتھ وہ کام نہیں کر سکتے اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر ایسا واقعہ ظاہر فرما دیں ایسا ہو سکتا ہے، اور ہو سکنے کے ساتھ ساتھ ایسے واقعات ہیں جو صحیح سند کے ساتھ منقول ہیں اور ان کو تسلیم کرنا اہل سنت والجماعت کے عقیدہ میں شامل ہے۔

آیت مذکورہ رزق سے حسی رزق مراد ہے اور میری ساری کی ساری تقریر اسی پر مبنی ہے، اور یہاں دوسری تفسیر بھی کی گئی ہے کہ رزق سے یہاں روحانی رزق مراد ہے کہ حضرت زکریا جب جاتے اور جا کے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بیٹھتے اور ان کا حال احوال لیتے تو ان سے عجیب وغریب قسم کی علم ومعرفت کی باتیں ظاہر ہوتیں، ظاہری طور پر انہوں نے نہ کسی سے پڑھا تھا، اور نہ وہ باتیں کتابوں میں موجود ہوتیں، حضرت مریم علیہا السلام بڑی علم وحکمت کی باتیں کرتی تھیں، تو حضرت زکریا علیہ السلام تعجب کے طور پر پوچھتے کہ مریم! تیرے پاس یہ علم کہاں سے آ گیا؟ یہ ایسی باتیں تجھے کہاں سے مل گئیں، یہ پوچھنا بطور تعجب کے ہے ورنہ پتہ تو تھا کہ سب منجانب اللہ ہے، تو پھر حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ علوم ومعانی، یہ نکات، یہ حکمت ودانائی کہاں سے مل گئے ہیں؟ وہ کہنے لگیں یہ سب اللہ کی جانب سے ہیں، اللہ تعالیٰ براہ راست دماغ میں ڈالتے ہیں۔

پھر حضرت زکریا علیہ السلام نے جو آگے دعا کی ہے اس دعا کا داعیہ کس طرح پیدا ہوا؟ حضرت زکریا علیہ السلام کی اولاد نہیں تھی اور خود بوڑھے ہو چکے تھے اور ان کی بیوی بھی اولاد کے قابل نہیں تھی، اس موقع پر حضرت زکریا علیہ السلام کی توجہ ہوئی اور

انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ پھیلائے کہ اے اللہ! مجھے اولاد دے، یہ داعیہ کیوں پیدا ہوا؟ اگر تو رزق سے حسی رزق مراد ہے تو حضرت زکریا علیہ السلام کا ذہن اس طرف گیا کہ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ مریم علیہا السلام کو بے موسم پھل دیتے ہیں، اسی طرح میں بھی اگر چہ اولاد کے قابل نہیں رہا اور بیوی کا بھی وہ موسم گزر گیا جس موسم میں اولاد ہوتی ہے لیکن اس وقت اللہ کی خاص عنایت معلوم ہوتی ہے بے موسم پھل دینے کی، اس لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے دامن پھیلا دیا کہ جیسے تو نے بے موقع پھل مریم علیہا السلام کو دیا ہے اس طرح اگر چہ ظاہری اسباب کے تحت بے موقع ہے لیکن تیری قدرت سے باہر نہیں ہے اس لئے مجھے بھی اولاد دیدے چاہے ظاہری طور پر اس کا موسم گزر گیا، لیکن تیری قدرت میں داخل ہے۔

اور مریم علیہا السلام کو بے موقع پھل دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیری عادت ہے کہ تو بے موقع بھی دیدیتا ہے، تو ہمیں بھی بے موقع اولاد دیدے، اس بوڑھے کی تمنا بھی پوری ہو جائے، اور اس بانجھ عورت کی گود بھی ہری ہو جائے اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو دعا کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اگر رزق سے مادی رزق مراد لیا جائے تو پھر اس دعا کا ربط اس طرح ہو جائے گا۔

اور اگر اس رزق سے روحانی رزق مراد لیا جائے کہ حضرت مریم علیہا السلام کی گفتگو سن کے حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی پھر داعیہ اس طرح پیدا ہوگا کہ جب دیکھا کہ مریم علیہا السلام کیسی اچھی باتیں کرتی ہے، اس کے پاس کیسے کیسے علوم ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نیک اولاد دے جو اس طرح عالم بنے، اسی طرح آگے دین کی نشر و اشاعت کرے تو اس نیک بچی کو دیکھ کر نیک اولاد حاصل کرنے کا جذبہ ابھرا ہے، تا کہ میرے گھر میں بھی اس قسم کا بچہ پیدا ہو جائے اور وہ بھی اسی طرح علوم کا حامل ہو، نبوت کے علوم کا وارث بنے، آئندہ کے لئے دین کی نشر و اشاعت کا سبب بنے تو پھر ربط اس طرح ہو جائے گا جیسے آپ کسی بچہ کو دیکھیں کہ وہ بہت اچھا قرآن پڑھتا ہے آپ کے دل میں آئے گا کہ اللہ ہمیں بھی بچہ دے تو ہم بھی اس کو قرآن پڑھائیں گے، اس طرح بھی داعیہ پیدا ہو جاتا ہے۔

"ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب " یہ جملہ حضرت مریم علیہا السلام کا بھی ہو سکتا ہے اور براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے دونوں صورتیں ہیں۔

"ھنالک دعا زکریا ربہ "اسی موقع پر زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے اپنے پاس سے (یہاں من لدنک سے اسی طرف اشارہ ہے کہ اگر چہ میرے پاس اسباب نہیں ہیں جیسے سورۃ مریم کے شروع میں آئے گا "انی وھن العظم منی واشتعل الرأس شیباً" کہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور میرا سر سفید ہو گیا، مطلب یہ تھا کہ اگر چہ اولاد کا موقع نہیں ہے لیکن ظاہری اسباب کے خلاف مجھے پاکیزہ اولاد عطاء کر) بے شک تو دعا کو سننے والا ہے، وہ دعا کچھ اس انداز سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوگئی، فرشتے نے آواز دی اس حال میں کہ زکریا محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے

کہ اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے یحییٰ کی، لفظ یحییٰ سے اشارہ اس بات کی طرف بھی ہوگیا کہ لڑکا ہوگا اور اس کا نام بھی پہلے ہی رکھ دیا گیا، یعنی لڑکا ہوگا جس کا نام یحییٰ رکھا جائے گا اور اس کی یہ صفات ہوں گی۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کی وہ تصدیق کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کا مصداق یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، یعنی ایک شخص پیدا ہوگا صرف اللہ کے کلمہ کن سے، ظاہری اسباب کے خلاف، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ظاہر اسباب کے خلاف اللہ کے کلمہ کن یعنی اللہ کی قدرت کے ساتھ ظہور پذیر ہوا، اس لئے کلمۃ اللہ ان کا لقب ہی بن گیا کہ اللہ کے کلمہ سے پیدا ہونے والا، جس طرح اللہ تعالیٰ کے کلمات بے شمار ہیں گنتی میں نہیں آسکتے، اور ساری کائنات اللہ کے کلمات کا ہی ظہور ہے، ان کلمات میں سے ایک کلمہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں تو یحییٰ علیہ السلام اس کی تصدیق کریں گے، تو یحییٰ کی زندگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے جس طرح ایک نبی دوسرے کی تصدیق کیا کرتا ہے تو یحییٰ علیہ السلام نے بھی اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کی، اور لوگوں کو ان کے اوپر ایمان لانے کے لئے کہا۔

دوسری صفت ہے سیداً سردار ہوگا اس کو اپنے زمانہ کے اندر دینی سرداری حاصل ہوگی، حصوراً اپنی خواہشات کے اوپر بہت پابندی لگانے والا ہوگا، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی زندگی بہت درویشانہ طریقے سے گزری ہے کہ وہ لذات وخواہشات جن کا پورا کرنا مباح ہے انہوں نے اس طرف بھی توجہ نہیں کی، کیونکہ اس وقت یہود کے اندر دنیا داری بہت آگئی تھی تو ان کا رخ موڑنے کے لئے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بہت درویشانہ زندگی گزاری، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تو یہاں تک اپنے آپ کو روک رکھا کہ نکاح اور شادی بھی نہیں کی جب کہ اس زمانہ میں لوگوں کے اندر اس قسم کی عیاشی بہت عام تھی، یعنی دنیا کے محبت سے لوگوں کا رخ موڑنے کے لئے یہ زندگی اپنائی۔

باقی ہمارے ہاں نکاح کرنا افضل ہے اور عام طور پر علماء بھی کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شادی نہیں کی تو اس سے ترک نکاح کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی، حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حالات ایسے تھے کہ جن حالات کا مقتضیٰ یہی تھا کہ وہ شادی نہ کریں، کہتے ہیں کہ ان کے اوپر رقت اور گریہ زاری ہمیشہ طاری رہتی تھی، اور دنیا کی کسی چیز کی طرف بھی ان کی توجہ نہیں تھی، تو ایسے حالات میں نکاح اور عورت کے ساتھ جتنے معاملات ہوتے ہیں ان کو نبھانا انسان کے بس میں نہیں رہتا اور آج ہماری شریعت کے اندر بھی مسئلہ یہی ہے کہ اگر ایسے حالات ہوں کہ اس کی بیوی کی طرف توجہ نہیں یا اس کو ڈر ہے کہ اگر میں نے نکاح کرلیا تو میں اس کے حقوق ادا نہیں کرسکوں گا تو ایسے شخص کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، عام حالات میں سنت ہے بعض حالات میں فرض بھی ہے، لیکن کچھ حالات ایسے بھی ہیں کہ جن کی وجہ سے نکاح کرنا جائز ہی نہیں ہے، اور لفظ حصور کا ایک مفہوم

ہے عورت سے دور رہنا تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو لیکر ترجمہ کیا ہے کہ عورت کے پاس نہ جائے گا اور نبی ہوگا اور صالحین بطور اچھے لوگوں میں سے ہوگا۔

"قال ربی انیٰ یکون لی غلام" حضرت زکریا علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ یا اللہ! میرے لئے بچہ کیونکر ہوگا، یہ سوال کیفیت طلب کرنے کے لئے ہے کہ ہمیں دوبارہ جوان کیا جائے گا، یا کوئی نئی شادی کا حکم دیا جائے گا؟ کس قسم کی کیفیت ہوگی جس کی بناء پر بچہ ہوگا، جب کہ ظاہری حالات تو سازگار معلوم نہیں ہوتے، حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا، اور میری بیوی بھی اولاد کے قابل نہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ ایسے ہی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کے سامنے کوئی کسی قسم کی رکاوٹ نہیں وہ چاہے تو پتھروں سے پانی جاری کردے، اب پتھر اور پانی میں کیا مناسبت ہے؟ اسی طرح اگر چاہے تو جوانوں کو اولاد نہ دے، اور چاہے بوڑھوں کو دیدے، اللہ کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں ہے۔

تو حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا یا اللہ! اس کی میرے لئے کوئی نشانی متعین کردے جس سے میں پہچان جاؤں کہ واقعی آپ کی طرف سے یہ واقعہ پیش آگیا ہے، تاکہ میں زیادہ شکر گزاری کی طرف متوجہ ہوجاؤں اور اس ظاہری علامت کے متعین ہوجانے سے مجھے یہ بھی یقین ہوجائے گا کہ جو کچھ مل رہا ہے وہ آپ ہی کی طرف سے ہے، اگرچہ نبی کا یہ ذہن نہیں ہوتا، لیکن ظاہری اسباب کے خلاف ہونے کی بناء پر اس بات کا یقین حاصل کرنے کے لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے نشانی مانگی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی نشانی یہی ہے کہ تو تین دن لوگوں سے بات نہیں کرسکے گا، باوجود صحت مند ہونے کے جب تو لوگوں سے دنیاداری کی بات کرنے لگے گا تو تو اشارہ تو کرسکے گا لیکن تیری زبان نہیں چلے گی، ہاں البتہ ذکر اذکار جاری رہے گا۔

اور صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کر یہ جو حکم دیا گیا ہے اس سے خود ثابت ہوگیا کہ تسبیح وتحمید پر وہ خود قادر تھے، سبحان اللہ، الحمدللہ، لاالٰہ الااللہ، اس قسم کے کلمات ان کی زبان پر جاری ہوں گے، اگر یہ بھی جاری نہ ہوں تو پھر حکم دینے کا کیا مطلب؟ اس کی طرف دیکھتے ہوئے یہ مطلب نکل آیا کہ تیرے اوپر ایسی کیفیت طاری ہوگی کہ تو کسی دوسرے کے ساتھ دنیاداری کی بات کرنا چاہے گا تو تیری زبان نہیں چلے گی، ہاں البتہ ذکر کے لئے تیری زبان جاری رہے گی، دوسری بات تو اشارہ سے کرسکے گا زبان سے نہیں کرسکے گا، جب یہ واقعہ پیش آجائے تو یقین کرلینا کہ اب بچہ کی بنیاد رکھ دی گئی اور وہ بچہ ماں کے بطن میں آگیا ہے۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ
وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ
وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ
نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ
يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ
الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖۗ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ ۙ
وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ
اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾
وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ ۚ وَرَسُوْلًا
اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ
اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ
طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ
عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾
اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ
اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۗ قَالَ
الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾
رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾
وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

ترجمہ:

قابل ذکر ہے وہ وقت جب کہ فرشتہ نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے چن لیا اور تجھے صاف ستھرا کیا اور چن لیا تجھے تمام جہان کی عورتوں کے مقابلہ میں اے مریم! اطاعت اختیار کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ، یہ جو کچھ ذکر کیا گیا یہ غیب کی خبروں میں سے ہے ہم اس کو آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ ان لوگوں کے پاس نہیں تھے جب کہ وہ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے تا کہ جان لیں کہ مریم کا کفیل کون بنتا ہے اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے، قابل ذکر ہے وہ وقت جب فرشتوں نے کہا اے مریم! بے شک اللہ تعالیٰ تجھے بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا دنیا کے اندر باوجاہت ہوگا اور آخرت میں بھی، اور اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہوگا۔ لوگوں سے کلام کرے گا اس حال میں کہ وہ گود میں ہوگا اور بڑی عمر میں بھی اور اچھے لوگوں میں سے ہوں گے، حضرت مریم علیہا السلام کہنے لگیں اے میرے پروردگار! میرے لئے بچہ کیسے ہوگا مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ بھی نہیں لگایا (مس بشر کنایہ ہے جماع سے) اللہ تعالیٰ نے کہا ایسے ہی، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس وقت وہ فیصلہ کرے کسی امر کا سوائے اس کے نہیں پس اس کو کہہ دیتا ہے ہوجا، پس وہ ہوجاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اسے تعلیم دے گا کتاب و حکمت کی اور تورات وانجیل کی۔ اللہ تعالیٰ اس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر اٹھائے گا یہ خبر دینے والے ہوں گے کہ تحقیق میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں اپنے رب کی طرف سے کہ بے شک میں بناتا ہوں لئے مٹی سے پرندے جیسی شکل پھر

اس میں پھونک مارتا ہوں، پھر وہ اللہ کی اجازت سے کے واقعی پرندہ بن جاتا ہے اور میں درست کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص والے (کوڑھی) کو اور میں زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کی اجازت کے ساتھ اور میں تمہیں بتادیتا ہوں وہ چیز جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ کر کے رکھتے ہو اپنے گھروں میں (یہ علمی معجزہ ہے) بے شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو، اور میں آیا ہوں تمہارے پاس اس حال میں کہ میں تصدیق کرنے والا ہوں اس چیز کی جو میرے سامنے ہے تورات، اور تا کہ تمہارے لئے حلال کر دوں بعض وہ چیز جو تم پر حرام کی گئی ہے اور لایا ہوں میں تمہارے پاس نشانی اپنے رب کی طرف سے پھر تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے پس تم اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے، پھر جس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا ان بنی اسرائیل کی طرف سے کفر کو تو کہا کون ہیں میرے مددگار اس حال میں کہ میں اللہ کی طرف متوجہ ہوں حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم ایمان لے آئے اللہ پر اور تو گواہ ہو جا کہ بے شک ہم فرمانبردار ہیں، اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے اس چیز کے ساتھ جو تو نے اتاری اور ہم نے اتباع کی رسول کی پس تو ہمیں اقرار کرنے والوں کے ساتھ لکھ دے، اور مخالفین نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

(تورات وانجیل یا تو یہ کتاب وحکمت کا ہی بیان ہے یا بعض مفسرین نے ذکر کیا کہ چونکہ تورات وانجیل کو آگے مستقل ذکر کر دیا اس لئے کتاب وحکمت سے یا تو لکھنا مراد ہے کہ اللہ انہیں لکھنا سکھائے گا اور حکمت دے گا، ان کی وعظ ونصیحت بڑی حکمت پر مبنی ہوا کرے گی، بڑی حکمت ودانش مندی کی باتیں کریں گے، اور تورات وانجیل کی تعلیم بھی اللہ تعالیٰ دیں گے، یا پھر کتاب وحکمت کا مصداق قرآن وسنت ہے یہ بھی پیش گوئی ہے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آخر عمر میں نازل ہو کر اس امت کے اندر سرداری کرنی ہے، امامت سنبھالنی ہے، اور اس وقت وہ فیصلہ قرآن وحدیث کے مطابق کریں گے، اور وہ یہاں آ کے قرآن وحدیث کی تفسیر وتعلیم حاصل نہیں کریں گے کہ صحاح ستہ کو پڑھیں، کہیں دورہ کریں پھر پتہ چلے کہ حدیث میں کیا آتا ہے اور قرآن کریم کا کیا مطلب ہے، وہ یہاں آ کر تعلیم حاصل نہیں کریں گے اللہ نے ان کو پہلے ہی علم دیا ہوگا، تو ان کے علم کے دو شعبے ہو گئے کہ انہوں تورات وانجیل کا علم بھی حاصل ہوگا اور قرآن وسنت کا علم بھی ان کو حاصل ہوگا، یہ علیحدہ بات ہے کہ جس وقت یہ پیش گوئی کی جا رہی ہو۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ وضاحت کی جا رہی ہو تو لوگ اس کا مصداق نہ سمجھیں اور وہ اس کو اور معنوں پر ہی محمول کرتے رہیں، جب واقعہ پیش آئے گا تو پتہ چل جائے گا کہ واقعی یہ قرآن وسنت کو بھی جانتے ہیں اور تورات وانجیل کو بھی جانتے ہیں پھر ان لفظوں کا مصداق متعین ہو جائے گا، اور ہمارے سامنے چونکہ دلائل قطعیہ کے ساتھ یہ بات

واضح ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے قرآن وسنت کے مطابق اس دنیا کے اندر آ کے امامت کرنی ہے اس لئے ہم اگر کتاب وحکمت کا مصداق قرآن وسنت کو بنا دیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جامع ہوں گے تورات وانجیل کے بھی اور قرآن وسنت کے بھی ان کی پہلی زندگی تورات وانجیل کے مطابق گزرے گی اور نزول کے بعد ان کی دوسری زندگی کتاب وحکمت کے مطابق گزرے گی، چاہے اس وقت لوگ اس کا مصداق نہ سمجھیں لیکن اب دلیل کے ساتھ اس کی تعیین کی جاسکتی ہے)

حواری کا لفظ ناصر کے معنی میں ہے اور یہ لفظ اسی زبان کا ہے یہ عربی لفظ نہیں ہے بعد میں یہ لفظ عربی کے اندر بھی اسی معنی میں استعمال ہونے لگ گیا، جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے " لکل نبی حواریون وحواری الزبیر " ہر نبی کے کے لئے کوئی نہ کوئی حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے، اور اگر یہ لفظ عربی ہو تو پھر اس کا ماخذ حور ہے اور حور سفید کو کہتے ہیں ، اس لئے حور جو حوراء کی جمع ہے گورے رنگ کی عورت، وہ بھی اسی معنی میں استعمال ہوتی ہے، تو حور جس وقت سفیدی کے معنی میں ہوگا تو یہ لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے تھے یہ حواری کہلاتے تھے یا تو اپنی سفید پوشی کی وجہ سے، یا دلوں کی سفیدی کی وجہ سے، یا بعض حضرات نے کہا کہ ان کا پیشہ تھا کپڑے دھونا یہ دھوبی تھے اس لئے دھوبی کو حواری کہتے ہیں کہ وہ کپڑوں کو صاف کرتا ہے، پھر چونکہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھی ثابت ہوئے تو اب یہ حواری عنوان ہی بن گیا مخلص ساتھی کے لئے، اب اگر ہم کہیں کہ فلاں میرا حواری ہے تو یہ لفظ تشبیہاً استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میرے لئے یہ ایسے ہی مخلص اور جانثار ہے جیسے عیسیٰ کے لئے وہ دھوبی تھے۔

جیسے یار غار کا لفظ بولا جاتا ہے، اصل کے اعتبار سے تو یہ لفظ بولا جاتا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر جو غار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یار تھا تو غار کے اندر آپ نے دوستی نمایاں کی لیکن بعد میں یہ لفظ تشبیہاً مخلص دوست کے بولنے لگ گئے اس کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ میرے لئے یہ ایسے ہی قابل اعتماد ہے جس طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ ابوبکر پر اعتماد کا مظاہرہ سب سے زیادہ غار میں ہوا ہے کہ جب اپنی جان اور ہر چیز ابوبکر کے اعتماد میں دیدی گئی اگر یہ بے وفائی کر جاتے تو کتنا نقصان ہوتا ایسے موقع پر انسان سب سے زیادہ مخلص اور قابل اعتماد ساتھی کو ساتھ رکھا کرتا ہے، تو حضرت ابوبکر صدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یار غار تھے تو اب جو بھی مخلص دوست ہوتا ہے اس کو ہم یار غار کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، اسی طرح لفظ حواری ہے جو اصل کے اعتبار سے مددگار پر بولا جاتا ہے۔

(لفظ مسیح پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ لفظ مسیح عبرانی لفظ ماسیحا سے معرب ہے، اور ماسیحا عبرانی میں مبارک کو کہتے ہیں، تو جب یہ اس سے معرب ہوا تو یہ بھی مبارک کے معنی میں ہوا، اور لفظ عیسیٰ عبرانی میں

عیسوا کا معرب ہے اور عیسو عبرانی میں سید کو کہتے ہیں تو اس کا معنی بھی سید ہوا، اب لفظ مسیح لقب ہے اور عیسیٰ یہ علم کے طور پر استعمال ہوا ہے ابن مریم کے لئے، اور دجال کے لئے لفظ مسیح استعمال کیا جاتا ہے وہ بالاتفاق لفظ عربی ہے اور اس کا مادہ مسح ہے، ممسوح کے معنی میں ہے، مٹائی ہوئی چیز جس کا صفایا کیا ہوا ہو، تو اس دجال کو مسیح کہیں گے کیونکہ وہ ممسوح الہدایت ہوگا اس میں ہدایت کا نام ونشان نہیں، یا ممسوح العین ہوگا کہ اس کی ایک آنکھ مٹائی ہوئی ہوگی، یا ممسوح العین ہونے کی وجہ سے اس کو مسیح کہیں گے یا ممسوح الہدایت ہونے کی وجہ سے اس کو مسیح کہیں گے، اور اگر مسح عربی کا لفظ ہو پھر بنی اسرائیل میں یہ ایک رواج چلا آرہا تھا کہ نئے نبی آنے والے کو پچھلا نبی جو موجود ہوتا وہ اس کے سر کے اوپر تیل مل کے اس کی نبوت اور اس کی سرداری کا اعلان کرتا تو واقعہ تو باقیوں کے ساتھ بھی پیش آیا ہوگا، اور یحییٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اعلان اسی طرح کیا تو جس وقت ان کے سر پر تیل لگا کے ہاتھ پھیر کے سرداری کا اعلان کیا جس کو ان کی اصطلاح میں بپتسمہ دینا کہتے ہیں، تو پھر یہ لفظ ان کے لئے بطور لقب کے مشہور ہوگیا پھر یہ بھی عربی کا لفظ ہوگا، ممسوح کے معنی میں جس کے سر پر ہاتھ پھیرا گیا، یعنی یحییٰ نے جن کے سر پر ہاتھ پھیر کے ان کی سرداری کا اعلان کیا لیکن پہلا مفہوم زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ گویا کہ پیش گوئی کے وقت ہی اس کو مسیح قرار دے کے پیش گوئی کی جارہی ہے جس سے مبارک والا معنی زیادہ چسپاں ہوتا ہے ورنہ دوسرا مفہوم بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ زندگی کے اندر اس لفظ کے ساتھ مشہور ہوں گے، آنے والے وقت کے اعتبار سے ان کو مسیں کہہ دیا)

تشریح:

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے واقعات کے بعد اس رکوع میں ذکر کیا گیا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا، مسئلہ پیچھے سے یہی چلا آرہا ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ جو اختلاف تھا اصل وضاحت تو اس کی کرنی ہے یہی چیزیں جو آپ کے سامنے آرہی ہیں یہ بطور تمہید کے ہیں اور تمہید بھی ایسے واقعات کے ساتھ اٹھائی گئی کہ جن کے ساتھ آنے والا مسئلہ آسانی کے ساتھ حل ہوجاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہی ان لوگوں کے لئے اشتباہ کا باعث بن گئی تھی کہ جب ان کا باپ کوئی نہیں تو پھر انہوں نے جوڑ لگا دیا کہ یہ اللہ کے بیٹے ہیں، اللہ ان کا باپ ہے، اور یہ بات غلط تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ واقعات کے ساتھ یہ ثابت کرتے آرہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہی صرف خرق عادت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت اس زمانہ میں سارے کے سارے سلسلہ میں اپنی قدرت کا اظہار کیا۔

مریم علیہا السلام کا پیدا ہونا عام عادت کے خلاف، اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کرلیا گیا، پھر بچپن میں ان کے اوپر ولدیت کے آثار کا اظہار یہ خرق عادت کا مظاہرہ ہے کہ ان کو بے موسم پھل ملتے تھے پھر اس کے ساتھ ہی

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ سنایا گیا وہ کونسا عادت کے مطابق تھا، یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کو خلاف اسباب رزق کا مل جانا، اور حضرت زکریا علیہ السلام کو بے موسم اولاد کا مل جانا یہ سب اللہ تبارک وتعالیٰ کی عام عادت کے خلاف واقعات ہیں تو یہ تمہید ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی۔

تو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بھی عام حالات کے مخالف ہوگئی تو اس میں کونسی تعجب والی بات ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت جیسے بے موسم پھل دے رہی تھی، اور جس طرح اللہ کی قدرت نے بوڑھوں کو اولاد دیدی اسی طرح اگر بن باپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دیا صرف ایک عورت کی وساطت سے تو اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیئے، یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کے تحت ہے، کوئی چیز اللہ کی قدرت سے باہر نہیں ہے، اسی طرح ثابت کیا جائے گا کہ یہ آدم کی اولاد میں سے ہیں نوح کی اولاد میں سے ہیں، آل ابرہیم میں سے ہیں، آل عمران میں سے ہیں، مریم کے بطن سے پیدا ہوئے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کے تحت پیدا ہوئے ظاہری اسباب کے خلاف، پھر پیدا ہونے کے بعد انہوں نے جس قسم کے معجزات کا اظہار کیا ان معجزات کو لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی دلیل بنایا، آگے ان معجزات کی تفصیل آجائے گی کہ ان معجزات کی کیا حقیقت تھی۔

اور پھر ان سب چیزوں کو ظاہر کرنے کے بعد خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مخاطبین کے سامنے اپنی کیا حیثیت بیان کی اور لوگوں کو تعلیم کس چیز کی دی؟ کیا انہوں نے دعوی کیا کہ چونکہ میں مردے زندہ کرتا ہوں اس لئے مجھے الٰہ کہو؟ کیا انہوں نے یہ دعوی کیا کہ چونکہ میں اندھوں کو ٹھیک کر دیتا ہوں اس لئے مجھے خدا مانو؟ یا خدا کا بیٹا مانو؟ نہیں، سب کچھ ظاہر کرنے کے بعد انہوں نے اعلان کیا تو یہی کیا کہ " ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ " کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور اللہ ہی تمہارا رب ہے تم اسی کی عبادت کرو یہی صراط مستقیم ہے، تو اگر صراط مستقیم پر چلنا چاہتے ہو تو جس طرح تمہارا دعوی ہے اور ہدایت بھی اصل میں یہی ہے کہ انسان صراط مستقیم پر چلے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اعلان یہی ہوا کہ پھر وہی اللہ میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب ہے، بندگی اسی کی کرو اگر اس کی عبادت کرو گے تو تم صراط مستقیم پر ہو اگر تم اس کی عبادت کو چھوڑ دو گے تو پھر تم صراط مستقیم سے بھٹک جاؤ گے، تو سارے معجزات ظاہر کرنے کے بعد انہوں نے الوہیت کا دعوی نہیں کیا، اپنے آپ کو عبدیت سے خارج نہیں کیا، بلکہ اللہ کی ربوبیت کا اعلان کرتے ہوئے اسی کی عبادت کی دعوت دی ہے۔

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بھی جب توحید کا اعلان ہوا تو پھر کسی دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ انہی معجزات کو دلیل بنا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ ثابت کرنے کی کوشش کرے، اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کے نظریات کی تردید ہو جاتی ہے، اور ساتھ ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کی ولدیت کو بھی واضح کیا جا رہا ہے، جس طرح صاف اور واضح

الفاظ میں آئے گا " وامه صدیقة "اس کی ماں تو صدیقہ اور ولیہ تھی، اللہ تعالیٰ کی پیاری بندی تھی۔

اور یہود نے ان کے متعلق جو خرافات بکیں اور ان کے اوپر تہمتیں لگائیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسوا اور بدنام کرنے کی کوشش کی اور ان کی ماں کو بدنام اور رسوا کیا، ان واقعات کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام کی پوزیشن بھی صاف ہوتی چلی جائے گی، تو جو یہود کے نظریات تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہ بھی صاف ہوجائیں گے، اور ان کی غلطی بھی واضح ہوجائے گی، اور عیسائیوں نے جس قسم کے نظریات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قائم کرلئے تھے ان کی بھی وضاحت ہوجائے گی، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کو واضح کرنے کے لئے یہ آیات بہت اہم حیثیت کی حامل ہیں۔

"واذقالت الملائکة یمریم "سب سے پہلے حضرت مریم علیہا السلام کو جو فرشتوں نے بشارت دی تھی اس کا ذکر آگیا کہ فرشتوں نے مریم علیہا السلام سے کہا اس سے معلوم ہوگیا کہ فرشتے غیر نبی سے بھی مکالمہ کرلیتے ہیں، اور فرشتوں کی گفتگو غیر نبی کے ساتھ بھی ہوسکتی ہے، لیکن بطور وحی کے بعض باتیں جو احکام پر مشتمل ہوں ایسی باتیں نبی پر نازل ہوتی ہیں احکام کی صورت میں، اور احکام شرعیہ فرشتوں کی وساطت سے کسی دوسرے پر نہیں آسکتے، کسی اور معاملہ میں گفتگو ہوجائے فرشتہ متشکل ہو کے آجائے جس طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک کوڑی تھا، ایک گنجا تھا، ایک اندھا تھا، ان کے پاس بھی فرشتہ آیا اور آ کے گفتگو کی (واقعہ طویل ہے) مشکوۃ میں بھی ہے بخاری شریف میں بھی ہے، اور اس کا ترجمہ بہشتی زیور کے شروع میں حضرت نے اردو میں بھی لکھا ہے، اور یہاں حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ گفتگو کا ذکر ہے ان سے معلوم ہوگیا کہ غیر نبی کے ساتھ بھی فرشتہ کلام کرلیتا ہے، اور صرف فرشتہ کے کلام کرنے کے ساتھ ہی کسی کی نبوت ثابت نہیں ہوتی، جنات بھی بات کرلیتے ہیں ملائکہ بھی بات کرلیتے ہیں، عام آدمیوں کو چونکہ یہ حیثیت حاصل نہیں ہوتی اس لئے ان کو نہ فرشتوں کا احساس ہوتا ہے اور نہ ان سے گفتگو ہوتی ہے۔

اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کے ساتھ فرشتے کو متشکل کر کے گفتگو کرادے یا کسی روح کو اتنی ترقی حاصل ہوجائے کہ عالم ملکوت کے ساتھ وہ رابطہ قائم کر کے وہ فرشتوں سے گفتگو کرے فرشتے اس سے گفتگو کرلیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ فرشتوں نے گفتگو کی، اے مریم اللہ نے تجھے چن لیا، اللہ نے تجھے فضیلت دی اور فضیلت بھی معمولی نہیں ہے فضیلت بھی تمام جہاں کی عورتوں کے مقابلہ میں ہے، اس فضیلت سے بعض خصوصی فضائل مراد ہیں جس کو آپ جزوی فضیلت سے تعبیر کرسکتے ہیں کہ ابتداء سے قبولیت کے آثار، بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول ہوجانا، اور بلا ظاہری اسباب کے رزق ملنا، اور اس کے علاوہ بہت سارے معاملات میں جو انہی کے ساتھ ہی خاص ہیں باقی فضل کلی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہو، سب سے زیادہ مرتبہ حاصل ہو، اللہ کا قرب سب سے زیادہ حاصل ہو، اس بارے

میں حدیث شریف میں پانچ عورتوں کی تعریف آتی ہے دو امم سابقہ میں سے ہیں اور تین موجودہ امت میں سے، حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت آسیہ علیہا السلام امرأۃ فرعون یہ پہلی امتوں میں سے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا یہ اس امت میں سے ہیں۔

پانچ عورتوں کے فضائل حدیث شریف میں مذکور ہیں اور ان میں سے کلی فضیلت کس کو حاصل ہے اس بارے میں اقوال مختلف ہیں، بہرحال یہ پانچ عورتیں دنیا کی عورتوں کے مقابلہ میں افضل ہیں، "علی نسآء العالمین" کا مصداق یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں جتنی عورتیں موجود تھیں ان کے مقابلہ میں حضرت مریم علیہا السلام کو فضیلت کلی حاصل تھی، پھر اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے، جس طرح بنی اسرائیل کے بارے میں بھی یہ لفظ آتا ہے، "فضلناهم علی العالمین" وہاں یہی توجیہ کی جاتی ہے کہ اس زمانہ میں جو لوگ موجود تھے ان کے مقابلہ میں ان کو فضیلت حاصل تھی، یا بعض جزوی واقعات میں ساری دنیا کے مقابلہ میں ان کو فضیلت حاصل تھی کہ جیسا برتاؤ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا اللہ تعالیٰ نے ایسا برتاؤ کسی دوسرے کے ساتھ نہیں کیا۔

"یا مریم اقنتی لربك" اے مریم اللہ کی عبادت کر اور سجدہ کر اور رکوع کر رکوع کرنے والوں کے ساتھ، یعنی جو لوگ اہتمام کے ساتھ رکوع کرتے ہیں ان کے ساتھ رکوع کر، جس طرح بعض لوگ غفلت کرتے ہیں رکوع صحیح نہیں کرتے ایسا نہ کرنا، یا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھا کر، جب دوسرے لوگ پڑھتے ہیں تو تو بھی ساتھ شامل ہوجایا کر تو اپنے محراب میں رہتی ہوئیں حضرت مریم علیہا السلام دوسروں کے ساتھ نماز پڑھ لیتی تھیں، یا رکوع عاجزی کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے کہ عاجزی کرنے والوں کے ساتھ مل کے عاجزی کر یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے اور اسی طرح قنوت کا ایک معنی قیام بھی ہے اگر اس سے قیام مراد لے لیا جائے، تو نماز کے تینوں رکن اس میں آجائیں گے، تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ان کو وقف کیا گیا تھا، اور فرشتے بھی اسی کی تائید کررہے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں لگی رہ۔

"ذلك من انباء الغیب نوحیه الیك" پہلے بھی آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ گذشتہ واقعات میں سے جب بھی کوئی واقعہ قرآن کریم میں نقل کیا جاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی دلیل بنا کر بھی پیش کرتے ہیں، تاریخ کا یہ حصہ جس میں حضرت مریم علیہا السلام کے صحیح حالات، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا صحیح قصہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو بنی اسرائیل مسخ کر بیٹھے تھے، اور بعض حصے ایسے ہیں جن کو وہ ضائع کر بیٹھے تھے، تو ان امیوں کو تو کیا پتہ ہوتا، مکہ مکرمہ میں رہنے والوں کو صحیح حالات کیا معلوم ہوتے، خود بنی اسرائیل کو بھی صحیح حالات معلوم نہیں تھے، ان کے ذخیرہ میں بھی ان کے متعلق صحیح حالات نہیں ہیں، اب اتنی صفائی کے ساتھ ان حالات کو پیش کردینا کہ جزئیات بھی سامنے آگئیں اور اتنے

اعتماد کے ساتھ یہ چیزیں بتائی جارہی ہیں کہ جس کا جاننے والا اس ماحول میں سرے سے ہے ہی کوئی نہیں، بلکہ کتابوں کے ذخیرے بھی اس سے خالی ہیں، یہ علامت ہے اس بات کی کہ سرور کائنات ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم دیا جارہا ہے۔

اور یہی دلیل ہے آپ کی نبوت اور رسالت کی اسی کی طرف متوجہ کیا ہے کہ یہ غیب کی خبر میں سے ہے یعنی ماضی کے حالات ہیں جو آپ کے سامنے نہیں ہیں، یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں آپ ان لوگوں کے پاس نہیں تھے جب وہ لوگ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے، یہ قلموں کا ڈالنا قرعہ اندازی کے لئے تھا کہ "ایھم یکفل مریم" کہ مریم کو کون سنبھالے؟ اور نہ آپ ان کے پاس تھے جب وہ آپس میں اس معاملہ میں جھگڑا کر رہے تھے، اسی مریم کی کفالت کے بارے میں، یا اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کرنا چاہیئے یا نہیں کیونکہ یہ بات سابقہ روایت کے خلاف تھی، تو اس جھگڑے کے وقت آپ ان کے پاس نہیں تھے، اور کتابوں میں صحیح حالات ہیں نہیں، آپ کے علاقہ میں اس کو جاننے والا کوئی نہیں تو لازماً اس کا ذریعہ یہی ہے کہ ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، جب آپ کی طرف وحی آتی ہے تو اس سے آپ کی حیثیت بھی نمایاں ہوگئی کہ آپ اللہ کے نبی ہیں تو ایسے واقعات کو حضور ﷺ کی نبوت کی دلیل کے طور پر ذکر کردیا جاتا ہے۔

"اذقالت الملائکۃ یمریم" حضرت مریم علیہا السلام کے ابتدائی حالات ذکر کئے اور اس کے بعد جب حضرت مریم علیہا السلام بالغ ہوگئیں تو انہوں نے غسل کرنے کے لئے علیحدگی اختیار کی سورت مریم کے الفاظ ہیں "اذ انتبذت من اہلہا مکاناً شرقیاً" اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس تشریف لائے، اور حضرت مریم علیہا السلام کو یہ بشارت دی، بشارت دی ان کو اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی، اللہ تعالیٰ کے کلمات بے انتہاء ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ سورت کہف میں آتا ہے کہ اگر سمندر کی سیاہی بنادی جائے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کو لکھنا شروع کردیا جائے تو یہ سیاہی کا سمندر ختم ہو جائے گا اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، ان کلمات میں سے ایک کلمہ کی بشارت حضرت مریم علیہا السلام کو دی گئی گویا کہ ابتداء سے ہی اس بات کی طرف نشاندہی کردی گئی، کہ عیسیٰ کی ولادت اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے ساتھ براہ راست ہوگی، اس میں اس طرح اسباب کا دخل نہیں ہوگا جس طرح عام طور پر بچے پیدا ہوتے ہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کا اثر ہوگا، اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے ساتھ پیدا ہونے والے۔

اگرچہ باقی کائنات بھی اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کے ساتھ بنتی ہے لیکن اس کے لئے چونکہ ظاہری اسباب اختیار کئے جاتے ہیں اور یہ شریعت کا ایک محاورہ ہے کہ جو کام ظاہری اسباب کے طور پر ہو اس کی نسبت تو ظاہر کی طرف کی جاسکتی ہے، اور جو ظاہری اسباب کے خلاف ہوتا ہے اس کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہی کی جاتی ہے، تو قرآن کریم میں ہی ہے، "ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمیٰ" تو نے نہیں پھینکا جب تو نے پھینکا تھا لیکن اللہ نے پھینکا اب جب تو نے پھینکا تھا اس

میں رمی کی ظاہری نسبت تو حضور ﷺ کی طرف ہے بدر کے اندر جو آپ نے مٹھی بھر کے کنکریاں پھینکی تھیں، لیکن اس کے اوپر چونکہ اثر ایسا مرتب ہوا جو عام طور پر ایک مٹھی کنکریوں پر مرتب نہیں ہوسکتا تو اس کے آثار کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی نسبت اللہ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ وہ ظاہری اثر کے خلاف تھا، اگرچہ ظاہری طور پر وہ مٹھی آپ نے پھینکی تھی۔

لیکن آثار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جائے گا کہ آپ نے نہیں پھینکی یہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے، تلوار کے ساتھ آپ کسی آدمی کو قتل کریں تو نسبت آپ کی طرف کردی جائے گی کہ آپ نے فلاں شخص کو قتل کیا ہے، لیکن اگر اتفاقاً آپ نے چھوٹی سے کنکری اٹھا کے ماری اور وہ مرگیا تو چونکہ کنکری کے ساتھ مرجانا عام عادت نہیں ہے، اس لئے جو سنے گا وہ یہی کہے گا کہ بس بھائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی موت لکھی ہوئی تھی اللہ نے اسے مار دیا، ورنہ کنکری میں ایسی طاقت نہیں ہوتی جو اسے مار دے، تو جو نتیجہ ظاہری اسباب کے خلاف ہو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کردی جاتی ہے ورنہ جتنی کائنات ہے وہ ساری اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئی ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا کلمہ اسی لئے قرار دیا گیا کہ بچوں کے پیدا ہونے کے لئے عام طور پر جو اسباب ہوتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے وہ اسباب اختیار نہیں کئے گئے۔

"اسمہ المسیح عیسی ابن مریم" اس کی وضاحت ترجمہ میں ہوچکی لیکن اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ ولادت سے قبل جب بشارت دی جارہی ہے کہ تو ابن مریم کا لفظ ساتھ جوڑا جارہا ہے ایسے طور پر ذکر کیا جارہا ہے، گویا کہ ابن مریم ان کے نام کا حصہ ہے، اس سے بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی نسبت ماں کی طرف ہی ہوگی، ورنہ عام طور پر رواج یہ ہے کہ بچہ کی نسبت باپ کی طرف ہوا کرتی ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اگر ظاہری اسباب میں کوئی باپ ہوتا تو نسبت اس کی طرف ہونی چاہیئے تھی، تو پیش گوئی کے اندر بھی انداز ایسا اختیار کیا گیا جس میں نشاندہی کردی گئی کہ ان کی نسبت ماں کی طرف ہی رہے گی، اس لئے قرآن کریم ان کو اکثر و بیشتر ابن مریم کے عنوان سے ہی ذکر کرتا ہے۔

"وجیہاً فی الدنیا والآخرۃ" اس لفظ سے حضرت مریم علیہا السلام کے ذہن میں یہ بات ڈالی گئی کہ یہ نہ خیال کرنا کہ جب اس بچہ کا باپ کوئی نہیں ہوگا اور یہ مریم کا ہی بیٹا ہوگا تو ایسے بچوں کو عموماً معاشرے کے اندر عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، کیونکہ بچوں کو جو عزت ملا کرتی ہے عموماً آبائی خاندان سے ہی ملا کرتی ہے، اور جس بچہ کے سر پر باپ کا سایہ نہ ہو اس کو معاشرہ میں کوئی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا، فرمایا وہ بچہ ایسا نہیں ہوگا کہ لوگ اس کی تحقیر کریں یا دنیا کے اندر اس کو عزت نہ ملے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وجاہت ملے گی، وہ ذی وجاہت ہوگا باعزت ہوگا اس کی سرداری والی شان ہوگی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب وجیہاً قرار دیا گیا تو اس کا یہ مطلب نکل آیا کہ لوگ اس کہ لوگ اگر اس کے اوپر کوئی الزام لگائیں گے بھی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی صفائی دیں گے، اور صفائی دے کے ان کی عزت کو بحال

کریں گے۔

قرآن کریم میں وجیھاً کا لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے سورت احزاب کے آٹھویں رکوع میں ، "یایھاالذین آمنو ا لاتکونوا کالذین أذو موسیٰ فبرء ہ الله مماقالوا و کان عندالله وجیھاً " اے ایمان والوان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جن لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تکلیف پہنچائی تھی اور پھر موسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے بری ثابت کیا، یعنی تکلیف پہنچائی تھی موسیٰ پر غلط الزام لگا کے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کہ یہ جو عیب موسیٰ علیہ السلام پر لگاتے ہیں یہ موسیٰ علیہ السلام میں نہیں ہے، "و کان عندالله وجیھاً "اللہ تعالیٰ کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام ذی وجاہت ہیں، تو جس طرح وہاں غلط الزام کی تردید کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لوگوں کے سامنے نمایاں کیا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی اگر کوئی الزام لگائے گا تو اللہ تعالیٰ اس الزام کو دور کر کے ان کی وجاہت قائم فرمائیں گے، "وجیھاً فی الدنیا "دنیا میں بھی ذی وجاہت ہوں گے ،"والآخرۃ "اور آخرت میں بھی ذی وجاہت ہوں گے، "ومن المقربین" اور اللہ تعالیٰ کے مقربون میں سے ہوں گے، نیک ہوں گے مقربین کی شان ان کے اندر پائی جائے گی۔

"ویکلم الناس فی المھد و کھلاً "اور اللہ تعالیٰ بچپن ہی سے ان کو اس طرح کے اثرات دیں گے جن کی وجہ سے صراحتاً ان کی مقبولیت پر استدلال کیا جاسکے گا کہ عام بچوں کی عادت کے خلاف بالکل چھوٹی سے عمر میں جب کہ بچے بولتے نہیں ہیں وہ بولے گا ماں کی گود میں باتیں کرے گا، اور بڑی عمر میں بھی باتیں کرے گا یعنی اس کی دونوں باتیں بچپن اور کہولت کی ایک شان کی ہوں گی یہ نہیں کہ بچے اگر باتیں کرنے لگ بھی جائیں تو ان می ں کوئی معنویت نہیں ہوتی، ایسے ہی بے ڈھنگے پن سے باتیں کرتے ہیں جن کا کوئی مفہوم نہیں بنتا، ایسی باتیں نہیں ہوں گی، بلکہ علم وحکمت پر مبنی باتیں ہوں گی، جس طرح بڑی عمر کے بات کریں گے اسی طرح چھوٹی عمر کے اندر بات کریں گے، اور یہ بھی عام حالات کے خلاف ہے، "ومن الصالحین "اور شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے۔

تو حضرت مریم علیہا السلام کو یقین تو آ گیا کہ یہ بشارت اللہ کی طرف سے ہے لیکن پہلے کم ازکم دو موقع آپ کے سامنے ایسے گزر چکے ہیں کہ یقین کے باوجود کیفیت کے متعلق سوال ہوتا ہے، پہلے تو سورت بقرۃ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ آیا تھا "رب ارنی کیف تحی الموتیٰ "اللہ تعالیٰ نے پوچھا تھا، "اولم تؤمن" تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا "بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی" اطمینان قلبی کے لئے کیفیت پوچھی جارہی ہے، اور پھر دوسرے نمبر پر حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ آیا تھا کہ جب انہیں یحییٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دی گئی، تو انہوں نے بھی یہی سوال کیا تھا "رب انیٰ یکون لی غلام " چونکہ ظاہری اسباب موجود نہیں تھے تو یہ بچہ کیونکر ہوگا، کیفیت پوچھی جاتی ہے اطمینان قلبی کے لئے، ورنہ یہ نہیں کہ یقین نہیں

ہے، جب ایک چیز ظاہری اسباب کے خلاف پیش آ رہی ہے اس وقت دل کے اندر یہ بات آتی ہے کہ آخر وہ کس طرح ہوگی اس کے لئے کیا اسباب اختیار کئے جائیں گے۔

اب حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے پہلے ایسا کوئی نمونہ نہیں ہے کہ کسی عورت کو مرد مس نہ کرے اور معمول کے مطابق اس کو بچہ ہو جائے، پھر عورت بھی نیک پاکدامن اور ولیہ ہو صدیقہ ہو، جتنے اچھے سے اچھے الفاظ آپ ان کے لئے استعمال کر سکتے ہیں وہ سب ان کے اوپر صادق آتے ہیں، انہوں نے بھی یہی سوال کیا کہ ”انی یکون لی ولد“ کہ میرے لئے بچہ کیسے ہوگا، ”ولم یمسسنی بشر“ یہ نکرہ تحت النفی ہے کہ مجھے کسی بشر نے مس نہیں کیا اور مس کرنا یہاں جماع کسے کنایہ ہے، صرف ہاتھ لگانا مراد نہیں ہے، کیونکہ اولاد کے لئے صرف ہاتھ لگانا کافی نہیں ہوتا، بلکہ اولاد کے لئے مرد و عورت کا جو سلسلہ ہوا کرتا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے، اور یہاں چونکہ دوسرا لفظ نہیں آیا اس لئے یہ جائز ناجائز دونوں کو شامل ہے کہ کسی انسان نے میرے ساتھ مجامعت نہیں کی میرے لئے بچہ کیسے ہوگا؟

عام طور پر عادت یہی ہے کہ مرد و عورت مجامعت کرتے ہیں تبھی اولاد ہوتی ہے، سورت مریم کے اندر دو لفظ آئیں گے ” لم یمسسنی بشر ولم اك بغیاً “تو چونکہ ” لم اك بغیاً “ کا لفظ وہاں آیا ہوا ہے کہ میں کوئی بدکارہ بھی نہیں ہوں، اس لئے وہاں ” لم یمسسنی بشر “ سے مراد ہوگا کہ جائز طریقہ سے بھی میرے پاس کوئی نہیں آیا، اور میں بدکارہ بھی نہیں ہوں تو پھر بچہ کیسے ہو جائے گا؟

قال اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کذلك انہی حالات میں بغیر مس بشر کے ”اللہ یخلق مایشاء“ اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے تو یہ بات حضرت مریم علیہا السلام کے سوال و جواب کے سلسلہ میں پوری طرح واضح ہوگئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کسی آدمی کی طرف نہیں ہے صرف حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ہے، اور پھر ولادت کا پورا قصہ سورت مریم کے اندر مذکور ہے کہ نفخ جبرئیل کے ساتھ ان کو حمل ٹھہر گیا، اور پھر وہ آبادی سے دور چلی گئیں، اکیلی تھیں، طبیعت کے اوپر کام کا اثر بھی تھا کہ ٹھیک ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے سب کچھ پیش آ رہا ہے، کل کو جب میں نے بچہ لے کے قوم کے پاس جاؤں گی تو قوم مجھے کیا کہے گی، اور پھر میں اکیل عورت میری صفائی کا کون اعتبار کرے گا یہ طبعی طور پر اس قسم کے خیالات انسان کے اوپر طاری ہوتے ہیں، اس لئے جب یہ بچہ ان کے ہاں پیدا ہو رہا تھا تو ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے جو قرآن کریم نے نقل کئے کہ ”یا لیتنی مت قبل هذا وکنت نسیاً منسیاً “ اے کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی، اور میں بالکل ہی بھولی بسری ہو جاتی کہ کوئی شخص مجھے جانتا ہی نا، میں بالکل فراموش ہو جاتی، حالات کے دباؤ کے تحت انسان کے اوپر اس قسم کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور یہ انسانی طبیعت کا ایک تقاضہ ہے، تو اسی غم اور فکر کی بناء پر ان کی

زبان سے اس قسم کے الفاظ نکلے۔

پھر ہوا بھی ایسے ہی کہ جس وقت وہ بچہ کو لیکر آئیں تو قوم میں شور مچ گیا سارے کے سارے لوگ اکٹھے ہو کے آ گئے، اور انہوں نے آ کر یہی اعتراض کیا جس کی توقع تھی کہ "ماکان ابوك امرء سوء وما كانت امك بغيا" کہ مریم یہ کیا کر لیا، تیرا تو باپ بھی برا نہیں تھا اور تیری ماں بھی بدکارہ نہیں تھی مطلب یہ کہ اچھے خاندان کی لڑکی تھی تو یہ کیا کر لائی سب کا ذہن ادھر ہی گیا، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے صفائی دی اور پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ جب یہ قوم آئے گی اس قسم کا سوال کرے گی تو تو نے بولنا نہیں ہے، اور اس شریعت کے اندر خاموشی کا روزہ بھی ہوا کرتا تھا کہ روزہ رکھ لیا کہ میں بولوں گی نہیں، "انی نذرت للرحمان صوماًفلن اکلم الیوم انسیاً" میں نے رحمان کے لئے روزہ کی نذر مان رکھی ہے آج میں کسی انسان سے بات نہیں کروں گی، تو جب انہوں نے سوال کیا تو" فاشارت الیه" بچہ کی طرف اشارہ کر دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اسی سے پوچھو وہ کہنے لگے کہ ہم اس سے کیا پوچھیں یہ تو ابھی چھوٹا سا بچہ ہے کچھ بتا ہی نہیں سکتا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وعظ شروع کر دی " قال انی عبدالله أتانی الکتاب" تو یہ یکلم الناس فی المهد سے وہی وعظ مراد ہے جو گود کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی تھی اور اپنی ساری کی ساری حیثیت واضح کر دی تھی۔

"اذاقضیٰ امرا" اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا رہتا ہے جس وقت وہ فیصلہ کرتا ہے کسی امر کا سوائے اس کے نہیں اس کو کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو ظاہری اسباب اختیار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

"ویعلمه الکتاب والحکمة" پھر وہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہوگا وہ ایسی شان کا ہوگا کہ اللہ اس کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے گا اور تورات وانجیل سکھائے گا (اس کی تشریح ترجمہ میں گزر چکی)

"ورسولاًالیٰ بنی اسرائیل" اور اس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر اٹھائے گا یہ خبر دیتے ہوئے وہ آئیں گے کہ میں تمہارے رب کی طرف سے دلیل لے کر آیا ہوں اپنی نبوت پر اور اپنی رسالت پر اس دلیل سے معجزہ مراد ہے جس کے ساتھ حسی طور پر نبی اپنی نبوت کو ثابت کرتا ہے اور اس آیت کی تفصیل اگلے الفاظ میں ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے معجزات دیئے تھے کہ مٹی سے ایک پرندے کی شکل بنا لیتے، جس طرح تصویر بنائی جاتی ہے اور ایسی تصویر بنانا ان کی شریعت کے اندر جائز تھا جیسے سورت سباء کے اندر حضرت سلیمان علیہ السلام کے تذکرے میں بھی آئے گا کہ جنات ان کے لئے تماثیل یہ تصویریں بنایا کرتے تھے، اور ہماری شریعت میں اس کی اجازت منسوخ ہو گئی، اور اس قسم کی چیز کا بنانا چاہے وہ لکڑی کی ہو، ربڑ کی ہو، مٹی کی ہو، پیتل تانبے چاندی کی ہو، کسی چیز کی ہو جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے یہ جائز نہیں ہے، ان کی شریعت میں جائز تھی۔

بنا لیتے پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ پرندہ بن کے اڑ جاتا، اور اس معجزہ سے بھی حسی طور پر لوگوں کے ذہن سے اس اشکال کو دور کرنا مقصود تھا کہ بغیر ظاہری اسباب کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا کس طرح ہو گئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندے کے ہاتھ پر اس قدرت کو ظاہر کر دیا کہ اگر ایک بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ چیز حاصل ہے کہ بے جان چیز میں پھونک مارتا ہے اور وہ پرندہ بن کے اڑ جاتا ہے، تو اگر اس کی اس پھونک کے اندر اللہ نے یہ اثر رکھا ہے بے جان چیزوں میں جان ڈالنے کا تو جس کی یہ مخلوق ہے جس کی طرف سے اس کو یہ چیز حاصل ہو رہی ہے اس کی قدرت کتنی وسیع ہو گی؟ کہ اسی نے جبرئیل کو بھیجا اور جبرئیل نے پھونک ماری اور مریم کے بطن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود ظاہر ہو گیا۔

تو جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک کے ساتھ بے جان چیز میں جان پڑتی ہے اسی طرح جبرئیل علیہ السلام کے نفخ کے ساتھ بھی جان پڑ گئی اور عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے، تو یہ معجزہ بھی ان کی ولادت پر ایک حسی دلیل ہے، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اثرات دیکھئے کہ ایک وقت میں ان کی پھونک کے اندر بے جان چیزوں میں جان ڈالنے کی تاثیر رکھ دی، اور دوسرا وقت آئے گا جب یہ آخر زمانہ میں اتریں گے قیامت سے پہلے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کافر کو بھی ان کے سانس کا اثر پہنچے گا وہ مر جائے گا، یعنی ایک وقت میں اسی پھونک کے اندر جان ڈالنے کی تاثیر رکھ دی، اور دوسرے وقت میں اسی پھونک کے اندر مارنے کی تاثیر رکھ دی کہ جہاں تک ان کی نظر جائے گی وہاں تک ان کے سانس کا اثر جا سکتا ہے، بس ایک پھونک کے ساتھ ہی معاملہ ٹھیک ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کوئی بعید نہیں ہے۔

اور دوسرے معجزات کی حالت یہ ہے کہ اس زمانہ میں طب اور ڈاکٹری کا بہت زور تھا بڑے بڑے ماہر طبیب بڑے بڑے اچھے طبیب موجود تھے، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت ہے کہ جس وقت کسی نبی کو بھیجتے ہیں اس زمانہ میں جس قسم کے کمالات لوگوں کے اندر ہوتے ہیں جن کو لوگ سمجھتے ہیں کہ بہت بڑا کمال ہے اللہ تعالیٰ نبی کے ہاتھ سے ان کو اسی میدان میں عاجز کرتا ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ واقعی اس کا تعلق کسی بڑی ہستی کے ساتھ ہے اور یہ جو کچھ کر کے دکھا رہا ہے یہ انسانی بس سے باہر ہے۔

اب وہ حکیم طبیب، ڈاکٹر موجود وہ بھی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں لیکن ان میں سے کسی کے پاس یہ دوا نہیں تھی کہ مادرزاد اندھے کو بینا کر دے، اور نہ ہی کوڑھ کا علاج تھا، اور مردے کو زندہ کرنے کی تو کیا ہی بات ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزات ایسے دیے جس کے سامنے اس وقت کے باکمال لوگ عاجز آ گئے، اور وہ بھی کہنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کسی بندے کے بس میں نہیں ہے۔

اور پھر یہ صحت جو حاصل ہوتی ہے ظاہری اسباب کے خلاف ہے بغیر ظاہری اسباب کے ارتکاب کے صحت حاصل

ہو رہی ہے کہ ایک اندھا آیا اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیرا اور اس کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں ،اب یہ منہ کے اوپر ہاتھ پھیر دینا، آنکھوں کے اوپر ہاتھ پھیر دینا یہ آنکھوں کا علاج تو نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا رکھ دیا ہے، اس لئے معجزہ میں یہ بات ہوا کرتی ہے کہ اس میں ظاہری اسباب سے تمسک نہیں ہوا کرتا بغیر ظاہری اسباب کے ہوتا ہے، اگر کوئی شخص اس قسم کا کام ظاہری اسباب کے ساتھ کرنے پر قادر بھی ہو جائے تو بھی معجزہ کے اندر معجزہ والی شان باقی رہا کرتی ہے، کیونکہ نبی جو کام کرتا ہے اس میں ظاہری اسباب اختیار نہیں کئے جاتے۔

مثلاً اب اگر ڈاکٹری اتنی ترقی کر جائے کہ مادرزاد نابینا بچہ کی آنکھوں کا آپریشن کیا جائے اور اس میں کسی دوسرے جانور کی آنکھ فٹ کر دی جائے اور اندر سے رگیں جوڑ دی جائیں ، کیونکہ دماغ کے اندر وہ نور بسا اوقات باقی ہوتا ہے، لیکن آگے وہ شیشہ خراب ہے یہ آنکھوں میں دونوں قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں، کبھی ہوتا ہے کہ پیچھے سے تو نور ہے لیکن آگے سے بلب فلوز ہو گیا اور یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ روشنی نہیں دیتا اور کبھی ہوتا ہے کہ یہ بلب تو ٹھیک ہے لیکن پیچھے سے نور ختم ہو گیا اب یہ تجربے آج کل ہو رہے ہیں کہ ایسے شخص کی آنکھ میں اگر کسی دوسرے کی آنکھ لگا دی جائے ،مثلاً ایک آدمی قریب المرگ ہے اور وہ اجازت دیدیتا ہے کہ میری آنکھ نکال لو کیونکہ مرنے کے بعد کوئی عضو کام نہیں آتا زندہ کا نکالا جائے تو اس میں حیات کا اثر ہوتا ہے، تو اس لئے وہ آنکھ نکال کر دوسرے میں فٹ کر دی جائے اور پیچھے اس کا منبع نور ٹھیک ہو تو ایسے وقت میں نظر آ سکتا ہے۔

لیکن اس کے آپ جانتے ہیں کہ کتنے اسباب اختیار کئے جائیں گے اور کتنا دھندہ کیا جائے گا؟ کتنا اس میں وقت لگے گا؟ کتنی اس میں مشقت ہوگی، اور ایک نبی صرف ہاتھ پھیرتا ہے اور وہ ٹھیک ہو جاتا ہے پھر بھی یہ معجزہ ہے تب بھی اس میں معجزہ ہونے کی حیثیت سے کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ اس میں ظاہری اسباب اختیار نہیں کئے جاتے اسی طرح اگر کوڑھ کا علاج دریافت ہو بھی جائے اگر چہ آج بھی اس کو تقریباً لاعلاج مرض قرار دیا جاتا ہے الا ماشاء اللہ کسی کو آرام آ جائے ورنہ یہ لاعلاج مرض ہے لیکن اگر کسی وقت اس کا علاج دریافت ہو بھی جائے تو کتنی مدت تک ٹیکے لگانے پڑیں گے، کتنی دیر تک مرہمیں استعمال کرنی پڑیں گی، تب جا کے یہ زخم ٹھیک ہوں گے، اور خون صاف ہوگا، اور ایک ہے کہ اس طرح ہاتھ پھیرا اور وہ ٹھیک ہو گیا تو اگر اس کا علاج دریافت ہو بھی جائے تب بھی اس کے معجزہ ہونے پر کوئی کسی قسم کا اثر نہیں پڑتا۔

اور احیاء موتیٰ کا تو اب تک بھی تصور نہیں کیا جا سکتا کہ ایک آدمی مر گیا ہے واقعی مر گیا ہے، ڈاکٹروں نے تصدیق کر دی کہ مر گیا ہے، اس کے اندر اب جان نہیں ہے اب کوئی آ کے کہے ''قم باذن اللہ'' اٹھو اب اس میں جتنا عجز ہے وہ تو ظاہر ہی ہے، اب یہ چیزیں جو یہاں حضرت عیسیٰ کے معجزے کے طور پر ذکر کی جا رہی ہیں یہ اس وقت کے با کمال لوگوں کو

عاجز کرنے والی باتیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات دیئے گئے کہ اس کے مقابلے میں وہ عاجز آ گئے، سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کو فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز تھا اور وہ لوگ دوسروں کو اپنے مقابلہ میں گونگا سمجھا کرتے تھے، تو یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی فصاحت و بلاغت عطا فرمائی کہ بڑے بڑے فصحاء بلغاء گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے، اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں معجزات اسی قسم کے دیتے ہیں جیسے حالات ہوتے ہیں، اور یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں احیاء موتی بھی ذکر کیا گیا ہے، اب آپ جانتے ہیں کہ مردے کو زندہ کرنا بے جان چیز کے اندر جان ڈال دینا اصل کے اعتبار سے یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خصوصی صفت ہے کہ محیی و ممیت وہی ہے کہ زندہ کرنے والا بھی وہی ہے اور مارنے والا بھی وہی ہے۔

اور یہاں نسبت ہے " احی الموتی " میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں تو یہ جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت ہے اس کی نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف کر رہے ہیں اس میں توحید جو محفوظ رہتی ہے تو لفظ باذن اللہ کے ساتھ محفوظ رہتی ہے کہ میں یہ جو کچھ کرتا ہوں اللہ کی اجازت سے کرتا ہوں اللہ کے اذن سے کرتا ہوں، اللہ اس چیز میں اثر رکھیں گے تو ہوگا، اگر نہیں رکھیں گے تو نہیں ہوگا، مشرک میں اور موحد میں فرق یہی ہوتا ہے۔

توجہ فرمائیے! کرامات کے طور پر جو چیزیں بزرگوں کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں جو عام لوگوں میں نہیں پائی جاتیں، یا انبیاء کے معجزات جو صحیح روایات کے اندر آئے ہوئے ہیں ان کو ہم بھی مانتے ہیں اور مشرک بھی مانے گا، لیکن مشرک یہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا اختیار دیدیا ہے کہ اب یہ اللہ کی طرف سے اذن کے محتاج نہیں، اب یہ جب چاہیں کر دیتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو اختیار دے کر فارغ ہو گیا، اب جو کچھ یہ کریں اپنے طور پر کریں گے، یہ عقیدہ شرک ہے اگر چہ بنیادی طور پر اس چیز کو مانتے ہوں کہ دیا ہوا اللہ کا ہے اور اس کے مقابلے میں اگر کوئی شخص کسی بات کی نسبت کسی کی طرف کرتا ہے لیکن ساتھ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے ساتھ اس کے ہاتھ پر یہ چیز ظاہر ہوتی ہے اگر چاہے گا تو ظاہر ہوگی، اگر نہیں چاہے گا تو نہیں ظاہر ہوگی، اور وہی بات کر سکتے ہیں اور وہی چیز دکھا سکتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کا اذن ہوگا۔

اس باذن اللہ کی قید سے وہ بات جسکی ہم کسی ولی یا نبی کی طرف نسبت کریں گے، نسبت تو ہماری طرف سے بھی ہوگی کہ عیسیٰ احیاء موتی کرتے تھے، حالانکہ مردوں کو زندہ کرنا یہ کام اللہ کا ہے، عزرائیل موت دیتے ہیں جان نکالتے ہیں حالانکہ موت دینا اللہ کا کام ہے، حقیقت کے اعتبار سے موت دینے والا اللہ ہے، زندگی دینے والا اللہ ہے، اب موت کی نسبت عزرائیل علیہ السلام کی طرف اور احیاء کی نسبت حضرت عیسیٰ کی طرف یہ شرک نہیں ہے کیونکہ ہم باذن اللہ کی قید ساتھ لگاتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے اجازت ہوگی تو وہ جان نکال سکتا ہے، اور ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ اللہ کا اذن ہے، اور اسی طرح اللہ کا

اذن ہوگا تو عیسیٰ علیہ السلام کسی مردے میں جان ڈال سکیں گے اور اگر اللہ کا اذن نہیں ہوگا تو کچھ بھی نہیں کرسکیں گے، تو ان صفات کی نسبت غیر اللہ کی طرف جب ہم باذن اللہ کی قید کے ساتھ کریں گے تو اس سے عقیدہ توحید کسی قسم کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

اور جہاں یہ کہہ دیا جائے کہ دیا اختیار اللہ نے ہے وہ لے بھی سکتا ہے لیکن اختیار مل جانے کے بعد جتنی دیر تک اختیار رہے وہ مختار ہے جو چاہے کرے، جزئیات کے اندر اللہ تعالیٰ کے اذن کا محتاج نہیں، اس قسم کا عقیدہ رکھنا شرک ہے، موحد اور مشرک کے عقیدہ میں یہی فرق ہوتا ہے، اور یہ بھی میں نے عرض کیا تھا کہ جو چیز معجزات کے طور پر واقع ہوسکتی ہے کرامت کے طور پر بھی وہ چیز واقع ہوسکتی ہے، کیونکہ کرامت اور معجزہ دونوں کی حقیقت ایک ہے کہ یہ اللہ کی قدرت کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کسی مقبول بندے کے ہاتھ پر، اس لئے کوئی شخص کسی کی طرف مادرزاد اندھے کو بینا کرنے کی نسبت کرے، یا احیاء موتیٰ کی نسبت کرے لیکن کرتا باذن اللہ کی قید کے ساتھ ہے عقیدہ وہی ہے تو یہ شرک نہیں ہوگا چاہے واقعات کو آپ جھوٹا کہہ سکتے ہیں۔

ایک آدمی نے آکر کہا کہ فلاں ولی نے مردے کو کہا " قم باذن الله " تو وہ زندہ ہوگیا اب یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ غلط کہہ رہا ہے، جھوٹ بول رہا ہے، اس نے اپنی طرف سے بات بنالی ہے، لیکن ایسا کہنا شرک نہیں ہے، واقعات کی صحت پر تو بحث کی جائے گی کہ واقعہ صحیح ہے یا غلط، اور اگر راوی معتبر ہے، نقل کرنے والے کئی ہیں تو آپ اگر اس کو تسلیم بھی کرلیں گے تو یہ کوئی توحید کے عقیدہ کے خلاف نہیں ہے۔

بہرحال قرآن کریم میں تو احیاء موتیٰ کی نسبت کردی گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف، اور حدیث شریف میں آپ پڑھیں گے باب ذکر الدجال میں کہ وہ دجال بھی مردوں کو زندہ کرکے دکھائے گا، کہ ایک آدمی اس کے سامنے جائے گا اور دجال اسے کہے گا کہ تو مجھے رب مانتا ہے یا نہیں؟ وہ کہے گا کہ میں تو نہیں مانتا وہ آری منگوائے گا اور اس کو اس کے سر پر رکھ کر اس کو چیر کر اس کے دو ٹکڑے کردے گا، اور دجال ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان میں چلے گا، اور پھر اسے کہے گا کہ قم وہ آدمی اٹھے گا اور پھر ہنستا ہوا آجائے گا یہ کارنامہ دکھائے گا پھر کہے گا اب تو مجھے رب مانتا ہے یا نہیں؟ وہ کہے گا کہ مجھے پہلے سے بھی زیادہ بصیرت حاصل ہوگئی کہ تو دجال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تیرے حالات ایسے ہی بتائے تھے۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ دجال کسی قوم کے پاس جائے گا اور اس کو وہ مان لیں گے تو بارشیں ہوں گی نباتات ہوں گی، ان کے جانور موٹے موٹے ہوجائیں گے، دودھ بہت دیں گے، اور ایک قوم کے پاس جائے گا وہ نہیں مانیں گے تو قحط سالی میں مبتلا ہوجائیں گے نہ بارش ہوگی نہ زمین سے کوئی فائدہ ہوگا اور وہ محتاج ہوجائیں گے، اور ایک آدمی کے پاس جاکر کہے گا کہ اگر میں تیرے باپ کو زندہ کردوں تو پھر کیا تو مجھے رب مان لے گا وہ کہے گا کہ ہاں مان لوں گا،

وہ اس کے باپ کو کھڑا کر دے گا، چاہے وہ جنات کی شکل میں آئیں چاہے جو بھی صورت ہو بہر حال حدیث کے اندر زندہ کرنے کا ذکر ہے، روایت میں الفاظ یہی ہیں کہ مردے کو زندہ کر کے دکھادے گا تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک استدراج ہوگا لوگوں کے لئے امتحان کا باعث ہوگا کہ کون اس کو مانتا ہے اور کون اس کو نہیں مانتا۔

اب ان واقعات کی نسبت غیر اللہ کی طرف موجود ہے، قرآن کریم کی آیات کے اندر موجود ہے، روایات صحیحہ میں موجود ہے لیکن مشرک اور موحد کے نظریے میں فرق یہی ہے کہ موحد کہے گا کہ سب اللہ کی جانب سے ہے، اللہ کی اجازت سے ہوتا ہے، اگر اللہ کی طرف سے اذن نہ ہو تو کوئی چیز واقع نہیں ہوسکتی، اور مشرک ان چیزوں کو دیکھ کر کہے گا کہ سب کچھ یہی کر دیتے ہیں، تو باذن اللہ کی قید کے ساتھ سارے کا سارا معاملہ ٹھیک ہوجاتا ہے، یہ تو تھے عملی معجزات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کر کے دکھاتے تھے۔

"وانبئکم بما تأکلون" یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا علمی معجزہ ہے کہ میں تمہیں بتادیتا ہوں جو کچھ تم گھر میں کھاتے ہو اور جو کچھ تم ذخیرہ کر کے رکھتے ہو، یعنی میرے پاس تم آؤ تو میں تمہیں بتادوں گا کہ کیا کھا کے آئے ہو، اور میں تمہیں بتادوں گا کہ تم کونسی چیز جمع کر کے گھر میں رکھ کے آئے ہو، یہاں اگرچہ باذن اللہ کی قید نہیں لیکن یہاں بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع ملتی ہے اور اس کے مطابق ذکر کر دیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر کسی کے خفیہ حالات کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص کو پتہ چل جاتا ہے تو اس قسم کی نسبت یہ بھی کوئی شرک نہیں ہے لیکن باذن اللہ کی قید ضروری ہے۔

آپ کی معلومات کے لئے عرض کروں کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ واں بھچراں والے یہ اصل کے اعتبار سے مرید ہیں حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ موسیٰ زئی رحمۃ اللہ علیہ والوں کے اور ان کے خلیفہ تھے خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ جن کی طرف نسبت کی بناء پر کندیاں والی خانقاہ خانقاہ سراجیہ کہلاتی ہے، تو مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصل مرید خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں اور خواجہ صاحب کے انتقال کے بعد ان کا تعلق خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا، مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت خواجہ سراج الدین صاحب کی طرف سے ہے، خواجہ محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وملفوظات چھپے ہیں فارسی زبان میں فوائد عثمانی کے نام سے تو اس میں کشف حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کیا ہوا ہے۔

کہ حضرت خواجہ صاحب نے رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ خود مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خطاب کر کے کہا کہ مولانا! اپنے گھر چلے جاؤ اور پھر واپس آئیو اور آ کے مجھ سے پوچھیو میں ایک ایک واقعہ جو تم کر کے آئے ہو گے میں تم کو بتادوں گا، اور کسی معاملہ میں تم اختلاف نہیں دیکھو گے، اس قسم کے واقعات اولیاء اللہ کی کتابوں کے اندر لکھے ہوئے ہیں،

لیکن ہم کہیں گے ان شاء اللہ بمشیۃ اللہ اس قسم کا علم اگر اللہ تعالیٰ اولیاء کو دیدے اور کسی ولی کے اوپر انکشاف ہوجائے، کسی کے حالات کو وہ جان لے تو یہ نسبت شرک نہیں ہے، بشرطیکہ ان شاء اللہ اور بمشیۃ اللہ کے تحت ہو، اور اگر اللہ کے اذن کی رعایت نہیں رکھی جائے گی ان شاء اللہ نہیں ہوگا پھر یقیناً شرک ہے، اس لئے کسی کلام کے اندر اس قسم کی نسبت دیکھ کے فوراً شرک کا فتویٰ نہ لگا دینا جب تک کہ اتنی تحقیق نہ کر لی جائے جتنی آپ کے سامنے میں نے عرض کی ہے کہ اس شخص کا کیا نظریہ ہے؟ وہ اللہ کے اذن کے تحت ان کو مانتا ہے یا نہیں؟ اللہ کی مشیت کے تحت ان کو مانتا ہے یا نہیں؟ اگر اللہ کی مشیت اور اذن کے تحت مانتا ہے تو شرک سے نکل گیا۔

ہاں البتہ یہ علیحدہ ہے کہ آپ تحقیق کریں کہ جو واقعہ یہ بیان کرتا ہے وہ پیش بھی آیا ہے یا نہیں، یا اس نے جھوٹا خود ہی بنالیا ہے ایسے بھی تو لوگ کرتے رہتے ہیں کہ پیر اڑتے تو نہیں ہیں لیکن مرید اڑا دیتے ہیں، تو جھوٹ بول سکتا ہے، غلطی ہوسکتی ہے لیکن جب نسبت اس انداز کے ساتھ ہوگی ہم اس کو شرک نہیں کہیں گے یہ فرق ضرور ہے، یہ علمی معجزہ ہے اور اسی قسم کا علمی معجزہ سورت یوسف کے اندر حضرت یوسف کا بھی آئے گا اس کو وہاں ذکر کریں گے۔

"ومصدقاً" اور میں تمہارے پاس آیا ہوں اس حال میں کہ تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے اور میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تمہارے لئے حلال کردوں وہ چیزیں جو تورات کے اندر حرام کی ہوئی ہیں، تو بعض چیزیں جو سزا کے طور پر ان پر حرام کردی گئی تھیں جن کا ذکر سورت انعام میں ہوگا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آکر تورات کے بعض احکام کو منسوخ کیا اور ان حرام اشیاء کو حلال ٹھہرادیا، اور اسی چیز کو یہود نے بہانہ بنایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کا، ان کے مفتیوں نے، ان کے مولویوں نے، ان کے احباء نے جو دیکھ رہے تھے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بات مانی گئی تو ہماری دکانداری ختم ہوجائے گی، انہوں نے پراپیگنڈہ یہ کیا کہ دیکھو یہ تورات کی تحریف کرتا ہے، تورات کی مخالفت کرتا ہے اور اسی طرح ان کو (نعوذ باللہ) بے دین ثابت کرنے کی کوشش کی، اور یہی شکایات اس وقت کے حاکم تک پہنچائیں جس کے بعد فیصلہ ہوا کہ ان کو پکڑ کے سولی پر چڑھا دیا جائے، جس کا آگے ذکر آرہا ہے۔

لیکن حضرت فرماتے تھے کہ "جئتکم بآیۃ" کہ اگر میں کسی حکم کو منسوخ کرتا ہوں تو میرے پاس اس کی بھی دلیل ہے کہ میں اس کو کس بناء پر منسوخ کرتا ہوں، اس لئے تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اور میری تعلیم کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ہی میرا رب ہے اور اللہ ہی تمہارا رب ہے پس تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے تو یہ رب کا ذکر کیا کہ اللہ ہی میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور یہاں مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ملفوظات میں بھی یہی تھا کہ اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔

اور ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ محاورہ ہو کہ رب کے لئے لفظ اب استعمال کرتے ہوں جس کا ترجمہ اردو کے اندر باپ کردیا گیا کہ اللہ میرا بھی باپ ہے اور تمہارا بھی باپ ہے اس لئے تم اسی کی عبادت کرو، اردو والی انجیل کے اندر ترجمہ یہی ہے حضرت عیسیٰ جہاں بھی اللہ کا ذکر کرتے ہیں وہ اسی طرح ذکر کرتے ہیں کہ اللہ میرا باپ ہے، تو اللہ میرا بھی باپ ہے تمہارا بھی باپ ہے میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب ہے کا ترجمہ یوں ہو کے معاملہ خراب ہو گیا اور رب کی بجائے اب ہو گیا، اس لئے وہ کہتے تھے " نحن ابناء الله "ہم بھی اللہ کے بیٹے ہیں، اور عیسیٰ کو کہتے تھے کہ وہ بھی اللہ کا بیٹا ہے یوں گڑ بڑ کردی، یہ ہے رب کہ میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب، پیدا کرنے والا پالنے والا وہی ہے عبادت اسی کی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

"فلما احس عیسیٰ منهم الكفر" اور جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کفر معلوم کیا کہ یہ وقت کے چوہدری اور فتوے باز ماننے والے نہیں ہیں تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام عوام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ میں تو اللہ کی طرف متوجہ ہوں اس سلسلے میں میری مدد کون کرے گا؟ تو حواریوں نے کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں (لفظ حواری کی تحقیق گزر چکی) یعنی اللہ کے دین کے مددگار ہیں، اللہ کے رسول کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور تو گواہ ہو جا بے شک ہم فرمانبردار ہیں، اور اس کے بعد اللہ کے سامنے مناجات کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں اس چیز کے ساتھ جو تو نے اتاری اور ہم نے تیرے اس رسول کی اتباع کی پس تو لکھ لے ہمیں اقرار کرنے والوں کے ساتھ۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾
ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

ترجمہ:

انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ تدبیر کرنے والوں میں سے بہترین تدبیر کرنے والے ہیں (یہ اللہ اور ان کا مکر اس وقت واقع ہوا) جب اللہ تعالیٰ نے کہا عیسیٰ سے اے عیسیٰ! میں تجھے لینے والا ہوں اور میں تجھے اٹھانے والا ہوں اپنی طرف اور میں تجھے صاف ستھرا کرنے والا ہوں کافروں سے اور میں کرنے والا ہوں ان لوگوں کو جو تیرے متبع ہیں ان لوگوں کے اوپر جنہوں نے کفر کیا قیامت تک، پھر میری طرف تمہارا لوٹنا ہے پھر میں تمہارے درمیان فیصلہ کردوں گا اس بات میں جس میں تم اختلاف کرتے ہو، پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا میں انہیں سخت سزا دوں گا دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا، لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کا اجر پورا پورا دے گا اللہ تعالیٰ ظالموں کے پسند نہیں کرتا، یہ بات ہم اس کو پڑھتے ہیں آپ ہر آیات میں سے ہے اور پر حکمت نصیحت سے ہے۔

تشریح:

ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ حال ذکر کیا گیا ہے جو یہودیوں کی عداوت انتہاء کو پہنچنے کے بعد آپ پر گزرا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جس وقت اپنی نبوت اور رسالت کا اعلان کیا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا پیغام پہنچایا تو اس وقت کے موجودہ یہودی، یہودی علماء و مفتی ان کے احبار رھبان وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ہوگئے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں شروع کردیں تاکہ انہیں ختم کردیا جائے اور کسی نہ کسی طریقہ سے یہ جھگڑا ختم ہوجائے، عوام کے اندر بھی غلط پروپیگنڈے کیے کہ آپ کی والدہ پر الزامات لگائے اور آپ کو غیر ثابت النسب قرار دیا، برے برے الفاظ استعمال کیے اور حکومت کو بھی غلط رپورٹیں دینی شروع کردیں، اس وقت اس علاقہ پر رومیوں کی حکومت تھی جو بت پرست تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ توحید کا پرچار کرتے تھے، تو جوان کی وعظ و تقریر ہوتی غیر اللہ کا دل و دماغ پر تسلط ختم کرنے کے لئے اس کو اس وقت کے موجود لوگوں نے حکومت کی مخالفت پر محمول کرتے ہوئے حکومت کو غلط رپورٹیں دینی شروع کردیں کہ یہ تو آپ کے خلاف ہی بھڑکا تا ہے، اور محرف تورات قرار دیا کہ (نعوذ باللہ) یہ تو بددین آدمی جو اللہ کی کتاب کو بدل رہا ہے، اور یہ بزرگوں کا مخالف ہے ان کی طرف سے جو طریقہ چلا آرہا ہے ان کے رسم و رواج کو توڑ رہا ہے ان کی غلطیاں نکال رہا ہے۔

اس طرح شور کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف ایک طوفان برپاء کردیا، حکومت کی طرف سے گرفتاری کے آڈر ہوگئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کسی مکان کے اندر موجود تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ شاگردوں میں سے ایک شاگرد منافق

تھا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کی رپورٹ دیتا تھا، جاسوسی کرتا تھا، اس کی جاسوسی کے ساتھ پتہ چل گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہاں موجود ہیں تو اس مکان کا محاصرہ کرلیا گیا، تو ایسے وقت میں جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مکان کے اندر بند ہیں اور باہر سے دشمنوں نے محاصرہ کرلیا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان کی تسلی کے لئے ان کو یہ باتیں کہی گئیں جن کو قرآن کریم کے اندر یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کچھ وعدے کیے گئے ہیں اور کچھ اطمینان دلایا گیا ہے تو یہ ان کی تدبیر تھی جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنے کے لئے کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ میں تدبیر کی (ذرا مضمون کی روش دیکھتے جایئے) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو خیر الماکرین قرار دیا، تو اللہ تعالیٰ خیر الماکرین تبھی بنتے ہیں کہ دشمن جس قسم کی تدبیریں کر رہے تھے وہ ناکام جائیں، اور جو مقصد وہ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ مقصد پورا نہ ہو، اور اس کے برعکس جس کو وہ ذلیل کرنا چاہتے تھے اس کو عزت مل جائے، جس کو وہ مارنا چاہتے تھے وہ زندہ رہ جائے، جس کو وہ مغلوب کرنا چاہتے تھے وہ غالب آجائے، یہ ہے ان دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی کامیاب تدبیر۔

اور اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑنے میں کامیاب ہوجائیں، اور سولی چڑھانے میں کامیاب ہوجائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی تدبیر ان کے مقابلہ میں کیا کامیاب ہوئی؟ جو وہ کرنا چاہتے تھے وہ تو انہوں نے کرلیا، بالکل اسی قسم کی آیت قرآن کریم میں آپ کے سامنے غالباً سورت برأت میں جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا ذکر آئے گا وہاں بھی ہے، "اذیمکر بك الذین کفروا" کہ کافر لوگ تیرے خلاف مکر کرتے تھے تو انہوں نے بھی تدبیر کی آپ کو قتل کرنے کی لیکن اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔

بالکل اسی قسم کی صورت وہاں پیش آئی کہ مشرکین نے آپ کے مکان کا محاصرہ کیا، آپ کو گھیرے میں لے لیا اور ان کا مقصد تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردیا جائے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی تدبیر کے تحت اس گندے ماحول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالا اور کامیابی کے ساتھ بچاتے ہوئے دوسرے علاقہ میں جا کے بٹھا دیا، جہاں ہر طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت ملی، آپ کو غلبہ ملا، آپ کے مخالفین ذلیل ہوئے، تو وہاں مشرکین کی تدبیر کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی تدبیر کامیاب رہی، اور ان کی خفیہ تدبیر کامیاب نہ ہوسکی۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے انبیاء کے ساتھ برتاؤ تاریخ سے اسی قسم کا ثابت ہوتا ہے کہ جہاں بھی کوئی نبی اپنی قوم کو تبلیغ کرتا ہے اور تبلیغ کا حق ادا کردیتا ہے، لیکن قوم ضد اور عناد کی وجہ سے مانتی نہیں تو ایسے وقت میں پھر قوم کو یا تو عذاب کے ساتھ ہلاک کردیا جاتا ہے، جیسا کہ قوم لوط علیہ السلام کے ساتھ ہوا، قوم صالح علیہ السلام کے ساتھ، قوم ہود کے ساتھ ہوا، یا پھر اس نبی کو

اس علاقہ سے نکال لیا جاتا ہے، اور جس وقت نبی اس علاقہ سے نکل کر چلا جاتا ہے اور اس کے ماننے والے بھی اس علاقہ سے نکل کر چلے جاتے ہیں تو پھر یہ ایسی صورت بن جاتی ہے کہ جیسے ایک جسم سے روح نکال لی جائے تو اس روح کے نکل جانے کے بعد باقی بدن گلنے سڑنے کے لئے رہ جاتا ہے، ایسے ہی نبی جب اپنے متبعین کے ساتھ کسی ماحول سے نکل جاتا ہے پھر وہاں کے لوگ امن وسکون کے ساتھ وقت نہیں گزار سکتے، پھر مختلف قسم کی تکلیفوں اور عذابوں سے ان کی زندگی دنیا کے اندر ہی جہنم بن جاتی ہے اور وہ ذلیل وخوار ہو کر آخر کار مغلوب ہوتے ہیں اگر اتباع قبول کر لیتے ہیں تو جان چھوٹ جاتی ہے ورنہ اسی طرح مختلف تکلیفوں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

آپ کے سامنے اس کا واضح نمونہ سرور کائنات ﷺ کی ہجرت ہے کہ جب آپ مکہ معظمہ سے تشریف لے گئے، تو پیچھے اہل مکہ کی حیثیت چند سالوں کے اندر ہی ختم ہو گئی، وہ اپنی حیثیت کو بحال نہ رکھ سکے، تو یہ نبی کی ہجرت جیسے حضور ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے جو یہ لفظ استعمال کئے گئے ہیں،" مکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" اس میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک ہجرت ہی مذکور ہے، جس کے ذریعے سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مقام عزت تک پہنچایا، اور ان کے دشمنوں کو مغلوب کیا، وہ رسوا ہوئے، اور اپنے مقصد کو وہ حاصل نہ کر سکے، جب حالات کا نقشہ اس طرح کھینچا جائے گا تو ہی اللہ تعالیٰ خیر الماکرین ثابت ہوتے ہیں، اور اگر وہ یہود کامیاب ہو جائیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑ لیں پکڑنے کے بعد سولی پر چڑھا دیں تو ایسی صورت میں تدبیر ان کی کامیاب ہوتی ہے اللہ کی کامیاب نہیں ہوتی، یہود کا عقیدہ یہی ہے کہ ان کو پکڑا گیا اور پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا گیا۔

عیسائی بھی بعد میں اس شبہ کے اندر مبتلا ہو گئے، لیکن وہ یوں کہتے تھے کہ قتل تو ہوئے ہیں سولی تو چڑھے ہیں اور یہ ان کا سولی چڑھنا باقی قوم کے لئے کفارہ ہو گیا اب ان کے متبعین جو چاہیں کرتے رہیں، آخرت میں کوئی گناہ نہیں ہوگا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ساری امت کے گناہ اٹھا کے سولی پر چڑھ گئے ہیں انہوں نے کفارہ کا عقیدہ یاد کر لیا، لیکن یہ تھا کہ سولی چڑھنے کے بعد اللہ نے ان کو زندہ کیا اور زندہ کر کے پھر ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا، یہ عیسائیوں کا عقیدہ تھا۔

اور مسلمانوں کا عقیدہ جو کہ دلیل قطعی اور تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور ضروریات دین میں سے ہے، وہ یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود کے ہاتھ میں نہیں آئے پکڑے نہیں گئے، نہ قتل ہوئے اور نہ وہ ان کو سولی دے سکے، "وماقتلوہ وماصلبوہ ولکن شبہ لھم" کہ نہ ان کو قتل کیا اور نہ سولی چڑھایا بلکہ ان کو ایک شبہ کے اندر مبتلا کر دیا گیا، وہ شبہ یہی تھا کہ جو پکڑنے کے لئے اندر گئے تھے، ان میں سے ایک آدمی کے اوپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شبہ ڈال دیا گیا اور وہ پکڑ لیا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں اور اس کو سولی چڑھا دیا گیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام اٹھا کر لے گئے،

اور وہ اس کو سولی دے کر سمجھنے لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہم نے سولی چڑھا دیا، لیکن بعد میں جس وقت اپنے آدمیوں کو شمار کیا تو کہنے لگے کہ ہمارا ایک آدمی کدھر گیا، اگر یہ وہ ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کدھر گئے اور اگر یہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ہمارا آدمی کدھر گیا۔

تو اس اشتباہ میں اس طرح واقع ہوئے کہ حقیقت ان سے گم ہوگئی، انہی حالات کے اندر وہ مختلف قسم کے شبہات کے اندر پڑ گئے، اور یقینی بات وہی ہے جو قرآن نے نقل کی "وماقتلوہ یقینا" کہ یقینی بات یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا، قرآن کریم میں یہ عقیدہ صراحتاً مذکور ہے، اسلام کے اندر یہ عقیدہ ضروریات دین میں شامل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اٹھایا گیا اور اٹھا کر اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو آسمان پر لے گئے وہاں ان کی طویل حیات ہے، اور اس امت کے آخری دور کے اندر وہ نازل ہوں گے، نازل ہونے کے بعد اس امت کے اندر ان کو امامت کا درجہ حاصل ہوگا، اور اپنے وقت پر ان کی وفات ہوگی، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس میں دفن کئے جائیں گے، یہ عقیدہ امت کے اجماع کے اندر شامل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ جیسا کہ آگے ذکر کریں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی مثال ہے،" ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل آدم " تو آدم علیہ السلام کے ساتھ ان کی مشابہت جیسے اس بات میں ہے کہ آدم علیہ السلام بھی ظاہری اسباب کے خلاف پیدا ہوا اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے واسطہ کے پیدا کیا، اور آسمانی زندگی میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ مشابہت ہے کہ آدم علیہ السلام پیدا ہونے کے بعد ہزارہا سال آسمانوں پر رہے بعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اتارا اور پھر زمین پر اپنی عمر پوری کر کے ان کا انتقال ہوا، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا اگرچہ زمین پر ہوئے لیکن ان کو آسمان میں ہزارہا سال کے لئے محفوظ کر لیا گیا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کی علم وحکمت کا تقاضہ ہوگا وہ نازل ہوں گے اور نازل ہونے کے بعد اپنی زندگی اس زمین پر پوری کریں گے، اور پوری کرنے کے بعد پھر ان کا انتقال ہوگا۔

اور قرآن کریم اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی وضاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کی کی ہے اتنی وضاحت کسی نبی کے حالات کی نہیں کی، آپ کے سامنے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے پیش گوئی قرآن کریم میں ذکر کی گئی ہے، ان کے والدہ کے حاملہ ہونے کا قصہ ذکر کیا گیا، ان کی ولادت کا حال ذکر کیا گیا، ان کی والدہ کے لئے اس وقت کھانے پینے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کھجور اور پانی کا انتظام کیا گیا وقت پر فرشتہ نے آکر بشارت دی، پھر قوم کے پاس اٹھا کر لائیں، قوم نے الزامات لگائے، اللہ تعالیٰ نے صفائی دی، اور اسی طرح پھر یہودیوں کی مخالفت شروع ہوئی اور پھر ان کی وفات کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ آخر وقت میں کیا بیتی، قرآن کریم کے اندر یہ چیزیں لفظ بلفظ واضح کر دی گئی ہیں۔

اور اسی طرح حدیث شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا قصہ، اور پھر آخر میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کا واقعہ کہ کہاں اتریں گے، کس حالت میں اتریں گے، مسلمان اس وقت کس حال میں ہوں گے ، زمانہ کونسا ہوگا، دجال کا زور ہوگا دجال کے مقابلہ میں ان کو اتارا جائے گا، اور پھر یہ دجال کو قتل کریں گے، پھر یہ امامت کریں گے اور یہ عدل وانصاف کے ساتھ حکومت قائم کریں گے، سارے کے سارے واقعات حتیٰ کہ یہ بھی کہ کس قسم کے لباس میں ہوں گے، بالوں کی پوزیشن کیسی ہوگی، اور ان کے بدن کے اوپر کیا حالات نمایاں ہوں گے کس جگہ میں اتریں گے، کس حال میں اتریں گے، کس وقت میں اتریں گے، کہ مسلمان نماز کے لئے صف بندی کئے ہوئے ہوں گے اور دمشق کی مسجد کے مینارے کے اوپر دو فرشتوں کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے نازل ہوں گے، اور پھر مینارے سے نیچے اتار لئے جائیں گے ، انہوں نے دو چادریں اوڑھی ہوئی ہوں گی، ایسے ہوگا کہ جیسے ابھی تازہ تازہ غسل کر کے آئے ہیں اور سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، اور جب آئیں گے تو وقت کے امام امام مہدی علیہ السلام کہیں گے کہ آؤ نماز پڑھاؤ، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ نہیں تمہارا امام تم میں سے ہونا چاہیئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اجازت سے امام مہدی نماز پڑھائیں گے، اور پھر حضرت مہدی علیہ السلام کے انتقال کے بعد امامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سنبھالیں گے۔

یہ سارے کے سارے حالات روایات کے اندر بالتفصیل مذکور ہیں، ان کے متعلق اتنی وضاحت کیوں کی گئی؟

اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور ان کے متعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت کے تحت یہ فیصلہ ہے کہ یہ زمین سے اٹھا لئے جائیں گے، اور ایک وقت کے بعد اتارے جائیں گے، اس امت کے اندر انہوں نے معاون اور راہنما بن کر آنا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پوری پوری نشانیاں واضح کر دیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری امت ان کو پہچاننے میں خطا کر جائے کیونکہ اگر وہ اللہ کی حکمت کے تحت اترے اور امت ان کو پہچان نہ سکی اور انکار کر دیا تو پھر جس طرح ان کے دور نبوت میں ان کا انکار کفر تھا تو جب اس دور محمدی کے اندر آئیں گے تو اس وقت بھی ان انکار اسی طرح کفر ہوگا، اور جس ہدایت کے لئے وہ آئے ہیں اس ہدایت کا مقصد پورا نہیں ہوگا، اگر امت نے ان کو نہ پہچانا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مکمل نشانیاں بتا دیں۔

اور ان مکمل نشانیوں کے بتانے کے اندر ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسیح نے اترنا ہے اور اس کے اترنے کے قرائن اور اشارے موجود ہیں تو ایسی صورت میں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے غلط آدمی فائدہ اٹھائے، اور غلط آدمی اپنے آپ کو عیسیٰ اور مسیح بنا کر پیش کر دے، اور اپنے پر ایمان لانے کی دعوت دے، اور امت کے لئے گمراہی کا باعث بن جائے، جس طرح مرزا غلام احمد قادیانی نے انہی پیش گوئیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اپنے آپ کو پیش کر دیا کہ مسیح موعود میں ہوں، اگر یہ نشانیاں اتنی واضح طور پر بتائی ہوئی نہ ہوتیں جتنی حدیث شریف کے اندر بتا دی گئی ہیں تو اس قسم کے جھوٹوں کی تردید بہت دقت پیش آتی تو اللہ اور اللہ کے رسول نے یہ ساری باتیں جو واضح کی ہیں تو اس امت کی ہدایت کے

لئے گئی ہیں، تاکہ ان کے نزول کے زمانہ میں کوئی کسی قسم کا اشتباہ نہ ہو، لوگ ان کو مانیں اور ان کے اوپر ایمان لائیں، اور ان کی اتباع کر کے اپنے دین و دنیا کو سنواریں۔

یہ سارے حالات اپنی تفصیل کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ باقی انبیاء علیہم السلام سے جدا ہے کہ باقی انبیاء اپنا اپنا وقت گزار کے گئے اور گئے ان کی دنیوی زندگی ختم ہوگئی، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس طرح نہیں کیا گیا بلکہ ان کو آسمانوں پر اٹھایا گیا، پھر ایک وقت میں ان کو اتارا جائے گا، اور اترنے کے بعد اس امت کی امامت کریں گے، اور امت ان کی اتباع کرے گی، اہل باطل کا مقابلہ کریں گے، سب سے بڑا باطل پرست دجال اکبر انہی کے ہاتھوں قتل ہوگا اور یہودیوں کا نام ونشان تک مٹ جائے گا، یہ حالات پیش آنے والے تھے اس لئے قرآن وحدیث کے اندر ان کو اتنی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، تو "والله خیر الماکرین" کے اندر انہی حالات کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کرنے والے تھے۔

"اذقال الله یاعیسیٰ "اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اے عیسیٰ! "انی متوفیك "اب اس کا مطلب دو طرح سے اداء کیا گیا ہے۔

① دشمنوں نے محاصرہ کیا ہوا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مکان کے اندر بند ہیں اللہ تعالیٰ عیسیٰ کو اطلاع دیتے ہیں کہ اے عیسیٰ میں تجھے لینے والا ہوں کیا مطلب؟ کہ تو ان کے ہاتھ نہیں آئے گا میں تجھے وصول کرلوں گا، جب یہ مفہوم بیان کیا جائے گا تو عیسیٰ کے لئے تسلی ہے اور اس کو وصول کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ "رافعك الی" میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں جب یہ بات ہوئی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلی ہوگئی کہ میں ان یہودیوں کے قبضہ میں نہیں آسکتا۔

② بعض تفاسیر میں اس کا ترجمہ لکھا ہے کہ میں تجھے موت دینے والا ہوں بیان القرآن میں یہی ترجمہ اختیار کیا گیا ہے، اور ابن عباس کی طرف بھی اسی معنی کی نسبت کی گئی ہے، تو جہاں اس کا موت والا معنی لکھا ہوا ہے، وہاں تفسیر کے اندر صراحتاً یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ متوفی کا معنی پھر یوں ہوگا کہ اے عیسیٰ تجھے میں موت دینے والا ہوں، دشمنوں کے ہاتھوں تو نہیں مرے گا میں تجھے وقت پہ موت دوں گا، اور اس وقت تجھے بچاؤں گا بچانے کی صورت یہ ہے کہ "رافعك الی" تجھے میں اپنی طرف اٹھالوں گا، اس وقت تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا، دوسرے وقت میں تیرے اوپر موت میں طاری کروں گا تو دشمنوں کے ہاتھوں سے نہیں مرے گا، پھر اس کا مفہوم اس طرح سے ادا کیا ہوا ہے، یہ تو ایک وعدہ ہوا۔

"ومطهرك "اگلا وعدہ یہ ہے اگر اس کا معنی یہ ہو کہ کافر جو تیرے اوپر الزامات لگاتے ہیں میں ان سے تیرا دامن صاف کروں گا، تو یہ وعدہ بایں صورت پورا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان سے اس کی تفصیل بیان فرمائی،

اور کتاب کے اندر مفصل حالات بیان کردیے، جس سے معلوم ہوگیا کہ ان کی والدہ (نعوذ باللہ) یہودیوں کے کہنے کی طرح بدکارہ نہیں تھیں بلکہ اللہ کی ولیہ تھیں صدیقہ تھیں، اللہ کی مقبول بندی تھیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی قدرت کے تحت خلاف اسباب پیدا ہوئے ہیں، جو الزام یہودیوں نے لگائے تھے وہ سارے کے سارے رد کردیئے، اور ایسے ان پر محرف تورات، بددین اور اسلاف کی روایت کو توڑنے کا جو الزام لگاتے تھے تو حضرت عیسیٰ کی حیثیت نمایاں کرکے اللہ تعالیٰ نے ان ساب الزامات کو دور کردیا۔

"وجاعل الذین اتبعوك" یہ بھی وعدہ ہے کہ آج تو تو اور تیرے ساتھ مغلوب نظر آتے ہیں لیکن میں تیرے نام لیوا لوگوں کو، جو تیری اتباع کرتے ہیں، اتباع کا معنی کہ جو تیری شخصیت کے معتقد ہیں جس کا مصداق عیسائی اور دوسرے نمبر پر مسلمان ہیں، یہ دونوں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کا دعوی کرتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان کی اتباع کا دعوی آخرت میں کس حد تک مفید ہوگا، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے اور ان کی اتباع کا دعوی کرنے والے، ان کے نام لیوا، ان کی جماعت میں اپنے آپ کو شامل کرنے والے دو ہی قسم کے لوگ ہیں، ان کے زمانہ میں عیسائی تھے اور پھر اسلام کے آجانے کے بعد عیسائی اور مسلمان دونوں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا ہیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ بعد میں نظریات اس قسم کے بنالیے کہ آخرت میں نافع نہ ہوں۔

بہر حال ان کی شخصیت کے معتقد دونوں ہیں، میں ان کو ان پر غالب کروں گا جو تیرا انکار کرنے والے ہیں، اس کا مصداق یہودی ہیں، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے تھوڑے دنوں بعد ہی آپ کا مسلک پھیلا اور عیسائی یہودیوں پر غالب آئے، اور دو ہزار سال سے عیسائیوں کو یہودیوں پر مکمل غلبہ حاصل رہا، اور پھر جب اسلام آگیا تو مسلمانوں کو بھی یہودیوں پر مکمل غلبہ حاصل رہا، عیسائیوں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ قوم عزت نہیں پاسکی، اور تاریخ شاہد ہے کہ یہ ہر جگہ ذلیل رہے، اور ان کے اوپر بڑے بڑے عذاب آئے، مختلف حکومتوں میں یہ پٹے، قتل ہوئے، گویا کہ یہ وعدہ بھی اسی دنیا کے اندر پورا ہوا، اور آج عیسائی اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اب جو اسرائیل کی حکومت قائم ہوگئی یہ بظاہر حکومت ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے امریکہ اور یورپ والوں کا مسلمانوں کے خلاف ایک جنگی اڈا ہے اگر یہ لوگ اس کی سرپرستی چھوڑ دیں تو مسلمانوں کے مقابلہ میں یہ لوگ اپنے وجود کو باقی نہیں رکھ سکتے، اور اگر عیسائی اور مسلمان اکٹھے ہوجائیں تو یہود کا نام ونشان بھی نہیں رہ سکتا۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق دنیا کے آخری حصہ میں یہود کی اس قسم کی حکومت کی نشاندہی ہے جو فتنہ اور فساد کی بنیاد بنے گی، اور جہاں ان کا دجال اکبر آئے گا، یہی جگہ ہے جہاں اسرائیلی حکومت قائم ہے، جہاں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان یہودیوں کے ساتھ مقابلہ ہونا ہے، اور دجال یہیں قتل کیا جائے گا، تو اس قسم کا ان کا کسی علاقے کے اندر اجتماع تو قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے کہ یہ ایک علاقہ میں اکٹھے ہوں گے، اور وہاں سے اکٹھے ہو کر مسلمانوں کے مقابلہ میں آئیں گے، اور انہی کی لڑائیوں میں وہ واقعہ پیش آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے، اور ان کا بڑا لیڈر دجال اکبر انہی کے ہاتھوں قتل ہوگا، تو ان روایات کی طرف دیکھتے ہوئے اس سلطنت کا قائم ہو جانا اور ان یہودیوں کا ایک جگہ میں جمع ہو جانا، یہ پیش خیمہ ہے اس جگہ مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں کے مقابلہ کے لئے تو یہ ایسی معتد بہ حکومت نہیں جس کو ہم یہ کہیں کہ یہ یہودی عیسائیوں یا مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب آ جائیں گے، تو یہ وعدہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پورا ہوا، اور یہ قیامت تک ایسے ہی رہے گا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کی حیثیت مغلوب ہونے کی ہوگی۔

"ثم الی مرجعکم" پھر تمہارا میری طرف ہی لوٹنا ہے، پھر میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا اس چیز میں جس میں تم اختلاف کرتے تھے یہ آخرت میں عملی فیصلہ ہوگا کہ مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ عزت دیں گے اور کافروں کو سزا ہوگی، جیسا کہ آگے تفصیل ہے کہ جو لوگ کفر کرتے ہیں ان کو میں عذاب دوں گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا اور جو ایمان لانے والے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ ان کے اجر پورے پورے دیگا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتے۔

"ذٰلك نتلوه عليك من الآيات" یہ لفظ درمیان میں پھر دلیل نبوت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ جو کچھ ہم آپ پر پڑھتے ہیں یہ آیات نبوت میں سے ہے، دلائل نبوت میں سے ہے، اور پر حکمت نصیحت سے ہے، جس سے یہود کے نظریات کی تردید بھی ہوتی ہے اور عیسائیوں کے نظریات کی تردید بھی ہوتی ہے کہ جو اس کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے تھے ایسی کوئی بات نہیں، ان کی حالت تو ایک بندے کی سی ہے جن کے ساتھ اللہ کی نصرت شامل تھی اللہ کی تائید شامل تھی۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ
كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ
حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا
وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ

لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿٦١﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡقَصَصُ الۡحَقُّ ۚ
وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ‌ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿٦٢﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا
فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ ۢ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿٦٣﴾ ع قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى
كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ
شَيۡـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ‌ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا
فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ﴿٦٤﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوۡنَ
فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰٮةُ وَالۡاِنۡجِيۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ
اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿٦٥﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَاۤءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ
تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَـيۡسَ لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ‌ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿٦٦﴾
مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا
مُّسۡلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿٦٧﴾ اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ
لَـلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ‌ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ
الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿٦٨﴾ وَدَّتۡ طَّآٮِٕفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ
وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿٦٩﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَكۡفُرُوۡنَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿٧٠﴾ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لِمَ تَلۡبِسُوۡنَ
الۡحَـقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوۡنَ الۡحَـقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿٧١﴾ ع

ترجمہ :

بے شک عیسیٰ کا حال عجیب اللہ کے نزدیک آدم کے حال عجیب کی طرح ہے پیدا کیا اس نے آدم کو مٹی سے پھر کہا اس کو ہو جا پس وہ ہو گیا، (عیسیٰ کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے) یہ سچی بات تیرے رب کی طرف سے ہے پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو، پس جو شخص آپ سے حجت بازی کرے عیسیٰ کے بارے میں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آ گیا تو آپ کہہ دیجئے آؤ تم ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اور بلالیں ہم اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اور بلالیں ہم اپنے لوگوں کو اور تمہارے لوگوں کو پھر ہم گڑگڑا کر دعا کریں پھر کریں ہم اللہ کی لعنت جھوٹوں پر بے شک یہ البتہ سچا بیان ہے اور کوئی معبود نہیں اللہ کے علاوہ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے، پھر اگر یہ لوگ پیٹھ پھیریں تو بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے فساد کرنے والوں کو، آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! آ جاؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہونے کے اعتبار سے برابر ہے کہ ہم نہ عبادت کریں اللہ کے علاوہ کسی کی، اور ہم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہمارا بعض بعض کو اللہ کے علاوہ رب نہ بنائے پھر اگر وہ پیٹھ پھیریں تو تم کہہ دو تم گواہ ہو جاؤ کہ ہم فرمانبردار ہیں، اے کتاب والو! کیوں جھگڑا کرتے ہو تم ابراہیم کے بارے میں نہیں اتاری گئی تورات وانجیل مگر ابراہیم کے بعد کیا تم سوچتے نہیں ہو، خبردار تم ہی یہ لوگ ہو کہ تم نے جھگڑا کیا اس بات کے بارے میں جس کے متعلق تمہیں کچھ علم ہے پھر تم کیوں جھگڑا کرتے ہو ایسی چیز کے بارے میں جس کے متعلق تمہیں کچھ بھی علم نہیں اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، نہ تو ابراہیم یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے لیکن وہ مخلص فرمانبردار تھے اور نہ ہی وہ مشرکوں میں سے تھے، بے شک سب لوگوں سے زیادہ تعلق رکھنے والا ابراہیم کے ساتھ البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے زمانہ میں اس کی پیروی کی تھی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ مؤمنوں کا مددگار ہے، اہل کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کردے اور نہیں گمراہی میں ڈالتے وہ مگر اپنے آپ کو اور وہ جانتے نہیں ہیں، اے اہل کتاب! کیوں کفر کرتے ہو تم اللہ کی آیات کے ساتھ حالانکہ تم گواہ ہو، اے اہل کتاب! کیوں خلط ملط کرتے ہو تم حق کو باطل کے ساتھ اور کیوں چھپاتے ہو تم حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔

تشریح:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو بحث چلی آ رہی تھی یہ آیات اس کے لئے خاتمہ بحث کی حیثیت رکھتی ہیں، سارے حالات کی تفصیل کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تمہیں جو اشتباہ پیش آیا کہ جب ان کا کوئی باپ نہیں تو (نعوذ باللہ) ان کا باپ اللہ ہے، تو یہ بات تمہاری غلط ہے اس کی مثال اگر تم دیکھنا چاہتے ہو کہ اللہ

اپنی قدرت کے ساتھ بغیر ظاہری واسطہ کے بھی پیدا کر سکتا ہے، تو اس کے لئے سب سے اچھی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی ہے آخر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تم بھی جانتے ہو، تم بھی معتقد ہو کہ نہ اس کا کوئی باپ نہ اس کی کوئی ماں، اللہ نے اس کو مٹی سے بنایا اور پھر اپنے کلمہ کن کے ساتھ موجود کر دیا، جاندار کر دیا،، اسی طرح اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کر دیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ تو ایسا ہی حال عجیب ہے جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا حال تھا، تو اگر باپ نہ ہونے کی وجہ سے تمہیں اس کے اوپر الوہیت کا شبہ ہوا ہے یا ابن اللہ کا شبہ ہوا ہے تو سب سے پہلے تمہاری یہ بات حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ہونی چاہیئے تھی۔

اور جب آدم علیہ السلام کو تم ابن اللہ نہیں مانتے اور سمجھتے ہو کہ اللہ کی قدرت کے ساتھ وہ براہ راست پیدا ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یوں ہی سمجھ لیجئے، اسی لئے فرمایا بے شک عیسیٰ علیہ السلام کا حال عجیب اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کے حال عجیب کی طرح ہے، آدم علیہ السلام کو اللہ نے مٹی سے بنایا پھر اسے کہہ دیا ہو جا یعنی جاندار ہو جا، ذی روح ہو جا، تو وہ ہو گیا، یہ سچی بات تیرے رب کی طرف سے ہے یعنی جو بات تیرے رب کی طرف سے کہہ دی گئی وہی واقعہ کے مطابق ہے، "فلاتکن" یہ خطاب عام مخاطب کو ہے کہ جو بھی سننے والا ہے اے سننے والے! اے مخاطب! تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں، اللہ تعالیٰ نے جو وضاحت فرمادی کہ عیسیٰ علیہ السلام نسل آدم سے ہیں، نسل ابراہیم سے ہیں، نسل آل عمران سے ہیں، مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں، اور بشر تھے آدمی تھے، اللہ کے مقبول بندے تھے، اللہ نے انہیں رسول بنایا، اور ان کی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے ان کو معجزات دیے، بس اس سے زیادہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی بات نہیں نہ وہ الہ ہیں، نہ الہ کا حصہ ہیں، نہ خدا کی اولاد ہیں، بس جو بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح طور پر کہہ دی گئی، وہ واقعہ کے مطابق ہے، "فلاتکونن من الممترین" تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

اصل بات تو یہاں ختم ہو گئی اب ایک مسئلہ مختلف فیہ ہو تو پہلے تو اس کے اوپر بحث دلائل کے ساتھ ہی ہوتی ہے، استدلال کیا جائے اس کے اوپر دلائل قائم کیے جائیں، اور دلائل کے ساتھ اپنے مدمقابل کو جھوٹا ثابت کیا جائے، پہلا درجہ تو یہ ہوتا ہے اور دلائل کے ساتھ بحث ختم ہو جاتی ہے، اگر آپ کا مدمقابل منصف مزاج ہے تو جب اس کے سامنے واضح دلیل آجائے گی اور اس کی ہر دلیل کا جواب آجائے گا، اور جو اس کے مقابلہ میں دلیل قائم کی جائے گی اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا تو وہ اگر منصف مزاج ہو گا تو اس بات کو مان جائے گا اپنی غلطی کے او پر متنبہ ہو جائے گا، اصل طریقہ تو یہی ہے انصاف کے مطابق کہ دلیل واضح ہو جانے کے بعد بحث ختم ہو جانی چاہیئے۔

لیکن بسا اوقات مدمقابل ضدی ہوتا ہے کسی گروہی تعصب کے اندر مبتلا ہوتا ہے وہ روشن سے روشن دلیل کو تسلیم نہیں

کرتا، اور اپنی ہر دلیل کا جواب ملنے کے بعد بھی اپنی غلطی کا اقرار نہیں کرتا، اور ہم بھی قرائن سے سمجھ جاتے ہیں کہ یہ ضدی ہے کسی صورت میں مانے گا نہیں۔

پھر اگلا طریقہ ہے کہ اس بحث کو ختم کرنے کے لئے مباہلہ کرلو، مباہلہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہیں کہو کہ تم بھی آجاؤ اپنی پارٹی سمیت، اصل تو وہی ہے کہ جس کے ساتھ بحث اور مناظرہ ہو لیکن اس میں قوت پیدا کرنے کے لئے اس کی جماعت اور متعلقین کو بھی شامل کرلیا، آجاؤ اور آکر ہم اللہ کے سامنے گڑ گڑا کر دعا کرتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں سے جو جھوٹا ہے اس کے اوپر اپنی لعنت کر، اس کو اپنی رحمت سے محروم کردے، یہ دعا کرو اور اس دعا کرنے کے بعد پھر اس بحث کو ختم کردو، پھر اللہ جانے اور اللہ کا کام جانے۔

بہر حال اس طریقہ کے ساتھ ہر فریق اپنا ایمان ظاہر کرسکتا ہے کہ میں صرف اوپر اوپر سے ضد نہیں کر رہا بلکہ میں دل کے اندر بھی اپنے مؤقف کو صحیح سمجھتا ہوں، اس لئے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اگر میرا مؤقف غلط ہے تو اللہ میرے پر لعنت کرے، اور مجھے برباد کردے، آؤ سب کے سامنے آکر یہ بات کہو، مباہلہ کرلو، پھر اگر کوئی شخص ضدی ہوتا ہے اور دل میں سمجھتا ہے کہ میرا مؤقف غلط ہے لیکن وہ ماننے کے لئے تیار نہیں تو پھر اس کا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے لئے اس طرح وبال مانگے اور لعنت مانگے ایسے وقت میں پھر اس فریق کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔

چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بحث دلائل کے ساتھ تو ہوگئی لیکن وہ نجران کے لوگ جو آئے ہوئے تھے وہ کسی صورت میں مانتے نہیں تھے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب یہ طریقہ بتلایا گیا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مباہلہ کا چیلنج دیدیا کہ آجاؤ اب آخری طریقہ یہی ہے اگر تم سچے ہو تو آجاؤ ہم بھی آتے ہیں اور آکر ہم دونوں اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑ گڑا کر دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ! جو اس بارے میں جھوٹا ہے اسے برباد کردے، جو جھوٹا ہے اس کے اوپر اپنی لعنت برسا، آؤ اب اس طرح ہمارے ساتھ آکر دعا کرو۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود اور اپنے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن وحسین رضی اللہ عنہما، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو خالص عزیز اور اولاد کی جگہ ہیں، جن کی تباہی اور بربادی انسان کسی صورت میں بھی گوارہ نہیں کرتا، تعلق والے تو اور بھی ہوتے ہیں لیکن جتنا پیار اولاد سے ہوتا ہے اتنا کسی دوسرے سے نہیں ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پیار حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے تھا، اور پھر نواسے بھی اپنی ہی اولاد کی طرح ہوتے ہیں اور داماد بھی اولاد کی جگہ ہوتا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ساتھ لے کے میدان میں نکل آئے کہ میں بھی اپنے ان بچوں کے لئے بددعا کرتا ہوں اور تم بھی اپنی اولاد کے لئے بددعا کرو کہ اگر ہم جھوٹے ہیں تو اللہ ہمیں برباد کردے، تو جب آپ نے یہ چیلنج کیا تو پھر ان کے قدم اکھڑ گئے۔

اور وہ آپس میں کہنے لگے کہ بات تو صحیح معلوم ہوتی ہے یہ جو کچھ کہتے ہیں صحیح ہے اگر ایسی صورت میں ہم نے ان سے مباہلہ کرلیا تو ہمارا کچھ بھی نہیں بچے گا، تو اب ان کے ساتھ مصالحت کرلی جائے پھر وہ مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے، اور جزیہ دینا قبول کرلیا اور حضور ﷺ کے ماتحت بن گئے، پھر نجران کے عیسائیوں پر جزیہ رکھدیا گیا تھا، اور ان کی حیثیت ذمیوں والی ہوگئی تھی، تو یہ ہے مباہلہ کا مطلب کہ ملیں اور مل کر دعاء کریں۔

اب بھی اگر کسی کے ساتھ اختلاف ہوجائے بشرطیکہ آپ کا مؤقف قطعی ہو ظنی نہیں، ظنی اور اجتہادی مسائل کے اندر مباہلہ نہیں ہوگا، مثلاً کوئی غیر مقلد آپ سے بحث کرے کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اصولی طور پر دلائل کے ساتھ دونوں طرف حق کا اشتباہ ہے ہوسکتا ہے ان کا مؤقف صحیح ہو ہوسکتا ہے کہ ہمارا مؤقف صحیح ہو، ایسے مسائل کے اوپر مباہلہ نہیں ہوتا، ایسے مسائل پر بحث کا طریقہ یہ ہے کہ بھائی دلائل اور قرائن کے ساتھ راجح یوں معلوم ہوتا ہے، آپ کے نزدیک راجح یوں ہے دونوں باتوں کی گنجائش ہے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق جیسے کوئی عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر پائے گا۔

امت کے اندر پہلے سے دورائیں چلی آرہی ہیں اور یہ جو مؤقف اختیار کیا جاتا ہے یہ ایسے قطعی سلسلے میں ہوتا ہے کہ جس میں انسان کو بالکل اپنے مؤقف کا اس طرح یقین ہے جس طرح روز روشن میں سورج کا یقین ہوتا ہے، ایسے وقت میں دوسرے کی ضد کو ختم کرنے کے لئے اور اس کو چپ کرانے کے لئے طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بس اب کوئی طریقہ نہیں، اب اللہ سے دعا کرو کہ جو جھوٹا ہے اللہ اسے برباد کردے، جب یوں دعا کریں گے تو اس کے بعد جھگڑا ختم ہوجائے گا، باقی یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کا نتیجہ دنیا میں ظاہر ہوجائے، وہ اللہ کے سپرد ہے چاہے وہ کسی فریق پر وبال ڈال دے کسی مصیبت میں مبتلا کردے، اور اگر چاہے تو اس سارے معاملہ کو آخرت میں رکھ لے، یہ اس کا کام ہے ہم اپنی طرف سے آخری بات یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر اللہ کی لعنت، اور اگر تم جھوٹے ہو تو تم پر اللہ کی لعنت ہم بھی یہ بات کہتے ہیں تم بھی یہ بات کہو، اس کے بات بحث ختم۔

جب انسان پوری پختگی کے ساتھ اس بات کو کہتا ہے تو علامت ہوتی ہے کہ یہ قلب میں اپنے مؤقف کے اوپر سچا ہے، اور اپنے مؤقف پر اس کو اطمینان ہے اور جب یوں بددعا کرنے کیلئے کوئی تیار نہ ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ چاہے وہ اوپر اوپر سے انکار کررہا ہے لیکن دل سے وہ سمجھتا ہے کہ ہمارا مؤقف صحیح ہے۔

اس طرح پھر انسان کے قدم اکھڑ جاتے ہیں یہ آخری درجہ ہے اس کے بعد پھر بحث کو ختم کردیا ہے کہ جو کوئی کہ جوئی جھگڑا کرے آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم صحیح آگیا تو آپ کہہ دیجئے کہ آجاؤ ہم بلالیتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو یعنی ہم اپنی اولاد کو لے آتے ہیں تم اپنی اولاد کو لے آؤ اور ہم اپنی عورتوں کو لے آتے ہیں

تم اپنی عورتوں کو لے آؤ اس سے خاندان کے افراد مراہیں۔

یہ قوت پیدا کرنے کیلئے اصل مقصود ہی ہوتا ہے جو بحث کرنے والا ہے کہ ایک آدمی اپنے لیے تو بربادی مانگ سکتا ہے خاندان کیلئے متعلقین کیلئے بسا اوقات بربادی نہیں مانگتا تو قوت پیدا کرنے کیلئے ایسی بات کہہ دی گئی کہ ہم خود بھی آجاتے ہیں اور اپنے متعلقین کو بھی لیتے ہیں اور تم بھی آجاؤ اور اپنے متعلقین کو بھی لے آؤ پھر ہم آپس میں اکھٹے ہو کے گڑگڑا کر دعا کرتے ہیں اور دعا کا مفہوم یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ چھوٹوں کے اوپر اپنی لعنت برسائے اپنی رحمت سے محروم کر دے۔

"ان هذا لهو القصص الحق" بے شک یہ بیان سچا ہے اور اصل اس کا یہ ہے کہ مامن الٰہ الا اللہ کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں خصوصیت کے ساتھ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کی نفی کرنی مقصود ہے جن کے متعلق عیسائیوں نے الوہیت کا عقیدہ ایجاد کیا ان اندر الوہیت نہیں ہے الٰہ صرف اللہ ہے ذات وصفات میں ایک ہے بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت ولا ہے، اتنے واضح ہونے کے بعد بھی اگر وہ پیٹھ پھیریں تو پھر اللہ تعالیٰ ان مفسدوں کو جانتا ہے پھر یہ مفسد ہیں مصلح نہیں ہیں یہ مفسد ہیں جو خواہ مخواہ اصلاح چاہتے ہیں اور فسادیوں کو اللہ خوب جانتا ہے اس کے اندر وعید کا پہلو ہے کہ پھر وقت پہ اللہ ان کو سزا دے گا۔

"قل یا اهل الكتاب تعالوا" یہ تبلیغ کا طرز اختیار کیا گیا ہے کہ ان کو کہو کہ کیوں خواہ مخواہ ضد کرتے ہو تمہاری کتابوں میں انبیاء کی تعلیم میں ایک بات مسلم اصول کے طور پر ذکر کی ہوئی ہے ہم بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں بس اسی پر اتفاق کر لو اور پھر عقلمندی کے ساتھ، سمجھداری کے ساتھ غور کر کے جو تمہارے نظریات اس مسلم بات کے خلاف ہیں ان کو چھوڑ دو اور ہمارے نظریات میں کسی چیز کی نشاندہی کر دو جو اس مسلم عقیدہ کے خلاف ہو ہم اس کو چھوڑ دیں گے۔

یہ دعوت کا ایک طریقہ ہوتا ہے کہ یہ بات تو مسلم ہے کہ تم بھی کہتے ہو "لا الٰہ الا اللہ" کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو رب نہیں بنانا چاہیئے تمہاری کتابوں کی تعلیم بھی یہی ہے، آؤ اسی پر اتفاق کر لیں، اتفاق کرنے کے بعد پھر غور کرو جو چیز اس اصول کے خلاف ہو اس کو چھوڑ دو اور ہمارے مسلک کے اندر بھی نشاندہی کرو کہ جس سے اس کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" کے خلاف لازم آتا ہو، تو ہم اس کو چھوڑ دیں گے یہ دعوت کے اندر نرمی پیدا کرنے والی بات ہے کہ دیکھو مسلمات پر اتفاق کر لو اور پھر جتنے مختلف فیہ مسائل ہیں ان کو اسی اصول پر مدنظر رکھ کے حل کر لو، آپس میں جوڑ لگ سکتا ہے۔

آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! آجاؤ ایک بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مسلم ہونے کے اعتبار سے برابر ہے، وہ یہی ہے کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہمارا بعض بعض کو اللہ کے علاوہ رب نہ بنائے، اور یہ بھی اہل کتاب پر قرآن نے ایک الزام لگایا ہے کہ "اتخذوا احبارهم ورهبانهم

اربابا من دون الله “ کہ ان لوگوں نے اللہ کے علاوہ اپنے علماء کو اور اپنے مشائخ کو رب بنالیا۔

جب یہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے ، یہ پہلے نصرانی تھے اور حاتم بھی نصرانی تھا یہ مسلمان نہیں ہوا، اس کا بیٹا عدی مسلمان ہوا ہے، اور جلیل القدر صحابی ہے، تو اس عدی نے یہ کہا تھا کہ یارسول اللہ! قرآن بھی عیسائیوں پر الزام لگا تا ہے کہ انہوں نے اپنے احبار اور رہبان کو رب بنالیا حالانکہ وہ تو اپنے احبار ور ہبان کو رب نہیں کہتے ، اور وہ چونکہ خود بھی پہلے عیسائی تھے اس لئے حال جانتے تھے تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال کیا کہ وہ عیسائی تو اپنے احبار ور ہبان کو رب نہیں کہتے اور قرآن کہتا ہے کہ انہوں نے ان کو رب بنالیا۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اچھا یہ بتاؤ کہ کیا ان کا اپنے احبار رہبان کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں ہے کہ جس کو وہ حلال کہدیں چاہے وہ کتاب اللہ کی تصریحات کے خلارف ہی کیوں نہ ہو اس کو وہ حلال جانتے ہیں ، اور جس کو وہ حرام کہہ دیں چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی تصریحات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اس کو وہ حرام کہتے ہیں ، یعنی کیا تحلیل وتحریم کا اختیار انہوں نے اپنے احبار ور ہبان کو نہیں دیدیا کہ انہی کی بات پر مدار رکھتے ہیں ، چاہے کتاب اللہ کی صراحت کے خلاف ہو۔

وہ کہنے لگے کہ جی یہ بات تو ہے چلتا تو انہی کا ہی فتویٰ ہے، اگر وہ کتاب اللہ کے خلاف بھی فتویٰ دیدیں تو بھی قوم انہی کی مانتی ہے تو فرمایا یہی تو اتخاذ رب ہے کہ کسی کی اطاعت اس طرح سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف بھی اس کے فتویٰ کو ترجیح دی جائے تو تم اس کو رب بنالیا، تو یہ حیثیت تھی ان کی ، تو یہاں مطلب یہ ہوگا کہ اطاعت صرف اللہ کی کی جائے ، اللہ کے احکام کے مقابلہ میں کسی بندے کے حکم کو ترجیح نہ دی جائے۔

یہ بھی ایک مسلم اصول ہے آؤ دیکھ لو تم اس پر چلتے ہو یا ہم اس پر چلتے ہیں جو کمی بیشی ہے اس کو ٹھیک کرلیں ، اور اس متفق علیہ اصول پر آجاؤ، ہم آپس میں اتفاق کر لیتے ہیں پھر اگر یہ پیٹھ پھیریں اور اتنی صاف بات بھی ماننے کے لئے تیار نہیں تو انہیں کہدو کہ تم گواہ ہو جاؤ ہم تو فرمانبردار ہیں ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم آئے گا ہم تو اس کو ماننے کے لئے تیار ہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت دوسرے علاقوں میں بادشاہوں کو خطوط لکھے ہیں تو اہل کتاب میں سے جو بادشاہ تھے ان کو خط لکھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخر میں یہی لکھا کرتے تھے ، آپ کے جو خطوط ہیں ان سب کے اندر یہ آیت درج ہے۔

”یااهل الکتاب لم تحاجون فی ابراهیم الخ “ اب انہوں نے اپنی گفتگو میں اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر قرار دینے کی کوشش کی کہ ہمارا مسلک ابراہیمی مسلک ہے، اور ابراہیم علیہ السلام ہمارے ہی طریقہ پر تھے، یہود حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی طرف کھینچتے تھے، عیسائی اپنی طرف کھینچتے تھے، اور مشرکین مکہ اپنے آپ کو اولاد ابراہیم کہہ کر کہتے تھے کہ ملت ابراہیمی پر ہم ہیں ، اور اس سے وہ اپنے مسلک میں وزن پیدا کرتے تھے ، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے تھے کہ انہوں نے ملت

ابراہیمی کو چھوڑ دیا ہے یہ ملت ابراہیمی کے خلاف چلتے ہیں، اور ابراہیم کو سارے لوگ اپنا بزرگ مانتے تھے، عیسائی بھی، یہودی بھی، اور مشرکین مکہ بھی۔

اس مسئلہ کی تفصیل کچھ آپ کے سامنے پہلے پارہ کے اندر آئی تھی کہ ملت ابراہیمی کیا چیز ہے؟ یہاں بھی اسی کا ذکر کرنا مقصود ہے، اے اہل کتاب تم کیوں جھگڑا کرتے ہو ابراہیم کے مسلک کے بارے میں کہ ابراہیم کا کیا طریقہ تھا، حالانکہ نہیں اتاری گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد تورات بھی ان کے بعد اتری، اور یہودیت نام ہے اصل وفروع کے مجموعہ کا جو تورات نے تلقین کیا، اور نصرانیت وہ مسلک ہے جو انجیل سے بنا جن کے اصول وفروع وہ ہیں جن کی تفصیل انجیل نے کی تو یہ یہودیت اور نصرانیت دونوں طریقے ہی حضرت ابراہیم کے بعد کے ہیں پھر آپ کیسے ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کا طریقہ یہی تھا یہودیوں والا یا نصرانیوں والا کیا تم سوچتے نہیں ہو۔

تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے جھگڑا کیا اس چیز کے بارے میں جس کے متعلق تمہیں کچھ علم تھا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات ان کے بارے میں کچھ معلومات تمہیں تھیں اور کچھ نہیں تھیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تو تمہیں کچھ بھی پتہ نہیں ہے، ان کے بارے میں خواہ مخواہ کیوں جھگڑا کر رہے ہو، ابراہیم کے حالات کو اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضاحت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یہ نہیں تھا جو موجودہ یہودیت کا ہے، اور نہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ یہ تھا جو موجودہ نصرانیت کا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا اسلام یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو حکم آجائے اس کو مان لو، اب اللہ کے احکام کی جو اتباع کرے گا ملت ابراہیمی پر وہ ہے، اور اگر تم اسی پر ضد کر کے بیٹھ جاؤ کہ نہیں یہودیت ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تھا ہم اس پر جمیں رہیں گے یہ بات غلط ہے، ملت ابراہیمی کے خلاف ہے، ٹھیک ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان باتوں کو ماننا ہی مسلک ابراہیمی تھا، کیونکہ مسلک ابراہیم ہے "اسلمت لرب العالمین" رب العالمین کا کہنا مان لینا، جو حکم اس کی طرف سے آجائے اس کے سامنے گردن ڈال دینا۔

لیکن جب ایک صحیح دلیل کے ساتھ اس کا منسوخ ہونا ثابت ہو گیا وہ ملت ابراہیمی نہیں ہے، ملت ابراہیمی ہر وقت وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام آجائیں انہی کو تسلیم کرو ان کا مسلک یہ تھا، نہ وہ متعین طور پر یہودی تھے، نہ وہ متعین طور پر نصرانی تھے، ان کی ملت ہے اسلام اللہ کے احکام کو ماننا، جو شخص جس وقت اللہ کے احکام کو مانے گا وہی ملت ابراہیمی پر ہے، متعین طور پر یہودیت اور نصرانیت یہ تورات انجیل سے شروع ہوئے اور یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔

اور نہ ہی وہ مشرکوں میں سے تھے اس لئے مشرکین مکہ کا کہنا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے مسلک پر تھے

یہ تو بنیادی طور پر ہی غلط ہے، وہ تو موحد اعظم تھے، اور شرک کے گڑھ کے اندر اللہ کے دین کی تبلیغ کرنے والے تھے تو یہ مشرک ان کے مسلک پر کیسے ہو سکتے ہیں، سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے ابراہیم کے ساتھ البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے زمانہ میں ان کی اتباع کی اور موجودہ دور میں یہ نبی اور ان پر ایمان لانے والے لوگ یہ ہیں ملت ابراہیمی پر کہ اللہ کی طرف سے جو تازہ بتازہ احکام آتے ہیں یہ سب کو تسلیم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہی مؤمنون کا دوست ہے۔

"ودت طائفة من اهل الکتاب" اس آیت میں مسلمانوں کو کافروں سے ذرا احتیاط رہنے کی تلقین کرنا مقصود ہے کہ ان کی اس قسم کی شرارتوں سے متاثر نہ ہونا، شبہات میں نہ پڑنا یہ تو تمہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں، چاہتا ہے اہل کتاب میں سے ایک طائفہ کہ تمہیں گمراہ کردے، اور اس اضلال کا وبال انہی پر پڑے گا اور ان کو پتہ نہیں چلتا، آگے اہل کتاب کو تنبیہ ہے اور یہ لفظ آپ کے سامنے پہلے بھی گذر چکے ہیں کہ اے اہل کتاب اللہ کی کتاب کا کیوں انکار کرتے ہیں حالانکہ تم گواہ ہو۔

گواہ ہونے کا معنی دو طرح سے کیا جا سکتا ہے، ایک مطلب تو یہ ہے کہ دل سے تم گواہی دیتے ہو کہ یہ باتیں ٹھیک ہیں لیکن اوپر اوپر سے انکار کرتے ہو جیسا کہ یہ بات پچھلے حالات سے واضح ہو چکی ہے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ انہی احکام اور انہی باتوں پر تو اللہ نے تمہیں گواہ بنایا ہے، جیسے ایک واقعہ پیش آیا اور میں نے تمہیں گواہ بنا لیا لیکن بعد میں تم اس واقعہ کے منکر ہو گئے، میں کہتا ہوں کہ تم کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم ہی تو گواہ ہو۔

اور یہ گواہ اس طرح کہ پہلی کتابوں میں انہی مضمونوں کا اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد لیا ہوا ہے تم ہی تو اس مضمون کے گواہ ہو اور پھر تم ہی انکار کرتے ہو، یعنی اصل کے اعتبار سے تم واقف ہو اور تمہیں اس مضمون کا گواہ بنایا گیا ہے لیکن آج تم انکار کیے بیٹھے ہو، اے اہل کتاب حق اور باطل کو خلط ملط نہ کرو اور کیوں چھپاتے ہو تم حق کو حالانکہ تم جانتے ہو۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾
وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ
اَنْ یُّؤْتٰۤى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ
قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۚۙ﴿۷۳﴾

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ اَهْلِ
الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ
بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآىِٕمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ
ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰۗىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ
اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ
لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ
الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ
وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ
وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿٧٩﴾ۙ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰۗىِٕكَةَ
وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ۭ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨٠﴾ ع

ترجمہ:

اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا ایمان لے آؤ اس چیز کے ساتھ جو اتاری گئی ان لوگوں پر جو ایمان لائے دن کے ابتدائی حصہ میں اور دن کے آخری حصہ میں اس کا انکار کردو تاکہ وہ لوٹ آئیں اور تم ایمان نہ مگر اس شخص کے لئے جو تمہارے دین کا تابع ہے، آپ کہہ دیجئے بے شک ھدایت اللہ کی ہدایت ہے (اے اہل کتاب کیا تم نے یہ تدبیر اس لئے کی ہے) کہ دیا جاتا ہے کوئی شخص مثل اس چیز کے جو تم دیئے گئے یا وہ غالب آجائیں تم پر تمہارے رب کے سامنے، آپ کہہ دیجئے کہ فضل اللہ کے قبضہ میں ہے وہ دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں علم والے ہیں، وہ خاص کرتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے، اہل کتاب میں سے بعض وہ شخص ہے جس کو اگر تو امین بنادے ایک ڈھیر پر تو وہ اس ڈھیر کو تیری طرف ادا کردے گا، اور ان میں سے بعض وہ ہے کہ اگر تو اس کو امین بنادے ایک دینار پر نہیں ادا کرے گا وہ اس دینار کو تیری طرف مگر یہ کہ کھڑا رہے تو اس پر ہمیشہ، یہ اس سبب سے ہے انہوں نے کہا کہ ہم پر اِن اَن پڑھوں کے بارے میں کوئی الزام نہیں اور اللہ کے اوپر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں، کیوں نہیں جو شخص پورا کرے اللہ کے عہد کو اور تقویٰ اختیار کرے پس بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں متقین سے، بے شک وہ لوگ خریدتے ہیں اللہ کے عہد کے عوض قلیل ثمن یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور نہ ان سے اللہ تعالیٰ کلام کرے گا اور نہ ان کے اوپر قیامت کے دن نظر شفقت کرے گا اور اللہ انہیں پاک نہیں کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اور بے شک ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ ہے جو موڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ تاکہ ان ان کے اس محرف کو تم اللہ کی طرف سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے، اور یہ اللہ کے اوپر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں، کسی بشر کے لئے یہ مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب، حکمت اور نبوت دے پھر وہ بشر کہنے لگ جائے لوگوں کو کہ تم میرے بندے بن جاؤ اللہ کو چھوڑ کر لیکن وہ تو یہی کہے گا کہ ہو جاؤ تم رب والے اس سبب سے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس سبب سے کہ تم کتاب پڑھتے ہو، اور اس بندہ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ تمہیں حکم دینے لگ جائے کہ بنالو تم فرشتوں اور نبیوں کو رب کیا وہ بشر تمہیں کفر کا حکم کرے گا بعد اس کے کہ تم اپنے خیال میں فرمانبردار ہو۔

تشریح :

اس رکوع کی پچھلی آیت میں ذکر کیا گیا تھا "ودت طائفة من اهل الكتاب لو يضلونكم" اہل کتاب میں سے

ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں راستہ سے بھٹکا دے تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہے، اب یہاں ان کے گمراہ کرنے کی ایک سکیم کا ذکر ہے جوانہوں نے آپس میں بنائی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے پہلے ہی خبردار کر دیا، یہ تدبیر جو انہوں نے اختیار کی تھی اس کا حاصل ہے منافقانہ چال، بعض لوگوں نے بیٹھ کر آپس میں مشورہ کیا کہ کچھ لوگ ہم میں سے جائیں اور سرور کائنات ﷺ پر ایمان لے آئیں اس دین کو قبول کر لیں صبح صبح جائیں جا کے قبول کر لیں اور مسلمانوں میں شامل ہو جائیں دن وہاں گزاریں ان کی باتیں سنیں اور شام کو یہ ظاہر کر کے کہ ہم تو ان کو اچھا دین سمجھ کے آئے تھے اس میں تو یہ خرابی ہے یہ خرابی ہے، کچھ نقائص نکال کر شام کو انکار کر کے آ جائیں۔

یہ ایک منافقانہ چال ہے اور اس سے کیا ہوگا دو مقصد حاصل ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ خود یہ مؤمن جو اس دین کو قبول کیے بیٹھے ہیں یہ بھی تردد میں مبتلا ہو جائیں گے، کہ یہ اہل کتاب ہیں علم والے ہیں علمی باتوں سے ان کو مناسبت ہے اور معلوم بھی ہوتا ہے کہ یہ متعصب نہیں مخلص ہیں اگر یہ متعصب ہوتے مخلص نہ ہوتے تو پھر صبح کو ایمان کیوں لاتے جب انہوں نے ایمان قبول کر لیا تو معلوم ہو گیا کہ ان کے دل کے اندر کوئی جماعتی تعصب نہیں ہے گروہی تعصب سے خالی ہیں، اور پھر انہوں نے جس وقت باتیں سنیں معلوم ہوتا ہے کہ علمی معیار کے مطابق وہ نہیں ہیں اس لئے وہ شام کو انکار کر گئے، اس طرح جو کمزور عقیدے کے مسلمان ہیں وہ بھی اپنے دین سے پھر جائیں گے اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں بھی شبہات پیدا ہو جائیں گے۔

دوسرا مقصد یہ ہو سکتا ہے کہ ہم میں سے بھی جو لوگ اس دین کو قبول کرتے جا رہے ہیں وہ رک جائیں گے اور وہ یہ سمجھیں گے کہ شاید یہ بات تحقیق کے خلاف ہے جو کہتے ہیں کہ یہ دین حق ہے اگر یہ دین حق ہوتا تو ہمارے فلاں فلاں مولوی صاحب ہمارے احبار اور بڑے بڑے عالم جو گئے تھے اور اندر گھس کے جا کر دیکھ آئے اور اندر سے تحقیق کر آئے ہیں تو یہ بات صحیح نہیں نکلی، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے اس طرح اپنے لوگوں کی حفاظت ہو جائے گی۔

تو ان مقصدوں کے تحت انہوں نے یہ سکیم بنائی اور منافقانہ چال چلی کہ لوگوں کو اس دین سے متنفر کیا جائے اور اس دین کے بارے میں شبہات کے اندر مبتلا کر دیا جائے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں ان کی اس سکیم کو کھول دیا اور پھر ساتھ ہی یہ تنبیہ کر دی کہ یہ ان اہل ایمان کے ساتھ تمہارا بغض اور حسد اس وجہ سے ہے کہ جیسا دین تمہیں ملا تھا، جیسی کتاب تمہیں ملی تھی جیسے دینی سیادت تمہیں ملی تھی یہ کسی دوسرے کو کیوں مل گئی ہے، اور یہ ساری کی ساری تدبیریں تم اس لئے کر رہے ہو کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کے معاملہ میں تم پر غالب نہ آ جائیں اور یہ چونکہ غالب آتے جا رہے ہیں حجت کے اندر تمہیں یہ جھوٹا کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہیں یہ جھوٹا کر رہے ہیں، اور آخرت میں بھی حجت بازی میں یہ تمہارے اوپر غالب آئیں گے، اس حسد اور بغض کی بناء پر تم اس قسم کی تدبیریں کرتے ہو۔

یہ ان کو تنبیہ ہے اور درمیان کے اندر یہ کہدیا کہ یہودیت، نصرانیت صرف یہی ہدایت کے عنوان نہیں ہیں بلکہ حقیقی ہدایت وہی ہے جو اللہ کی طرف سے آئے اور اللہ کی طرف سے جو راہنمائی جس صورت میں بھی آجائے یہی ہدایت یافتہ ہونے کی علامت ہے، تم اپنے طور پر ایک چیز کو متعین کر کے اگر اس کے اوپر جمے رہو گے تو یہ جمنا ہدایت نہیں بلکہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آئے اس کو قبول کرنا یہی صحیح طور پر صراط مستقیم ہے اور اسی کو ہدایت کہتے ہیں تو ان کی اس منافقانہ چال کی نشاندہی اس آیت کے اندر کردی گئی۔

اور یہود کی کچھ عادت ہی ایسے ہے تاریخ کے اندر یہ بات مذکور ہے کہ عیسائیت کو بھی یہودیوں نے اس قسم کی چالوں کے ساتھ ہی برباد کیا ہے، عیسائیت کے اندر جتنی تحریفات ہوئی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جس قسم کے عقیدے بنے ہیں وہ سب یہودی سازش کے تحت بنے ہیں، اور اسلام کے خلاف بھی ان کی سازشیں حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی جاری رہتی تھیں، اور سرور کائنات ﷺ کے بعد دین کے اندر جو تحریف کرنے کے کوششیں کی گئیں اور بہت حد تک وہ اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے وہ بھی یہود کی طرف سے ہے کہ عبداللہ بن سبا ایک یہودی تھا اور جو مسلمان ہوا اور مسلمانوں میں شامل ہوا سیاسی طور پر بھی اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور مذہبی طور پر بھی نئے نئے عقیدے گھڑ کے امت کے اندر انتشار پیدا کردیا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی چونکہ حفاظت تھی اہل حق کے ایک گروہ نے موجود رہنا تھا اس لئے دین کو پوری طرح مسخ نہیں کیا جاسکا، اور دین عیسوی کے متعلق چونکہ اللہ تعالیٰ کا اس قسم کا وعدہ نہیں تھا اس کو پوری مسخ کرنے پر یہ قادر ہوگئے، ورنہ یہ عبداللہ بن سبا اور اس کی پارٹی نے کوئی کم نہیں کیا، اگر اللہ تعالیٰ حفاظت نہ ہوتی تو یہ دین بھی اسی طرح مسخ ہوجاتا جس طرح نصرانیت مسخ ہوگئی ہے، سازشیں انہوں نے خوب کیں سیاسی طور پر انتشار پیدا کیا، کتاب اللہ کے متعلق غلط نظریات کے اشاعت کی اور دین کے بارے میں بہت سارے نظریات گھڑ لئے جس سے روافض کا فرقہ وجود میں آگیا اور انہوں نے ہر ہر چیز کو بدل کے رکھ دیا۔

یہ ساری کی ساری اصل کے اعتبار سے یہودی سازش ہے اور یہ سازش انہوں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں کی تھی جس کی نشاندہی یہاں کردی کہ اس تدبیر کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو لوگ ہیں ان میں سے بعض لوگ اچھے ہیں کہ ان کے پاس اگر تم سونے کا ڈھیر بھی امانت رکھ دو تو جس وقت طلب کرو گے وہ تمہاری امانت ادا کردیں گے اور یہ وہی لوگ تھے جو آہستہ آہستہ ایمان کی طرف آگئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا، اور بعض ایسے ہیں کہ اگر ایک دینار بھی ان کے پاس امانت رکھ دو گے تو اس کو بھی وہ امانت داری کے ساتھ تمہاری طرف ادا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے ہاں ان کے

سر پر چڑھے رہو ہر وقت ان کے پیچھے لگے رہو تو مجبور کر کے ان کے حلق سے اپنا وہ دینار اگلوا لو تو یہ تمہاری ہمت ہے۔
ورنہ ایک دفعہ ان کے قبضہ میں آجانے کے بعد پھر یہ پیسہ اپنے ہاتھ سے چھوڑتے نہیں ہیں، یا یہ ہے کہ جب تم ان کے پاس ایک دینار رکھو گے جس وقت تک ان کے سر پر کھڑے رہو گے اس وقت تک تو اقرار کریں گے کہ واقعی تم نے ایک دینار ہمارے پاس امانت رکھا ہے، اور جب تم ایک طرف ہوئے اور سامنے سے گئے دوبارہ آکے پوچھو تو سرے سے انکار ہی کر دیں گے کہ تمہارا ہمارے پاس کوئی مال ہے ہی نہیں، اور اتنی بددیانتی پر یہ کیوں دلیر ہو گئے کہ انہوں نے اپنے طور پر ایک مذہبی عقیدہ بنالیا کہ جو لوگ اہل کتاب نہیں ہیں خاص طور پر عرب کے رہنے والے جو امیین کا مصداق ہیں ان کا مال ہمارے لئے مباح ہے ہم جس طرح مرضی کھالیں ہم پر کوئی الزام نہیں مذہبی طور پر انہوں نے اس قسم کا عقیدہ گھڑ لیا جس کی بناء پر یہ امانت دار نہیں رہے اور بلا تکلف امیین کے مال کے اندر یہ خیانت کرتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ سب جھوٹ بولتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں، شریعت موسوی کے اندر یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ جو شریعت موسوی کا قائل نہ ہو اس کی امانت امانت نہیں، اور اس کے ساتھ کوئی عہد و پیمان کی رعایت نہیں رکھی جاسکے گی، یہ سب ان لوگوں کی من گھڑت باتیں ہیں اللہ تعالیٰ کا تو اصول ہے جو اس نے اپنی کتابوں کے اندر بیان فرمادیا کہ جس سے عہد کرو اس کو پورا کرو، جس کی امانت لو اس کو ادا کرو اور جو عہد کی پابندی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتے ہیں وہ متقی ہیں اور ایسے متقی اللہ کو پسند ہیں اس طرح ان کی یہ مالی خیانت واضح کی۔
اور پھر آگے یہ بتایا کہ یہ صرف تمہارے ساتھ ہی دینی اور مالی خیانت نہیں کرتے انہوں نے اپنے دماغ کے اندر اپنی کتاب کا بھی یہی حال کر رکھا ہے کہ جب یہ اپنی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں تو اس میں یہ زبان موڑ موڑ کر کوئی نہ کوئی غلط بات شامل کر دیں گے کہ لب ولہجہ سے بھی معلوم ہوگا کہ یہ اللہ کی کتاب کا حصہ ہے، کہ کوئی لفظ بڑھا دیا یا کوئی لفظ گرا دیا لب ولہجہ وہی رکھا جس طرح اللہ کی کتاب کو پڑھا جاتا ہے، اس کا تلفظ بدل دیا جس سے مفہوم بدل گیا تو اپنے اس لب ولہجہ سے بھی تأثر دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب کا حصہ ہے۔
اور پھر جب کوئی پوچھے تو کہہ بھی دیتے ہیں کہ یہ جو مسئلہ ہم بیان کر رہے ہیں یہ اللہ کی جانب سے ہے، اللہ کی جانب سے ہونے کے دو مفہوم ہوتے ہیں،، یا تو کہتے ہیں کہ کتاب اللہ میں صراحتاً اسی طرح آیا ہے، یا کتاب اللہ میں جو اصول بتائے گئے ان اصولوں سے یہ مسئلہ صحیح طور پر مستنبط ہے، کیونکہ جب صحیح اصولوں سے مسئلہ مستنبط ہو تو اس کی نسبت بھی اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف کر دی جاتی ہے، اس طرح یہ اپنی من گھڑت باتوں کو ثابت شدہ حقیقت قرار دیتے ہیں اور ان کو مستند قرار دیتے ہیں، حالانکہ ان کی یہ نسبت غلط ہوتی ہے انہوں نے اپنی کتاب کا بھی یہ حال کر رکھا ہے جس طرح آپ کی کتاب

کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں۔

اور آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بحث کے متعلق آخری بات ہے جس میں عیسائیوں کی بھی تردید ہے اور یہودیوں کی بھی تردید ہے، یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزام لگاتے تھے کہ انہوں نے شرک کی تعلیم دی انہوں نے اپنی عبادت کی طرف بلایا، انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، اور عیسائی کہتے تھے کہ یہ ساری تعلیمات ہمیں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہیں اور اسی طرح بعض حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس قسم کا الزام لگانے کی کوشش کی جس طرح نصرانیوں نے کہا تھا کہ آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اب آپ کی کرنے لگ جائیں۔

یا بعض مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ کی اجازت مانگی تھی آپ نے انکار کیا کہ سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے کسی دوسرے کے لئے نہیں ہے تو آگے انبیاء کا ایک منصب واضح کر دیا جس منصب کے تحت پتہ چل گیا کہ کوئی نبی کبھی بھی کسی مسئلہ کی غلط تعلیم نہیں دے سکتا، اس کا بنیادی مقصد اللہ کی توحید کو بیان کرنا ہوتا ہے، اور ساری مخلوق کو اللہ کی طرف جوڑنا ہوتا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تو انہیں نبوت دے حکمت دے کتاب، اور وہ اللہ سے توڑ کر اپنی ذات کے ساتھ جوڑنے لگ جائیں کہ ہمارے بندے بن جاؤ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔

اس لئے جو بات بھی ایسی ہو جس میں شرک کا شائبہ پایا جائے پھر چاہے کوئی شخص اس کی نسبت اللہ کے رسول کی طرف کرے کہ ہمیں اللہ کے رسول نے سکھائی ہے بالکل غلط ہوگی، اللہ کا رسول کوئی بات ایسی نہیں سکھا سکتا جس کے اندر شرک کا شائبہ پایا جائے، وہ تو لوگوں کو اللہ کے ساتھ جوڑنے کے لئے آیا کرتے ہیں وہ تو یہ کہنے کے لئے آتے ہیں کہ رب والے ہو جاؤ، اللہ والے ہو جاؤ، کیونکہ تم کتاب پڑھتے ہو پڑھاتے ہو، تو کتاب پڑھنے پڑھانے کا مقصد یہی ہے کہ اللہ کی تعلیم کو قبول کرو، صحیح بات سمجھو صحیح بات سمجھنے کے بعد لوگوں کو سمجھاؤ، اور مخلوق خدا کا رخ اللہ کی طرف موڑو، بندوں کی طرف نہ موڑو وہ تو آتے ہی اس لئے ہیں۔

اگر نبی شرک کی تعلیم دینے لگ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا وہی باغی ہوگیا اور وہی اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف چل پڑا ایسا نہیں ہوسکتا، اس لئے ہر نبی معصوم ہوتا ہے خود گمناہ سے بچتا ہے اور لوگوں کو بچانے کی کوشش کرتا ہے اس کی ہر بات اللہ کی توحید کی طرف دعوت دینے کے لئے ہوتی ہے اور وہ اپنی شخصیت کی طرف بایں طور نہیں بلاتے کہ اللہ سے کاٹ کے اپنے ساتھ جوڑ لیں نہ اپنے متعلق کہیں گے نہ فرشتوں کے متعلق کہیں گے، نہ باقی نبیوں کے متعلق کہیں گے عبادت کسی کی نہیں سوائے اللہ کے ان کی ساری کی ساری تعلیم توحید پر مشتمل ہوتی ہے۔

اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اگر یہود الزام لگائیں کہ انہوں نے شرک کی تعلیم دی تھی تو یہود کا الزام غلط، اور اگر عیسائی استناد کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیں شرک کی تعلیم دی تھی تو ان کا یہ استناد غلط، اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی تنبیہ ہوگئی کہ اپنے نبی کے متعلق بھی اس قسم کے جذبات رکھو جو توحید کے خلاف نہیں ہیں، نبی کا یہ منصب نہیں کہ اس کی ذات کو شرک کا ذریعہ بنالیا جائے اس طرح یہ مضمون رکوع کے آخر تک چلا گیا (ترجمہ پر غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی)

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ
ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ
قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ
قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى
بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ
وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ
يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ
عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ
وَمَاۤ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ
الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

وَشَهِدُوْۤا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ
لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ
لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۗ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ
تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا
وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ
افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ:

قابل ذکر ہے وہ وقت جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ جو کتاب وحکمت میں تمہیں دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آجائے مصداق بننے والا ہو اس چیز کا جو تمہارے پاس ہے تو البتہ ضرور ایمان لاؤ گے تم اس کے ساتھ اور البتہ ضرور مدد کرو گے اس کی ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کرلیا اور تم نے اس بات پر میرا عہد لے لیا انہوں نے کہا ہم نے اقرار کرلیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس تم گواہ ہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ، پھر کوئی پیٹھ پھیرے گا بعد اس کے پس وہی لوگ اطاعت سے نکلنے والے ہیں ، کیا پھر یہ لوگ اللہ کے دین کا غیر طلب کرتے ہیں حالانکہ اسی کے لئے فرمانبردار ہے ہر کوئی جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اس حال میں کہ وہ خوشی سے اطاعت قبول کرنے والے ہیں یا ناگواری سے ، اور اسی کی طرف ہی لوٹائیں جائیں گے ، آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور ہم اس چیز پر ایمان لے آئے جو ہم پر اتاری گئی اور جو کچھ اتارا گیا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر

اور اولادِ یعقوب پر اور ایمان لائے ہم اس چیز کے ساتھ جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور کل انبیاء اپنے رب کی جانب سے ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں ڈالتے اور ہم اسی اللہ کے لئے فرمانبردار ہیں، اور جو شخص اسلام کے علاوہ دین کو طلب کرے تو وہ اس کی طرف سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہے کیسے ہدایت کرے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کا ی اپنے ایمان کے بعد اور انہوں نے اقرار کا ی رسول حق ہے اور ان کے پاس بینات آ گئے، اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو مقصد تک نہیں پہنچاتا، ان کا بدلہ یہ ہے کہ بے شک ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے مگر جو لوگ توبہ کر لیں اس کے بعد اور اپنے حالات ٹھیک کر لیں پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد پھر وہ کفر کے اندر بڑھتے رہے تو ہرگز ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور یہی لوگ بھٹکے ہوئے ہیں، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور وہ مر گئے اس حال میں کہ کافر ہیں ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا ان میں سے کسی کی طرف سے زمین کا بھراؤ سونا اگرچہ وہ اس سونا کے ساتھ فدیہ ہی دے ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

تشریح :

سورۃ آل عمران کے اس حصہ میں مرکزی طور پر دعوت ہے اہل کتاب کے لئے، سرورِ کائنات ﷺ پر ایمان لانے کی، نصاریٰ کے خیالات کی بھی تردید آئی، اور ان کو بھی براہ راست دکھایا گیا اور اس طرح یہود کو بھی دعوت دی گئی کتمان حق سے، لبس حق بالباطل سے ان کو روکا گیا، اور انبیاء کا مقام واضح کیا گیا کہ انبیاء کبھی بھی غلط نظریات کی تلقین نہیں کر سکتے، شرک کی تعلیم نہیں دے سکتے اس لئے انبیاء کی طرف نسبت کر کے جو ان لوگوں نے ایسی باتیں بنالی ہیں جو کہ صراحتاً شرک ہیں وہ نسبت غلط ہے، کوئی نبی اپنے ماننے والوں کو کسی صورت میں بھی شرک کی تعلیم نہیں دے سکتا نہ اپنی عبادت کی طرف بلا سکتا ہے نہ فرشتوں اور دوسرے نبیوں کے متعلق کہہ سکتا ہے۔

اس آیت میں بھی اہل کتاب کو خصوصیت کے ساتھ سرورِ کائنات ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت ہے، حاصل اس مضمون کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں مختلف عہد لئے ہیں، ایک عہد تو کل بنی آدم سے لیا تھا کہ "الست بربکم "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ جس کو جواب میں کہا تھا بلیٰ کیوں نہیں تو ہمارا رب ہے، یہ بنیادی عہد تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے لیا تھا، کیونکہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہی ہر مذہب کی بنیاد ہے، اگر اللہ تعالیٰ کو پہچانا نہ جائے اس کی ربوبیت کا عقیدہ

نہ ہوتو آگے مذہب کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا، اللہ تعالیٰ کا وجود اس کی وحدانیت، اس کے متعلق ربوبیت کا عقیدہ یہ بنیادی اینٹ ہے جس کے اوپر مذہب کی عمارت کھڑی ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی فطرت کے اندر یہ بیج بویا اور ہر ایک کی زبان سے اقرار کرایا۔

اور پھر انبیاء علیہم السلام یعنی بنی آدم میں سے وہ انسان جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا نمائندہ بنانا تھا ان سے پھر خصوصیت کے ساتھ علیحدہ عہد لیا جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے، اس کا حاصل یہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام سے یہ کہا گیا کہ دنیا میں جانے کے بعد میں تمہیں کتاب وحکمت دوں گا، اور پھر جس نبی کی موجودگی میں کوئی دوسرا رسول آجائے جو ان علامات کا مصداق بنتا ہو جو علامات تمہیں پہلے دی گئی ہیں کہ آنے والے نبی کی یہ نشانیاں ہیں جس پر وہ نشانیاں صادق آجائیں یعنی اس کی نبوت ورسالت دلیل کے ساتھ ثابت ہوجائے تو آپ میں سے ہر ایک نے اس کے اوپر ایمان بھی لانا ہے اور اس کی مدد بھی کرنی ہے کہ اعلان کرنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔

اور جہاں تک ہوسکے اس کے ساتھ تعاون بھی کرنا ہے مدد بھی کرنی ہے، برملا طور پر اللہ تعالیٰ سب سے اقرار لیا اور اقرار لینے کے بعد کہا کہ دیکھو اس واقعہ کا میں بھی گواہ ہوں اور تم نے بھی اسی طرح رہنا ہے جس طرح گواہ اپنی گواہی پہ قائم ہوتے ہیں، بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اقرار کرنے والے کا اپنے اقرار سے پھر جانا چونکہ اس کی اپنی غرض پر مبنی ہوتا ہے اس لئے یہ اتنا خلاف توقع نہیں جتنا گواہ اپنی گواہی سے پھر جائے، اس لئے وہ اس آیت کا مفہوم یوں ہی ذکر کرتے ہیں کہ اپنے اس اقرار پر اس طرح ثابت قدم رہنا ہے جیسے گواہ گواہی پر ثابت قدم ہوتا ہے، تو انبیاء پر ایمان لانے کا خود انبیاء سے عہد لیا گیا کہ ہر وہ نبی جو تمہارے زمانہ میں آجائے اس پر ایمان بھی لانا ہے اور اس کی مدد بھی کرنی ہے۔

تو جب اس کو علی العموم مانا جائے انبیاء سے عہد اور انبیاء کی وساطت سے ان کی امتوں سے عہد، کیونکہ ہر نبی اس بات کا مکلّف ہوگا کہ آنے والے نبی کی تصدیق کرنی ہے، تو اپنی جماعت کو اپنی امت کو بھی وہ اپنے ساتھ پابند کرے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا جو نبی آتا وہ اپنی امت کو کہتا تھا کہ میرے بعد ایسا پیغمبر آنے والا ہے میری زندگی میں آئے گا تو میں بھی اظہار کردوں گا، ایمان لاؤں گا اس کی مدد کروں گا، اور اگر میری زندگی میں نہ آیا تمہارے سامنے آئے تو تم نے بھی اس کو ماننا ہے اور اس پر ایمان لانا ہے، نبی نمائندہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا بنی آدم کا اور امت کا بھی نمائندہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام قبول کرنے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد وپیان کرنے کے لئے تو انبیاء کی وساطت کے ساتھ ان کی امتوں سے بھی عہد لے لیا گیا۔

بنی اسرائیل میں تو ایسا بارہا ہوا کہ ایک نبی کی موجودگی میں دوسرا نبی آیا ایک ایک وقت میں کئی کئی نبی موجود رہے،

جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام تھے، یحی علیہ السلام کی موجودگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آ گئے تو انہوں نے اس طرح ایک دسرے سے تعاون کیا اور ایک دسرے کی نبوت کی تصدیق کی، اس ترتیب سے سرور کائنات ﷺ پر ایمان لانے کا بھی سب سے وعدہ ہے، اور آپ اگر چہ اس دنیا میں جب تشریف لائے تو اس وقت روئے زمین پر کوئی نبی موجود نہیں تھا لیکن انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا ہوا تھا اور اس عہد میں آپ کی شخصیت بھی داخل ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو ظاہر کرنے کے لئے ایک نبی کو بچایا اور اس کو اپنی جگہ محفوظ کرلیا، اب وہ جس وقت دنیا کے اندر تشریف لائیں گے وہ دور دور محمدی ہوگا، تو حضور ﷺ پر ایمان بھی لائیں گے اور آپ کے دین کی نصرت بھی کریں گے وہ ہوں گے نبی ہی، نبوت سے (نعوذ باللہ) معزول نہیں ہو جائیں گے لیکن یہ دور نبوت چونکہ حضور ﷺ کا ہوگا اس لئے جس وقت تشریف لائیں تو نبی ہونے کے باوجود بھی ان کا ایمان بھی سرور کائنات ﷺ پر ہوگا، تصدیق کریں گے، اور ان کے دین کی نصرت کریں گے، اور اگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بھی ایمان لانے کا مکلّف تھا۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "لو کان موسی حی ماوسعه الااتباعی" اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور ایک روایت میں ہے کہ میرے دور نبوت کو پاتے تو میری اتباع کے بغیر ان کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں تھی جب اس طرح آنے والے نبی کے متعلق عہد ہے تو حضور ﷺ کے متعلق بھی عہد ہے اور اس میں شرط یہی ہے کہ ان علامات کا مصداق بنے جو علامات کتاب وحکمت کے اندر آئی ہوئی ہیں، اور قرآن کریم میں بار بار بانگ دہل یہ اعلان کیا گیا ہے کہ یہ نبی ان علامات کا مصداق بنتا ہے کہ جو بشارت دی گئی تھی، جو علامات بتائی گئی تھیں یہ اس کے مطابق ہے اگر یہ نہ آتے تو وہ ساری بشارات غلط ثابت ہوتی ہیں۔

تو ایسی صورت میں سارے کے سارے بنی اسرائیل ایمان لانے کے مکلّف ہیں اور ان نبیوں کے عہد میں پھر یہ بات ہے کہ اس عہد کے بعد اگر کوئی پھرے گا اور نبیوں میں تو پھرنے کا امکان ہی نہیں یہ ویسے ہی جملہ شرطیہ کے طور پر ہے اس کا تحقق ضروری نہیں ہوتا جیسے کتنے سارے انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ان میں سے کوئی شرک کرتا تو ہم ان کے اعمال ضائع کر دیتے یہ بطور جملہ شرطیہ کے طور پر ہے، نہ انبیاء کی طرف سے شرک کا تحقق ہوتا ہے نہ انبیاء کے علیہم السلام اعمال ضائع ہوں، لیکن اس میں یہ دکھانا مقصود ہوتا ہے کہ شرک ایسی بری چیز ہے کہ اگر نبی بھی کرے تو اس کے اعمال ضائع ہو جائیں گے تو باقیوں کی کیا حیثیت ہے۔

انبیاء علیہم السلام کو سامنے رکھ کر اصل میں ان کی امتوں کو سنانا مقصود ہے کہ اس عہد کے بعد جو انبیاء نے علیہم السلام کیا تو چونکہ انبیاء علیہم السلام امت کے بھی نمائندے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عہد و پیمان کے لئے تو گویا کہ ضمناً انہوں نے بھی عہد کرلیا

کہ ہم آنے والے پیغمبر پر ایمان لائیں گے، پھر اس عہد سے اگر کوئی پھرے گا انبیاء میں تو اس کا وقوع نہیں ہوسکتا، امتوں کے اندر اس کا وقوع بھی ہوسکتا ہے اور ہوا بھی کہ جو اس اقرار سے پھر گیا اس نے آنے والے پیغمبر کی تصدیق نہیں کی وہ فاسق ہے، وہ اللہ کی اطاعت سے نکل گیا، وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار نہیں سمجھا جائے گا۔

فسق کا معنی خروج عن الطاعت ہے جس کے مختلف درجات ہیں، احکام کی خلاف ورزی یہ بھی فسق کہلاتا ہے، اور فقہاء کی اصطلاح میں فاسق ایسے شخص کو کہتے ہیں جو کافر نہ ہو نافرمان ہو، اللہ کے احکام کو چھوڑتا ہے، فسق کی حدود کفر تک پھیلی ہوئی ہیں، اگر کوئی شخص ضروریات دین کا انکار کرے تو وہ فاسق بھی کافر بھی، اور بسا اوقات نافرمانی کفر تک بھی پہنچ جاتی ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں شیطان کے متعلق ہے " ففسق عن امر ربه" تو اس میں یہ بتا دیا گیا کہ تم لوگ اس عہد و پیمان کے ساتھ مکلّف ہو جو پیغمبروں نے کیا ہو، اس آنے والے پیغمبر پر ایمان لانے کے بارے میں کہ جس کی علامات تمہاری کتابوں کے اندر واضح ہیں، پہلی آیت کے اندر یہ بات کہی گئی ہے۔

"افغیر دین الله یبغون" ان سب چیزوں سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو بھی احکام آجائیں ان کو تسلیم کرنا ضروری ہے یہی اسلام ہے اور یہی ملت اسلامیہ ہے، اور یہی ملت ابراہیمی ہے اور تمام انبیاء کا دین یہی رہا ہے اور اس طریقہ کو چھوڑ کر جو دوسرا طریقہ اپنائے گا اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ قبول نہیں، اور دوسرا طریقہ اپنانا یہ عقل کے خلاف فطرت کے خلاف، انبیاء کی تعلیمات کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ایسی ذات ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب اس کے احکامات کا مطیع ہے، یعنی تکوینی طور پر جو چاہے وہ تصرف کرسکتا ہے، اور ہم سے مطالبہ یہ ہے کہ اختیاری احکام میں بھی مطیع ہو جاؤ، اگر اختیاری احکام میں بھی مطیع ہو جائے گا تو اس کی تشریع اور تکوین برابر ہو گئی، شرعی طور پر بھی فرمانبردار ہو گیا تکوینی طور پر تو ہے ہی، اس کے طریقے کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقے کی طرف جانا یہ عقل مندی کا تقاضہ نہیں ہے۔

تو اسلام یعنی اللہ کی فرمانبرداری اختیار کرنا یہ عقل کا تقاضہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہے سب اسی کے احکام کا پابند ہے، اور ایسے طور پر پابند ہے کہ چاہے اس کا جی چاہے یا نہ چاہے، اللہ تعالیٰ اس میں جو تصرف کرنا چاہے گا اس کو تصرف قبول کرنا پڑتا ہے، جس طرح انسان میں بھی اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام چلتے ہیں، آپ کی صحت ہے، مرض ہے، موت ہے حیات ہے، اور دوسری کیفیات جو انسان پر طاری ہوتی ہیں جن میں انسان کو اختیار نہیں ہے، ان سب چیزوں کے اندر انسان اللہ کے احکام کا پابند ہے اللہ کے احکام کے خلاف قطعاً نہیں چل سکتا، پھر یہ نیک بختی ہے کہ اختیاری احکام کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کیا جائے ورنہ اس کو چھوڑ کر جاؤ گے کدھر؟ اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

"قل آمنا بالله وماانزل علینا" یہ آیت سورت بقرۃ میں گذر چکی ہے جس میں سرور کائنات ﷺ کی طرف سے

اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہمارا ان چیزوں پر ایمان ہے، جس میں واضح کرنا مقصود ہے یہود و نصاریٰ کے سامنے کہ ہم تمہاری طرح متعصب نہیں ہیں کہ اپنے پیغمبروں کو مانیں دوسروں کا انکار کر دیں، صرف اپنی کتاب کو تسلیم کریں دوسری کتابوں کا انکار کر دیں ایسی بات نہیں ہے ہمارا مسلک تو صاف ہے ہم تعصب میں مبتلا نہیں ہیں، ہمارا تو اللہ پر ایمان ہے اور اس چیز پر ایمان ہے جو ہم پر اتاری گئی، اور ہم اس پر بھی ایمان لے آئے جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اسباط یعقوب پر اتاری گئی، اور پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر دیا کہ جو کچھ یہ دیے گئے، ان کے معجزات ان کی کتابیں ہم سب پر ایمان لاتے ہیں۔

اور علی العموم "والنبیون من ربھم" جو کچھ بھی نبی اپنی طرف سے دیئے گئے ہم تو ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں ڈالتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، ہم تو اس اللہ کے فرمانبردار ہیں، اللہ کی طرف سے جو دین آ گیا ہم نے اس کو قبول کر لیا، مطلب یہ ہے کہ ہماری طرف سے انصاف ہی انصاف ہے، وسعت ہی وسعت ہے ہمارے دل کے اندر یہ تنگی نہیں کہ فلاں کو مانیں گے فلاں کو نہیں مانیں گے، جس طرح یہود نے حد بندی کر لی یا نصاریٰ نے ایک تعصب اختیار کر لیا ہم اس قسم کے تعصب میں مبتلا نہیں ہیں۔

آگے پھر وہی اسلام کی عظمت ہے کہ جو کوئی اسلام کے علاوہ دوسرا دین چاہے گا اس کی طرف سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا، یہ یہود و نصاری دل سے جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، اور بعض اوقات زبان سے بھی اقرار کر لیتے تھے لیکن اس کے باوجود غلط راستہ اختیار کیا اور پھر لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے تھے کہ ہدایت یافتہ ہم ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے، کیسے ہدایت دے اللہ ان لوگوں کو؟ یعنی جو طریقہ یہ اپنائے بیٹھے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہدایت نہیں ہے۔

کیسے ہدایت کرے ان کو اللہ جن لوگوں نے کفر کیا ایمان کے بعد، ایمان سے یہی مراد ہو سکتا ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے، اس وقت مؤمن تھے بعد میں آنے والے پیغمبر کا انکار کیا تو کفر ہو گیا، حالانکہ وہ اقرار کرتے ہیں کہ رسول حق ہے، اس کا اقرار وہ اپنی مجلسوں میں بھی کرتے تھے، دل سے بھی شہادت دیتے تھے کہ یہ علامات اس پر صادق آتی ہیں ایسے ظالم لوگوں کو اللہ تعالیٰ مقصد تک نہیں پہنچایا کرتا۔

اور اگر یہ سمجھے بیٹھے ہیں یہ کہ ہم اپنے مقصد کو پہنچے ہوئے ہیں تو یہ ان کی غلط فہمی ہے، ایسے لوگ ہدایت یافتہ نہیں ہوا کرتے جو نہ اللہ کے احکام کا حق ادا کریں نہ رسول کے احکام کا حق ادا کریں، پھر سمجھیں کہ ہم ہدایت یافتہ ہیں یہ غلط ہے، ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا، ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے، فرشتوں کی لعنت ہے، اور سب لوگوں کی لعنت ہے یہ ملعون

ہیں کہ اقرار کرنے کے باوجود، جاننے کے باوجود، بینات آجانے کے باوجود، تعصب کی بناء پر حق کے منکر ہیں یا کتمان حق کرتے ہیں، یہ ملعون ہیں۔

اس لعنت کا اثر یہ ہوگا کہ جہنم میں جائیں گے اور جہنم میں ہمیشہ پڑے رہیں گے کیونکہ لعنت کا اصل مفہوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری، اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رحمت سے دور کردے یہ ہے اللہ کی طرف سے لعنت، اور جب اللہ کی رحمت سے کوئی شخص محروم ہوجائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ جہنم میں گیا، تو یہ نار اور دوزخ جو جہنم کے لفظ سے سمجھی جارہی ہے فیھا کی ضمیر اس کی طرف لوٹ رہی ہے، ہمیشہ رہیں گے اس جہنم میں "لایخفف عنھم العذاب" ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا "ولاھم ینظرون" اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

"الاالذین تابوا من بعد ذلك" ہاں البتہ اس ظلم کے بعد جو لوگ توبہ کرلیں کہ توبہ کا دروازہ بند نہیں ہے جو توبہ کرلیں گے وہ اس لعنت سے بچ جائیں گے، "واصلحوا" اور اپنے احوال کو درست کرلیں خاص طور پر دل کی کیفیت بھی ٹھیک ہو یہ نہیں کہ نفاق کے طور پر ایمان قبول کریں، الا کا مطلب یہ کہ یہ ملعون نہیں ہوں گے، یہ لعنت سے بچالیے جائیں گے جو گناہ بھی کیے ہوں گے تو توبہ کرنے کے بعد سب معاف ہوجائیں گے اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

"ان الذین کفروا بعد ایمانھم" بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ایمان کے بعد یا تو پہلے نبیوں پر ایمان تھا پھر آنے والے پیغمبر کا انکار کرکے کافر ہوگئے، یا پہلے اسی نبی پر ایمان لائے پھر بعد میں مرتد ہوگئے یہ دونوں کو شامل ہے، پھر وہ کفر میں بڑھتے رہے، یعنی ان کو توبہ کی توفیق نہیں ہوئی، ایسے شخص کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی کیا مطلب؟ کہ کفر میں ہے اور کفر میں ترقی کرتا جارہا ہے اور کافر ہوتے ہوئے اگر دوسرے گناہوں سے توبہ کرتا ہے معصیت سے توبہ کرتا ہے تو یہ توبہ اللہ کے ہاں قبول نہیں، کیونکہ توبہ ایک نیک عمل ہے اور اس کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے، جب تک ایمان نہ ہو تو یہ قبول نہیں ہوتی، یا رسمی طور پر مرتے وقت توبہ کریں گے یا آخرت کے عذاب کو دیکھ کر توبہ توبہ پکاریں گے، اس توبہ کا کوئی اثر نہیں ہوگا یہی لوگ ہیں جو راستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

"ان الذین کفروا وماتوا" بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مرگئے اس حال میں کہ کافر ہیں تو آخرت میں جس وقت عذاب ان کے سامنے آئے گا اس وقت ان کی یہ کیفیت ہوگی کہ اگر ان کے پاس زمین کے بھراؤ کے برابر سونا ہو اندازہ کرلیجئے کہ کتنی دولت بنتی ہے؟ تولوں کے حساب سے نہیں، کلوں کے حساب سے نہیں، منوں کے حساب سے نہیں، ٹنوں سے بھی حساب نہیں ہوسکتا کہ ساری زمین سونے کی بھری ہوئی ہو اور ان میں سے کسی کے پاس موجود ہو پھر یہ لجاجت بھی کریں کہ سونا لے لو اور مجھے عذاب سے چھٹکارا دیدو تب بھی یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، یعنی آخرت میں ایمان کا بدل اتنا سونا بھی

نہیں بن سکے گا، بالفرض اگر کسی کے پاس ہو اور وہ دے کر جان چھڑانا چاہے تو فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایمان کتنی قدر و قیمت والی چیز ہے، دنیا کے اندر اگر کوئی شخص چند ٹکوں کی خاطر اپنے ایمان کو خراب کرتا ہے تو کتنی جہالت ہے، ایمان کی قدر و قیمت آخرت میں معلوم ہوگی۔

اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا، اس میں بھی عیسائیوں اور یہودیوں کے اس عقیدے کی تردید مقصود ہے کہ جو سمجھتے تھے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں، بڑوں کی اولاد ہیں، بڑوں کے ساتھ ہماری نسبت ہے اور یہ نسبت آخرت میں ہمارے کام آجائے گی، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح وہاں سونا چاندی کام آنے والا نہیں اس طرح بڑوں کی طرف تم نسبت کا جو دعویٰ لئے بیٹھے ہو یہ بھی کام نہیں آئے گا، اگر ایمان پاس نہ ہوا تو نہ دولت کام آئے گی اور اسی طرح ایمان پاس نہ ہوا تو کسی کی سفارش بھی کام نہیں آئے گی، اور کوئی کسی قسم کی سفارش کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ہوگا، اس لئے فرمایا "ومالھم من ناصرین" ان کا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں ہوگا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا
مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا
لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ
قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ قف فَاتَّبِعُوْا
مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ
اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى
لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ ج فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۬ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ

كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ
اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾
قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ
عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ:

"لن تنالوا البر "نال ینال حاصل کرنا، پہنچنا، البر اس کا اصل مفہوم ہوتا ہے وفاداری ادائے حقوق، کسی کے حقوق کو پورا پورا ادا کر دینا اور وفا کا معنی بھی یہی ہوتا ہے کہ جو دوسرے کے حق آپ کے ذمہ ہیں ان کو آپ ادا کریں، بر صفت کا صیغہ ہے وفادار کے معنی میں ہے، حقوق ادا کرنے والے کے معنی میں ہے، جس کی جمع ابرار آتی ہے جیسا کہ دوسری جگہ ہے "ان الابرار لفی نعیم "یعنی وہ لوگ جو اللہ کے حقوق ادا کرنے والے ہیں اللہ کے وفادار ہیں، اس بر کے مقابلہ میں فجور آتا ہے اس لئے قرآن کریم میں ابرار کے مقابلہ میں لفظ فجار کا ذکر کیا گیا ہے، " ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم "تو فجور کا معنی ہو جائے گا حقوق کا تلف کرنا، حقوق ادا نہ کرنا، اور جس وقت کسی کے پورے حقوق ادا کر دیے جاتے ہیں تو انسان سبکدوش ہو جاتا ہے تو یہاں بر کا معنی ہے کامل نیکی کامل ثواب، یہ حاصل ترجمہ ہے اور اصل معنی یہ ہوگا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو اور اللہ کے ساتھ وفاداری کرنا چاہتے ہو تو پھر اپنی محبوب اشیاء میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرو، ہرگز نہیں حاصل کر سکتے تم کامل نیکی جب تک کہ نہ خرچ کرو تم اس چیز میں سے جس کو تم پسند کرتے ہو، اور جو کچھ تم خرچ کرو پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے، سب کھانا حلال تھا بنی اسرائیل کے لئے (تورات اتارے جانے سے قبل) سوائے اس کھانے کے جس کو حرام ٹھہرا لیا اسرائیل نے اپنے نفس پر، آپ کہہ دیجئے لے آؤ تورات پھر پڑھو تم اس تورات کو اگر تم سچے ہو، پھر جو شخص گڑھے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد پس یہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں، آپ کہہ دیجئے اللہ نے سچ فرمایا پس پیروی کرو تم ابراہیم کے طریقہ کی ایسا ابراہیم جو کہ حنیف تھا اور وہ

مشرکین میں سے نہیں تھا، بے شک پہلا گھر جو کہ متعین کیا گیا لوگوں کے لئے البتہ وہی ہے جو مکہ میں ہے اس حال میں کہ وہ برکت دیا ہوا ہے اور جہانوں کے لئے راہنمائی کا ذریعہ ہے اس میں واضح واضح نشانیاں ہیں جن میں سے ایک مقام ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہو جائے تو وہ امن والا ہو جاتا ہے، اور اللہ کے لئے لوگوں کے ذمہ بیت اللہ کا قصد کرنا ہے جو اس بیت کی طرف راستہ کی طاقت رکھتا ہے اور جو کوئی کفر کرے پس بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے تمام جہانوں سے، آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! تم اللہ کی کتاب کا کیوں انکار کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ حاضر ہے اس چیز پر جو تم کرتے ہو، آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! کیوں روکتے ہو اللہ کے راستہ سے ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے طلب کرتے ہوئے تم اس راستہ کو ٹیڑھا حالانکہ تم گواہ ہو اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

تشریح :

پہلی آیت جس میں اپنی محبوب چیز کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی اس کا ماقبل کے ساتھ تعلق یوں لگایا گیا کہ پچھلی آیت میں ذکر کیا گیا تھا کہ کافروں کی طرف سے زمین کے بھراؤ کے برابر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا جو وہ بطور فدیہ کے دینا چاہیں گے، اور اسی طرح مسئلہ ہے کہ کفر کی حالت میں اگر دنیا میں بھی کوئی سونے کا پہاڑ اللہ کے راستہ میں خرچ کر دے تو بھی قابل قبول نہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں صدقہ قبول تبھی ہوتا ہے کہ جس وقت وہ شخص ایمان بھی لائے ہوئے ہو اور جب تک ایمان نہ لائے اس وقت تک اس کے صدقات قبول نہیں ہیں، تو یہ " لن تنالوا " میں گویا کہ خطاب ہے مسلمانوں کو کہ تمہارے لئے یہ موقع ہے کہ اپنی محبوب ترین چیز اللہ کے راستہ میں خرچ کرو، اور خرچ کرنے کے بعد کمال درجہ کا ثواب اور کمال درجہ کی نیکی حاصل کرو، اگر تم اپنی محبوب ترین چیز اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرو گے تو جو بھی خرچ کرو گے اللہ کے علم میں ہے ثواب اس کے اوپر ملے گا، لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ ثواب اور عمدہ سے عمدہ ثواب لینے کیلئے ضروری ہے کہ اپنے محبوب مال کو اللہ کے راستہ میں قربان کیا جائے۔

چنانچہ جس وقت یہ آیت اتری تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بڑھ بڑھ کر اپنی محبوب چیزوں کو اللہ کے راستہ میں خرچ کیا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ مدینہ منورہ میں حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ بہت بڑے صاحب حیثیت تھے مسجد نبوی کے سامنے ہی ان کا باغ تھا جس کا نام تھا، بیرحا، حدیث شریف میں اس کا ذکر آیا ہوا ہے، اس میں ایک کنواں تھا بڑا اچھا اور عمدہ اس کا پانی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے اور اس کا پانی پیتے تھے جب یہ آیت اتری تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے اپنا محبوب ترین مال خرچ کرنے کے لئے کہا ہے اور میرے مال میں سے مجھے سب

سے زیادہ محبوب یہی باغ ہے میں اس کو اللہ کے راستہ میں خیرات کرنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا اور یہ کہا کہ یہ تو بہت نفع والی تجارت ہے جو تو کرنے لگا ہے، اب میرا مشورہ یہ ہے کہ تو اپنے قریبی رشتہ داروں میں اسے تقسیم کر دے، چنانچہ ابوطلحہ نے اپنے چچوں کی اولاد میں اس باغ کو تقسیم کر دیا، یعنی اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کرنا یہ بھی صدقہ کی ایک اعلیٰ قسم ہے کہ ہر ضرورت مند کو دینا ثواب لیکن جس کے ساتھ رشتہ داری بھی ہے اس کو دینے میں دگنا ثواب ہے صلہ رحمی کا بھی اور صدقہ کا بھی۔

اسی طرح اور بہت سارے واقعات ہیں کہ صحابہ نے اپنی عزیز ترین چیز کو اللہ کے راستہ میں خیرات کیا اسی کمال ثواب کو حاصل کرنے کے لئے، پھر گویا کہ جو مضمون چلا آرہا ہے اہل کتاب کے متعلق اس میں سے انتقال ہے مسلمانوں کی طرف ہدایت کرنے کا یہ دوسری طرف انتقال ہوگیا، درمیان میں مسلمانوں کو ایک نصیحت کر دی آگے پھر وہی بنی اسرائیل کا قصہ آرہا ہے، اس آیت کی تقریر یوں بھی تفاسیر میں کی گئی ہے۔

اور یوں بھی ہے کہ لن تنالوا کا خطاب اہل کتاب کو ہی ہو جن کے متعلق خطاب پہلے سے چلا آرہا ہے انہیں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اپنی محبوب ترین چیزوں کی جس وقت تک تم قربانی نہیں دو گے اور اللہ کے راستہ میں ان کو خرچ نہیں کرو گے اس وقت تک تم کمال ثواب حاصل نہیں کر سکتے، اپنے زعم میں تم سمجھتے ہو کہ ہم اللہ کے بڑے محبوب ہیں، اللہ کے بڑے مقرب ہیں اور ہمیں کمال نیکی حاصل ہے، یہ بات غلط ہے اپنی محبوب چیزیں، اپنی مشتہیات، دل کی خواہشات ان کی قربانی دو، عزیز ترین چیز اللہ کے راستہ میں لگاؤ تب جا کر تم کمال کو حاصل کر سکو گے تو مال کی محبت میں جو مبتلا تھے اس پر انکار کرنا مقصود ہے، حب جاہ کے اندر جو مبتلا تھے اس پر انکار کرنا مقصود ہے کہ جس وقت تک تمہارے اندر یہ قربانی کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا، اس وقت تک تمہیں نہ ایمان نصیب ہو سکتا ہے اور نہ تمہیں کمال ثواب حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے قربانی دینا سیکھو تب جا کے تمہارے لئے ایمان قبول کرنا آسان ہوگا، موقع محل کے اعتبار سے اس کا یہ مقصد بھی ذکر کیا جا سکتا ہے، ویسے زیادہ تر یہ الفاظ پہلے مضمون پر زیادہ چسپاں ہیں جو آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ترغیب دینا مقصود ہے کہ اچھی سے اچھی چیز اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔

" کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل" اس کلام کا صراحتاً تعلق بنی اسرائیل کے ساتھ ہے، پچھلے پارے میں آپ نے ایک دو رکوع قبل یہ پڑھا تھا ملت ابراہیمی کا قصہ کہ یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام کا جو طریقہ تھا ہم اسی پر ہیں جیسا کہ یہ آیت آئی تھی، "ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما" اور اس میں یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے یا تو وہ لوگ ہیں جو اس وقت ان کے متبع تھے یا یہ نبی

اوراس نبی کے اوپر ایمان لانے والے، سب سے زیادہ تعلق رکھنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ یہ لوگ ہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے مسلک پر یہی لوگ ہیں۔

اور سرور کائنات ﷺ نے اپنے طریقہ کو ملت ابراہیمی قرار دیا اور قرآن کریم میں صراحتاً آپ کو ملت ابراہیمی کی ہی اتباع کا حکم دیا گیا ہے اس بحث میں اسرائیلیوں کی طرف سے کچھ سوال اٹھائے گئے جس کا تعلق ہے اس بات کے کے ساتھ کہ آپ کا ملت ابراہیمی پر ہونا مشتبہ ہے، ملت ابراہیمی کی چیزیں آپ میں موجود نہیں ہیں، مثلاً یہود نے یہ کہا کہ مسلمان اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں، اونٹنی کا دودھ پیتے ہیں حالانکہ یہ دونوں چیزیں ملت ابراہیمی میں حرام تھیں، تو جب ملت ابراہیمی میں حرام تھیں تو ان کو حلال کہنے والا ملت ابراہیمی پر کیسے ہوسکتا ہے، دوسرا ان کا دعوی یہ تھا کہ ابراہیم کا تعلق بیت المقدس سے ہے مسجد اقصیٰ کہ ساتھ جو کہ اہل کتاب کا قبلہ تھا جدھر حضور ﷺ نے بھی مدینہ منورہ آنے کے بعد سولہ یا سترہ مہینے تک نماز پڑھی تھی تو پھر یہ طریقہ جو چھوڑ دیا بیت المقدس کو جو چھوڑ دیا اور خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوگئے یہ بھی ملت ابراہیمی کے خلاف ہے۔

وہ کہتے تھی مکہ معظمہ کے ساتھ یا بیت اللہ کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی تعلق نہیں، چنانچہ یہی مضمون آپ کے سامنے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تاریخ دہرائی گئی تھی اس میں بھی اس مضمون کو واضح کیا گیا تھا، کہ یہ جگہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آباد کی ہوئی ہے اور اس کی نسبت بھی ان کی طرف ہے، ایک بیٹے کو یہاں آباد کیا تھا یہ بیت اللہ انہی کے ہاتھوں کی تعمیر ہے اور یہاں واضح واضح علامات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس جگہ کے ساتھ تعلق ہے تو ان کے ان شبہات کو دور کر کے سرور کائنات ﷺ کے طریقہ کو ملت ابراہیمی ہونا واضح کیا ہے۔

"کل الطعام کان حلا لبنی اسرائیل" اس میں اسی شبہ کا جواب ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ جو کھانا اس وقت زیر بحث ہے جن چیزوں کے بارے میں اختلاف ہے، کیونکہ یہودی اور بھی کئی چیزوں کو حرام ٹھہرائے ہوئے تھے جس کی تفصیل آپ کے سامنے سورت انعام میں آئے گی، تو یہ سب کی سب چیزیں جو اس وقت زیر بحث ہیں جن کے متعلق یہودی کہتے تھے کہ ملت ابراہیمی سے حرام چلی آرہی ہیں یہ ساری کی ساری چیزیں بنی اسرائیل پر بھی حلال تھیں تورات کے اترنے سے پہلے، تورات کے اترنے کے بعد ان کے اوپر بعض چیزوں کو حرام ٹھہرایا گیا، تو حرمت کی نسبت تورات کی طرف ہے تورات سے قبل زمانہ میں یہ اشیاء حرام نہیں تھیں، ہاں البتہ ایک چیز تھی جس کو اسرائیل نے اپنے نفس کے اوپر حرام ٹھہرالیا تھا، بعد میں اس کی حرمت بھی ان کی اولاد میں چلی آئی اسرائیل سے یعقوب علیہ السلام مراد ہیں۔

تفسیری روایات کے اندر ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ایک تکلیف تھی جس کو عرق النساء کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے، اس تکلیف کے اندر وہ مبتلا تھے اور انہوں نے اس طرح نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفاء دیدے تو میں اپنی محبوب

چیز جو کھانے میں سے مجھے محبوب ہے میں اسے ترک کردوں گا، جب شفاء ہوگئی تو ان کو اونٹ کا گوشت اور دودھ پسند تھا تو آپ نے وہ ترک کردیا اس نذر کے تحت اور اس قسم کی نذر ان کی شریعت میں جائز تھی کہ نذر کے تحت کسی شیءکو اپنے اوپر حرام کرلیا جائے یہ ان کی شریعت میں جائز تھی، ہماری شریعت میں نذر کا یہ مفہوم تو ہے کہ ایک مباح چیز کو اپنے اوپر واجب کرلیں یہ تو ہوجاتا ہے، باقی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام ٹھہرانا یہ یمین کے حکم میں ہے اور اس قسم کی یمین ہمارے ہاں حماقت ہے کہ حلال چیز کو نذر کے تحت اپنے اوپر حرام نہیں کیا جاسکتا۔

اٹھائیسویں پارہ میں سورت تحریم کے اندر یہی مسئلہ آپ کے سامنے آئے گا "یاایھاالنبی لم تحرم ماحل اللہ لك" کہ جو چیز اللہ نے تیرے لئے حلال کی ہے آپ اس کو اپنے اوپر حرام کیوں ٹھہراتے ہیں، وہاں شہد کا مسئلہ ہے حضور ﷺ نے اس کو اپنے اوپر ممنوع ٹھہرالیا تھا تو اس قسم کی نذر ہماری شریعت میں منسوخ ہے، اور اس قسم کی نذر جائز نہیں ہے، اگر کوئی نذرمان لے تو اس کا توڑنا ضروری ہے، اور اس کا کفارہ کفارہ یمین ہوتا ہے ان کے شریعت میں جائز تھی، تو اونٹ کی حرمت اور اس کے دودھ کی حرمت یہ بھی اسرائیل کی نذر کے تحت ہوئی، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ وضاحت کی گئی کہ جو چیزیں اس وقت زیر بحث ہیں جن کو اسرائیلی اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں ملت ابراہیمی میں بالکل حرام نہیں تھیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حرام نہیں تھیں، اونٹ حرام ہوا اسرائیل کی نذر کے تحت، اپنے نفس پر اس نے اس کو ممنوع قرار دے لیا، اور باقی چیزیں حرام ہوئیں تورات کے اترنے کے بعد، لہذا آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کو حلال قرار دینا یہودیت کے خلاف ہے، ان کو حلال قرار دینا تورات کے خلاف ہے، باقی یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم کے طریقہ کے خلاف ہے اور ان کے زمانہ میں یہ چیزیں حرام تھیں یہ بات غلط ہے۔

یہ ہے ہمارا دعویٰ باقی "فأتوا بالتوراۃ ان کنتم صادقین" تم اپنی کتاب تورات ہی لے آؤ اور پڑھ کے دکھادو اگر اس میں لکھا ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ چیزیں حرام تھیں تو تم سچے اور ہم جھوٹے اور اگر تورات سے یہ بات تم ثابت نہ کرسکو اور تورات سے یہی بات نکلے کہ ان کی حرمت یہودیوں پر بعض جرائم کی سزا کے طور پر کی گئی، یا یہ نذر حضرت یعقوب علیہ السلام نے مانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کے بعد تو پھر تمہارا ان باتوں کو علامت قرار دینا کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر نہیں ہیں یہ بات صحیح نہیں ہے اس شبہ کو اس طرح زائل کردیا۔

تو "کل الطعام" سے ہر وہ کھانا مراد ہے جو زیر بحث ہے جس کو یہودی حرام کہتے تھے، یہ ہر کھانا بنی اسرائیل کے لئے حلال تھا سوائے اس کے جس کو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا حلال تھا تورات کے اتارے جانے سے قبل، تورات کے اترنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض جرائم کی سزا کے طور پر بعض چیزیں ان کے اوپر حرام ٹھہرادی تھیں، تو نسبت

ان کی تورات کی طرف ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نہیں ہے، اور آپ کہہ دیجئے'' فأتوا بالتوراۃ '' تورات لے آؤ اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو، تو تورات سے ہی ثابت کر دو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یہ حرام تھیں۔

اور اگر تورات میں یہ مذکور ہے کہ ان کی حرمت کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف نہیں ہے تو پھر بات صاف ہوگئی، پھر تمہارے شبہ کی کوئی وجہ نہیں ہے، اور اگر اتنی وضاحت کے بعد بھی تم لوگ یہی بات کہتے چلے جاؤ کہ نہیں یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام ٹھہرائیں تھیں، اس لئے ابراہیم کے طریقہ پر اسے ہی سمجھا جائے گا جو ان چیزوں کو حرام سمجھے گا، اور جو ان کو حرام نہیں سمجھتا اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ پر نہیں سمجھا جائے گا، یہ تمہارا اختراع ہے تمہارا جھوٹ ہے جو تم اللہ کے اوپر باندھتے ہو، اور اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ظلم نہیں کہ کوئی انسان اللہ کے اوپر جھوٹ باندھتا ہے، ''فمن افتریٰ علی اللہ الکذب من بعد ذلك '' ان لفظوں کا مطلب یہی ہے من بعد ذلك کا مقصد اس وضاحت کے بعد جو ہم نے آپ کے سامنے کر دی تھی، اس وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی اللہ کے اوپر جھوٹ باندھے گا ''فاؤلئك ھم الظالمون'' پس یہی لوگ ظالم ہیں، یہی لوگ بے انصاف ہیں، یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے، تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو ملت ابراہیمی کے خلاف ثابت کرنے کے لئے انہوں نے جو بعض چیزوں کو حلال قرار دینے سے دلیل پکڑی تھی اس کی تردید ہوگئی۔

دوسری بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ بیت المقدس تھا اگر تم ملت ابراہیمی پر ہو تو پھر اسے ہی قبلہ قرار دو، اور مکہ معظّمہ سے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعلق کو توڑتے تھے آگے اس کو ذکر کیا گیا کہ یہ بیت اللہ جو مکہ معظّمہ میں ہے افضل ترین ہے، تمام جگہوں سے افضل ہے اور سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کے لئے یہی گھر متعین کیا گیا تھا، اور اس میں بہت واضح نشانات موجود ہیں، جس سے اس کی مقبولیت اور افضل المواضع ہونا بھی ثابت ہوتا ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آمد اور ان کا اس کو آباد کرنا، اپنی اولاد کو یہاں بسانا یہ ساری کی ساری چیزیں ثابت ہوتی ہیں تواتر کے ساتھ یہ چیزیں آ رہی ہیں تو پھر تمہارا یہ کہنا کہ اس بیت کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کا تعلق کوئی نہیں اور اس کو قبلہ بنا لینا ملت ابراہیمی کے خلاف ہے یہ بات بھی غلط ہے اس مضمون کی وضاحت پہلے تحویل قبلہ سے قبل بھی ہو چکی ہے۔

''قل صدق اللہ'' یہ بات تو پچھلے مضمون کے ساتھ تعلق رکھتی ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا، اللہ کی طرف سے وضاحت ہوگئی، ''فاتبعو ا ملۃ ابراھیم حنیفاً '' پھر تم پیروی کرو ابراہیم کی ملت کی، ''وما کان من المشرکین'' اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

''ان اول بیت وضع للناس ''

پہلا گھر جو متعین کیا گیا لوگوں کے لئے یعنی عبادت کے واسطے، اس لئے حضرت آدم علیہ السلام جس وقت زمین پر آئے

ہیں تو آنے کے بعد سب سے پہلا حکم ان کو یہی ہوا تھا کہ بیت اللہ کی تعمیر کرو، پہلی تعمیر آدم علیہ السلام کے زمانہ کی ہے چاہے فرشتوں کی وساطت سے ہوئی، چاہے آدم نے براہ راست کی، بہر حال آدم کے آتے ہی عبادت کے لئے اس پہلے گھر کو متعین کر دیا، یا تو اوگھر آدم نے ابھی اپنی رہائش کے لئے نہیں بنایا تھا، پھر تو اولیت حقیقی ہوئی ہر گھر کے اعتبار سے، یا یہ ہے کہ چاہ اپنے گھر کے لئے کوئی کمرہ خیمہ بنالیا ہو لیکن عبادت کے طور پر پہلی جگہ یہی متعین کی گئی ہے تو یہ اول بیت ہے "وضع للناس" جو لوگوں کے لئے متعین کیا گیا یعنی اولاد آدم کے لئے، جیسے آدم علیہ السلام اول الناس ہیں تو آدم علیہ السلام کے لئے عبادت کے واسطے جو گھر متعین کیا گیا ہے یہ بھی اول بیت ہے لوگوں کے لئے پہلا گھر یہ متعین کیا گیا ہے، یہ وہی ہے جو مکہ میں ہے۔

پرانی کتابوں میں مکہ کا نام بکہ آتا ہے، اور با اور میم قریب المخرج ہونے کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، بکہ یہ مکہ کا ہی نام ہے اور بکہ کا لفظی معنی شہر ہے، جیسے بعلبک بعل کا شہر وہاں بھی بک کا لفظ آیا ہوا ہے اور یہ لفظ پہلے کتابوں کے اندر موجود تھا اور یہود نے اس لفظ کے اندر بھی تحریف کی ہے، اور اس بکہ کو انہوں نے بکاء بنا دیا ہے تو وادی بکہ کی بجائے وادی بکاء رونے والی وادی، اور پھر اس کی نشاندہی کرتے کہ یہ شام کے علاقہ میں بیت المقدس کے پاس کوئی وادی ہے جس کا نام ہے وادی بکاء، تو لفظ کے بدلنے کے ساتھ مفہوم یوں گڑبڑ کر دیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعلق اس وادی کے ساتھ لگاتے اور یہ کہتے کہ اس وادی سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کو مکہ کہتے ہیں تو لفظ کے اندر تحریف کر کے اس کا مفہوم یوں بگاڑ دیا۔

یہاں وضاحت کر دی گئی کہ نہیں بکہ یہی ہے گھر جو عبادت کے لئے سب سے پہلے متعین کیا گیا تھا یہ وہی ہے جو کہ بکہ میں ہے یعنی مکہ معظّمہ میں ہے، مبارکات برکت والا ہے، ظاہری باطنی برکات مشاہدہ میں ہیں، باطنی برکات یعنی عبادت کرے میں ثواب بہت بڑھ جاتا ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ گھروں کے اندر جو عام طور پر نماز پڑھتے ہیں تو ایک نماز محلّہ کی مسجد میں پڑھو تو اس میں اور زیادہ ثواب ہو گیا پچیس گنا بڑھ گئی، اور جامع مسجد میں پڑھو جس میں جمعہ ہوتا ہے تو پانچ سو گناہ ہو گئی، اور پھر بیت المقدس میں اگر نماز ادا کی جائے تو اور بڑھ گئی، مسجد نبوی میں اس سے زیادہ ثواب اور یہ بیت اللہ میں جو ادا کی جاتی ہے تو اس میں ایک نماز ایک لاکھ کے برابر ہو جاتی ہے، یہ باطنی برکت ہے کہ عبادت کے ساتھ ثواب میں اضافہ ہوتا ہے۔

اور جو ظاہری برکت ہے وہ بھی بالکل ظاہر ہے باوجود اس بات کے کہ چٹیل میدان میں ہے، اور وادی غیر ذی ذرع میں ہے، کوئی کھیتی نہیں، نباتات نہیں، باغات نہیں، لیکن اس گھر کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے وہاں رزق کی اتنی وسعت کی ہوئی ہے کہ لاکھوں کے حساب سے لوگ جاتے ہیں اور وہاں علاقے کی پیداوار کچھ بھی نہیں لیکن کسی کو وہاں رزق کی تنگی محسوس نہیں

ہوتی، ہر چیز ہر موسم میں وہاں ملتی ہے، ہر ملک کا پھل وہاں ملتا ہے، آج سے نہیں جب سے مکہ آباد ہوا اس وقت سے یہی حال ہے یہ ظاہری برکت ہے جو اللہ نے دی ہے۔

"ھدی للعالمین" تمام جہانوں کے لئے مرکز ہدایت ہے، نماز کا رخ متعین کرنے کے لئے بھی وہ ہادی اور اسی طرح اللہ کی طرف توجہ کرنے کے لئے بھی وہ ہادی ہے، اور آخری زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا سرچشمہ بھی اسی بیت کو بنایا ہے کہ وہ نبی اٹھایا جو کہ تمام جہانوں کے لئے ہدایت کا باعث بنا تو ھدی للعالمین کا معنی ہوگا کہ تمام جہانوں کے لئے یہ بیت مرکز ہدایت ہے، اسی سے ہدایت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

"فیہ آیات بینات "اس بیت میں بہت واضح نشانیاں ہیں جس سے اس کی مقبولیت بھی ثابت ہوتی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بھی اس کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے، جن میں سے ایک نشانی مقام ابراہیم ہے مقام ابراہیم کا ذکر بھی پہلے پارہ میں آ گیا تھا کہ اس سے مراد وہ پتھر ہے جس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کی بناء کی تھی، جب تعمیر کرتے ہوئے دیوار اونچی ہوگئی تو پھر ضرورت پیش آئی کہ نیچے کوئی چیز رکھی جائے جس کے اوپر کھڑے ہو کر پتھر لگائیں تو پھر یہ پتھر وہاں دیوار کے پاس رکھا گیا جس کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہوئے، تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کے اندر ایسی صلاحیت رکھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جتنا اونچا ہونے کی ضرورت ہوتی یہ اتنا اونچا ہو جاتا، اور جب اس سے اترنا ہوتا تو پتھر نیچا ہو جاتا تھا۔

اور پھر ایک نشان باقی رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو موم جو کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں پاؤں اس کے اندر دھنس گئے، اور اس وقت تک ان دونوں قدموں کا نشان نمایاں ہے، پرانی تاریخ سے تواتر کے طور پر یہ بات چلی آ رہی تھی کہ یہ پتھر وہی ہے اور اس کے اوپر جو نشان ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے ہی نشان ہیں، جو علی الاعلان بتاتے ہیں کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم آئے اور یہ نقش پا انہی کا ہے۔

اور پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اس کو اسی طرح محفوظ کر لیا گیا پہلے یہ بیت اللہ کے دراز ے کے ساتھ پڑا ہوتا تھا، پھر جب اس کے پاس نماز پڑھنے کا حکم آیا کہ اس کے پاس نماز پڑھا کرو پھر اگر یہاں نماز پڑھی جاتی تو طواف کرنے والوں کو تکلیف ہوتی تھی، تو پھر بیت اللہ کے دروازے سے اٹھا کر اس کو اس زمانہ میں جو مطاف تھا اس کے کنارے پر رکھ دیا گیا، اور آج تک یہ پتھر وہیں رکھا ہوا ہے، اور اس وقت اس کے اوپر شیشہ کا خول چڑھایا ہوا ہے اگر دیکھیں تو پتھر بھی نظر آتا ہے اور وہ نشان بھی نظر آتا ہے، یہ ایک حسی علامت ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام یہاں تک پہنچے، اور تواتر کے ساتھ یہ بات چلی آ رہی ہے کہ یہ نقش پا انہی کا ہی ہے جس سے اس جگہ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نسبت

ثابت ہوگئی کہ اگر بیت المقدس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد آباد ہوئی اور ان کی اولاد کے لئے مرکز توجہ بنا تو یہ مرکز بھی انہی کا ہے یہ کسی دوسرے کا نہیں ہے۔

مقام ابراہیم سے وہ پتھر مراد ہے اور شرعی نقطہ نظر سے ایک علامت ہے "ومن دخله كان آمناً" جو اس میں داخل ہو جائے امن والا ہو جاتا ہے، اس کو امن نصیب ہو جاتا ہے، یہ مسئلہ بھی آپ پڑھتے رہتے ہیں کہ یہ شرعی حکم ہے کہ وہاں داخل ہو جانے کے بعد قتل وقتال جائز نہیں، کسی کو مارنا جائز نہیں ہے، انسان تو کیا جو حیوان وہاں چلے جاتے ہیں ان کو بھی امن حاصل ہے اس لئے وہاں کسی شکاری جانور کو پکڑنا درست نہیں ہے اس کی تفصیل فقہ کے اندر موجود ہے اور آپ پڑھتے رہتے ہیں۔

"ولله على الناس حج البيت "اس کا یہ شرف بھی پہلے سے نمایاں ہے سابقہ انبیاء علیہم السلام بھی اسی کا ہی حج کرتے تھے حج صرف بیت اللہ میں ہوا ہے حج کبھی بھی بیت المقدس میں نہیں ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اعلان کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے وہ اعلان سب تک پہنچایا تو آپ کی اولاد نے اور آپ کے بعد آنے والے انبیاء علیہم السلام نے اسی بیت اللہ کا ہی حج کیا ہے ،حدیث شریف میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر میں تھے، تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ یہ کونسی وادی ہے، تو آپ کو اطلاع دی گئی کہ فلاں وادی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایسے دیکھ رہا ہوں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام یہاں سے حج کرنے کے لئے جا رہے ہیں اور وہ لبیک لبیک پکارتے ہوئے جا رہے ہیں اسی طرح آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بھی حج کرنے کے لئے جا رہے ہیں ایک وادی میں، آپ نے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے، معلوم ہوتا ہے عالم روحانیت میں بھی یہی جگہ انبیاء علیہم السلام کے لئے مرکز ہے اور حج وغیرہ کے لئے توجہ ادھر ہی ہوتی ہے۔

لوگوں کے ذمہ ہے اس بیت اللہ کا حج اس کا قصد کر کے جانا، حج کا لفظی معنی ہوتا ہے قصد کرنا، باقی قصد کرنے کا خاص طریقہ خاص وقت خاص ہیئت جس طرح یہ قصد کیا جاتا ہے، وہ ساری تفصیل کتابوں کے اندر موجود ہے، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل کے ساتھ اس کی وضاحت فرمائی ہے لیکن یہ حق ہر کسی کے ذمہ نہیں "من استطاع اليه سبيلا" جو بیت اللہ تک راستہ کی طاقت رکھتا ہو جس کو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت حاصل ہے، چنانچہ حج کی فرضیت کے لئے شرط ہے انسان سفر خرچ برداشت کر سکے، اور جتنی دیر تک اس نے وہاں رہنا ہے وہ اپنے متعلقین کو جن کا خرچ اس کے ذمہ ہے وہ خرچ دے سکے تب جا کے اس کے اوپر حج فرض ہوتا ہے۔

اگر اس کے پاس اتنے پیسے تو ہیں کہ وہ جا سکتا ہے لیکن پیچھے متعلقین کے لئے کچھ نہیں بچتا، اپنی اولاد کے لئے بیوی بچوں کے لئے کوئی خرچ باقی نہیں رہتا تو کسی صورت میں بھی حج فرض نہیں ہے، حج کی فرضیت تبھی ہوتی ہے جب اہل

وعیال کو بھی ان کا خرچ دیا جا سکے اور آنے جانے کے اور وہاں جتنے دن لگنے ہیں اس کے اخراجات بھی اس کے پاس موجود ہوں تب جا کے حج فرض ہوتا ہے تو "من استطاع الیه سبیلا" کے اندر یہی ہے، اور بدنی صحت بھی ضروری ہے اگر کوئی لولا لنگڑا اندھا ہے، یا اتنا بیمار ہے کہ چل پھر نہیں سکتا تو اس کو بھی استطاعت حاصل نہیں ہے اس پر بھی حج فرض نہیں ہے، "من کفر" اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ کسی کو استطاعت حاصل ہو حج اس پر فرض ہو جائے پھر وہ حج کرتا نہیں تو ترک حج کو کفر سے تعبیر کیا۔

پھر یہ عملی کفر ہے جس طرح "من ترك الصلوة متعمدا فقد کفر" میں آپ کہا کرتے ہیں کہ ترک صلوۃ کفر ہے یعنی کافروں والا فعل ہے عملی کفر ہے، اسی طرح یہاں بھی ترک حج پر کفر کا اطلاق کیا گیا ہے جو کفر کرے یعنی باوجود استطاعت ہونے کے حج نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو سب سے مستغنی ہے اس میں اللہ کا کیا نقصان؟

اس کی تفصیل کرتے ہوئے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جس کے اوپر حج فرض ہو گیا اور اس کو استطاعت حاصل ہے اور پھر وہ حج نہیں کرتا تو چاہے وہ یہودی ہو کر مرے چاہے وہ نصرانی ہو کر مرے اللہ کو کوئی پرواہ نہیں ہے وہ اسی "غنی عن العالمین" کی تفصیل اس میں ہے کہ اللہ کو کوئی پرواہ نہیں چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر مرے تو کفر سے ترک حج مراد ہوگا، اور اس پر کفر کا اطلاق ایسے ہی ہے جیسے ترک صلوۃ کے اوپر کفر کا اطلاق ہے اس کو آپ عملی کفر قرار دیں گے حقیقی کفر نہیں، اور اگر کوئی اس کا انکار ہی کرے تو انکار کرنے کی صورت میں حقیقی کفر آ جائے گا پھر انسان حقیقتاً کافر بن جاتا ہے۔

ور اگر اس "من کفر" کا تعلق اہل کتاب کے ساتھ ہی لگا دیا جائے تو پھر بھی بات صاف ہے کہ اس بیت کے اندر آیات بینات موجود ہیں اور مقام ابراہیم یہ بتاتا ہے کہ ابراہیم کا اس سے تعلق ہے اور یہ احکام بھی پہلے سے ملت ابراہیمی کے اندر چلے آ رہے ہیں، اور یہ بالکل واضح واضح آیات ہیں، اور اگر پھر بھی تم انکار کرتے ہو اور اس مرکز ہدایت کو حضرت ابراہیم کا مرکز ماننے کے لئے تیار نہیں اور سمجھتے ہو کہ اس بیت اللہ کی کوئی اہمیت نہیں ہے اگر تمہارا خیال یہ ہے تو پھر تم کافر ٹھہرے، اور تمہارا یہ عقیدہ کفر ہے، یعنی آیات بینات ہونے کے باوجود پھر بھی اگر تم نہ مانو تو جو کفر کرتا ہے اللہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا، مطلب یہ ہے کہ اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں، اللہ کو کیا ضرورت ہے کسی کی، تو کفر کا تعلق اس کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اس معنی کے اعتبار سے پھر اگلی آیتیں بھی اسی مضمون کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے جڑ جاتی ہیں۔

"قل یااھل الکتاب" اس وضاحت کے بعد آپ کہہ دیجئے کہ کتاب والو! تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیات کا تو جہاں اور آیات ہوں گی تو وہاں "فیه آیات بینات" بھی اس کا مصداق ہوں گی، اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیات کا اور اللہ تعالیٰ شہید ہے مشاہدہ کرنے والا ہے حاضر ہے دیکھنے والا ہے، گواہ ہے تمہارے عملوں پر، اور آپ یہ

بھی کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! تم کیوں روکتے ہو اللہ کے راستہ سے اس شخص کو جو ایمان لاتا ہے، طلب کرتے ہو تم اس راستہ میں کجی یعنی شبہات پیدا کرتے ہو، کجیاں تلاش کرتے ہو اور اس طرح ایمان والوں کو روکتے ہو "وانتم شھداء" حالانکہ تم تو گواہ ہو حق کے، تمہارے ذمہ لگایا گیا تھا کہ تم نے حق لوگوں کے سامنے واضح کرنا ہے اور حق بات کہنی ہے تو گواہ ہو کر ہی تم نے اس کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا۔

فرض تو تمہارا تھا کہ ہر حق بات کے اوپر شہادت دیتے اور لوگوں کو اس حق بات کی طرف بلاتے لیکن اس گواہ ہونے کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں مکلّف کیا تھا تمہیں یہ منصب دیا تھا حق کی وضاحت کا اس کے باوجود اگر تم اس قسم کی حرکتیں کرتے ہو تو یہ بہت بری حرکتیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں ہے، جس قسم کے عمل تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی قسم کی جزاء و سزا پاؤ گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُمْ
بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ﴿١٠٠﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ
آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۗ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ
مُسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ
إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْ
كُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَ
كُمْ مِنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

ترجمہ:

اے ایمان والو! اگر اطاعت کرو گے تم ان لوگوں میں سے جو کتاب دیے گئے ایک گروہ کی وہ تمہیں لوٹا دیں گے تمہارے ایمان کے بعد کافر، اور تم کیسے کفر کرو گے، اور حال یہ ہے کہ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، اور تم میں اللہ کا رسول

موجود ہے،اور جوکوئی مضبوطی کے ساتھ لے اللہ کو پس تحقیق ہدایت دیا گیا سیدھے راستہ کی طرف،اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم صاحب اسلام ہو،مضبوطی سے تھامو تم اللہ کی رسی کو سب مل کر اور آپس میں جدا جدا نہ ہوو،اور یاد کرو اللہ کے احسان کو جو تم پر ہے جب کہ تم دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا پھر ہو گئے تم اللہ کے احسان کی وجہ سے بھائی بھائی اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے چھڑایا اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات تا کہ تم سیدھا راستہ پاؤ۔

تشریح :

ان آیات کے شان نزول میں یہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ مدینہ منورہ میں یہ دو قبیلے جو مشرکوں کے تھے اوس اور خزرج، جو سرور کائنات ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کی وجہ سے انصار کہلائے،ان کی زمانہ جاہلیت میں آپس میں بہت عداوتیں تھیں،جس وقت کوئی جنگ چھڑتی پھر وہ کئی سال تک چلتی رہتی تھی آخری آخری جنگ جو ان کے اندر ہوئی اور تباہ کن تھی،ان قبیلوں کے لئے اس کا نام جنگ بعاث ہے،وہ تقریباً جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک سو بیس سال تک ان کے درمیان میں رہی،ایک سو بیس سال تک کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں قبیلوں میں جنگی حالات بحال رہے گاہے گاہے جھڑپیں ہوتی رہیں،اور آخری جھڑپ سرور کائنات ﷺ کے مدینہ تشریف لے جانے سے کچھ دیر پہلے ہوئی جس میں ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور بہت سارا جانی نقصان ہوا،اسی طرح یہ لوگ ہمیشہ خانہ جنگی کے اندر مبتلا رہتے تھے،یعنی ایک واقعہ پر جنگ چھڑ جاتی اور پھر کئی سال تک وہی واقعہ جنگ کا باعث بنا رہتا،اور گاہے گاہے اسی واقعہ کی بناء پر آپس میں جھڑپیں ہوتی رہتیں۔

تو اسی طرح یہ بعاث کی جو لڑائی ہے جس پر حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ چنانچہ بعاث کی مشہور جنگ ایک سو بیس سال تک رہی،ایک سو بیس سال کا لفظ فوائد عثمانی میں ہے تو مطلب اس کا یہی ہے کہ کسی واقعہ پر لڑائی ہوئی اور پھر وہ لڑائی کے حالات ہی بحال رہے،اور اسی واقعہ کو بنیاد بنا کر آپس میں خونریزی ہوتی تھی،اور حضور ﷺ سے آنے سے پہلے تو بہت کمر توڑ خون ریزی ہوئی،جس میں دونوں قبیلوں کی بڑی بڑی قوتیں ختم ہو گئیں،اور بڑے بڑے آدمی مارے گئے، اور سرور کائنات ﷺ جس وقت تشریف لائے تو آپ کے آنے کی برکت سے دونوں قبیلوں کی آپس میں صلح ہو گئی اور دونوں اسلام کے رشتہ سے جڑ گئے،اور وہ جنگی حالت ختم ہو گئی بھائیوں کی طرح آپس میں رہنے لگ گئے۔

مدینہ منورہ کے اردگرد جو یہود کے قبیلے آباد تھے،یہود قوم ابتداء سے ہی کچھ سازشی اور شرارتی واقع ہوئی ہے،اور یہ

لوگ دوسروں کے اوپر تسلط قائم کرنے کے لئے ہمیشہ خفیہ طور پر ریشہ دوانیوں سے کام لیتے ہیں، اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ ان قبائل کی جو آپس میں جنگیں تھیں ان جنگوں کے اندر بھی یہودیوں کی سازشوں کا دخل ہوتا تھا، وہ ان کو اکٹھے دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتے تھے، ان کو لڑاتے رہتے تاکہ ان کی قوت کمزور رہے، اور پھر ان لڑائیوں کی وجہ سے یہ مالی مشکلات میں مبتلا ہوتے اور پھر یہ یہودیوں سے قرض لیتے، یہودی ان کو سود پر قرض دیتے اس طرح یہودیوں کا ان پر مالی تسلط قائم رہتا تھا، اور آپس میں لڑنے بھڑنے کی وجہ سے یہودی ان سے بچے رہتے تھے اور امن میں رہتے تھے۔

یہ ماحول تھا اس وقت مدینہ منورہ کا، اور اگر آج بھی آپ غور فرمائیں گے تو آج بھی دنیا کے اندر یہودی ذہن یہی کام کر رہا ہے کہ جہاں دیکھتے ہیں کہ اگر ان کا آپس میں اتفاق ہو گیا تو ہمارے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی تو یہ اپنے خفیہ ہاتھوں کے ساتھ مختلف قسم کے شوشے چھوڑ کے ان کو آپس میں لڑا دیتے ہیں، اور جس وقت لڑتے ہیں تو پھر چونکہ اسلحہ کی منڈیاں انہی کے پاس ہیں چاہے وہ روس ہے چاہے وہ امریکہ دونوں جگہ قیادت یہودیوں کے ہاتھ میں ہے، تسلط دونوں جگہ یہودیوں کا ہے، روس کے اندر بھی جتنی قیادت ہے وہ سب یہودی ہے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ کارل مارکس جس نے یہ کیمونسٹ والا نظریہ پیش کیا ہے یہ یہودی تھا، اور اس کی زندگی میں اس کے نظریات پر انقلاب نہیں آیا، اس کے بعد انہی نظریات پر انقلاب لایا ہے روس میں لینن، اور یہ بھی یہودی تھا اور لینن کے بعد ان کا سب سے بڑا لیڈر سٹامن ہوا وہ بھی یہودی تھا، تو یہ کیمونسٹ نظریہ بھی یہودی ذہن کی پیداوار ہے، اور اس کی قیادت بھی یہود کے ہاتھ میں ہی ہے، یہ بگڑے ہوئے یہودی جو پھر خدا کے بھی منکر ہو گئے، اور عیسائیت سے انتقام لینے کے لئے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا، کیونکہ روس میں بھی تسلط عیسائیوں کا تھا، چین میں بھی تسلط عیسائیوں کا تھا، اور عیسائیوں اور یہودیوں کی آمیزش پہلے سے چلی آتی تھی۔

اس فتنہ کی لپیٹ میں پھر اسلامی ممالک بھی آ گئے تو جہاں عیسائیت کے خلاف انقلاب آیا دہریت پھیلی، اسی طرح اسلام کے خلاف بھی مختلف جگہوں میں یہ ذہن پیدا ہوا اور یہ دہریت مسلمانوں میں بھی پھیلی۔ اب جس وقت یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا آپس میں اتفاق ہو رہا ہے تو کسی نہ کسی طرف سے شوشہ چھوڑ کے آپس میں لڑا دیں گے، لڑائی کے اندر دو پارٹیاں بنیں گی، ایک اسلحہ کی خریدار ہوگی روس سے، دوسری اسلحہ کی خریدار ہوگی امریکہ سے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دونوں پارٹیاں ایک ہی جگہ سے خریداری کرتی ہیں، اور وہ خوب ان کو جنگی ہتھیار دیتے ہیں، اور اپنی تجارت چمکاتے ہیں اور یہ آپس میں لڑتے اور مرتے ہیں تو تسلط قائم رکھنے کے لئے آج بھی دنیا میں یہودی سازش اسی طرح ہے کہ ان کو آپس میں لڑاؤ اور ان کو کمزور کرو اور ان کے اوپر مالی تسلط قائم رکھو۔

پاکستان اور بھارت کی جو تین جنگیں ہوئیں جتنی تباہی اس میں ہوئی ہے اگر یہ جنگیں آپس میں نہ ہوتیں تو ہم مغربی ممالک کے اتنے مقروض نہ ہوتے جو کچھ جمع کرتے ہیں پانچ سات سال میں کوئی نہ کوئی لڑائی ہوجاتی ہے،اور سب جمع شدہ ختم ہوجاتا ہے،اور ایک ایک دن میں کروڑ ہا روپے کا اسلحہ برباد ہوتا ہے، آدمی علیحدہ مرتے ہیں جائیدادیں علیحدہ تباہ ہوتی ہیں،اور منڈیاں چمکتی ہیں ان کی، وہ لاٹھی اس کے ہاتھ میں بھی دینے کے لئے تیار کھڑے ہوتے ہیں اور اس کے ہاتھ میں بھی دینے کے لئے تیار کھڑے ہوتے ہیں تاکہ یہ آپس میں لڑیں،اور جب آپس میں لڑیں گے تو پھر چودراہٹ ہماری چمکے گی۔

اور ہوتا اسی طرح ہے بالکل بعینیہ یہی ذہنیت مدینہ کے اردگرد تھی کہ یہودی قبائل سازشیں کر کے ان کو آپس میں لڑاتے تھے اور لڑانے کے بعد پھر ان کے اوپر تسلط جماتے تھے،ان لڑائیوں میں یہود کا ہر طرح سے فائدہ تھا، ان کو وہ اکٹھا نہیں دیکھ سکتے تھے،تو جب سرور کائنات ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد ان کا آپس میں اتفاق ہو گیا تو ایک مجلس کے اندر اوس اور خزرج کے لوگ اکٹھے بیٹھے تھے،اور صدیوں بعد ان کو یہ چیز نصیب ہوئی تھی کہ آپس میں مل جل کر اکٹھے ہو کر بیٹھیں،ہنسیں،کھیلیں۔

تو وہاں ایک یہودی تھا جس کا نام تھا شماس بن قیس وہ ان کا اتفاق دیکھ کر ان کی محبت دیکھ کر برداشت نہ کرسکا،اس کے اندر کی جلن زور پکڑ گئی،اس نے اپنے کسی آدمی سے کہہ کر وہ شعر پڑھوانے شروع کر دیے جو آپس میں اختلافات کے دور میں انہوں نے ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے اور آپ جانتے ہیں کہ یہ شعر وشاعری تو عرب میں عروج پر تھی وہ لوگ زبانی طعنوں کو تلوار سے بھی زیادہ اہمیت دیتے تھے،اوس نے خزرج کو ذلیل کرنے کے لئے جو شعر کہے اور اپنی مفاخرت قائم کی ،اور خزرج والوں نے جو اوس کے خلاف شعر کہے اور اپنی مفاخرت قائم کی اور ان کی توہین وتذلیل کی جس وقت یہ شعر اس مجلس میں پڑھے گئے تو پرانی باتیں یاد آ گئیں تو اسی سے آپس میں توں توں میں میں تک نوبت پہنچ گئی۔

جیسے دو آدمیوں کے درمیان اگر پرانی لڑائی ہو لڑائی کے دوران میں انسان ایک دوسرے کے خلاف بہت کچھ کہہ لیتا ہے جس میں صحیح باتیں بھی ہوتی ہیں اور غلط باتیں بھی ہوتی ہیں،اور پھر بعد میں اگر اتفاق ہو جائے تو اتفاق ہونے کے بعد پرانی باتیں بھلا دی جائیں پھر تو اس اتفاق کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے، ورنہ اکثر وبیشتر ایسے ہوتا ہے کہ اگر پرانی باتوں کو دبا دو جو دفن ہو گیا اس کو دفن ہی رہنے دو اب اس کو اکھیڑنے کا کوئی فائدہ نہیں، ان باتوں کو بھلا دو گے، اپنے ذہن سے فراموش کر دو گے تو آپس میں اتفاق بحال رہ جائے گا، ورنہ ان باتوں کو اگر آپس میں یاد کرو گے یا تیسرا آدمی ان باتوں کو چھیڑنا شروع کر دے تو بسا اوقات جذبات کنٹرول میں نہیں رہتے،اور فریقین کے اندر دوبارہ وہی بدمزگی ہوجایا کرتی ہے۔

اس یہودی نے اسی انسانی کمزوری سے فائدہ اٹھایا کہ جب وہ پرانے شعر پڑھنے شروع کیے تو عرب کا گرم خون

جوش میں آیا تو توں توں میں میں تک نوبت پہنچی، اور دوبارہ ایک دوسرے کے خلاف بہادری دکھانے کے لئے لڑائی کے لئے آمادہ ہو گئے، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ تاریخ بھی متعین کر لی کہ فلاں دن پھر مقابلہ ہوگا، دیکھیں گے کیا ہوتا ہے، جس وقت یہ شروع ہوا اور آپس میں اسی طرح بات بڑھی، سرور کائنات ﷺ کو پتہ چلا تو آپ اپنے ساتھ مہاجرین کی ایک جماعت لے کر وہاں پہنچے، اور وہاں ان کو کچھ ملامت کی اور انہیں سمجھایا کہ تمہیں کیا ہو گا یہ یہود تو تمہیں لڑانا چاہتے ہیں، اور ان کی سازشوں کو تم سمجھتے نہیں اور ان کی سازشوں کی بناء پر تم نے کیسی تباہی اور بربادی دیکھی، کیا ابھی تمہاری آنکھیں نہیں کھلیں، اگر تم ان کی باتیں مانو گے اور ان کی باتوں میں آؤ گے تو دوبارہ پھر یہ تمہیں کافر بنا دیں گے۔

ایمان سے ہی نکال دیں گے، یا عملاً کافر بنا دیں گے کہ آپس میں لڑنے لگ جاؤ گے آپس میں لڑنا یہ عملی کفر ہے، "سباب المؤمن فسوق وقتاله کفر" مومنوں کا آپس میں گالی دینا فسق ہے اور آپس میں لڑنا کفر ہے یہ صحیح روایت ہے، سرور کائنات ﷺ نے حجۃ الوداع کے اندر جو خطبہ دیا تھا اس خطبہ کے اندر خاص طور پر اس بات کے اوپر متنبہ کیا تھا "لاترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض" میرے بعد پھر کافر نہ ہو جانا، کافروں جیسی حرکتیں نہ کرنے لگ جانا، کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ، وہاں بھی یہی مطلب ہے کہ میرے بعد کہیں لوٹ کر دوبارہ کافروں والا کردار ادا نہ کرنے لگ جانا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ، تو اسلام سے ہی نکالنے میں کامیاب ہو گئے تو کفر حقیقی ہے۔

اور اگر ان باتوں میں آ کے تم آپس میں لڑ پڑے تو یہ بھی وہی کافرانہ کردار ہے، مؤمن کا کام ہے ایک دوسرے سے محبت کرنا، ان کی تو آپس میں محبت ہونی چاہیئے، ایمانی رشتہ کے ساتھ آپس میں لڑنا یہ ایمانی بات نہیں ہے، یہ تو کافرانہ کردار ہے حضور ﷺ نے ملامت کی اور کہا کہ ابھی اللہ کی آیتیں تمہارے اوپر اتر رہی ہیں، قرآن تمہارے درمیان پڑھا جا رہا ہے، اللہ کا رسول تمہارے اندر موجود ہے پھر بھی تم ایسی حرکتیں کرنے لگ گئے کتنے تعجب کی بات ہے کہ تم اس قسم کی باتوں میں آ کر آپس میں لڑنے کے لئے تیار ہو گئے اور کفر کی طرف جانے لگ گئے، جب اس طرح ملامت کی تو اوس وخزرج کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ اپنی اس حرکت کے اوپر نادم ہوئے، وہیں ایک دوسرے کے گلے لگ کے روئے اور ایک دوسرے سے معذرت کی اسی طرح یہود کی سازش ناکام کر دی گئی اور اوس وخزرج کی آپس میں محبت بحال رہ گئی۔

یہ آیات اسی سلسلہ کے اندر نازل ہوئی ہیں، پچھلی آیتیں جو کل آپ کے سامنے آئی تھیں، "قل یا اھل الکتاب لم تکفرون بآیات اللہ" بعض مفسرین کے مطابق تو آیات یہاں سے شروع ہوئی ہیں، پہلے اہل کتاب کو تنبیہ کی گئی ہے اور بعد میں مؤمنین کو خطاب کر کے اگلی ہدایات دی گئی ہیں، اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ "یایھا الذین آمنوا" سے آیات اس واقعہ کے متعلق اتری ہوں، اور پچھلی آیات پچھلے مضمون سے تعلق رکھتی ہوں، ایسا بھی ہو سکتا ہے تو یہ نصیحت ہے مؤمنین کو کہ

اگر اہل کتاب میں سے تم ایک گروہ کا کہنا مانو گے، دیکھو قرآن کریم جس وقت اہل کتاب پر تنقید کرتا ہے تو انصاف کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتا۔

ہر یہودی یا ہر عیسائی کے جذبات ایسے نہیں تھے بعض منصف مزاج بھی تھے جو آہستہ آہستہ اسلام کے قریب آ گئے اور مسلمان ہو گئے، کچھ ان میں شرارتی تھے جن کو فریقاً کے اندر بیان کر دیا جو اس قسم کی شرارتیں پھیلاتے تھے ان کو فریق کے ساتھ تعبیر کیا، ہر ہر فرد کے اوپر یہ انکار نہیں کیا اگر اہل کتاب میں سے تم ایک فریق کا کہنا مانو گے "یردو کم بعد ایمانکم کافرین" تو یہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد دوبارہ کافر بنا دیں گے، اگر تو کہنا مان لیا عقائد کے بارے میں تو حقیقتاً کفر، اور اگر عقائد کی بجائے دوسری باتوں میں کہنا مان لیا تو پھر وہ کفر والے دور کی طرف تمہیں دوبارہ لے جائیں گے، جس طرح کفر کے زمانہ میں تم ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور ایک دوسرے کے گلے کاٹتے تھے پھر وہی دور آ جائے گا، اور تم کافر کیسے ہو سکتے ہو یہ تعجب کی بات ہے، حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیات اترتی ہیں تمہاری راہنمائی کرتی ہیں، ہدایت دیتی ہیں۔

اللہ کی آیات پڑھی جا رہی ہیں اور تمہارے اندر اللہ کا رسول موجود ہے یہ دو چیزیں تو ایسی ہیں جو تمہیں کفر سے بچانے والی اور ایمان پر ثابت قدم رکھنے والی ہیں، تو اتنے بڑے داعیوں کی موجودگی میں کہ اللہ کی کتاب بھی پڑھی جا رہی ہے اور اللہ کا رسول بھی موجود ہے، ان کی موجودگی میں تم کفر کیسے کرو گے، یعنی اگر ان کی موجودگی میں کفر کرو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روز روشن میں تم اندھا پن اختیار کر رہے ہو، جبکہ ہر طرف روشنی ہی روشنی ہے، نور ہی نور ہے، کسی قسم کا خفاء نہیں، اللہ کی آیات اتر رہی ہیں اور اللہ کا رسول موجود ہے تو ایسے وقت میں تمہارا کفر کرنا بڑے تعجب کی بات ہے۔

یہ ہے اس موقع کے متعلق جبکہ حقیقتاً سرور کائنات ﷺ ظاہری دنیا میں موجود تھے تو یہ لفظ اس واقعہ پر بالکل صادق آتے ہیں کہ اللہ کی آیات پڑھی جا رہی تھیں، اور اللہ کا رسول وہاں موجود تھا، اور اب جس وقت ہم مسلمانوں کو اس بات کی تلقین کریں گے تو اب بھی یہی بات ہوگی "تتلیٰ علیکم آیات اللہ" میں تو کوئی اشتباہ کی بات نہیں ہے کہ اللہ کی آیات تو پڑھی جاتی ہیں، قرآن کریم کی آیات پڑھ کے نصیحت کی جاتی ہے اور "وفیکم رسولہ" یہ بھی صادق آتا ہے کہ رسول اپنے رسول ہونے کی حیثیت سے اب بھی ہمارے اندر موجود ہیں، کیونکہ وہ موجود ہوتے تو ان کی زبان سے باتیں ہمارے سامنے آ جاتیں، اب اگرچہ وہ موجود نہیں لیکن ان کی ایک ایک نصیحت، ایک ایک بات ہمارے اندر موجود ہے، اب ان لکھی ہوئی باتوں کو جو حدیث شریف میں آ گئیں، روایات کو ماننا یہ ایسے ہی ہے جیسے رسول کی ہدایت کو مانا جا رہا ہے، زندگی میں بھی یہی ہدایات دیتے تھے جو اس وقت موجود ہیں، اس وقت بذات خود اگر سرور کائنات ﷺ موجود نہیں ہیں تو تعلیم ان کی موجود ہے

،جب ان کی تعلیم اور ہدایت موجود ہے تو ایسے سمجھو جیسے وہ خود ہی موجود ہیں ، اوران ہدایات کی ہمیں پابندی کرنی چاہیئے،اوران کافروں کی سازشوں سے ہمیں بچنا چاہیئے۔

”ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الیٰ صراط مستقیم “اور جو کوئی اللہ کو مضبوطی سے تھام لے گا،اعتصام یہ عصم سے ہے،عصم یعصم بچانا اور اعتصم کہتے ہیں بچنے کو اور بچنے کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جیسے ایک آدمی کا پاؤں پھسلنے لگا ہے اور کوئی رسی لٹک رہی ہے تو آپ اس کو مضبوطی سے پکڑ لیں گے تو یہ مضبوطی سے پکڑنا گرنے سے بچنے کا ذریعہ ہے کہ جو آدمی اس قسم کی لٹکی ہوئی رسی کو مضبوطی سے تھام لیتا ہے پھر وہ گرتا نہیں ہے،اور اللہ کو مضبوط تھامنے کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کی تعلیم کو،اللہ کی ہدایت کو،اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنا،جیسا کہ آگے ”واعتصموا بحبل اللہ “ کے اندر حبل کا لفظ ظاہر کر دیا گیا،یہاں بھی وہی مقصود ہے،اور پیچھے اس کو” عروۃ الوثقیٰ “ کے ساتھ تعبیر کیا گیا تھا تو جو اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے تھام لے ”فقدھدی الیٰ صراط مستقیم “تو صراط مستقیم کی طرف راہنمائی وہی شخص کیا گیا ہے،ہدایت پر وہی شخص سمجھا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کو مضبوطی سے تھامتا ہے۔

یہ تو ملامت تھی ان کے آپس میں اختلاف پر اور جھگڑا کرنے پر،اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو جس طرح ڈرنے کا حق ہے کیا مطلب؟ کہ اللہ تعالیٰ کے جس طرح آپ پر حقوق ہیں ان حقوق کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرو، پھر ایک ہے دنیا کے حاکموں سے ڈرنے کی بات اس میں کمزوری ہوتی ہے بایں معنی کہ ضروری نہیں کہ ہماری حرکت کا ان کو پتہ چل جائے، بچنے اور چھپنے کی گنجائش ہوتی ہے،اس لئے حاکم وقت کا ڈر کمزور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق جب یہ نظریہ ہے کہ ہمارا کوئی جرم اس سے چھپ نہیں سکتا تو ڈرنے کی بنیاد مضبوط ہوگئی،تو اللہ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے کہ خلوت جلوت میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیئے۔

دنیا کے حاکم سے خلوت اور جلوت میں فرق پڑ جاتا ہے صرف اس وجہ سے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہم علی الاعلان کوئی نافرمانی کریں گے تو گرفت میں آجائیں گے،اگر چھپ چھپا کر کریں گے تو کون پوچھتا ہے،اس لئے وہاں اطاعت کا جذبہ کمزور ہوتا ہے،اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ بات نہیں ہے،اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی چیز مخفی نہیں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی بنیاد زیادہ مضبوط ہے،پھر دنیا کے حاکم سے ڈرنے میں ایک کمزوری یہ بھی ہے کہ یہاں سے چھوٹنے کا امکان ہوتا ہے سفارش سے چھوٹ جاؤ گے،رشوت سے چھوٹ جاؤ گے،کہیں چھپ جاؤ گے ان کی گرفت میں نہیں آؤ گے،اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات بھی نہیں ہے،اگر اللہ تعالیٰ نے پکڑ لیا تو پھر کسی طرح سے چھوڑے گا نہیں،اور کہیں بھاگ کر چھپ کر تم اس سے چھوٹ نہیں سکتے ،پھر دنیا کے حاکم کی سزا کی حد بھی ہے کہ اگر وہ پکڑ بھی لے گا سزا بھی دے گا تو آخر ایک حد ہے کہ اگر مر بھی جائے گا

تو چھوٹ جائے گا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی سزا کی کوئی حد نہیں ہے تو یہ مضبوط بنیادیں ہیں جن کی بناء پر سب سے زیادہ خوف اللہ تعالیٰ کا ہونا چاہیئے، اتنا انسان کسی سے نہ ڈرے جتنا اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اور اگر اس قسم کے مجازی حاکموں سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی ہو تو یہ اس وجہ سے حماقت ہے کہ ایک مضبوط ترین جو اس حاکم پر بھی حاکم ہے اس کا تو انسان نافرمان ہو جائے اور ایک کمزور کی پناہ میں آجائے ایسا نہیں ہونا چاہیئے، دنیا کی کوئی قوت اور طاقت انسان کو اللہ کے حکم سے پھیر نہ سکے "حق تقاتہ" یہ ہے، اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔

دوسری جگہ یہ آیت آئے گی جس میں یہ لفظ ہوگا "یاایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ مااستطعتم" اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جتنی تم میں طاقت ہے اپنی طاقت کے مطابق اللہ سے ڈرو کیا مطلب؟ کہ اللہ سے تقویٰ اختیار کرنے میں اپنی پوری قوت اور طاقت صرف کردو، تمہاری طرف سے کوئی کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیئے، پوری قوت اور طاقت صرف کرلوگے تو اللہ کے تقویٰ کا حق تمہاری طرف سے اداء ہوگیا اس لئے دونوں لفظوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کہ اللہ سے اس طرح ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے، اور دوسری جگہ آگیا کہ اللہ سے ڈرو اپنی طاقت کے مطابق، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں، اللہ کی فرمانبرداری میں اپنی پوری استطاعت کو صرف کرو، جتنا تمہارے اندر اختیار ہے سارا اللہ کے احکام کی اطاعت میں صرف کرو، جس وقت آپ اپنی قوت اور طاقت کے مطابق اللہ کا تقویٰ اختیار کریں گے تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے تقوی کا حق جو آپ کے ذمہ تھا ادا ہو گیا۔

اس لئے دونوں باتوں کے درمیان کوئی کسی قسم کا تعارض نہیں ہوگا اور "حق تقاتہ" کا مفہوم ادا کرتے ہوئے تفسیروں کے اندر یہ لفظ بھی آئے ہیں کہ "حق تقاتہ" یہ ہے "ان یطاع فلایعصیٰ" کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے "وان یذکر فلاینسیٰ" "اس کو یاد رکھا جائے اس کو بھلایا نہ جائے"، "وان یشکر فلایکفر" اس کی شکر گزاری کی جائے اس کے ساتھ ناشکری کا معاملہ نہ کیا جائے یہ محض ادا کرنے کے لئے یہ عنوانات ہیں ورنہ اصل یہی ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا استحضار رہے اور اللہ کے احکام کی اطاعت ہو کبھی اس کی نافرمانی نہ ہو۔

اپنی قدرت اور قوت کے مطابق اور اس کی نعمتوں کو یاد رکھ کے، اس کے احسانات کو یاد رکھ کے، اس کی عظمت کو دل میں محسوس کرتے ہوئے اس کی نافرمانی سے ڈرو، وہ یاد رہے نسیان نہ ہو، شکر گزاری ہو کفران نہ ہو، اور اسی طرح اس کی اطاعت ہو عصیان اختیار نہ کیا جائے، یہ "حق تقاتہ" کے سمجھانے کے لئے مختلف الفاظ ہیں، اس میں عقائد کے اعتبار سے ڈرنا بھی آجائے گا، اعمال کے اعتبار سے ڈرنا بھی آجائے گا، خیالات وجذبات کے لحاظ سے ڈرنا بھی آجائے گا تو یہ تقویٰ انسان

کے ظاہر و باطن پر محیط ہو جائے گا۔

"ولاتموتن الا وانتم مسلمون" اس میں بظاہر نفی موت پر آئی ہوئی ہے کہ تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم فرمانبردار ہو، مطلب اس کا یہ ہے کہ موت جب بھی تمہیں آئے فرمانبرداری کی حالت میں آئے، دوسرے طریقہ سے اس مفہوم کو ہم یوں ادا کر سکتے ہیں کہ یہ فرمانبرداری موت تک جاری رہنی چاہیئے، یہ نہیں کہ وقتی طور پر تو فرمانبرداری اختیار کر لی بعد میں نافرمان ہو گئے، اور اگر نافرمانی کی حالت میں موت آگئی تو موت اسلام کی حالت میں نہ آئی، ہر لمحہ ہر لحظہ اسلام کے پابند رہو، فرمانبردار رہو تا کہ جب بھی تمہیں موت آئے تو اسی حال میں آئے یہ بھی خوف پیدا کرنے والی بات ہے چونکہ موت کا وقت متعین نہیں ہے اس لئے اگر کسی انسان کا کبھی کسی معصیت کی طرف رجحان ہو، شیطان یہ چکر دے گا کوئی بات نہیں اس طرح کر لیتے ہیں بعد میں توبہ کر لیں گے ایسا خیال بھی انسان کے دل میں آتا ہے، لیکن اگر یہ بات انسان کے ذہن میں رہے کہ موت کا وقت تو کوئی متعین نہیں ہے اس لئے یہ خیال اپنے دل کے اندر رکھو، جب بھی کسی گناہ کی طرف رجحان پیدا ہو تو سوچو شاید یہی آخری عمل نہ ہو اور اگر یہی آخری عمل ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری موت اسلام پر نہیں آئی۔

جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی ساری زندگی نیکیاں کرتا رہتا ہے اور اتنا جنت کے قریب چلا جاتا ہے کہ جیسے ایک ذراع کا فاصلہ رہ گیا کہ مرے گا اور جنت میں جائے گا، پھر انسان کسی معصیت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور موت معصیت پر آجاتی ہے، اور آخری علم معصیت کا وہی انسان کو جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن جاتا ہے، تو اگر انسان کے ذہن کے اندر یہ خیال موجود رہے کہ شاید یہی عمل میرا آخری عمل ہو تو پھر اگر اس پر موت آگئی تو پھر موت اسلام پر نہیں ہوگی، اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس عمل کی وجہ سے میں جہنم میں چلا جاؤں گا۔

تو یہ خیال انسان کو بہت سارے گناہوں سے روکنے کا ذریعہ بن جاتا ہے، غفلت ہے جو اصل میں انسان کو گناہ کی طرف لے جاتی ہے اگر اس قسم کی یادداشت انسان کے ذہن میں باقی رہے تو پھر انسان گناہ سے بچتا ہے، تو پہلی بنیادی بات یہ ہوئی کہ تقویٰ اختیار کرو اور دوسری بات یہ ہے کہ "واعتصموا بحبل الله جميعاً" اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو سارے مل کر، اللہ کی رسی سے مراد قرآن کریم ہے قرآن کریم کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ "حبل الله الممدمن السماء الى الارض" یہ اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی گئی ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم ہے۔

اور حبل کا مصداق عہد بھی ہوتا ہے کہ اللہ کے عہد کو مضبوطی سے تھام لو اور اللہ کی کتابیں چونکہ اللہ کے ساتھ عہد کا ذریعہ ہیں کہ بندوں کا عہد اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہی کتابوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے تو حبل اللہ کا مصداق اللہ کی کتاب بھی ہو سکتی ہے، اس میں گویا کہ اتفاق کی بنیاد مہیا کر دی گئی، اتفاق ہو سکتا ہے تو کس چیز پر ہو سکتا ہے، آج کل دنیا میں لوگ اپنی قوموں کو

اور اپنے ملک کے باشندوں کو اتفاق کی دعوت دیتے ہیں کس بات پر؟ کوئی سندھی اٹھتا ہے کہتا ہے سندھی بولنے والو سب اکٹھے ہو جاؤ، جس کو لوگ لسانی وحدت سے تعبیر کرتے ہیں آپ دنیا کے اندر دیکھتے ہیں کہ دنیا کے اندر سینکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں اگر لسان وحدت کا نعرہ لگایا جائے تو یہ وحدت نہیں اصل کے اعتبار سے ساری انسانی برادری کو سینکڑوں ٹکڑوں کے اندر بانٹنے والی بات ہے۔

سرائیکی بولنے والے ایک طرف ہو جائیں پنجابی بولنے والے ایک طرف ہو جائیں، اردو بولنے والے ایک طرف ہو جائیں، پشتو بولنے والے ایک طرف ہو جائیں، تو یہ وحدت نہیں ہے یہ تو پارہ پارہ کرنے والی بات ہے اس میں بیسیوں ٹکڑے بنتے ہیں اور یہ بنیاد ایسی ہے جو اختیاری نہیں، اب ہمارے بس میں نہیں تھا کہ ہم سندھ میں پیدا ہو جاتے اور ہم بھی سندھی بولتے، نہ ہمارے بس میں یہ تھا کہ ہم ریاست بہاولپور میں پیدا ہو جاتے اور سرائیکی بولتے، یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے، جس علاقہ میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا وہی زبان، تو ایک غیر اختیاری چیز کو بنیاد بنا کے اتفاق کی دعوت کسی طرح دی جاسکتی ہے۔

اسی طرح وطن کو بنیاد بنا کے کوئی شخص اتفاق کی دعوت دیتا ہے تو یہ اتفاق نہیں حقیقت کے اعتبار سے انتشار ہے، کوئی کہے کہ ہندی ایک ہو جائیں، پاکستانی ایک ہو جائیں، تو یہ نعرہ ہر ملک کو علیحدہ علیحدہ کر دے گا، اور انسانی برادری کا اتفاق کبھی نہیں ہو سکتا، یا جس طرح گورے اور کالے ہیں گورے گورے ہونے کی بناء پر آپس میں اتفاق پیدا کریں، کالے اپنے کالے ہونے کی بناء پر آپس میں اتفاق پیدا کریں، جیسا کہ امریکہ اور افریقہ کے اندر ان کے اختلافات ہوتے رہتے ہیں، ان کا آپس میں اتنا اختلاف ہے کہ گوروں کے بیت الخلاء علیحدہ کالوں کے علیحدہ، گوروں کے فٹ پاتھ علیحدہ کالوں کے علیحدہ، گوروں کے بچوں کے سکول علیحدہ کالوں کے علیحدہ دونوں مل کر ایک جگہ رہ نہیں سکتے، یہ بنیادیں ایسی ہیں وطنی بنیاد، لسانی بنیاد، رنگ کی بنیاد، غیر اختیاری چیزیں ہیں ان کے اوپر کبھی انسانیت کو اکٹھا نہیں کیا جاسکتا اس میں وحدت نہیں ہے انتشار ہے، اور جو لوگ اس کو وحدت کی بنیاد بناتے ہیں اصل کے اعتبار سے وہ انسانی برادری کو سینکڑوں ٹکڑوں کے اندر بانٹتے ہیں۔

وحدت کی بنیاد اگر بن سکتی ہے تو اللہ کی تعلیم اور اللہ کے بیان کردہ اصول، اس سے انسانوں کے صرف دو گروہ بنیں گے، ماننے والے اور نہ ماننے والے، "خلقکم فمنکم کافر ومنکم مؤمن" دو پارٹیاں بنیں گی اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کے بیان کردہ اصول ایسے ہوں گے، چونکہ وہ خالق الکل ہے اس کے اندر نہ کسی پارٹی کی حمایت ہے، نہ مخالفت ہے وہ اصول ایسے ہوں گے جو انسانی بہبود سے تعلق رکھتے ہیں انسان کے فائدے کے ہیں، اور یہ بات بھی دماغ میں نہیں آسکتی کہ ہم فلاں کی بات کیوں مانیں؟ اور فلاں کی کیوں نہ مانیں؟ جب نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو ہر کسی کے لئے ماننا بھی آسان ہے

تو اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اصولوں پر اگر اکٹھے ہو جائیں تو اس سے ایک وحدت قائم ہو سکتی ہے، اور اس میں یہ بات بھی نہیں ہوگی کہ کوئی اپنی پستی محسوس کرے، کوئی اپنی بلندی محسوس کرے، جب اللہ کی تعلیم کو بنیاد بنایا جائے تو یہ اتفاق کی ایک مضبوط بنیاد ہے۔

"ولاتفرقوا" اور آپس میں جدا جدا نہ ہوؤ فرقے فرقے نہ بنو، آپس میں انتشار نہ پھیلاؤ، "واذکروا نعمة الله علیکم" اور اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر ہے، "اذ کنتم اعداء" جبکہ تم آپس میں دشمن تھے "فالف بین قلوبکم" اللہ نے احسان کیا کہ تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، آپس میں عداوت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پھٹکار اور لعنت ہے، دنیا کے اندر زندگی کو جہنم بنانے والی چیز ہے، اور آپس کی الفت یہ دنیا کے اندر ہی زندگی کو جنت بنانے والی چیز ہے، عدوات ختم ہوگئی، آپس میں الفت پیدا کردی، "فاصبحتم بنعمته اخوانا" تو آپس میں اعداء ہونے کے بعد اللہ کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے، کتنا خوشگوار ماحول تمہارے اندر پیدا ہو گیا یہ تو ایک حسی فائدہ ہوا۔

دوسرا کہ تم کفر میں مبتلا تھے شرک میں مبتلا تھے، جہنم کے کنارے پر کھڑے تھے کنارے پر کھڑے ہونے کا مطلب یہی ہے کہ ابھی مرے اور جہنم میں گئے یہ حال تھا تمہارا، "کنتم علیٰ شفا حفرة من النار" جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے، "فانقذکم منها" اللہ نے تمہیں اس جہنم سے چھٹکارا دیا کہ اللہ کا رسول آیا اس نے تمہیں کفر سے بچایا اور ایمان کے راستہ پر لگایا تو تم جہنم سے چھوٹ گئے، یہ اللہ کا احسان ہے اس کو یاد کرو تو اب ان نعمتوں کی بے قدری نہ کرو کہ بھائی بننے کے بعد دوبارہ دشمن بن جاؤ، یا اللہ کی طرف سے ہدایت آجانے کے بعد پھر تم کفر کی طرف جاؤ تاکہ پھر جہنم میں گرو اللہ تعالیٰ کے احسان کی ناقدری نہ کرو اللہ کا احسان یاد کرو اور اس کی قدر کرو، "کذلك یبین الله لکم آیاته" اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی آیات کو بیان کرتا ہے، "لعلکم تهتدون" تاکہ تم سیدھا راستہ پاؤ۔

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ
تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ
تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ:

تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیئے جو دعوت دیتی رہے خیر کی طرف اور معروف کا حکم کرتے رہیں اور منکر سے روکتے رہیں، اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں، اور نہ ہوؤتم ان لوگوں کی طرح جو فرقہ فرقہ ہوگئے اور اختلاف کیا انہوں نے بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح دلائل آگئے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے جس دن کہ چہرے سفید ہوں گے اور سیاہ ہوں گے پھر وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے انہیں کہا جائے گا کیا تم نے کفر کیا اپنے ایمان کے بعد (یہ استفہام بطور ڈانٹ کے ہے) پس چکھو تم عذاب بسبب اس کے کہ تم کفر کرتے تھے، لیکن وہ لوگ جن کے چہرے پر رونق ہوں گے پس وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، یہ اللہ کی باتیں ہیں پڑھتے ہیں ہم ان کو آپ پر ٹھیک ٹھیک، اور اللہ تعالیٰ عالمین پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا، اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور تمام امور اللہ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔

تشریح:

پچھلی آیات میں اعتصام بحبل اللہ کی تاکید کی گئی تھی، اور تفرق سے نہیں ذکر کی گئی تھی اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں ٹکڑے ٹکڑے نہ ہوو، جس کا حاصل یہ تھا کہ تقویٰ اور اتفاق یہ دو چیزیں مسلمانوں کے اندر موجود ہونی چاہیئں، عداوت کی وجہ سے دشمنی کی وجہ سے جو نقصان اٹھا چکے تھے اس کی طرف سے ریشہ دوانیاں، خفیہ سازشیں مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے ہوتی رہتی ہیں، اس کی بھی نشاندہی کی گئی تھی، اب اس آیت میں جماعتی طور پر یہ تاکید کی گئی

ہے کہ ایک طبقہ ضرور ایسا موجود رہنا چاہیئے کچھ افراد ایسے ضرور موجود ہوں، کہ جو اہل ایمان کو خیر کی دعوت دیتے رہیں، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں، مسلمانوں کو بھی کریں اور اس دین کی اشاعت کا ذریعہ بھی بنیں غیر مسلموں کے اندر، دعوت الی الخیر یہ عام ہے مسلمانوں کو بھی دعوت الی الخیر کرنی ہے کہ جہاں دیکھا کہ حبل اللہ چھوٹنے لگی اور اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کے مخالفت ہو رہی ہے تو ان کو یاد دہانی کرائیں، اور اسی طرح غیر مسلموں کو بھی دعوت دیں جماعتی طور پر یہ سب مسلمانوں پر فرض ہے کہ کچھ افراد اس قسم کے موجود ہوں۔

اس آیت کے اندر جو خیر کا لفظ استعمال کیا گیا یہ بہت جامع لفظ ہے، خیر کا معنی بھلائی، خیر کی طرف دعوت دیں، اچھی حالت اور بھلائی کی طرف دعوت دیں، اور تفاسیر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے، سرور کائنات ﷺ کی طرف سے کہ "الخیر هو اتباع القرآن وسنتی" قرآن اور میری سنت کا اتباع یہ خیر کا مصداق ہے یعنی وہ لوگوں کو دعوت دیتے رہیں کہ قرآن کریم کی اتباع کرو اور لوگوں کو دعوت دیں کہ سرور کائنات ﷺ کے طریقہ پر چلیں، یہ تو ایک عمومی دعوت ہے اتباع قرآن اور اتباع سنت کی اور پھر صراحت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کے آگے درجات ہیں معروف کا معنی ہے پہچانی ہوئی چیز، یعنی جو شریعت میں جانی پہچانی ہے کہ ایسا ہونا چاہیئے۔

اور اسی طرح شرفاء کے عرف میں جو چیز جانی پہچانی ہوتی ہے شرافت کے معیار پر کہ لوگ اس کو اچھا سمجھتے ہیں وہ بھی معروف کا مصداق ہے، سوسائٹی میں بعض عادتیں اچھی سمجھی جاتی ہیں، وہ بھی درجہ بدرجہ اسی معروف کا مصداق ہوں گے جن کے شرفاء کے طبقہ کے اندر جانا پہچانا ہوا قرار دیا جاتا ہے، امر بالمعروف یعنی اس معروف کا امر کریں، پھر اس کے مختلف درجات ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ امر بالمعروف ہاتھ کے ساتھ بھی ہوتا ہے، ہاتھ کا مطلب یہ ہے کہ قوت اور طاقت کے ساتھ نیکی کو رائج کیا جائے۔

اور امر بالمعروف زبان کے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کو سمجھایا بھی جائے اور برائی کرنے والوں کو زبان نے ٹوکا بھی جائے اس کی مذمت کی جائے، ان کے اوپر انکار کیا جائے، اور نیکی کی ترغیب دی جائے، اور اسی طرح امر بالمعروف دل کے ساتھ بھی ہوتا ہے، دل کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی برائی آپ نے دیکھی آپ کے سامنے ہے آپ میں اتنی قوت اور طاقت بھی نہیں کہ آپ اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کو بند کر دیں اور یہ بھی طاقت نہیں کہ آپ زبان سے کہہ سکیں، زبان سے کہہ سکنے کی طاقت کا مطلب یہ نہیں کہ آپ گونگے ہیں بول نہیں سکتے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زبان کے ساتھ آپ کے کہنے کے بعد آپ پر کوئی اس قسم کی مصیبت آئے گی، پریشانیاں آئیں گی، ان لوگوں کی طرف سے جن کے خلاف آپ اپنی زبان استعمال کریں گے کہ جس کے دفاع پر آپ قادر نہیں اور جس کا برداشت کرنا آپ کی

قدرت میں نہیں اس وقت سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص بولنے پر قادر نہیں ہے۔

پھر اس کے بعد ہے دل کا درجہ کہ دل میں اس کو برا جاننا اور دل کے اندر یہ جذبات ہوں کہ یا اللہ کسی طرح یہ برائی مٹ جائے تو اچھا ہی ہے، کسی طرح یہ نیکی رائج ہو جائے تو اچھا ہی ہے، یہ دل کا جذبہ تیسرے نمبر پر ہے، چنانچہ حدیث شریف کے اندر اس کے درجات بیان کرنے کے لئے جو لفظ استعمال کئے گئے ہیں وہ یہی ہیں "من جاھدھم بیدہ فھو مؤمن من جاھدھم بلسانہ فھو مؤمن من جاھدھم بقلبہ فھو مؤمن وذلك اضعف الایمان" تو جہاد کا لفظ ہے کہ جوان کے خلاف ہاتھ سے جہاد کرے جوان کے خلاف زبان سے جہاد کرے جوان کے خلاف دل سے جہاد کرے، آپ جانتے ہیں صرف نفرت کرنا یہ جہاد نہیں کہلاتا جہاد یہی ہے کہ اپنی قلبی قوتیں توجہ صرف کرے اس معاملہ برائی کو مٹانے کے لئے، نیکی کو جاری کرنے کے لئے۔

اور اسی طرح دوسری روایت میں لفظ ہیں "من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ" اس کی تغیر اپنے ہاتھ کے ساتھ کرے "من لم یستطع" جو ہاتھ کے ساتھ تغیر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا "فبلسانہ" وہ زبان کے ساتھ اس کی تغیر کرے، "ومن لم یستطع فبقلبہ" اور جو زبان کے ساتھ بھی تغیر کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ اپنے دل کے ساتھ تغیر کرے اور اس کو پھر اضعف الایمان قرار دیا ہے، اور ایک روایت میں "لیس وراء ذٰلك من الایمان حبة من خردل" اس کے بعد تو پھر ایمان کا رائی کا دانہ بھی نہیں، یعنی اگر دل میں بھی برائی کے خلاف جہاد نہیں ہے، اور دل میں بھی تغیر کا جذبہ نہیں ہے تو یوں سمجھو کہ دل ایمان سے خالی ہے یہ تین درجے بیان کئے گئے ہیں۔

تو جہاد بالقلب اور تغیر بالقلب کا مطلب یہ ہے کہ دل میں تڑپ ہو اور انسان سوچے اور ہر وقت اس کے سامنے یہ چیز رہے کہ کوئی ذریعہ ایسا نکل آئے جس کی وجہ سے اس برائی کو مٹا دیا جائے، میرے بس میں ہو تو میں اس نیکی کو جاری کردوں اور اس برائی کو مٹادو، یہ جذبات انسان کے قلب میں ہونے چاہئیں، اور اگر یہ جذبات بھی قلب کے اندر نہیں ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کے لٹنے پر اور اس برائی کے جاری رہنے پر انسان مطمئن ہو گیا، اور اس معاملہ میں اس کے دل پر کوئی حرکت نہیں ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ نیکی کے مٹنے پر اطمینان اور برائی کے جاری رہنے پر اطمینان یہ ایسے قلب کی خاصیت نہں ہے جس قلب کے اندر ایمان کا ذرہ بھی ہو تو نیکی کے مٹنے پر دکھ ہوتا ہے، اور برائی کے عام ہونے پر دکھ ہوتا ہے۔

اور اس کے مٹانے کا جذبہ ہوگا نیکی کے جاری کرنے کا جذبہ ہوگا تب جا کے کہا جا سکتا ہے کہ اس کے دل میں ایمان ہے، اس کے دل میں ایمان کی قدر ہے، یہ معروف اور منکر میں فرق جانتا ہے ورنہ معروف اور منکر کا فرق مٹ جائے گا، اور انسان اس حالت پر مطمئن ہو جائے گا تو یہ قلب کے مردہ ہونے کی دلیل ہے تو امر بالید تو کرے گا وہ شخص جس کو قوت

اور اقتدار حاصل ہے جس کے ہاتھ اٹھانے پر دوسرا شخص آگے سے ہاتھ نہ اٹھا سکے، اس لئے پہلا فرض تو یہ حکومت کا ہے، چونکہ حکومت کو قوت اور طاقت ہوتی ہے وہ نیکی کو جاری کر سکتی ہے برائی کو مٹا سکتی ہے، اور اس کے مقابلہ میں کوئی ہاتھ نہیں اٹھا سکتا اور نجی درجہ میں جس شخص کو جتنی قوت حاصل ہے اتنا یہ ہاتھ اٹھا سکتا ہے، والدین کو اپنی اولاد پر، استاد کو اپنے شاگرد پر، شیخ کو اپنے مرید پر، بڑے بھائی کو چھوٹے بہن بھائیوں پر۔

اور اسی طرح جس کسی کو بھی جزوی اختیار و اختیار حاصل ہے تو وہ اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کی تغییر کرے اس کو ہاتھ اٹھانا چاہیئے، اور اگر یہ ہاتھ کے ساتھ تغییر نہیں کرے گا تو اپنے فرض میں کوتاہی کرتا ہے، اور زبان کے ساتھ انکار کرنا یہ زیادہ تر سمجھدار اور اہل علم کا کام ہوتا ہے جو یہ درجات سمجھتے ہیں کہ یہ فرض ہے، یہ حرام ہے، یہ واجب ہے، یہ مکروہ ہے، یہ مستحب ہے، یہ مکروہ تنزیہی ہے، یہ خلاف اولیٰ ہے، یہ اولیٰ ہے، کیونکہ ہر چیز کے اوپر انکار اس کے درجہ کے مطابق کرنا ہوتا ہے، ایسا نہ ہو کہ ایک چیز مستحب ہے اور ہم اس کے اوپر اس طرح زور ڈال دیں جس طرح فرض پر ڈالا جاتا ہے، اور ایک چیز مکروہ ہے ہم اس کے اوپر اس طرح تشدد واختیار کر لیں جیسے حرام کے بارے میں کیا جاتا ہے، اس کے نتائج پھر بسا اوقات غلط نکلتے ہیں، فرض کے بارے میں تنبیہ سخت ہے، اس طرح حرام کے ارتکاب کے بارے میں بھی تنبیہ سخت ہے، اسی طرح حرام کے ارتکاب کے بارے میں بھی تنبیہ سخت ہے۔

مکروہ اور مسنون کے بارے میں بھی درجات ہیں، اور اگر اولیٰ اور غیر اولیٰ کا فرق ہے تو بہت ہی نرم انداز اختیار کیا جائے، اور اگر دوسرا اس کے اور پر عمل نہیں کرتا تو اس کے اوپر شدت اختیار کرنے ضرورت نہیں ہے، یہ درجات معلوم ہونے چاہئیں، صحیح طور پر اور پھر سمجھانے کا سلیقہ بھی ہونا چاہیئے کہ ایک معزز آدمی ہے اس کو اگر نرم لب ولہجہ کے ساتھ کہیں گے تو متاثر ہوگا اور اگر اس کے ساتھ ہم ذرا اکڑ کے بولے تو یہ بھی آگے سے اکڑ جائے گا اور الٹا یہ اور ہمارے تشدد کے نتیجہ میں دوسری طرف کو نکل جائے گا، اور ایک آدمی ہے جس کے متعلق انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اوپر نرمی کارگر نہیں ہوگی اس کے ساتھ سخت لب ولہجہ اختیار کرنا پڑے گا، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں چونکہ اتنی چیزوں کی رعایت ضروری ہے اس لئے یہ ہر شخص کے بس کا کام نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے کہا ہے کہ اس بارے میں چند مخصوص افراد تمہارے اندر موجود رہنے چاہئیں، فرض ساری امت پر ہے اس میں کوئی شک نہیں، اس لئے اگر کوئی جماعت بھی موجود نہیں ہوگی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والی تو یوں سمجھو کہ ساری امت گناہ گار ہے، لیکن اگر امت میں سے کچھ افراد اس قسم کے کھڑے ہو جائیں جو کہ اس فریضہ کو ادا کریں تو یہ بوجھ ساری امت سے ٹل جائے گا، اس سے بھی یہ معلوم ہو گیا کہ اس قسم کی حکومت کا قائم کرنا بھی اس امت کے

ذمہ فرض ہے جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرے کیوں؟ اس لئے کہ معروف کے جاری کرنے کے لئے اور منکر کے مٹانے کے لئے صرف وعظ اور نصیحت کسی دور میں بھی کافی نہیں ہوتا، اگر دلیل کے ساتھ کسی کو منوایا جاسکتا یا دلیل کی قوت کے ساتھ چاہے وہ کتنی ہی جگر سوزی کے ساتھ کیوں نہ ہو، کتنی ہی خلوص کے ساتھ کیوں نہ ہو، کتنی ہی محبت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو اگر دلیل کے ساتھ ہر کسی کو روکا جاسکتا تو کم از کم انبیاء علیہم السلام کی موجودگی میں کفر باقی نہ رہتا۔

انبیاء سے زیادہ مضبوط دلیل اپنے مدعا پر کوئی نہیں دے سکتا انبیاء سے زیادہ خیر خواہ اور ہمدرد کوئی نہیں ہوسکتا، انبیاء سے زیادہ موقع شناس کوئی نہیں ہوسکتا، انبیاء علیہم السلام اپنے مخالفین کے لئے جتنی رقت اور دل سوزی کرتے تھے اتنی کوئی نہیں کر سکتا اس لئے یہ کہہ دینا کہ رقت اور دل سوزی کے ساتھ، محبت اور پیار کے ساتھ، دلائل کی قوت کے ساتھ سمجھانا کافی ہے اگر یہ کافی ہوتا تو کم از کم انبیاء کے زمانہ میں کفران کے سامنے نہ ٹھہرتا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ انبیائی نے بہترین سے بہترین دلائل دیے، بہت اصرار کے ساتھ، تکرار کے ساتھ، خلوت میں، جلوت میں، جماعتی صورت میں اجتماعی صورت میں انفرادی صورت میں اپنے مخالفین کو ہر طرح سمجھایا لیکن مخالفین نہیں سمجھے اور اس کے بعد پھر آیا کرتی ہے قوت جس وقت ڈنڈا ہاتھ میں آتا ہے تو رکاوٹیں دور ہوتی ہیں اور کفر آگے سے بھاگتا ہے تو دلیل کی قوت بھی ہو، وعظ و نصیحت بھی ہو۔

اور جو متاثر ہونے والے نہیں معاند اور ضدی ہوتے ہیں ان کے جوڑ بھی کوٹے جائیں، اور کھوپڑیاں بھی توڑی جائیں تب جا کے خیر اچھی طرح پھیلا کرتی ہے، اس لئے اس امت کو جو خیر کے پھیلانے کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اگر اس کے ہاتھ میں قرآن دیا گیا ہے دلائل کی صورت میں تو ایک ہاتھ میں اس کو تلوار پکڑنے کا حکم بھی ہے، اگر کوئی دلیل کے ساتھ سمجھ جائے تو بڑی اچھی بات ہے اس کی نیک بختی لیکن اگر کوئی سمجھتا بھی نہیں، اور دوسروں کو سمجھنے دیتا بھی نہیں، اور درمیان میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے تو پھر اس کے ساتھ جہاد بالسیف ہے پھر ڈنڈا اٹھاؤ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اور ڈنڈا اٹھانے کے لئے آپ جانتے ہیں کہ پھر اقتدار اور قوت چاہیئے اس لئے حکومت کی سطح کے اوپر بھی اس قسم کا انتظام ہونا ضروری ہے تب جا کے کفر کا زور توڑا جاسکتا ہے اور کفر کو مٹایا جاسکتا ہے۔

نجی محفلوں اور مجلسوں میں بھی اسی طرح جہاں کسی کو تھوڑا بہت اقتدار حاصل ہو ہر دفعہ زبان سے سمجھانا بسا اوقات کافی نہیں ہوتا، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر دار العلوم دیو بند حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور دار العلوم دیو بند کے پہلے صدر وہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے چار تو کتابیں اتاری ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا "وانزلنا الحدید فیه باس شدید" ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس میں بہت سخت دبدبہ ہے وہ فرماتے تھے کہ اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو کتابوں کی دلیل سے نہ سمجھے تو اس کو نعل دار جوتے سے سمجھا، یعنی وہ جوتا جس کے نیچے لوہے

کی میخیں لگی ہوئی ہوتی ہیں کہتے ہیں کہ یہ بھی بسا اوقات روشن دماغ ثابت ہوتا ہے کہ اگر دلیل کے ساتھ کسی کے دماغ کی ظلمت دور نہ ہو تو اس کا نعل دار جوتے سے دماغ روشن ہو جاتا ہے۔

یہ چیز بھی چلتی رہتی ہے تو تغییر بالید کا بھی جس وقت حکم ہے اور جہاد بالید کا بھی حکم ہے تو یہ لازم ہوگا کہ امت اس بات کی مکلّف ہے کہ اپنے لئے اتنی قوت اور طاقت مہیا کر کے رکھے کہ اگر سامنے سے کفر اپنی ضد نہیں چھوڑتا تو پھر اس کا سر بھی کوٹا جا سکے، حکومت کی سطح پر اس بات کو کرنا بھی ضروری، اور اگر حکومت کی سطح اس بات سے خالی ہو جائے کہ وہ خیر کو پھیلاتی نہیں اور شر کو مٹاتی نہیں نہی عن المنکر نہیں کرتی امر بالمعروف نہیں کرتی تو نجی طور پر پھر مسلمان مکلّف ہیں کہ اپنے طور پر جماعتیں بنائیں اور اپنی وسعت کے مطابق خیر کو پھیلانے کی کوشش کریں، لیکن اس کے لئے سب سے بڑی ضرورت ہے علم اور حکمت کی تاکہ ہر بات کا درجہ بھی معلوم ہو اور موقع محل بھی سمجھ سکے تو ایسے افراد موجود ہونے چاہئیں۔

چونکہ بہت بڑی ذمہ داری کی بات ہے اس لئے ہر شخص اس ذمہ داری کا متحمل نہیں اسی تفصیل کے تحت اس ذمہ داری کو ادا کریں گے، حکام کریں گے، علماء کریں گے، اور دوسرے لوگ اپنے دل کے اندر اس طرح کے جذبات رکھیں کہ کسی عالم کے پیچھے لگ کے کسی حاکم کے حکم کے تحت برائی کو مٹائیں ہر شخص کو اس بات کی اجازت نہیں کہ جہاں کوئی برائی دیکھے جا کے ہاتھ ڈال لے اس سے لوگ پھر خانہ جنگی کے اندر مبتلا ہو جائیں گے اور خیر پھیلانے کی بجائے شر پھیل جائے گا، مثلاً بازار میں کچھ لوگ سینما کا اعلان کرتے پھرتے ہیں کس طرح شر ہمارے سامنے ناچتا ہے، اور کتنا دندناتا ہوا آتا ہے، کیسی فحش فحش اس کے اوپر تصویریں بنی ہوئی ہوتی ہیں لیکن اس کے اوپر چونکہ حکومت کی سرپرستی حاصل ہے اور حکومت کے آدمی شہر کے اندر موجود ہیں، اگر کوئی شخص ان کے اوپر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کرے گا تو یہ اس کا منصب نہیں ہے حکومت کو کہا جا سکتا ہے حکومت اس کو مٹائے گی، ہم اگر ہاتھ اٹھائیں گے تو مقابلہ میں دوسرے آدمی کھڑے ہو جائیں گے، بازار کے اندر ہی لڑائی شروع ہو جائے گی اور اس کے ساتھ خیر پھیلنے کی بجائے الٹا غلط اثرات پھیلتے ہیں۔

اس لئے عوام کا کام نہیں ہے کہ کسی برائی کو دیکھ کر اس پر ہاتھ اٹھائیں اور آپس میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کریں اس درجہ کے ساتھ یہ تبلیغ ضروری ہے اور مجموعی طور پر امت کے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اگر کوئی بھی نہیں کرے گا تو ساری امت گناہ گار، اور اگر ان کے اندر کچھ افراد بھی موجود ہوں گے تو فرض ساری امت سے ادا ہو جائے گا، پھر اس طبقہ کو خاص طور پر کہا گیا ہے "اولئك هم المفلحون" یہ طبقہ فلاح پانے والا ہے کامیاب ہے جس کو اللہ تعالیٰ خیر کے پھیلنے معروف کے جاری کرنے کا ذریعہ بنالیں وہ شخص مفلح ہے کامیاب ہے۔

"ولاتکونوا" یہ گویا کہ جو پیچھے بات کہی گئی تھی کہ حبل اللہ کو مضبوطی سے تھام لو، تقویٰ اختیار کرو اس کے لئے تحفظ کی

تدبیر بتائی ہے کہ ہر وقت جو اس قسم کے افراد موجود ہوں گے، تو نگرانی کریں گے کسی طرف سے تقویٰ میں بھی خلل واقع نہ ہونے دیں، اور لوگوں کو متفق بھی رکھیں اور دشمنوں کی سازشوں کے اوپر نظر بھی رکھیں اس سے امت کا شیرازہ مجتمع رہے گا، آگے پھر ممانعت آگئی جیسے پیچھے آیا تھا کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو فرقہ فرقہ ہوگئے اور اختلاف کیا انہوں نے واضح دلائل کے آجانے کے بعد، یہ لفظ بھی آپ کے لئے قابل غور ہے جس اختلاف کی یہاں ممانعت آرہی ہے وہ ہے "من بعد ماجاء تھم البینات" بینات کے آجانے کے بعد، واضح دلائل آجانے کے بعد، قطعیات مہیا ہوجانے کے بعد، آپس میں اختلاف کر کے ان لوگوں کی طرح نہ ہونا، جنہوں نے آپس میں فرقے بنالئے۔

مسئلہ اسی طرح ہے کہ اگر کسی چیز کے اوپر کوئی واضح دلیل مہیا ہو قرآن کریم میں قطعی دلیل آگئی، یا حدیث شریف کے اندر ایک بات بہت واضح طور پر کہہ دی گئی جس میں کوئی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے اس سے اختلاف کرنا حرام ہے اور اس سے اختلاف کرنے کی وجہ سے جو فرقہ بنے گا وہ فرقہ ضالہ ہے گمراہ ہے اور وہ ان کا مصداق ہے جن کا منہ آخرت میں کالا ہوگا اور جس مسئلہ پر بینات نہیں آئیں قرآن کریم میں کچھ الفاظ آئے ہیں لیکن ان کی مرادیں مختلف ہوسکتی ہیں، ان کی دلالت مختلف معنوں پر ہوسکتی ہے، جیسے اصول الشاشی کے پہلے سبق میں آپ پڑھتے ہیں "یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء" اب یہاں قرآن کریم میں قروء کا لفظ آگیا جو لغوی طور پر حیض پر بھی صادق آتا ہے اور طہر پر بھی صادق آتا ہے تو یہ مسئلہ بینات کے تحت نہیں ہے۔

اور عدت حیض ہے یا طہر اس میں دونوں احتمال ہیں کہ حیض مراد ہے یا طہر اس قسم کے الفاظ میں اختلاف کی گنجائش ہے، اور اس اختلاف کو ہم "من بعد ماجاء ھم البینات" نہیں کہیں گے، بلکہ قرآن کریم اور حدیث پاک کی مرادیں مختلف ہونے کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، قرآن کریم کے الفاظ کے جتنے مطلب نکل سکتے ہیں اتنے مطلب لے کر ہی امت اس پر عمل کر رہی ہے، حدیث شریف سے جتنے مسئلے ثابت ہوسکتے ہیں اتنے ہی مسئلے لے کر امت ان کے اوپر عمل کر رہی ہے، گویا کہ قرآن کریم کا کوئی احتمال ایسا نہیں جس کے اوپر عمل نہ ہو، اب اگر ہم کہیں کہ ساری امت اکٹھی ہوجائے کہ اس سے حیض ہی مراد ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد طہر ہو تو تم حیض پر عمل کرتے رہو اور ساری امت ہی طہر کو چھوڑ کر بیٹھ گئی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت وسعت پیدا کرنے کے لئے بعض مسائل کو ہماری رائے پر چھوڑ دیا تو جس طرح کسی کا ذوق کسی کا اجتہاد تقاضہ کرتا ہے اسی قسم کی تعبیر اختیار کر کے وہ عمل کرے گا تو کتاب اللہ پر ہی عمل ہے اس کو کتاب اللہ کے خلاف نہیں کہیں گے، اور نہ اس سے حبل اللہ چھوٹتی ہے۔

اس لئے ایسے اختلافات جو بینات کے بعد نہیں ہیں بلکہ مشتبہ روایات یا متعارض روایات یا ذو احتمالین آیات کی

موجودگی میں جواختلاف ہوتا ہے یہ منکر نہیں، اس لئے اس قسم کے اختلافات کے اوپر انکار کرنا ٹھیک نہیں ہے، یہ عین قرآن وحدیث کی منشاء کے مطابق ہیں اس کے اوپر جھگڑا کرنا اس کے اوپر انکار کرنا اس کو منکر میں داخل کرنا یہ جہالت ہے، اب احادیث کی طرف دیکھتے ہوئے صحابہ کرام کی دورائیں ہوگئیں کہ نماز پڑھتے وقت امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں، ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنی چاہیئے ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نہیں پڑھنی چاہیئے، اس لئے یہ مسئلہ بینات کے تحت نہیں ہے، جب یہ بینات کے تحت نہیں ہے تو ہم پڑھنے والوں کو برا نہیں کہہ سکتے، ابتداء امت سے ہی دونوں رائیں موجود ہیں، دونوں طبقے ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں، اس لئے نہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا منکر اور نہ نہ پڑھنا منکر، تو جب یہ منکر ہی نہیں تو اس کے اوپر انکار کرنا پڑھنے والوں کو برا بھلا کہنا، یا نہ پڑھنے والوں کو برا بھلا کہنا یہ عمل خود ضلالت ہے جس سے روکنے کی ضرورت ہے کہ ایسا نہ کرو دلائل کے تحت دونوں کے لئے گنجائش ہے، جس کے بڑوں کا یہ مسلک ہے کہ پڑھنا چاہیئے وہ اپنے بڑوں پر اعتماد کر کے پڑھتا رہے، اور جس کے بڑوں کا یہ مسلک ہے کہ نہ پڑھنا چاہیئے وہ ان پر اعتماد کرتا ہوا نہ پڑھے۔

کبھی کسی شافعی نے فتوی نہیں دیا کہ حنفی بے نماز ہیں اور کبھی کسی حنفی نے فتوی نہیں دیا کہ شافعی حرام کار ہیں، ایک دوسرے سے بیعت کا تعلق ایک دوسرے سے شاگردی کا تعلق شروع سے ہوتا چلا آیا ہے اس لئے میں نے یہ چیزیں آپ کی خدمت میں بارہا عرض کی ہے کہ جو مسئلہ صحابہ کرام میں مختلف فیہ ہو جائے، یا صحابہ کرام کے بعد ائمہ عظام میں مختلف فیہ ہو جائے تو سمجھ لیا کرو کہ بینات سے ثابت نہیں ہے، یعنی ان کا آپس میں اختلاف ہو جانا یہ علامت ہے کہ یہ مسئلہ بینات کے تحت نہیں آتا جب یہ بینات کے تحت نہیں تو دونوں قولوں کی گنجائش ہے اور ان میں سے کسی کے اوپر انکار کرنا ٹھیک نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ انسان اپنا رجحان بیان کر سکتا ہے کہ میرا رجحان ادھر ہے باقی جس کا رجحان دوسری طرف ہے اس کے ساتھ لڑنے جھگڑنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی لوگوں کے ذوق کی وجہ سے اس طرح کے مسئلوں میں فرق پڑتا تھا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب غزوہ احزاب سے حضور ﷺ فارغ ہوئے اور جبرئیل نے آ کر اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ بنوقریظہ پر حملہ کر دو تو حضور ﷺ بنوقریظہ کی طرف چلے اور اعلان کر دیا کہ عصر کی نماز بنوقریظہ کے پاس جا کر پڑھنی ہے، اب جیسے جیسے صحابہ کو اطلاع ملتی گئی ویسے ویسے چلتے گئے، ایک طائفہ ایسا چل رہا تھا کہ جن کو نماز کا وقت راستہ میں آ گیا اور یہ خیال تھا کہ اگر ہم یہاں نماز نہیں پڑھیں گے تو ادھر جا کر پڑھیں گے تو دیر ہو جائے گی، نماز مکروہ وقت میں چلی جائے گی یا قضاء ہو جائے گی، ایسا حال پیدا ہو گیا اب اس گروہ میں دو رائیں پیدا ہو گئیں، بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا مقصد تھا کہ جلدی آنا اور وقت پہ پہنچ جانا

تا کہ عصر کی نماز وہاں پڑھو، یہ مقصد نہیں تھا کہ اگر راستہ میں وقت ہو گیا تو نماز نہ پڑھنا اس لئے ہم تو نماز پڑھتے ہیں۔

دوسرے کہنے لگے نہیں جب حضور ﷺ نے فرمایا عصر کی نماز وہاں جا کے پڑھنی ہے چاہے وقت رہے چاہے نہ رہے ہم وہاں جا کر پڑھیں گے، اور جس وقت حضور ﷺ کے پاس پہنچے دونوں کا حال معلوم ہوا تو حضور ﷺ نے دونوں میں سے کسی پر سختی نہیں کی، دونوں کو برداشت کر لیا جس طرح خلوص کے ساتھ انہوں نے حضور ﷺ کے قول کا مطلب سمجھا انہوں نے اسی پر عمل کیا، اور حضور ﷺ نے دونوں کو برداشت کر لیا، جس سے معلوم ہو گیا کہ اگر الفاظ اس قسم کے ہوں جس سے دو مطلب نکل سکتے ہیں تو خلوص کے ساتھ اپنی پوری اجتہادی قوت کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوا انسان اس میں سے جس کو بھی اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کے ہاں ماجور ہو گا، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مجتہد اجتہاد کرتا ہے کبھی درستگی کو بھی پہنچتا ہے اور کبھی خطا بھی کر جاتا ہے، درستگی کو پہنچ جائے گا اللہ کے ہاں دوہرا ثواب ملے گا اور اگر خطا بھی کھا جائے تو بھی اللہ اسے ثواب دے گا اور اس قسم کے مسائل کی حقیقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ اس میں حق کیا ہے اور خطا کا احتمال کدھر ہے قرائن دونوں طرف موجود ہیں، اس قسم کے اختلاف کے اوپر کسی پر انکار نہیں کیا جاتا، چاہے وہ فقہ کے مسائل ہوں چاہے ان کا تعلق نظریات کے ساتھ ہو، ورنہ آپ کو کہنا پڑے گا کہ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا منہ قیامت کے دن کالا ہو گا۔

اور آپ جانتے ہیں کہ ان بزرگوں میں سے کسی کے متعلق ہم اس قسم کا لفظ استعمال نہیں کر سکتے یہ سارے روشن چہرے والے ہیں، چاہے کوئی رفع یدین کرتا ہے چاہے نہیں کرتا، چاہے کوئی امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے چاہے نہیں پڑھتا، ان میں سے کسی کے اوپر انکار کرنا، کسی سے نفرت کرنا اور کسی کو روک ٹوک کرنا یہ قطعاً حکمت دینی کے خلاف ہے، اور آج طریقہ یہی ہے کہ جو متفق علیہ فرض ہیں مثال کے طور پر نماز اس کے چھوڑنے والے سے اتنی نفرت نہیں ہے اور اس کے چھوڑنے والے کے خلاف اشتعال انگیزی نہیں ہے، اور متفق علیہ حرام جیسے شراب اور زنا ہے اس کے ارتکاب کرنے والے سے اتنی نفرت نہیں ہے نہ ان کے اوپر انکار ہے، اور جھگڑا ہوتا ہے تو اسی پر کہ رفع یدین کرنا ہے یا نہیں کرنا، فاتحہ پڑھنی ہے یا نہیں پڑھنی، آمین اونچی کہنی ہے یا نہیں کہنی، جو مسئلے انکار کے تھے ہی نہیں ان کو ہم نے جھگڑے فساد کا ذریعہ بنا لیا، اور جو بینات کے تحت آئے ہوئے مسائل ہیں ان سے ہم درگزر کر گئے۔

کس طرح ہم نے راہ راست کو چھوڑ دیا، حالانکہ لڑائی جھگڑے کی بات تو یہ تھی کہ جو متفق علیہ فاسق و فاجر ہے اس کے خلاف جہاد ہوتا، نماز چھوڑنے والوں کو کہا جاتا کہ نماز پڑھو، وہ اگر کہے کہ میں کیسے پڑھوں رفع یدین کروں یا نہ کروں تو اس کو کہو چاہے کر چاہے نہ کر نماز پڑھ، وہ کہے کہ میں نماز کیسے پڑھوں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھوں یا نہ پڑھوں، کہو تیری مرضی پڑھ نہ پڑھ نماز پڑھ، یعنی اس قسم کے اختلافات کو اگر کوئی بہانہ بناتا ہے تو جواب یہ دینا چاہیئے کہ جیسے تیرا جی چاہے کر لیکن نماز پڑھ، یہ

اختلافات نماز چھوڑنے کا بہانہ نہیں ہیں۔

اور اسی طرح محرمات ہیں ادھر تو ہماری توجہ ہی نہیں رہی ہماری لڑائی اگر رہ گئی تو ایسی کہ جس میں تعبیرات کے اختلاف کی گنجائش ہے یہی امت کے اندر افتراق اور فرقہ بازی ہوگئی اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے، حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر ہے وحدت امت کے عنوان سے اس میں تھا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ حضرت بہت غمزدہ اور افسردہ بیٹھے ہیں، میں نے پوچھ لیا کہ حضرت کیا بات ہے آج اتنے پریشان کیوں ہیں، تو حضرت سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ میں اس غم میں بیٹھا ہوں کہ ہم نے اپنی ساری کی ساری زندگی ساری کی ساری محنت ان اختلافی مسائل کو بیان کرتے ہوئے گنوادی کہ جن کے متعلق نہ برزخ میں سوال ہونا ہے اور نہ میدان قیامت میں پوچھا جانا ہے، یہ سوال ہی نہیں ہوگا برزخ کے اندر کہ تم رفع یدین کرتے تھے یا نہیں کرتے تھے، قیامت کے دن یہ سوال ہی نہیں اٹھے گا کہ تم امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتے تھے یا نہیں پڑھتے تھے، اس قسم کے اختلافی مسائل کے اوپر ہم نے اپنی ساری صلاحیتیں اور سارا وقت صرف کردیا۔

اور جو مسائل توجہ کے قابل تھے ادھر ہماری توجہ ہی نہیں گئی، یعنی حضرت زیادہ تر متاثر تھے مرزائیوں کے فتنہ سے اور آخر عمر میں پھر ان کا سارا کا سارا رجحان مرزائیوں کے خلاف ہوگیا تھا کہ یہ چیزیں ہیں جن کے اوپر ہمیں کوشش کرنی چاہیئے، اپنی صلاحیتیں صرف کرنی چاہئیں، اور ہمارا سارا وقت انہی فقہی مسائل کے اوپر گزر گیا جس کے متعلق نہ برزخ میں سوال ہے نہ حشر میں سوال ہے، اور یہ چیز زیر بحث آئے گی ہی نہیں کہ کون حق پر تھا کون باطل پر تھا تو ان مسائل کا تو درجہ یہ ہے جن کے اوپر ہم نے الجھنا شروع کردیا، اسی طرح دوسرے چھوٹے چھوٹے مسائل ہیں کہ جن کی کوئی حیثیت نہیں ان کے متعلق قرآن کریم میں کوئی واضح ہدایت موجود نہیں ہے، اور جو قطعی مسائل ہیں ہم نے ان سے صرف نظر کرلیا ہے، اور یہ بھی زوال کی علامت ہے کہ غلط راستہ پر چل کے اپنی صلاحیتیں برباد کررہے ہیں، اور جو چیزیں آپس میں لڑنے کی نہیں تھیں ان کو فرقہ بازی کا ذریعہ بنالیا ہے۔

اب جنازہ کے بعد دعا پڑھنی ہے یا نہیں یہ کونسی بینات کے تحت آئی ہوئی بات ہے، کھانا سامنے رکھ کر قرآن کریم پڑھ لیا تو اس میں کیا بات ہے نہ پڑھا تو اس میں کیا بات ہے، یہ قرآن کریم کی کونسی آیت کا ترجمہ ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر قرآن نہ پڑھا کرو، ہاں ایک چیز ہے اگر کسی نے اس نظریہ کے تحت پڑھ لیا تو ہم کہیں گے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس طرح نہیں کرنا چاہیئے، یہ اس درجہ کی بات ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ سنت سے ثابت نہیں یہ سنت کے خلاف ہے، باقی اگر کوئی کرتا ہے تو اس کا وہ درجہ تو نہیں جو نماز چھوڑنے والے کا ہے، اس کا وہ درجہ تو نہیں جو زانی کا ہے، زانی سے تو آپ بغل

گیر ہو سکتے ہیں، اور اگر جنازہ کے بعد کوئی دعا پڑھ لے تو آپ کہتے ہیں کہ یہ سلام کے قابل ہی نہیں رہا، یہ بے اعتدالی ہے جنازہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حدیث شریف سے ثابت نہیں، اور اس کو ضروری قرار دینا یہ نظریہ بدعت ہے، لیکن اس کا وہ درجہ نہیں جو زنا اور شراب کا ہے۔

لیکن تمہارے ذہنوں کے اندر یہ چیز ہے کہ شرابی آجائے تو تم اس سے نفرت نہیں کرتے، زانی آجائے تو تم اس سے نفرت نہیں کرتے، تارک صلوۃ آجائے تو تم اس سے نفرت نہیں کرتے، اگر کسی کے متعلق پتہ چل گیا کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے تو بدعتی بدعتی کا شور مچاتے ہوئے ہو کہ نہ اس کا اکرام جائز ہے نہ سلام جائز ہے۔

ہر مسئلہ میں فرق اس طرح کرنا ہے کہ اگر تو بینات کے تحت ہے تو اس سے اختلاف کرو، اور اگر بینات کے تحت نہیں تو اپنے ذوق کا اختلاف ہے کسی نے کیسے کر لیا کسی نے کیسے کر لیا، تو درجات پہنچانو کوئی مستحب کے خلاف کرتا ہے کوئی سنت کے خلاف کرتا ہے، کوئی واجب کا تارک ہے کوئی فرض کا تارک ہے، اور ایک مکروہ کا ارتکاب کرتا ہے ایک حرام کا ارتکاب کرتا ہے، تو یہ درجات ہیں اور آج ہم فروعی مسائل میں الجھ گئے اور جو قطعی چیزیں ہیں ان کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے ہیں، تو جو مسئلہ بینات کے تحت ہوگا اس میں تشدد کریں گے اور جو بینات کے تحت نہیں ہوگا اس میں تشدد نہیں کریں گے، اس لئے اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ اختلاف وہ ممنوع ہے جو بینات کے آنے کے بعد ہے اور جو بینات کے بعد نہ ہو بلکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے تو اس پر نہ یہ فرقہ بازی صادق آتی ہے جس کی یہاں ممانعت آرہی ہے، اور نہ اس کے اوپر وہ تشدد اختیار کیا جا سکتا ہے جو بینات کے مسائل میں ہوا کرتا ہے۔

"اولئك لهم عذاب عظيم "ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے "يوم تبيض وجوه وتسود وجوه "جس دن بعض چہرے روشن ہوں گے نورانی ہوں گے بعض سیاہ ہوں گے، جن کے چہرے اس دن سیاہ ہوں گے انہیں کہا جائے گا کہ کیا تم نے ایمان کے بعد کفر کیا اب یہاں بھی ایمان کے بعد کفر کا لفظ ہے مرتد پر تو یہ بات صراحتاً ثابت آتی ہے کہ پہلے وہ ایمان لایا پھر اس نے کفر اختیار کر لیا، منافق پر یہ بات صادق آتی ہے کہ زبان سے ایمان لایا اور دل سے کفر اختیار کر لیا، مبتدع پر یہ بات صادق آتی ہے کہ رسول پر ایمان لا کے اتباع سنت کا دعویٰ کر کے اس نے عملاً کفر اختیار کر لیا، اصلی کافر پر بھی یہ بات صادق آتی ہے کہ عالم ارواح میں بلیٰ کہہ کے ایمان لایا اور دنیا میں آ کے کفر کر لیا، اہل کتاب پر یہ بات صادق آتی ہے کہ پہلے نبی پر ایمان لائے، بعد میں دوسرے نبی کا انکار کر کے کفر اختیار کر لیا، تو "كفرتم بعد ايمانكم "میں سارے آسکتے ہیں۔

پھر اللہ کی حکمت کے تحت دیکھو کہ اللہ کہتا ہے کہ تم عذاب چکھو اپنے کفر کے سبب سے، یہاں " خالدين فيها " اور اس قسم کی بات کا ذکر نہیں چونکہ بعض لوگوں کا عمل کفر بھی ہوگا تو بعد میں وہ اس سزا سے چھوٹ بھی جائیں گے، جس طرح

ایک شخص مبتدع ہے سنت کے خلاف عمل کرتا ہے وہ دائمی جہنمی نہیں ایک دن سزا پا کے چھوٹ جائے گا، کفر عملی بھی ہوتا ہے اور عقیدہ کا بھی ہوتا ہے، سب طبقوں کے اوپر درجہ بدرجہ یہ بات ثابت آئے گی۔

اور جن کے چہرے روشن ہو گئے نورانی ہو گئے، جس کا مطلب ہے کہ ان کے دل میں ایمان ہے اتباع سنت کا نور ہے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور ہمیشہ رہیں گے، یہ نہیں ہوسکتا ہے پہلے ان کو اللہ کی رحمت میں لے جانے کے بعد پھر کسی وجہ سے نکال دیا جائے یہ باتیں جو ہم نے تیرے اوپر پڑھی ہیں سب واقعہ کے مطابق ہیں، سچی ہیں اور اللہ تعالیٰ جہانوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں کرتا کہ ان کی حق تلفی کرے، اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اسی کی طرف ہی سب امور لوٹائے جائیں گے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ
اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ
عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ
يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا

مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۱۱۵ اِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ
شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۱۱۶ مَثَلُ مَا
يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ
حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ
وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۱۱۷ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا
بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ
بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ
قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۸ هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ
وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا
اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ
مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۱۱۹ اِنْ
تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ز وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ
وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝۱۲۰ ع

ترجمہ:

تم بہترین امت ہو ظاہر کیے گئے ہو لوگوں کے نفع کے لئے حکم دیتے ہو تم معروف کا اور روکتے ہو منکر سے اور ایمان لاتے ہو تم اللہ کے ساتھ، اور اگر کتاب والے ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا ان میں سے بعض ایمان لانے والے ہیں اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں، ہرگز یہ لوگ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر کچھ تکلیف پہنچانا اور اگر یہ تمہارے ساتھ لڑیں تو تمہاری طرف پیٹھیں پھیریں گے پھر یہ مدد نہیں کئے جائیں گے، لازم کردی گئی ان کے اوپر ذلت جہاں بھی یہ پائے جائیں مگر اللہ کی طرف سے معاہدہ کے سبب سے اور لوگوں کی طرف سے معاہدہ کے سبب سے اور یہ لوٹے اللہ کے غضب کے ساتھ اور لازم کردی گئی ان کے اوپر مسکنت یہ اس سبب سے سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے نکلتے تھے، سب اہل کتاب برابر نہیں اہل کتاب میں سے ایک جماعت سیدھے راستہ پر قائم ہونے والی ہے، پڑھتے ہیں وہ لوگ اللہ کی آیات کو رات کے حصوں میں اس حال میں کہ وہ سجدہ کرتے ہیں ایمان لاتاے ہیں اللہ کے ساتھ اور یوم آخرت کے ساتھ اور حکم دیتے ہیں نیکی کا اور روکتے ہیں برائی سے اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے جلدی کرنے والے ہیں، یہی لوگ ہیں صالحین میں سے جو اچھا کام یہ کریں گے اس کی ناقدری نہیں کئے جائیں گے اللہ تعالیٰ متقین کو جاننے والا ہے بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہیں آئیں گے ان کے اموال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اور یہ لوگ جہنم والے ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، مثال اس چیز کی جس کو یہ خرچ کرتے ہیں دنیوی زندگی میں ایسے ہے جیسا کہ ہوا ہو اس میں ہے پہنچ گئی دہرا ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے ظلم کیا اپنے نفسوں پر پھر اس ہوا نے اس کھیتی کو ہلاک کردیا، اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن یہ لوگ اپنے نفسوں پر ہی ظلم کرتے ہیں، اے ایمان والو! تم مؤمنین کو چھوڑ کر کسی کو مخلص دوست نہ بنایا کرو یہ کوتاہی نہیں کرتے تمہیں خرابی پہنچانے میں تمہارا مشقت میں واقع ہونا یہ چاہتے ہیں تحقیق ظاہر ہو گیا بغض ان کے مونہوں سے اور جس چیز کو ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ بہت بڑی ہے، ہم نے تمہارے لئے آیات واضح کردیں گے اگر تم عقل رکھتے ہو خبردار تم ہی یہ لوگ ہو تم تو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے، اور تم ساری کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور جس وقت وہ تمہیں ملتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے اور جس وقت خلوت میں چلے جاتے ہیں تو کاٹتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ کی وجہ سے، آپ کہہ دیجئے مر جاؤ اپنے غصہ کی وجہ سے بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے ان امور کو جو تمہارے دلوں میں ہیں، اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پہنچتی ہے تو ان کو وہ غم میں ڈال دیتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے وہ خوش ہو جاتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کا مکروفریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا بے

شک اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کا احاطہ کرنے والا ہے۔

تشریح:

پچھلے رکوع میں یہ لفظ آئے تھے کہ تم میں ایسی جماعت ضرور موجود رہنی چاہیئے جو دعوت الی الخیر کا کام کرتی رہے اور امر بالمعروف کرے، نہی عن المنکر کرے اس رکوع کی پہلی آیت اسی مضمون کا تتمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں خیر امت بنایا ہے اور تمہاری خیریت اسی وجہ سے ہی ہے کہ تمہارے ذمہ یہ فرض لگایا گیا ہے کہ تم نیکی پھیلاؤ برائی کو مٹاؤ اور اللہ پر کامل درجہ کا ایمان رکھو، پہلی امتیں جو گزری ہیں ان کے مقابلہ میں جو اس امت کو خیر امت کہا گای اور ان کی خیریت کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ لوگوں کی ہدایت، لوگوں کی اصلاح تمہارے ذمہ ہے اور تم نے اس بات کی نگہداشت کرنی ہے اور اس فرض کی ادائیگی اس صورت میں ہوگی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو خاص طور پر اپناؤ اور اللہ پر کامل ایمان رکھو۔

باقی امتوں کے مقابلہ میں یہ چیز امتیاز اس وجہ سے رکھتی ہے کہ سرور کائنات ﷺ سے پہلے انبیاء کا سلسلہ جاری تھا، ایک نبی دنیا سے تشریف لے جاتے تو فوراً دوسرے نبی آجاتے اور ایک ایک وقت کئی کئی نبی آئے اس وقت تبلیغ کا زیادہ تر فریضہ انبیاء علیہم السلام کے ہی سپرد تھا، اور وہی وعظ کرتے تھے نصیحت کرتے تھے لوگوں کے مفاد کی نگرانی کرتے تھے اور امتوں کے اوپر اتنا بوجھ نہیں ڈالا گیا تھا کہ ان کو دوسرے لوگوں کے لئے مبلغ قرار دیا جائے اور اس دین کی اشاعت ان کے ذمہ لگائی جائے، براہ راست امتوں کے اوپر یہ بوجھ نہیں ڈالا گیا، سرور کائنات ﷺ جس وقت تشریف لے آئے تو آپ کے بعد چونکہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والی مخلوق کی ہدایت چونکہ اپنے ذمہ لی ہے کہ ان کی راہنمائی کرنی ہے تو سرور کائنات ﷺ کے بعد مجموعی طور پر یہ ذمہ داری امت کے کندھوں پر ڈال دی گئی، اس لئے مجموعی طور پر یہ امت اس فرض کی حامل ہے جو گذشتہ امتوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر عائد کیا تھا اس لئے دین کی اشاعت کے یہ ایسے ذمہ دار ہیں جس طرح پہلے زمانہ میں انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے ذریعہ بنایا تھا۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ” کانت بنواسرائیل تسوسھم الانبیاء “ بنی اسرائیل کی سیاست تو انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ میں تھی ان کی سیاست انبیاء علیہم السلام کیا کرتے تھے اور میرے بعد انبیاء تو ہوں گے نہیں، خلفاء ہوں گے اور وہ بہت زیادہ ہوں گے تو جو کام بنی اسرائیل کے انبیاء کے ذمہ لگایا گیا تھا وہ میرے خلفاء کے ذمہ ہوگا خلفاء کا مصداق اول درجہ میں تو وہی لوگ ہیں جو اقتدار حاصل کریں گے، ان کو دینی و دنیوی دونوں طور پر سرور کائنات ﷺ کی نیابت حاصل ہوگی، جیسا کہ خلفاء راشدین کے دور میں تھا ان کی دینی حیثیت بھی تھی اور دنیوی حیثیت بھی تھی اور اگر اس قسم کا طبقہ موجود نہ رہے تو علماء، مشائخ

قاری یہ سارے کے سارے حضور ﷺ کی خلافت میں ہی یہ سارے کام سرانجام دے رہے ہیں، تو انبیاء علیہم السلام والا کام جو تھا وہ اس امت پر ڈال دیا گیا، جس کی بناء پر اس امت کو باقی امتوں کے مقابلہ میں خیر امۃ قرار دیا گیا۔

لوگوں کے نفع کے لئے ظاہر کی گئی ہے کہ جیسے انبیاء علیہم السلام کا وجود رحمت ہوتا ہے کہ لوگوں کو برائی سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں، اچھے کاموں کی تلقین کرتے ہیں، اب یہ ڈیوٹی تمہاری ہے تم نے اس دین کی اشاعت کرنی ہے اور اس دنیا کے اندر معروف کو پھیلانا ہے اور اس دنیا سے منکر کو مٹانا ہے اور تم اللہ پر ایمان لاتے ہو یعنی ظاہری طور پر یہ صیغہ اگرچہ بطور خبر کے آئے ہیں کہ تم ایسے ہو اور اصل مقصد انشاء ہے کہ تم نے ایسا کرنا ہے اپنے ایمان کو بھی کامل رکھنا ہے اور اپنے کو کامل رکھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عقیدہ بھی صحیح ہو اور ان عقائد کے مطابق عمل بھی ہو تب جا کے کہتے ہیں کہ ایمان کامل ہے اور اگر عمل کے اندر نقص آجائے تو عمل میں نقص آنے کے ساتھ ایمان میں نقص آتا ہے اور ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔

تو جس وقت ان ہدایات پر جو اللہ تعالیٰ نے دی ہیں جن کا پھیلانا تمہارے ذمہ لگایا ہے، ان ہدایات پر اگر عمل نہیں ہوگا تو تمہارا اپنا ایمان کامل نہیں ہوگا تو پھر یہ کھوکھلے سینوں سے چاہے کتنی زوردار وعظیں کیوں نہ ہوں اور کتنی اونچی آوازیں کیوں نہ نکلیں تو ان کھوکھلے سینوں سے نکلی ہوئی چیخیں اثر نہیں دکھا سکتیں، ان چیزوں کے اندر اثر تبھی پیدا ہوتا ہے جب انسان کے اپنے اندر بھی پوری قوت موجود ہو عقیدہ کی اور اس کے مطابق انسان کا عمل بھی ہو تب جا کے اس سے خیر پھیلا کرتی ہے، ورنہ پھر حال وہی ہوگا جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورت بقرۃ میں بنی اسرائیل کا ذکر کیا ہے۔

"اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم" کہ لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھولے بیٹھے ہو اور جو خود بھولا بیٹھا ہے وہ دوسرے کو کہے کہ یہ کام کر تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کہنے والے کے دل میں خود اس کام کی اہمیت نہیں ہے، جب خود کہنے والے کے دل میں اس کی اہمیت نہیں ہے تو دوسرا اس سے کیا متاثر ہوگا اس لئے کامل طور پر تم یہ فرض تب ہی ادا کر سکو گے جب تمہارا اپنا ایمان بھی کامل ہو اور اپنا ایمان کا کمال یہی ہے کہ جو کہو اپنے عمل کے ساتھ ثابت کرو کہ ہم ایسے ہی سمجھتے ہیں اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ نماز چھوڑنے کے ساتھ دوزخ جانا پڑے گا تو خود نماز نہ چھوڑو تب پتہ چلے گا کہ تمہیں اس دی ہوئی خبر پر یقین ہے اور تم واقعی سمجھتے ہو کہ جو نماز نہیں پڑھے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔

اگر زبان سے کہتے ہو کہ شراب نہ پیو کیونکہ اس کے اندر بہت ساری خرابیاں ہیں تو عملاً تم بھی شراب کو ترک کر دو تب پتہ چلے گا کہ تمہیں اپنی بات پر یقین ہے، اور اگر لوگوں کو کہو کہ شراب نہ پیو اور خود شراب پیتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر دار سخن سازی ہے، ورنہ تمہیں بھی اپنی بات کے اوپر خود یقین نہیں ہے اس سے سننے والے پر پھر اچھے اثرات نہیں پڑا کرتے، اس لئے ایمان کامل ضروری ہے جو بھی داعی الی الخیر ہو اس میں ایمان کامل ضروری ہے، اور ایمان کامل کے لئے

عقیدہ اور عمل دونوں ضروری ہیں، تو صورۃً یہاں خبر دی گئی اور معناً یہ انشاء ہے، ''کنتم خیر امۃ'' میں ماضی کی خبر دینا مقصود نہیں بلکہ اس میں دوام ہے جس طرح ''کان اللہ علیما حکیما'' میں آپ کہا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہیں، اس کے اندر ماضی میں ثابت کرنا مقصود نہیں ہوتا، بلکہ اس میں دوام ہے اور یہاں بھی دوام ہے کہ تم ایسے ہو اور فرض تمہارا یہ ہے۔

''ولو آمن اہل الکتاب لکان خیرا لھم'' اس میں یہ بات کہہ دی گئی کہ پہلے زمانہ میں اہل حق کی جماعت جو تھی وہ اہل کتاب کہتے تھے کہ ہم ہیں اور واقعہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے علمی منصب انہی کے پاس ہی تھا، لیکن جب انہوں نے جب انہوں نے منصب کو ضائع کر دیا اپنے کردار سے اپنی مفاد پرستی سے، اپنی دنیاداری سے، مال ودولت کی محبت سے، اور جب یہ مخلوق کے لئے مفید نہ رہے اور حق ان کی وجہ سے محفوظ نہ رہا تو اب اس جماعت کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا، اور اب یہ منصب ان کو دیدیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خیر نصیب ہوتی ہے اس کا تعلق کی نسل یا نسب کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ ان اعمال پر ہے جو ذمہ لگائے جاتے ہیں تو جب ان لوگوں نے ان اعمال کے نہیں سنبھالا تو اس منصب سے معزول ہو گئے۔

اب یہ اسرائیل کی اولاد میں سے ہیں، انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں تو نسل کی بناء پر یہ خیریت اللہ کے ہاں نصیب نہیں ہوتی، یہ خیر امۃ کا منصب اگر ملتا ہے تو اعمال اور کردار کی بناء پر ملتا ہے اور جب انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی وراثت کو ضائع کر دیا تو یہ اس منصب سے معزول ہو گئے اب اگر یہ اس منصب کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ان کا طریقہ بھی یہی ہے کہ اب موجودہ رسول پر ایمان لائیں اور ان کی ہدایت پر عمل کریں یہ بھی خیر امۃ کا مصداق بن جائیں گے، ''لو آمن اہل الکتاب لکان خیرا لھم'' کا یہی مطلب ہے۔

''منھم المؤمنون واکثرھم الفاسقون'' پہلے بھی آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ قرآن کریم کا یہ انصاف ہے جب یہ مخالفین کا ذکر بھی کرتا ہے تو پھر یہ یکسر رگڑا نہیں لگا دیتا، بلکہ اس میں جو معتدل قسم کے لوگ ہوتے ہیں اچھے قسم کے لوگ ہوتے ہیں، ان کو ہمیشہ اس مذمت سے مستثنیٰ کر لیا جاتا ہے، جماعتی سطح پر اگر کسی کے ساتھ اختلاف ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس میں ایسے افراد بھی ہوں کہ کسی وجہ سے اس جماعت کی طرف منسوب ہیں لیکن ان کے خیالات اچھے ہیں ان کے جذبات اچھے ہیں، تو ان کو اس برائی بیان کرنے سے مستثنیٰ کر کے رکھو، اور یہی لوگ ہوتے ہیں کہ جب ان کو حق سمجھایا جاتا ہے تو جلدی سے سمجھ جاتے ہیں اور سمجھنے کے بعد وہ حق کو قبول کر لیتے ہیں۔

تو اہل کتاب میں جو اس قسم کے منصف لوگ تھے جنہوں نے اس وقت بھی اپنے ایمان کو سنبھالا ہوا تھا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت جب ان تک پہنچی فوراً انہوں نے اس کو قبول کر لیا، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ یہ

یہودیوں میں سے تھے، پہلی ملاقات میں ہی حق ان کے سامنے واضح ہو گیا اور فوراً انہوں نے قبول کر لیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے بھی کسی درجہ میں اپنے ایمان کو سنبھالے ہوئے تھے، دنیا کی محبت میں آ کے، حب جاہ کے اندر مبتلا ہو کے انہوں نے اپنی صلاحیت کو خراب نہیں کیا تھا اس لئے جب حق کی آواز ان کے کان میں آئی انہوں نے فوراً لبیک کہہ دیا ، نجاشی عیسائیوں میں سے تھا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یہ جتنے لوگ تھے انہوں نے اپنے ایمان کو سنبھالا ہوا تھا ان کو فکر تھی ، جیسے ان کو حق معلوم ہوتا تھا اس کو قبول کرتے تھے، اسی صلاحیت کی بناء پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بات جب ان کے سامنے آئی فوراً انہوں نے قبول کر لیا، انہی لوگوں کا ذکر ہے کہ ان میں سے بعض ایمان والے ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان ہیں، فاسق ہیں طاعت سے نکلے ہوئے ہیں۔

"لن یضروکم الا اذیً "اب چونکہ ان کو اس منصب سے معزول کر دیا گیا اور صراحتاً یہ منصب بنی اسماعیل کو دید یا گیا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو تو اللہ تعالیٰ مطمئن کرتے ہیں کہ تم اب اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں لگو، یہ یہودی یہ نصرانی یہ مشرک جو تمہارے مخالف ہیں، خصوصیت کے ساتھ یہاں جن اہل کتاب کا ذکر آ رہا ہے " لن یضروکم " یہ تمہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، "الا اذیً "سوائے تکلیف کے اس کا مطلب یہ ہے کہ طعن و تشنیع کر لیں، بلاوجہ تم پر بہتان لگائیں، اختراع پردازی کریں، فضول قسم کے اعتراضات کریں جن کو سن کے تمہارا دل دکھے، گالیاں دیں، برا بھلا کہیں اس قسم کی تکلیفیں تو پہنچیں گی، اور وہ کوئی ایسا نقصان نہیں جس کو ہم کہیں کہ جماعتی سطح پر نقصان ہے تم اپنا کام کرتے چلے جاؤ، یہ بولیں گے بری زبان استعمال کریں گے اذیً سے مراد اس قسم کی طعن و تشنیع ہے۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے "ولتسمعن " البتہ ضرور سنو گے تم "اذی کثیراً " ان اہل کتاب اور مشرکوں کی طرف سے تم اذاء کثیر تم سنو گے، تو سننے کی باتیں ہوا کرتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اذاء کثیر کا مصداق باتیں ہیں، تکلیف دہ باتیں سنو گے تم ان کی طرف سے، کبھی تمہیں گالی دیں گے کبھی تمہارے پیغمبر کو برا بھلا کہیں گے، فضول قسم کے بہتان لگائیں گے، کہیں گے کہ تم بزرگوں کے منکر ہو، تم بزرگوں کا طریقہ چھوڑ گئے، ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہمارے پاس ہے، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہمارے پاس ہے اور گالیاں دیں گے برا بھلا کہیں گے، بہتان لگائیں گے، افتراء کریں گے جیسے ان کا طریقہ تھا کہتے تھے کہ ابراہیم کی ملت پر ہم ہیں اور تم لوگ ملت ابراہیمی کو چھوڑ گئے ہو اور انبیاء علیہم السلام ہم میں آئے ہیں تم نے ہمارا طریقہ چھوڑ دیا، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ چھوڑ دیا، انبیاء کا قبلہ چھوڑ دیا اس قسم کے بہتان ان کی طرف سے بہت سنو گے اور وہی " اذی کثیرا " یہاں اذی ہے۔

تو یہ کوئی ضرر نہیں ہے تم صبر کرنا، برداشت کرنا، یہ تمہارا کچھ نقصان نہیں کر سکتے، جیسے کہا جاتا ہے کہ باتوں سے

پسلیاں نہیں ٹوٹا کرتیں، کسی آدمی نے اپنی زبان سے اگر کسی کو برا کہہ دیا تو ذرا تھوڑی سی برداشت کرنے والی بات ہے ورنہ بات کے ساتھ کسی کی پسلی تو نہیں ٹوٹتی، کوئی نقصان نہیں پہنچتا، ایسے وقت پر انسان دونوں کان استعمال کرے کہ ایک کان سے سنا دوسرے سے نکال دیا، نہ دل خراب کرنے کی ضرورت ہے نہ دماغ پریشان کرنے کی ضرورت ہے دیکھو کہ وہ تمہیں نقصان کیا پہنچاتے ہیں، اگر نقصان پہنچاتے ہیں تو اس کا دفاع کرو اور اگر اپنی زبان کے ساتھ بولتے ہیں تو بولتے رہنے دو، تمہارا کیا نقصان کرتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی تھا کہ لوگوں کے ساتھ اس قسم کی باتوں میں نہیں الجھتے تھے اس قسم کی چیزوں کے اندر الجھنا یہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ نہیں تھا۔

ہاں البتہ اگر کوئی معقول اعتراض ہے تو اس کا جواب دو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے تو اس کا دفاع کرو، اور آپ پڑھتے رہتے ہیں سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں، اب اس حصہ کو آپ تقسیم کر لیجئے اگر ایک طبقہ کے حصہ میں گالیاں دینا آ گیا ہے تو تم دوسری سنت اپنا لو دعائیں دینے والی، اور اگر گالیوں کے جواب میں تم نے بھی گالیاں دینا شروع کر دیں تو ایک ہی سنت پر دونوں عامل ہو گئے، اور ایک سنت دونوں سے چھوٹ گئی، اگر ایک طبقہ بدبختی کے ساتھ اس سنت کو اپنائے کہ ہم نے تو گالیاں ہی دینی ہیں اور وہ جب بولے برا ہی بولے، جب کسی کا ذکر کرے تو برے الفاظ کے ساتھ ہی کرے تو دوسری سنت تم اختیار کر لو کہ تم ان کے لئے دعائیں کرو کہ اللہ تمہیں ہدایت دے، اور اچھے الفاظ کے ساتھ تم ان کے سامنے حق پیش کرو اگر وہ قبول کریں تو اچھی بات ہے، اور اگر نہیں قبول کرتے تو تمہارا کیا نقصان ہے۔

یہ طرز ہے جو قرآن کریم کی طرف دیکھ کر سمجھ آتا ہے ورنہ اگر وہی اینٹ کا جواب پتھر سے دو کہ اگر وہ بولتے ہیں تو ان کے دانت توڑ دو، یا بولتے ہیں تو ان کی زبان گدی سے کھینچ لو تو ہم نے آج تک نہ کسی کو دانت توڑتے ہوئے دیکھا ہے اور نہ زبان گدی سے کھینچتے ہوئے دیکھا ہے، ایسا تو ہوا کہ انہوں نے اپنی مجلس کے اندر بکواسات کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیا اور دوسرے دوسری مجلس میں بیٹھ کر اسی لب ولہجہ کے ساتھ ان کے تذکرے کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتے ہیں، دانت نہ انہوں نے توڑے نہ انہوں نے توڑے، زبان نہ انہوں نے گدی سے کھینچی نہ انہوں نے کھینچی بس قوم کو الو بنانے والی بات ہے، ہرگز نقصان نہیں پہنچائیں گے تمہیں "الاذیٰ" مگر کچھ تکلیف دہ باتیں، طعن وتشنیع کریں گے، برا بھلا کہیں گے، گالیاں دیں گے بہتان لگائیں گے۔

"وان یقاتلوکم" اگر یہ تم سے لڑ پڑیں تو تمہاری طرف سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر یہ مدد نہیں کئے جائیں گے، چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ وہ یہود کے قبائل جو ارد گرد موجود تھے ان میں نیک بخت لوگ تو ایمان لے آئے دوسرے لوگوں نے سوائے اس قسم کے بہتان درازی اور زبان درازی کے اور کوئی شغل نہیں رکھا تو نتیجہ یہی ہوا کہ ذلیل ہوئے، اور پھر

چھیڑ چھاڑ تک نوبت پہنچی تو کچھ قتل ہوئے، کچھ جلاوطن ہوئے اور بالکل برباد ہو گئے، صبر وتقویٰ کے ساتھ ہی ان کو اس برے انجام تک پہنچا دیا گیا۔

”ضربت علیھم الذلۃ این ماثقفوا“ یہ آیات آپ کے سامنے سورت بقرۃ میں گزری ہیں سوائے ان لفظوں کے ”الا بحبل من اللہ وحبل من الناس“ اور اسی آیت کا حوالہ دیکر میں نے اس مضمون کی وضاحت وہیں سورت بقرۃ میں کر دی تھی کہ ذلت اور مسکنت کے اندر یہ لوگ مبتلا کر دیئے گئے جس کا مطلب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ دنیا کے اندر ان کو جماعتی طور پر عزت نہیں ملے گی جس کی وجہ سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی کہیں حکومت نہیں بنے گی، یہ مفسرین کے اقوال ہیں قرآن کریم کے اندر اس قسم کا کوئی لفظ نہیں جس کی وجہ سے ہم کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا کہ ان کی کہیں حکومت نہیں بنے گی، اللہ تو کہتا ہے کہ انہیں ذلیل اور مسکین بنا دیا گیا، ذلیل ہو گئے لوگوں کی نظر میں عزت نہیں رہی، مسکین ہو گئے کہ ان کے اپنے دل میں بھی حوصلے نہیں رہے، خودغرضی اور مفاد پرستی میں اس طرح مبتلا ہوئے کہ ان میں قربانی اور ایثار کا کوئی جذبہ نہیں رہا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے اندر ان کو کوئی باعزت حکومت بھی نہیں ملے گی مفسرین کے ذکر کرنے کے ساتھ یہ صراحت ہے۔

پھر اس پر شبہ ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں تو ان کی حکومت بن گئی ٹھیک ہے دو ہزار سال بعد یہ نوبت آ گئی کہ ایک ٹکڑے کے اوپر یہ حکومت بنا بیٹھے تو پھر اس پا اشکال ہوا اور لوگ پوچھتے یوں ہی ہیں کہ قرآن میں تو آتا ہے کہ ان کی حکومت نہیں بنے گی اور اب ان کی حکومت بن گئی، حالانکہ قرآن میں یہ لفظ کہیں نہیں آتے تو اس شبہ کا ازالہ یہی ہے کہ کہا استثناء یہی ہے ”الا بحبل من اللہ وحبل من الناس“ کہ یا تو یہ اللہ کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے ذلت اور مسکنت سے بچ سکتے ہیں یا لوگوں کے ساتھ معاہدہ سے اور لوگوں کا سہارا لیکر ذلت اور مسکنت سے بچ سکتے ہیں۔

اللہ کے ساتھ معاہدہ اس طرح کہ یا تو ایمان لے آئیں تب بچ جائیں گے یا اللہ کے حکم کے تحت بعض افراد کو جان مال کا تحفظ حاصل ہے کہ جو یہودی نصرانی اپنے عبادت خانوں میں عبادت میں لگے ہوئے ہیں مسلمانوں کو حکم ہے کہ ان کا خیال کرو ان سے کوئی کسی قسم کا تعارض نہیں کرنا ان کی جان مال محفوظ ہے، اور اسی طرح عورتیں اور بچے، اور اسی طرح کمزور بوڑھے ان کو اللہ تعالیٰ نے امان دیا ہوا ہے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا تعارض جائز نہیں ہے، اس لئے جہاں جزیہ کی بات آتی ہے تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اس قسم کے مذہبی آدمی اور نابالغ بچے اور عورتیں ان پر جزیہ بھی نہیں رکھا جاتا، ان کو مسلمانوں کی حکومت کے اندر امان حاصل ہے ان سے تعارض نہیں کیا جاتا۔

اور ”حبل من الناس“ کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے کوئی معاہدہ کر لیں کوئی مصالحت کر لیں مسلمانوں سے

معاہدہ ہو جائے تو مسلمانوں کے تحفظ میں آجائیں گے اور ناس کا لفظ یہاں بولا ہے جس کا مطلب ہے عیسائیوں سے کرلیں، دہریوں سے کرلیں آتش پرستوں سے کرلیں کسی سے کرلیں تو ان کے سہارے پر بھی یہ لوگ اپنی زندگی بچا سکتے ہیں، اور کسی درجہ میں ذلت اور مسکنت سے نکل سکتے ہیں۔

چنانچہ آج جو یہ سلطنت ہے یہ بھی ''حبل من الناس'' کا مظہر ہے کہ اگر یہ دوسری حکومتیں جو اصولاً یہودی نہیں ہیں یا وہ عیسائی ہیں یا لامذہب ہیں اگر وہ ان کو سہارا نہ دیں تو نہ ان کا وجود بنے نہ ان کا وجود باقی رہے، اس وقت بھی اگر ان کا بقاء ہے تو ''حبل من الناس'' کے تحت ہی ہے، اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں کہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے، یعنی ان کو تعلیم تو ایسی دی گئی تھی کہ یہ اپناتے تو یہ دنیا اور آخرت میں عزت حاصل کرتے لیکن انہوں نے اس تعلیم کو چھوڑا تو دنیا اور آخرت میں ذلیل ہوئے، ضربت کا معنی کہ ان کے اوپر لازم کردی گئی جس طرح دیوار کے اوپر گارا لیپ دیا جاتا ہے، اس طرح ان کے اوپر بھی ذلت اور مسکنت کو لیپ دیا گیا تھوپ دیا گیا لازم کردیا گیا۔

اور یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے تھے اور یہ ان کی تاریخ کی بدترین قسم کے جرائم ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنا، اور جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی یاددہانی کے لئے آتے تھے انبیاء علیہم السلام اور آمرین بالقسط ان کو قتل کرتے تھے اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے دشمن تھے، جو جماعت اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی دشمن ہو جائے وہ اپنے لئے دنیا اور آخرت میں عزت کیسے پاسکتی ہے، ان کے لئے اگر ذلت پڑے تو اور کیا ہوگا، ناحق قتل کرتے تھے ناحق قتل کرنا، یہ اس زور دکھانے کے لئے کہ نبی کا قتل کسی صورت میں بھی حق نہیں ہوسکتا، جو اللہ کا نمائندہ ہے اور اللہ کی بات بتانے کے لئے آیا ہے اس کا قتل کبھی بھی حق نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی بغیر حق کا لفظ بڑھا کر اس میں شدت پیدا کردی گئی کہ ان کا سارے کا سارا اقدام ناحق ہے، اور یہ قتل انبیاء کی جرأت اور کفر بآیات اللہ کی جرأت اس وجہ سے ہوئی کہ ان میں عصیان ہے سرکشی ہے، نافرمانی ہے ان میں اطاعت کا جذبہ نہیں ہے۔

اور جس شخص کے اندر بھی عصیان ہوگا نافرمانی ہوگی تو وہ اس کے نتیجہ میں انکار بھی کرے گا اور انبیاء علیہم السلام جو ان آیات پر چلانے کے لئے آئے ہیں وہ ان کے جانی دشمن بھی ہو جائیں گے اور یہ لوگ حد سے بڑھنے کے عادی ہیں، لیکن اتنی زبردست مذمت ان کی جماعتی طور پر کی گئی لیکن پھر وہی استثناء کرلیا گیا ''لیسوا سواءً'' یہ سارے برابر نہیں ہیں ان اہل کتاب میں سے بعض وہ بھی ہیں جو قائم علی الحق ہیں، حق کے اوپر قائم ہیں یہی لوگ جو ایمان لے آئے جس وقت حق کی آواز آئی فوراً انہوں نے اس کو قبول کرلیا، اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں رات کے حصہ میں، رات کے حصوں کا خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ رات کی عبادت ہی اصل میں بے ریا عبادت ہے، اور جس شخص کو اپنے انجام کا فکر ہوتا ہے وہ رات کو ہی اللہ کی باتیں

یاد کر کے اللہ کے سامنے روتا ہے، دن میں لوگوں کے سامنے رونے کی شکل بنالینا، آنسو بہادینا ریاکاری کی نمازیں پڑھ لینا بہت کچھ ہوسکتا ہے، وہ لوگ بھی ایسا کر سکتے ہیں جن کا آخرت پر سرے سے ایمان ہی نہیں ہوتا لیکن اپنا مطلب ظاہر کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے نیکی کو ظاہر کیا جاتا ہے، لیکن رات کی نماز اور خلوت میں اللہ کی آیات کی تلاوت اور اللہ کے سامنے رونا یہ سوائے اخلاق کے کبھی بھی نہیں ہوتا۔

اس لئے یہ لوگ آخرت کا فکر کرنے والے ہیں اور اس آخرت کے فکر کی وجہ سے رات کو اللہ کی آیا پڑھتے ہیں، اور رات کے مختلف حصوں میں اللہ کے سامنے سجدے کرتے ہیں یہ ہے بے ریا کی نماز جو خلوص کی علامت ہے اور اللہ سے ڈرنے کی علامت ہے اور آخرت کی فکر کی علامت ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کو ذکر کیا گیا، اللہ پر ایمان لاتے ہیں یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں نیکی کا حکم کرتے ہیں برائیوں سے روکتے ہیں اور نیکیوں میں دوڑ دوڑ کے جاتے ہیں یہی لوگ ہیں صالحین صالحین کی یہی علامتیں ہیں جن میں خاص طور پر ذکر کی گئی ہے رات کو خلوت میں نماز، اللہ کے سامنے سجدہ ریزی، اور آخرت کے اوپر یقین پختہ، اللہ پر ایمان، نیکی کی عادت صالحین کی یہی علامت ہے، یہی لوگ نیک ہیں یہی لوگ متقی ہیں جن کو آگے "اللہ علیم بالمتقین" میں ذکر کیا ہے۔

اور جن کے یہ جذبات ہوں یہ عقائد ہوں، یہ اعمال ہوں، یہ جو بھی نیکی کا کام کریں گے اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی ان کی ہر نیکی اللہ کے ہاں قبول ہوگی، اور اس نیکی کے اوپر اللہ تعالیٰ اجر وثواب دیں گے، اور بخلاف اس کے جن کا ایمان صحیح نہیں تو ان کو اس طرح سمجھو جیسے کسی درخت کی جڑ کٹ گئی، اب اگر پتوں پر کوئی پانی چھڑکتا رہے ان کو کوئی سنبھالتا رہے تو پھر یہ پتے اور شاخ کسی کام کی نہیں جب جڑ محفوظ نہیں ہے، اسی طرح دوسرے اہل کتاب کوئی کس طرح کی نیکی کریں ان کی کوئی قدر نہیں اور جن کا ایمان صحیح ہے یہ جو نیک کام بھی کریں گے اللہ کے ہاں قدر کی جائے گی اور اس کی بے قدری نہیں کی جائے گی اللہ تعالیٰ متقین کو خوب اچھی طرح سے جاننے والا ہے اور جو کافرین ہیں جو ایمان نہیں لاتے اور اپنی اس دنیا کی محبت کی وجہ سے اگر وہ اللہ کے سامنے اکڑے ہوئے ہیں تو انہیں یہ خبر دیدو کہ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز کام نہیں آئیں گے ان کے ان کے مال نہ ان کی اولاد نہ ان کے جتھے ان کے کام آئیں گے، نہ مال کام آئے گا جس مال کی محبت میں مبتلا ہو کے یہ ایمان سے دست بردار ہیں اللہ کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی کام نہیں آئے گا اور یہ جہنم میں جانے والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اور ظاہری طور پر اگر یہ خرچ کرتے ہیں خیرات کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نیکی کے کام کر رہے ہیں تو یہ بھی بے کار ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی ظالم قوم ہو اور اس کی کھیتی ہے اور وہ کھیتی سرسبز ہے لیکن اس کے اوپر ٹھنڈی ہوا آئی

جس میں پارہ تھا اور کوراپڑ گیا اور وہ ساری کی ساری کھیتی بے کار ہوگئی جیسے ان کاشتکاروں کی محنت بے کار جاتی ہے اسی طرح ان یہودیوں کی نصرانیوں کی جو ایمان نہیں لاتے ظاہری طور پر اگر یہ خرچ کرتے ہیں تو یہ ایسے ہی بے کار ہے تو یہاں مثال دیتے ہوئے "حرث قوم ظلموا انفسھم" کا لفظ بولا کہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو وہ ہوا پہنچ جائے جس میں کورا ہے وہ تو کسی ظالم کی کھیتی میں جائے گی اس کو بھی برباد کردے گی کسی صوفی کی کھیتی میں جائے گی اس کو بھی برباد کردے گی، تو یہ "ظلموا انفسھم" کا لفظ کیوں بڑھا دیا؟ کیا نیک لوگوں کی کھیتی پر ایسی ہوا آجائے تو نقصان نہیں ہوتا، یقیناً ہوتا ہے، تو پھر "ظلموا انفسھم" کی قید کیوں لگائی؟

کہتے ہیں کہ "ظلموا انفسھم" کی قید اس لئے لگائی کہ جو ایمان والے ہیں ظاہری طور پر ان کی کھیتی اور باغات پر کوئی آفت بھی آجائے تو یہ اللہ کا امتحان ہوتا ہے، اور اگر وہ صبر کرلیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا اجر آخرت میں دیتے ہیں ان کی کھیتی برباد نہیں ہوتی، اگر دنیا کے اندر نقصان ہو بھی جائے تو اس مصیبت پر آخرت میں ثواب ملتا ہے، پوری طرح سے کامل مکمل تباہی اگر آتی ہے تو کافر کی کھیتی پر آتی ہے کہ اس کو دنیا کے اندر بھی کوئی مفاد حاصل نہ ہوا اور اس مصیبت کی وجہ سے آخرت میں بھی کوئی کسی قسم کا اجر حاصل نہیں ہوگا، اس لئے "حرث قوم ظلموا انفسھم" کی قید لگادی کہ ہم نے دکھایا یہاں اس مثال کے ساتھ ان کے مکمل نقصان کو کہ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرنا دنیا میں بھی ان کے ہاتھ سے گیا اور آخرت میں بھی اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوگا۔

تو یہ کامل مکمل مثال تب بنے گی جس وقت کافر کی کھیتی برباد ہونے کا ذکر کیا جائے، ورنہ مؤمن کی کھیتی اگر برباد ہو تو وہ آپ کے سامنے آچکا "ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین" کہ جو صبر کے ساتھ اس کو برداشت کرجائیں اور اس امتحان کے اندر پورے اتریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بشارت ہے، ان کے لئے صلوات ہیں ان کے لئے رحمت ہے تو ان کی کھیتی کی بربادی بہر حال مکمل بربادی نہیں ہے بلکہ آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اجر وثواب دیں گے اس لئے مثال دیتے ہوئے "حرث قوم ظلموا انفسھم" کا ذکر کیا کہ جو کچھ یہ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسے ہے جیسا کہ ہوا ہو جس میں کورا ہے پہنچ گئی وہ ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا پھر اس نے اس کو ہلاک کردیا اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر ظلم نہیں کیا لیکن یہ اپنے نفسوں پر خود ہی ظلم کرتے ہیں۔

"یایھا الذین آمنوا لاتتخذوا" شروع سورت سے اہل کتاب کے ساتھ گفتگو شروع ہوئی تھی جس کے ضمن میں مختلف مسائل آپ کے سامنے واضح ہوئے یہ اس حصہ کی آخری آیات ہیں جس میں اہل کتاب کے ساتھ بحث ومباحثہ کا

جو موضوع شروع ہوا تھا وہ اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے اور اگلے رکوع سے جہاد بالسیف کا تذکرہ ہوگا، غزوہ احد کا ذکر تفصیل سے آئے گا غزوہ بدر کے واقعات کی طرف بھی اشارہ ہوگا غزوہ حمراء الاسد آئے گا یعنی جہاد باللسان کے موضوع کو ختم کرنے کے بعد جہاد بالسیف کا ذکر شروع ہوگا، ان چند آیات میں اللہ تبارو تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند ہدایات دی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے کہ مکہ معظّمہ میں سرور کائنات ﷺ کی جماعت میں شامل ہونے والے افراد میں کوئی منافق نہیں تھا سب مخلص تھے، وجہ یہ تھی کہ جو بھی آپ پر ایمان لاتا اس کو مار کھانی پڑتی تھی ہڈیاں تڑوانی پڑتی تھیں دنیا کی ہر چیز سے وہ محروم ہو جاتا تھا حتیٰ کہ برادری کنبہ اور اس سے بڑھ کر اپنے بیوی بچے ان کے ساتھ بھی موافقت نہیں رہتی تھی ہر چیز سے جدا ہونا پڑتا تھا۔

اور یہ بہت سخت امتحان کی بھٹی تھی جس میں انسان کو کلمہ پڑھنے کے بعد جلنا پڑتا تھا تو ایسے وقت میں وہی شخص اپنے جان مال عزت کی بازی لگایا کرتا ہے جو انتہائی درجہ کا مخلص ہو چونکہ بظاہر دنیا کا اس وقت کوئی مفاد نہیں ہوتا سختیاں ہی سختیاں ہوتی ہیں تو دکھلاوے کے طور پر کسی کے ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے اہل تاریخ اہل سیر اور سب لوگ متفق ہیں کہ مکہ معظّمہ میں نفاق نہیں تھا۔

اور جس وقت مدینہ منورہ میں سرور کائنات ﷺ تشریف لے آئے تو اسلامی ریاست کی بنیاد رکھ دی گئی اور ہر آنے والا دن اس سلطنت کو مضبوط کرتا چلا گیا، اسلام پھیلتا چلا گیا، حتیٰ کہ مدینہ منورہ کے علاقہ میں اسلام کو سیاسی اقتدار حاصل ہو گیا، اور مخالفین اپنے لئے مستقبل کے اعتبار سے کچھ خطرات محسوس کرنے لگ گئے تو پھر یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جس وقت کوئی جماعت اٹھتی ہے اس کی مخالفت میں جو لوگ ہوتے ہیں پہلے پہلے تو اس کو ہر لحاظ سے دبانے کی کوشش کرتے ہیں اگر وہ اس طرح نہ دبائی جا سکے پھر چالاک لوگوں کا کام یہ ہوتا ہے کہ اس جماعت میں اپنے آدمی شامل کر دیتے ہیں جو بظاہر اس جماعت کے ساتھ لگے لپٹے ہوتے ہیں، اور اندر سے ان کی وفاداریاں دوسرے لوگوں کے ساتھ ہوتی ہیں تو سازشی طور پر بھی ایسے افراد شامل کر لیے جاتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے اندرونی طور پر فتنہ پردازی کر کے اس جماعت کو خراب کیا جا سکے، یا اس کو اپنے مفاد میں موڑ لیا جائے اور جو سیاسی مفاد اس جماعت کو حاصل ہوں گے ہم اس میں حصہ دار بن جائیں گے تو سازش کے طور پر بھی ایسے افراد کو شامل کر دیا جاتا ہے۔

اور بعض لوگ بزدل ہوتے ہیں مفاد پرست وہ بھی پھر یہ دورنگی پالیسی اختیار کر لیتے ہیں جو جماعت قوت پکڑتی جا رہی ہے اس کے ساتھ بگاڑنے کی جرأت نہیں ہوتی، ہو سکتا ہے کہ کل ہم انہی کے محتاج ہو جائیں اگر آج انہی سے بگاڑ لی تو کل کیا کریں گے، بظاہر ان کے ساتھ ہاں میں ہاں ملاتے ہیں لیکن ساتھ ہی ان کے دل میں خطرہ یہ ہوتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کل کو ان کی مخالف جماعت اقتدار پر آ جائے اور اونٹ ان کی کروٹ بیٹھ جائے تو اگر ہم ان سے بگاڑیں گے تو کل ان کے

سامنے شرمساری ہوگی وہ ہمارے مفاد کا خیال نہیں رکھیں گے، اس قسم کے مفاد پرست اور دوغلے قسم کے لوگ پھر کچھ یاری ادہر لگاتے ہیں اور کچھ یاری ادہر لگاتے ہیں، وہ نکھر کر صاف ستھرے ہو کے ایک طرف نہیں ہوتے، بلکہ ان کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو قرآن کریم میں ذکر کی گئی "مذبذبین بین ذلك لاالی هٰؤلاء ولا الیٰ هٰؤلاء" وہ درمیان میں لٹکے ہوئے متردد ہوتے ہیں نہ پوری طرح ادہر ہوتے ہیں اور نہ پوری طرح ادہر ہوتے ہیں۔

یا جیسے سرور کائنات ﷺ نے مثال دے کر سمجھایا کہ ان مفاد پرست لوگوں کی مثال جن کو شرعی اصطلاح کے اندر منافق کہا جاتا ہے ان کی مثال اس شہوتی بکری کی طرح ہوتی ہے جو کبھی اس ریوڑ کی طرف بکرے کے تلاش میں دوڑتی ہے اور کبھی اس ریوڑ کی طرف بکرے کی تلاش میں دوڑتی ہے تو یہ ان کی مفاد پرستی اور شہوت پرستی کا ایک نقشہ کھینچا گیا ہے، مدینہ منورہ میں آنے کے بعد یہی صورت حال ﷺ پیدا ہوگئی کہ یہودی اندر گھسے ہوئے تھے اوس وخزرج کے ساتھ ان کے جاہلیت کے زمانہ کے معاہدے تھے اور آپس میں دوستیاں تھیں ایک دوسرے کے حلیف تھے، شخصی اور انفرادی طور پر بھی ایک دوسرے سے تعلقات تھے اور قومی سطح پر بھی ایک دوسرے کے ساتھ معاہدے تھے۔

اب جس وقت اوس اور خزرج نے اسلام قبول کرلیا اب یہود حسد کے اندر مبتلا ہوگئے، حسد کے اندر مبتلا ہونے کی وجہ سے وہ پھر آئے دن کوئی نہ کوئی سازش کر کے مسلمانوں کو پریشان کرتے تھے پچھلے رکوع میں جو یہودیوں کی جانب سے جنگ برپا کرنے کی کوشش کی گئی تھی اسی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایات دی تھیں کہ ان اہل کتاب کی طرف سے ہوشیار رہو یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں دوبارہ اسی دور کی طرف لوٹا دیں جس دور سے تم اس اسلام کی طرف آئے ہو اسی سلسلہ کی یہ آیات ہیں کہ اب وقت آگیا ہے کہ دوست اور دشمن کے درمیان واضح لکیر کھینچ دی جائے، اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنی جماعت کے ساتھ ہی کامل مکمل تعلق رکھیں جو لوگ اپنی جماعت میں شامل نہیں ہیں، جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا ان کے دوستیوں کے اوپر اب اعتماد چھوڑ دیں۔

اور اگر ان پر بھی اعتماد رکھیں گے ان کو اپنے مشوروں میں لیتے رہیں گے اور ان کے ساتھ بھی میل جول رہے گا تو اول تو ان کو سازشیں پھیلانے کا موقع ملتا ہے وہ ایک دوسرے کے خلاف بہکا کر لڑائیں گے، دوسرا یہ کہ تمہارے راز معلوم کریں گے اور ان رازوں کو تمہارے دشمنوں تک پہنچائیں گے اور اس طرح بھی تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے، اس لئے اب ضروری ہے کہ دونوں جماعتوں کو ممتاز کر دیا جائے، اور اہل ایمان کو ہوشیار کیا جارہا ہے کہ تم اپنے آدمیوں کے علاوہ کسی دوسرے پر اعتماد نہ کیا کرو اور نہ ان کو اپنے مشوروں کے اندر شریک کیا کرو، اور نہ ان کو اپنے راز کے اوپر آگاہ کرو یہ پیش قدمی کی جارہی ہے تاکہ ان یہود کو ان نصاریٰ کو مسلمانوں کے اندر فتنہ پھیلانے کا موقع نہ ملے، اور ان کے راز دوسروں

تک پہنچ کے قومی اور جماعتی سطح پر نقصان نہ ہو۔

یہ حاصل ہے ان آیات کا جو آ رہی ہیں کہ اے ایمان والو! اپنی جماعت کے علاوہ کسی کو راز دار نہ بنایا کرو، کسی کو اپنا مشیر نہ بناؤ، اپنے معاملات میں کسی کے اوپر اعتماد نہ کرو خاص طور پر اس میں اشارہ ہے یہود کی طرف جو مدینہ کے اردگرد آباد تھے، اور جن کے ساتھ اوس اور خزرج کے تعلقات تھے عام طور پر مؤمنین تو ویسے ہی کٹے ہوئے تھا، ان مؤمنین میں سے ایک گروہ جو اپنے آپ کو اہل ایمان میں شامل کرتا تھا اور ایمان کا اظہار کرتا ہے، لیکن دل کے اندر نفاق تھا اور ظاہری طور پر چونکہ مؤمنین میں شامل تھے اور ان کی دوستیاں ان کے ساتھ تھیں خصوصیت کے ساتھ ان کے تعلق کو توڑنا مقصود ہے جس کے بعد ضروری ہو گیا کہ جو یہود کے ساتھ تعلقات رکھے گا تو یہ علامت متعین ہو جائے گی کہ یہ شخص مسلمانوں کے حق میں مخلص نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی مخالفت کرتا ہے۔

اصل کے اعتبار سے تو منافقوں کو سمجھانا مقصود ہے او ور چونکہ وہ اپنے آپ کو کلمہ گو ہی کہتے تھے، مسلمان ہی کہتے تھے اس لئے خطاب عام رکھا گیا، اپنے علاوہ کسی دوسرے کو بطانہ نہ بناؤ، خاص دوست نہ بناؤ، راز دار نہ بناؤ کہ یہ لوگ تمہارے اندر خرابی پیدکرنے میں کوتاہی نہیں کرتے، جہاں بھی ان کو موقع ملے گا یہ تمہیں نقصان پہنچائیں گے، یہ تمہارے خیر خواہ نہیں ہیں، تمہارا مشقت میں پڑ جانا انہیں پسند ہے، یہ تمہارے خیر خواہ نہیں تمہاری تکلیف پر یہ خوش ہوتے ہیں، ان کی گفتگو پر نظر رکھا کرو جب یہ گفتگو کرتے تو ان کی گفتگو میں بلا اختیار ایسے الفاظ ٹپک پڑتے ہیں جس سے تم استدلال کر سکتے ہو کہ تمہارے خلاف ان کے دل میں کتنا بغض ہے، اور جو زبان سے ظاہر ہوتا ہے یہ بہت کم ہے، اور جو یہ سینوں میں چھپائے بیٹھے ہیں یہ بہت زیادہ ہے۔

اور ہمیشہ قاعدہ ہے کہ جب کسی کے دل کے اندر کسی کے خلاف بغض ہے تو کتنی ہی احتیاط سے گفتگو نہ کرے پھر بھی زبان سے ایسے الفاظ ٹپک پڑتے ہیں جس سے انسان سمجھ جاتا ہے کہ اس کے دل کے کیا جذبات ہیں تو زبان سے اظہار تھوڑا ہوتا ہے اور دل کے اندر چھپی ہوئی باتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں کبھی کبھی ظاہر ہو جاتا ہے بغض ان کے مونہوں سے یعنی ایسی باتیں یہ اپنی زبان سے نکال بیٹھتے ہیں جو دل کے جذبات ہیں وہ الفاظ کی صورت اختیار کر جاتے ہیں، اور اس سے تم سمجھ جایا کرو کہ جو بغض ان کے دلوں میں چھپا ہوا ہے وہ کتنا ہو گا، ہم نے تمہارے لئے نشانیاں واضح کر دیں اگر تم عقل رکھتے ہو عقل سے سوچو گے تو ان علامات سے پہچان جاؤ گے کہ یہ تمہارے دوست نہیں ہیں۔

آگے پھر وہ نفسیاتی بات ہے چونکہ متنفر کرنا ہی مقصود ہے کہ تم یہ خیال کرو کہ تم تو ان کے ساتھ محبت کی پینگیں چڑھاتے ہو، محبت کا اظہار کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت کرتے نہیں، یہ کونسی تمہاری خودداری ہے کہ تم ان کے پیچھے مرو اور تم ان سے محبت

کرو اور وہ تم سے محبت نہ کریں، حالانکہ اسباب ایسے ہیں کہ انہیں تمہارے ساتھ محبت کرنی چاہیئے تمہیں ان کے ساتھ نہیں چاہیئے کیونکہ تم سب انبیاء پر ایمان لاتے ہو جن میں ان کے انبیاء بھی ہیں، موسیٰ کا نام تم احترام سے لیتے ہو ان کو اللہ کا پیغمبر مانتے ہو، ان پر ایمان لاتے ہو تورات کو اللہ کی کتاب کہتے ہو تو ان کا جتنا دین ہے وہ تم نے تسلیم کر لیا اور وہ نہ تمہارے پیغمبر کو مانیں اور نہ تمہاری کتاب کو مانیں تو چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ تمہیں اچھا سمجھیں، تمہارے ساتھ محبت رکھیں کیونکہ تم ان کے پیغمبر کو مانتے ہو ان کی کتاب کو مانتے ہو اس کے اوپر ایمان لاتے ہو۔

اور تمہیں ان سے نفرت ہو کہ وہ نہ تمہارے نبی کو مانیں نہ تمہاری کتاب کو مانیں تو چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ تمہیں اچھا سمجھیں تمہارے ساتھ محبت رکھیں کیونکہ تم ان کے پیغمبر کو مانتے ہو ان کی کتاب کو مانتے ہو اس کے اوپر ایمان لاتے ہو، اور تمہیں ان سے نفرت ہو کہ وہ نہ تمہارے نبی کو مانیں نہ تمہاری کتاب کو مانیں، اور یہاں الٹا حساب ہے کہ تمہاری طرف سے رجحان ہے اور وہ بغض سے بھرے ہوئے ہیں خبردار تم ہی یہ لوگ ہو جو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے تو پہلے تو جو تم سے محبت نہیں کرتا تو تمہیں بھی چاہیئے کہ تم بھی ان سے محبت نہ کرو ور، پھر اسباب بھی اس کے برعکس ہیں کہ تم ایمان لاتے ہو ساری کتابوں کے ساتھ جس میں ان کی کتاب بھی ہے، اور ان کے نبیوں پر بھی ایمان لاتے ہو اور وہ نہ تمہاری کتاب کو مانیں اور نہ تمہارے نبی پر ایمان لائیں۔

باقی کبھی کبھی آ کے اس قسم کی باتیں جو کرنے لگ جاتے ہیں جس سے تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں یہ نفاق ہے یہ ایک سیاسی چال ہے کہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب خلوت میں چلے جاتے ہیں "عضوا علیھم الانامل" کہ تم پر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں غصہ کے اظہار کے لئے کہ جب انسان اپنے غصہ کے مطابق عمل نہ کر سکے تو ہاتھ کی انگلیوں کو کاٹتا ہے اور ہمارے ہاں اس کے متعلق محاورہ ہے دانت پیسنا تو تم پر دانت پیستے ہیں، اور یہ دانت پیسنا ہاتھ کاٹنا سب سے اشارہ اس طرف ہے کہ اگر میرا بس چلے تو میں اس کو اس طرح چبا لوں، یہ دل کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے اپنے حلیہ کے ساتھ اور اپنی شکل کے ساتھ، تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں غصہ کی وجہ سے اتنا ان کے دل میں تمہارے خلاف بغض ہے۔

تو آپ انہیں کہہ دو "موتوا بغیظکم" کہ تم اپنے غصہ میں مر جاؤ چاہے تمہاری جان نکل جائے غصہ کی وجہ سے ہمارا کوئی نقصان نہیں ہو سکتا، ہم تمہارے غصہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے، "ان اللہ علیم بذات الصدور" بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے، یہ قل کے تحت بھی آ سکتا ہے کہ تم یہ کہہ دو کہ تم مر جاؤ اپنے غصہ میں چاہے تم ظاہر نہیں کرتے کہ تمہارے دل میں ہمارے خلاف اتنا بغض ہے لیکن اللہ تو دل کی باتیں جانتا ہے، اس لئے اس نے ہمیں بتا دیا کہ تم دل سے

ہمارے دشمن ہو اس لئے دونوں باتیں قل کے تحت آگئیں۔

دوسرا احتمال تفسیروں میں یہی نقل کیا گیا ہے کہ قل کا مقولہ" موتوا بغیظکم " ہے اور آگے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے بات ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، اور تمہیں جو ان کے دل کی کیفیتیں بتا رہا ہے وہی صحیح ہیں اس لئے تمہارے سامنے آکر اگر اس کے خلاف ظاہر کریں کہ ہمارے دل میں تمہارے لئے بڑی خیر خواہی ہے یہ سب ان کا نفاق ہے اور دشمنی کی ایک اور علامت کہ دنیا کے اندر ہمیشہ یہ قاعدہ ہے کہ دوست وہ ہوا کرتا ہے جو دوست کی اچھی حالت پہ خوش ہو اور تکلیف کے اوپر رنجیدہ ہو لیکن ان کا معاملہ برعکس ہے کہ اگر تمہیں اچھی حالت پہنچتی ہے تو یہ غمزدہ ہو جاتے ہیں اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پہنچتی ہے تو یہ خوش ہو جاتے ہیں، یہ علامت بھی ان کی دشمنی کی ہے کہ تمہاری اچھی حالت پر یہ کسی صورت میں خوش نہیں ہوتے جب کوئی اچھی حالت تمہیں پہنچتی ہے تو غمزدہ ہو جاتے ہیں اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پہنچ جاتی ہے کہ کوئی تکلیف پہنچ گئی شکست ہو گئی، کوئی اور نقصان ہو گیا تو پھر یہ خوشیاں مناتے ہیں۔

کیا ایسے لوگ بھی دوست ہوتے ہیں؟ اور ایسے لوگوں کی محبت پر بھی اعتماد کیا جاتا ہے؟ اس لئے ان کے ساتھ تعلق توڑ دو اور یہ خطرہ نہ محسوس کرو کہ تعلق توڑنے سے ہمارا کوئی نقصان ہو گا، اگر تم صبر کر کے تقوی اختیار کرو گے تو ان کی خفیہ تدبیریں ان کے مکر و فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، تقویٰ کا حاصل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو، صبر اور استقلال کو اپناؤ، ان کے مکر و فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، "ان اللہ بما یعملون محیط" بے شک اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کا احاطہ کرنے والا ہے وہ ان کو اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق سزا دے گا۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ
وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ
اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ
لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِ
هِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ
اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ
شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾
وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

ترجمہ:

قابل ذکر ہے وہ وقت جب آپ صبح کو چلے اپنے گھر والوں سے، آپ جماتے تھے مؤمنین کو لڑائی کے ٹھکانوں پر اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے، جب قصد کیا تم میں سے دو گروہوں نے کہ وہ ہمت چھوڑ دیں اللہ ان دونوں کا ساتھی تھا، چاہیئے کہ اللہ پر ہی ایمان والے بھروسہ کریں، البتہ تحقیق مدد کی اللہ نے تمہاری بدر میں اس حال میں کہ تم کمزور تھے پس تم

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار رہو، جب کہ کہہ رہے تھے آپ مؤمنین کے لئے کیا تمہارے لئے کافی نہیں کہ امداد دے اللہ اللہ تعالیٰ تمہیں فرشتوں میں سے پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جو نشان لگانے والے ہوں گے، نہیں بنایا اللہ نے اس بات کو مگر بشارت تمہارے لئے اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اس خبر کے ذریعہ سے اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے، تاکہ ہلاک کر دے اللہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا ایک حصہ کو یا انہیں ذلیل کر دے پھر وہ مڑ جائیں نامراد ہو کر، آپ کے امر سے کوئی اختیار نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر رجوع کرے یا انہیں عذاب دے پس بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں، اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بخشے گا جسے چاہے گا اور عذاب دے گا جسے چاہے گا اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

تشریح:

پچھلے رکوع کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے صبر وتقوی کی تاکید فرمائی تھی اور یہ کہا تھا کہ اگر صبر وتقویٰ اختیار کرو گے تو ان لوگوں کا مکروفریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور ان آیات کے اندر غزوہ بدر اور غزوہ احد کا ذکر آرہا ہے، یہاں غزوہ بدر کا ذکر ضمناً ہے سورت انفال میں تفصیل کے ساتھ آئے گا، زیادہ تر واقعات جو آگے ذکر کئے جارہے ہیں وہ غزوہ احد کے ہیں، ان واقعات سے اللہ تعالیٰ اوپر والے اصول کی تصدیق فرمائیں گے، مثال کے ساتھ یہ بات واضح ہو جائے گی کہ جب تم نے صبر وتقویٰ اختیار کیا تو اللہ کی مدد نصرت کیسے رہی، کافر تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور جہاں تمہارے صبر وتقویٰ کے اندر کسی وجہ سے کمی آئی اسی وقت تم نے نقصان اٹھایا اس لئے اگر صبر وتقویٰ کو اختیار کرو گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت شامل حال رہے گی، اور یہ کافر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔

اس طرح غزوہ احد کا ماقبل سے ربط واضح ہو گیا، غزوہ احد سرور کائنات ﷺ کے غزوات میں سے مشہور غزوہ ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ سترہ رمضان ۲ھ مقام بدر میں مشرکین کا مقابلہ مسلمانوں کے ساتھ ہوا تھا واقعہ کی تفصیل سورت انفال میں آئے گی، اسوقت مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی، صحیح روایات کے مطابق تین سو تیرہ تھے جن میں محض چند ایک گھوڑے تھے اور تھوڑے سے اونٹ تھے، اکثر لوگ پیدل تھے، چند گنتی کی تلواریں تھیں صرف اتفاقی طور پر ایک قافلہ کا راستہ روکنے کے لئے نکلے تھے لڑائی کا خاص اہتمام کر کے نہیں آئے تھے تو اس طرح مسلمان بے سروسامانی کی حالت میں تھے اور مقابلہ میں جو مشرکین مکہ تھے وہ باقاعدہ لڑائی کا ارادہ کر کے آئے تھے پوری طرح مسلح ہو کے آئے تھے، تعداد بھی ان کی ایک ہزار تھی اور ہر قسم کے جنگی سامان سے وہ لیس تھے، چن چن کر سارے جوان اس کے اندر جمع کئے گئے تھے اس کے اندر

قریش کی تمام شاخوں کے سردار شامل تھے،، یہ مقابلہ ہوا تو تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت مسلمانوں کے ساتھ ہوئی تو یہ تین سو تیرہ ایک ہزار پر غالب آ گئے، اور یہ بے سروسامان لوگ ان مسلح لوگوں کو شکست دینے کا باعث بن گئے۔

جن میں ستر مشرک مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور یہ لڑائی مشرکین مکہ کی کمر توڑ گئی، ذلیل بھی ہوئی نقصان بھی اٹھایا تو پھر ان کے انتقامی جذبات بھڑکے، ابوجہل جوان کا قائد تھا وہ تو اس جنگ میں واصل جہنم ہو گیا تھا، اب ابوسفیان نے مشرکین مکہ کی قیادت سنبھالی جو اس وقت اس قافلہ کو شام سے لیکر آرہے تھے، جو قافلہ اس لڑائی کا سبب بنا تھا، مکہ معظّمہ میں پہنچنے کے بعد مشرکین مکہ نے یہ طے کیا کہ اس قافلہ میں جتنا مال ہے وہ سارے کا سارا جنگ کے لئے بطور چندہ کے جمع کرا دیا جائے تا کہ لڑائی کی تیاری ہو، اور ارد گرد والے قبائل کے جذبات بھی بہت بھڑکائے گئے تو صرف ایک سال کے بعد شوال کے پہلے ہفتہ میں ۳ھ میں جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ شوال کی سات تاریخ تھی، جس وقت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلے تو شوال کے پہلے ہفتہ میں ہی اکٹھے ہو کے تین ہزار کی تعداد میں مدینہ منورہ پر چڑھ آئے، قیادت ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی، اس جنگ میں یہ عورتوں کو بھی ساتھ لائے تھے تا کہ میدان کے اندر وہ جوانوں کے غیرت دلائیں، اور بھاگنے سے روکیں، ان کے جذبات بھڑکائیں۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت پتہ چلا کہ یہ مکہ کے مشرک اتنا بڑا لشکر جرار لے کر احد کے قریب عینین پہاڑی کے پاس انہوں نے اپنا پڑاؤ ڈالا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے مشورہ لیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ آپ کی رائے بھی کچھ ادھر تھی کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہم ان کا مقابلہ کریں اور دفاعی لڑائی لڑیں، اور اس لڑائی سے پہلے بدر کی لڑائی کے بعد عبداللہ بن ابی سلول خزرجی اس نے بھی ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا حقیقت میں مسلمان نہیں تھا، تو اس کے مسلمان ہونے کے بعد یہ پہلی لڑائی ہے جو مسلمانوں نے لڑی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی مشورہ لیا اس کی رائے بھی یہی تھی کہ مدینہ منورہ کے اندر رہ کر لڑائی لڑی جائے باہر نہ نکلا جائے، لیکن بعض نوجوان مسلمان جن کی اکثریت تھی وہ پورے جوش وخروش میں تھے بدر کی لڑائی کا نقشہ دیکھ کر اہل بدر کے فضائل سن کر وہ کہہ رہے تھے کہ یہ لڑائی پیش آرہی ہے ہم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے فضائل حاصل کرنا چاہتے ہیں اس لئے میدان کے اندر نکل کر لڑنا چاہیئے، اگر ہم گھروں کے اندر بیٹھے رہے اور شہر کے اندر ہم نے مورچہ بندی کر لی تو مشرک اس کو ہماری بزدلی پر محمول کریں گے اس لئے میدان میں نکلنا چاہیئے۔

اکثریت کی رائے یہی تھی اس لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رائے قبول کر لی، جس وقت قبول کر لی تو آپ نے تیاری فرمائی گھر تشریف لے گئے اور مسلح ہو کے آپ باہر آئے تو پھر بعض بزرگوں کو خیال آیا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی منشاء کے خلاف جنگ پر آمادہ کیا ہے، اس لئے آگے بڑھ کر انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! وہ تو ایک ہماری رائے تھی جو ہم

نے آپ کے سامنے ظاہر کی تھی اگر آپ مناسب یہی سمجھتے ہیں تو پھر بے شک شہر میں ٹھہرے رہیں، آپ نے کہا کہ اب نہیں ایک نبی کے لئے یہ زیب نہیں ہے کہ وہ مسلح ہو کے نکلے پھر ہتھیار اتار دے جنگ میں شریک ہوئے بغیر، حکم دیدیا کہ اب چلو احد کی طرف ایک ہزار کا لشکر تیار ہوا اور آپ اس کو لیکر چل دیے۔

لیکن عبداللہ بن ابی چونکہ منافق تھا اس کو تو مسلمانوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں تھی جب اس کو معلوم ہوا کہ آگے مشرکوں اک اتنا بڑا لشکر آیا ہوا ہے یہ سمجھا کہ اتنے بڑے لشکر کے مقابلہ میں ہزار آدمیوں کا جانا ایسے ہی ہے جیسے اپنے آپ کو موت کے منہ میں جھونکنا، ایمان تو تھا نہیں کہ آخرت کی فضیلت حاصل کرنے کا خیال ہو، شہادت کا شوق ہو، مسلمانوں سے کوئی ہمدردی نہیں تھی کہ ہم اپنی جماعت کے ساتھ مل کر ان کے لئے قوت کا باعث بنیں، تو جب مدینہ منورہ سے باہر نکلے ہیں تو باہر جا کر اس نے اپنے ساتھیوں کو بہکایا اور تین سو افراد سمیت یہ شخص راستہ سے واپس آگیا، جس وقت یہ تین سو واپس ہوئے تو باقی رہ گئے سات سو، اب آپ جانتے ہیں کہ ابتداء ہی سے کوئی لڑائی میں شریک نہ ہو یہ اتنا اثر انداز نہیں ہوتا جب ساتھ شریک ہو کر چل پڑیں اور راستہ میں بزدلی دکھا کر واپس آجائیں تو پھر باقیوں کے قدم بھی ڈگمگا جاتے ہیں اور حوصلے پست ہو جاتے ہیں۔

دو قبیلے ہیں بنوسلمہ اور بنوحارثہ ان میں سے بنوحارثہ اوس میں سے ہیں اور بنوسلمہ خزرج میں سے ہیں، ان دونوں کے بھی دل کچھ ڈھیلے ہونے لگے کہ جب اتنے لوگ واپس چلے گئے ہیں تو ہمیں بھی واپس ہو جانا چاہیئے، لیکن یہ بات ان کے دل میں وسوسہ کے درجہ تک ہی رہی اس پر انہوں نے عمل نہیں کیا جس کا ذکر اس آیت کے اندر آئے گا کہ تم میں سے دو طائفے تھے جو ڈھیلے ہونے لگے تھے لیکن اللہ نے انہیں سنبھال لیا تو قرآن میں "اللہ ولیھما" کا جو لفظ آگیا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ بنوسلمہ اور بنوحارثہ کے لوگ کہا کرتے تھے یہ آیت جو قرآن کریم میں اتری ہے اس میں اگرچہ ہماری کمزوری کی نشاندہی کی گئی ہے لیکن اس کا اترنا ہمیں زیادہ پسند ہے نہ اترنے کے مقابلہ میں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے "اللہ ولیھما" کی بشارت بھی ہمیں اس آیت میں دی ہے اس لئے اس کا اترنا ہمیں زیادہ محبوب ہے اس کے نہ اترنے سے ان کو سنبھال لیا۔

تو سرور کائنات ﷺ اپنے ان سات سو ساتھیوں کو لیکر احد کے دامن میں جا کے آپ نے ٹھکانہ لگایا احد پہاڑ کو اپنی پشت کی جانب کیا اور مختلف جگہوں پر صحابہ کرام کی ڈیوٹیاں لگائیں، احد کے پاس ہی ایک پہاڑ ہے جس کو آج کل جبل رماۃ کہتے ہیں، اس پہاڑی اور مدینہ منورہ کی جانب بہت گہری وادی ہے اور اس وقت تک بھی وہ گہری ہے، یعنی وہ ایسی وادی ہے جہاں حضور ﷺ نے اپنے لشکر کو ٹھہرایا تھا کہ پہاڑ کی طرف آپ نے پشت کی اور میدان میں آپ ٹھہرے، اگر اس میدان میں لڑائی ہوتی تو اس وادی میں سے کوئی لشکر پہاڑ کے اوپر سے آکر یوں حملہ کرے تو اس میدان میں لڑنے والوں کو وہ آنے والے

نظر نہیں آتے کہ وادی اتنی گہری ہے اور مسلمان بالکل محاصرہ میں آجاتے، اس لئے حضور ﷺ نے اس وادی کے کنارے پر ایک پہاڑی ہے اس کے اوپر پچاس آدمی متعین کردیے کہ تم نے اس کی نگرانی کرنی ہے کہ کوئی شخص اس وادی میں سے آکر ہمارے پیچھے سے حملہ نہ کردے۔

عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ ان پچاس آدمیوں پر امیر مقرر فرمایا ان کی ڈیوٹی وہاں لگ گئی اور حضور ﷺ نے تاکید کردی ہم فتح پاجائیں شکست کھاجائیں کچھ ہو تم نے اس جگہ کو نہیں چھوڑنا جس وقت تک میرا حکم نہ آجائے، اور اسی طرح مورچہ بندی کی کسی کو کہیں ٹھہرایا کسی کو کہیں ٹھہرایا اور اس پہاڑی کے آس پاس ہی پیدل لوگوں پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو متعین کیا تھا، چنانچہ ان کی جو شہادت گاہ کا نشان ہے وہ اس پہاڑی کے بالکل متصل ہے، جہاں ان کا پہلا مقبرہ ہے اب وہ وہاں مدفون نہیں وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کئے گئے ہیں۔

مختلف جگہوں پر متعین کرنے کے بعد لڑائی کی ابتداء ہوگئی جس وقت لڑائی کی ابتداء ہوئی تو پہلے حملہ میں ہی مسلمانوں نے مشرکوں کو آگے لگالیا، مشرکوں کے قدم اکھڑ گئے، اور بہت سارے لوگ ان میں سے قتل بھی ہوئے تو اس وقت وہ میدان جو لڑائی کے لئے تجویز ہوا تھا وہ خالی ہوگیا وہ بھاگے اور صحابہ پیچھے تو جو لوگ پہاڑی پر کھڑے تھے ان میں سے بعض کہنے لگے اب ہمارے یہاں کھڑے رہنے کی کیا ضرورت لڑائی تو ختم ہوگئی اب تو سارے مشرک بھاگ گئے میدان خالی ہے اب ہمیں اترنا چاہیئے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مال غنیمت اکٹھا کرنا چاہیئے۔

عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا بھائی حضور ﷺ کا حکم آیا تھا کہ جب تک میں پیغام نہ بھیجوں اس وقت تک تم نے اس پہاڑی کو نہیں چھوڑنا، بعض کہنے لگے کہ اس کا مطلب تو یہ تھا کہ لڑائی کے دوران میں اب تو لڑائی ختم ہوگئی ہے، ہمیں بھی ان کا پیچھا کرنا چاہیئے، اب کونسا خطرہ ہے کہ ادھر سے آکر وہ حملہ کریں گے اس طرح آپس میں اختلاف رائے ہوگیا، اڑتیس آدمی وہاں سے اتر آئے اور صرف بارہ آدمی وہاں پہاڑی کے اوپر قائم رہ گئے تو مشرکوں کے فوج کے اندر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی تھے اور یہ جرنیک قسم کے آدمی امور جنگ کے ماہر، جس طرح مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے اپنے جنگی کارنامے سرانجام دیے تو جب مشرکوں کے اندر تھے تو اس وقت بھی ان کی بہادری نمایاں تھی، انہوں نے جس وقت دیکھا کہ اب یہ پہاڑی خالی ہے تو انہوں نے فوراً ہی تدبیر کی کہ اس وادی میں ایک لشکر لے کر نیچے نیچے آئے عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی ان کے اوپر نظر پڑی مقابلہ ہوا مگر یہ بارہ آدمی تھے اتنے بڑے لشکر کی یلغار کو کیسے روکتے اور دوسری طرف مسلمان سارے مشرکین کے پیچھے لگے ہوئے تھے تو وہ پیچھے سے آئے اور یہ بارہ آدمی شہید مقابلہ میں شہید ہوگئے۔

اور پھر اس پہاڑی کے اوپر آکر پیچھے سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا جو اندیشہ سرور کائنات ﷺ کو تھا کہ وہ

ادہر سے نہ آجائیں تو وہ پورا ہو گیا، ان صحابہ کی اس لغزش کی وجہ سے کہ انہوں نے وہ مورچہ چھوڑ دیا، جب پیچھے سے حملہ ہوا اور مشرکوں کو بھی احساس ہوا کہ ہمارے آدمی پیچھے سے پہنچ گئے ہیں تو انہوں نے بھی پیچھے کو منہ کر لیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دونوں لشکروں کے درمیان میں آ گئے اور ایک طرف پہاڑ ہے تو اس اچانک حملہ کے ساتھ جو گھبراہٹ ہوئی تو مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے، افراتفری پھیل گئی کوئی آگے کو بھاگا جا رہا ہے کوئی پیچھے کے طرف دوڑ رہا ہے کچھ لوگ پہاڑ کے اوپر چڑھ کر دوسری طرف چلے گئے مدینہ منورہ کی طرف دوڑ گئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر ساتھی اس میدان میں منتشر ہو گئے۔

اتفاق سے کسی نے آواز بلند کر دی "ان محمد ا قد قتل" نعوذ باللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی قتل کر دیئے گئے، کیونکہ پتھر لگنے کی وجہ سے آپ کا چہرہ مبارک بھی زخمی ہو گیا تھا اور دانت مبارک بھی ٹوٹ گیا تھا اور کھود گھس گئی اور خون ہی خون ہو گیا تو آپ چکر کھا کے گر گئے تھے جس کہ وجہ سے یہ آواز بلند ہوئی "ان محمدا قد قتل" پھر جو آپ کے ساتھ تھوڑے سے افراد رہ گئے تھے انہوں نے آپ کو سنبھالا اور آپ کو وہاں سے اٹھا کر لے گئے اور پہاڑ کے اندر ایک غار ہے اس غار میں لے جا کر بٹھا دیا، اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ وغیرہ وہاں حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے اس طرح مسلمانوں نے نقصان اٹھایا اور اکثر بھاگ گئے جس کی وجہ سے مشرکین کو خیال آیا کہ ہم نے اب میدان ختم کر لیا ہے۔

ابو سفیان نے ایک جگہ کھڑے ہو کر نعرہ لگایا اعلیٰ ھبل ،ھبل بلند ہوا جس کا مسلمانوں نے جواب دیا تھا "اللہ اعلیٰ واجل" اس نے آواز دے کر پوچھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ ابو بکر ہے؟ عمر ہے؟ جب کسی نے کوئی جواب نہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دینے منع کر دیا تھا تو وہ کہنے لگا سب قتل ہو گئے ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا تو پھر انہوں نے بلند آواز سے کاہ کہ سب زندہ ہیں اور تجھے ذلیل کرنے کے لئے ابھی یہ باحیات ہیں، اس قسم کی آوازیں بھی ایک دوسرے پر کسی گئیں، لیکن یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہی ایک نصرت ہے جس کے اوپر اہل تاریخ حیران ہیں اور واقعی حیرانگی والی بات ہے کہ مسلمانوں میں افراتفری ہو گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے، میدان چھوٹ گیا لیکن اس کے باوجود مشرک خود بخود پسپا ہو گئے اور انہوں نے میدان چھوڑ دیا جس کو فیصلہ کن شکست کہتے ہیں وہ مسلمانوں کو نہ دے سکے۔

ورنہ وہ موقع ایسا تھا کہ اگر وہ چاہتے تو مدینہ کی بستی کو اجاڑ سکتے تھے، اگر چاہتے تو بھاگے ہوئے لوگوں کو پکڑ سکتے تھے اور یہ سات آٹھ افراد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد تھے ان کو بھی وہ نقصان پہنچا سکتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے قلوب پھیر دیئے گئے کہ یہ چیزیں ان کے ذہن میں نہیں آئیں، اور محض قدرت خداوندی کے ساتھ ہی جنگ کا رخ بدلا کہ وہ اس میدان کو چھوڑ کے واپس آ گئے، جب وہ کئی میل باہر نکل آئے تو پھر ان کو خیال آیا کہ ہم نے یہ کیا کیا؟ اب تو موقع ایسا ملا تھا ہمیں تو پوری طرح صفائی کر دینی چاہیئے تھی، واپس چلتے ہیں لیکن پھر مرعوب ہو گئے جس کا تذکرہ آگے غزوہ حمراء الاسد کے

عنوان کے تحت آئے گا، دوبارہ ان کو ادھر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

پھر زخمی صحابہ حضور ﷺ کے ارد گرد اکٹھے ہوئے اور شہداء کو اکٹھا کیا گیا، ستر یا پچھتر کے قریب افراد شہید ہوئے، اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی میدان میں ہوئی، اور پھر ان کی قبریں کھودی گئیں، ایک ایک قبر کے اندر دو دو تین تین کو لٹایا گیا، چونکہ زخموں کی وجہ سے سارے تھکے ہوئے تھے اور اتنی ہمت نہیں تھی کہ ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ قبر کھودیں خاص طور پر اس پہاڑی علاقہ میں تو ایک ایک قبر کے اندر کئی کئی کو لٹایا گیا اس طرح ان شہداء کو وہاں دفن کر دیا گیا۔

اور یہ جو لڑائی پیش آئی اس میں جہاں مسلمانوں کو نقصان پہنچا اس کے ساتھ ہی کچھ کافروں کے، منافقوں کے، یہودیوں کے کچھ حوصلے بھی بلند ہو گئے،، جس طرح بدر کی لڑائی میں ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے اور وہ سمجھے تھے کہ اب مسلمانوں کو زیر کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ منافقانہ طور پر بہت سارے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور یہود بھی دب گئے اور ان کی شرارتیں بھی کم ہو گئیں، اور اس غزوہ احد کے ساتھ ان کے حوصلے پھر کچھ بلند ہو گئے کہ یہ کوئی ایسی قوت نہیں ہے کہ جس کو شکست نہ دی جا سکے تو ان کو شکست بھی دی جا سکتی ہے۔

تو اس طرح مخالفوں کے حوصلے بلند ہونے کے بعد پھر چھیڑ چھاڑ کا دور زیادہ شروع ہو گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس غزوہ کے کچھ حالات پر مفصل تبصرہ کیا ہے اور جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہوا ان کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کو نصیحتیں کی گئی ہیں اور جو صبر وتقویٰ کے اندر کچھ کمی ہوئی تھی اس پر بھی تنبیہ کی گئی ہے، اور کافروں اور مشرکوں کے سامنے مسلمانوں کی اس تکلیف کی حکمتیں واضح کی گئیں، اس لئے یہ واقعہ قرآن کریم کے اندر کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس کے یہ مختلف پہلو ہیں جن کو اجاگر کیا گیا ہے۔

"واذ غدوت من اهلك" ان ابتدائی آیات میں واقعہ شروع ہو رہا ہے کہ یاد کیجئے جس وقت آپ چلے صبح کے وقت اپنے گھر سے ٹھکانہ دیتے تھے آپ ایمان والوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر، لڑائی کے مورچوں میں یا لڑنے کے لئے آپ مختلف ٹھکانوں پر ٹھہراتے تھے، یہ وہ ابتدائی قصہ ہے جب حضور ﷺ احد سے چلے ہیں، اللہ سننے والا ہے جاننے والا ہے مخالف موافق سب کی باتیں اللہ کو معلوم ہیں، یاد کیجئے جس وقت تم میں سے دو گروہ بزدل ہونے لگے تھے قصد کیا انہوں نے بزدل ہو جائیں، ہمت چھوڑ دیں پھر اللہ نے انہیں ہمت چھوڑنے نہیں دی، اللہ ان کا ولی تھا اس لئے ان کو سنبھال لیا، یہی واللہ ولیهما کا لفظ ہے جس کو بنو سلمہ اور بنو حارثہ اپنے لئے بشارت قرار دیتے ہیں اس میں "وعلى الله فليتوكل المؤمنون" اس میں ان کے اس فعل کے اوپر انکار ہے کہ تم اس لئے حوصلہ چھوڑ رہے تھے کہ تعداد تمہاری کم ہو گئی اور بہت سارے افراد تمہیں چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیئے، تعداد پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے، اور نہ ساز وسامان پر

اعتماد کرنا چاہیئے۔

مومنوں کا کام ہے کہ نظر اللہ پر رکھیں جتنے اسباب اپنے بس میں ہوں ان کو توجمع کرنا چاہیئے ان میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے، لیکن اسباب اختیار کرنے کے بعد نتیجہ اللہ کے ہاتھ قرار دیتے ہوئے اپنی ہمت نہیں ہارنی چاہیئے، توکل کا یہی معنی ہوتا ہے توکل کا یہ معنی نہیں ہے کہ ظاہری اسباب کی بھی رعایت نہ رکھو ظاہری اسباب کی رعایت تو تھی کہ حضور ﷺ نے بھی زرہ پہنی اسلحہ اٹھایا، ساتھی اکٹھے کئے، جماعت بنائی یہ سب ظاہری اسباب تو ہیں، لیکن اپنی طاقت کے مطابق اور اپنے وسائل کے مطابق جس وقت اسباب ظاہری جمع ہو جائیں تو پھر یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے اسباب کمزور ہیں، ہم ضرور شکست کھا جائیں گے، ہماری تعداد تھوڑی ہے دشمن ہمارے اوپر ضرور غالب آجائے گا۔

پھر وہی بات ہے جو طالوت کے ساتھیوں نے کہی تھی "کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين" تو صبر کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت ہوتی ہے، باقی قلت وکثرت کے اوپر فتح وشکست نہیں، ایمان والوں کا جذبہ یہی ہو کہ اپنی طرف سے ہمت میں کمی نہ کریں اور اپنی طرف سے ہمت صرف کر کے پھر بھروسہ اللہ پر کریں کہ فتح وشکست اللہ کے ہاتھ میں ہے، اپنی قلت سے متأثر ہونا اچھی بات نہیں ہے اللہ پر اعتماد کرنا چاہیئے۔

"ولقد نصركم الله ببدر" یہ مثال دیدی کہ پچھلے واقعہ کو دیکھو کہ اس وقت تمہاری تعداد کوئی زیادہ تھی، اس وقت اسلحہ تمہارے پاس بہت تھا، جس وقت اللہ نے تمہاری مدد کی اور تمہیں فتح دی تو وہاں بھی اللہ کی نصرت کے ساتھ ہی ہوا، اب بھی تمہیں چاہیئے تھا کہ اللہ کی نصرت پر ہی نظر رکھو کہ اللہ نے مدد کی تمہاری بدر کے میدان میں، اس حال میں کہ تم کمزور تھے بے سروسامان تھے یہ ہے اذلۃ کا مفہوم، یہ اعزہ کے مقابلہ میں ہے، اور اعزہ وہ ہوتے ہیں جو غالب ہوں، جن پر کوئی غالب نہ آسکے جو طاقت والے ہوں اس کے مقابلہ میں جب اذلہ بولیں گے تو اس سے کمزور اور بے سروسامان لوگ مراد ہوں، اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ونصرت کے تم شکر گزار رہو، تقویٰ پر اللہ کی طرف سے جو نصرت آتی ہے اس کی شکر گزاری یہی ہے کہ اللہ کے مزید احکام کی پابندی کرو اور مزید تقوی اختیار کرو۔

"اذتقول للمؤمنين" یہ آیات غزوہ سے متعلق ہیں یا غزوہ بدر سے اس میں مفسرین کی دونوں رائیں ہیں، بعض حضرات کے نزدیک تو یہ غزوہ بدر سے متعلق ہیں کہ غزوہ بدر میں حضور ﷺ نے مؤمنین کو تسلی دی تھی کہ جب اللہ کے سامنے نصرت کی دعا کی تو اللہ نے پہلے وعدہ کیا ہزار فرشتوں کا جس کا ذکر سورۃ انفال میں آئے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے مزید اطمینان دلانے کے لئے تین ہزار کی بشارت دی، اور پھر جب مسلمانوں کو خبر پہنچی کہ مشرک قرظ بن جابر بہت بڑا لشکر لیکر شہر مشرکوں کی حمایت کے لئے آرہا ہے اس سے پھر خوف وہراس طبعیتوں میں آیا تو اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کروں گا،

اور یہ خبر جو دی جارہی ہے یہ محض بشارت اور تمہارے اطمینان قلب کے لئے دی جارہی ہے، ورنہ نصرت اللہ کے ہاتھ میں ہے بغیر فرشتوں کی وساطت سے بھی اللہ غالب کرسکتا ہے، پھر یہ آیات بدر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں کہ مسلمانوں کو بشارت دیتے ہوئے نصرت کا وعدہ کرتے ہوئے حضور ﷺ کی زبان سے یہ بشارتیں دلوائیں کہ یہ فرشتے اللہ کی طرف سے اتریں گے بطور مدد کے۔

اور بعض مفسرین نے اس کو غزوہ احد کے ساتھ ہی لگایا ہے کہ جب یہ منافقین تین سو کی تعداد میں واپس ہوگئے تو مسلمانوں پر طبعی طور پر اس کا کچھ اثر پڑا تو سرور کائنات ﷺ کی طرف سے ان کو بشارت دی گئی کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے اگر یہ تین سو واپس ہوگئے ہیں تو اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا اور جیسے مشرکوں کی طرف سے جوش وخروش کی خبریں آرہی ہیں، اگر اسی جوش وخروش کے ساتھ وہ حملہ آور ہو بھی جائیں گے تو اللہ پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا، تین ہزار کی بشارت یوں مناسب ہوجائے گی کہ کفار کا لشکر تین ہزار تھا یا یہ واپس ہونے والے تین سو تھے تو اللہ نے دس گنا کرکے فرشتے ذکر کردیے۔

اور پانچ ہزار کی مناسبت اس طرح ہے کہ بڑے لشکر کے پانچ حصے ہوا کرتے ہیں اس لئے بڑے لشکر کو خمیس کہتے ہیں، پانچ حصے ہوا کرتے ہیں مقدمۃ الجیش آگے ہوا کرتے ہیں، میمنہ جو دائیں طرف ہوتے ہیں، میسرہ جو بائیں طرف ہوتے ہیں، ساقہ جو سب سے پیچھے ہوتے ہیں، قلب جو درمیان میں ہوتے ہیں، یہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں، گویا کہ ایک ایک حصہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہزار ہزار فرشتے بطور مدد کے شامل ہوجائیں گے تو یہ غزوہ احد میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ کی زبانی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بشارت دی تھی، اس طرح اس کو غزوہ احد کے ساتھ بھی جوڑا جاسکتا ہے۔

یاد کیجئے جب آپ کہہ رہے تھے مؤمنوں کو کہ کیا تمہارے لئے کافی نہیں کہ اللہ تمہیں مدد دے تین ہزار فرشتوں کی جو اتارے ہوئے ہوں گے یہ ان فرشتوں کے علاوہ ہیں جو عام طور پر دوسرے کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر ٹھہرائے ہوئے ہیں، یہ وہ فرشتے ہوں گے جو جنگ میں شمولیت کے لئے اتارے جائیں گے، کیوں نہیں یعنی یہ بھی کافی ہیں، لیکن آگے نیا وعدہ ہے کہ اگر تم مستقل مزاج رہے صابر رہے اور متقی رہے اور وہ لوگ تمہارے پاس اس جوش وخروش کے ساتھ آگئے تو تمہیں تمہارا رب مدد دے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جو نشان لگانے والے ہوں گے، یعنی ان پر کوئی خصوصی علامات لگی ہوئی ہوں گی جس سے معلوم ہوگا کہ یہ جنگ میں شرکت کے لئے آئے ہیں۔

اس خبر کو نہیں بنایا اللہ نے تمہارے لئے مگر بشارت اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوجائیں اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی جانب سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے، اصل مدد تو اللہ کی جانب سے ہے باقی فرشتوں کی تعداد وغیرہ دلوں

کے اطمینان کے لئے ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کیوں اتارے گا یہ مدد تمہیں کیوں دے گا تا کہ مشرکوں کے کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کردے اور باقیوں کو خائب وخاسر کر کے واپس لوٹا دے، یا بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی اگر اس کو بدر کے ساتھ لگائیں کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کیوں کی تا کہ کافروں کے ایک گروہ کو ہلاک کردے اور باقی خائب وخاسر ہو کر واپس لوٹ جائیں۔

"لیس لك من الامر شیء "اس آیت کے شان نزول میں بھی دونوں قسم کی باتیں ہیں اگر تو اس کو غزوہ احد کے ساتھ لگایا جائے تو پھر اس کا مطلب یوں ادا کیا جائے گا کہ یہ منافق جو تین سو واپس لوٹ گئے ہیں آپ ان کی وجہ سے غمزدہ نہ ہوں اس معاملہ میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے، آپ نے جہاں تک تبلیغ کرنی تھی جہاں تک ان کو سمجھانا تھا سمجھا دیا اب اگر وہ سمجھانے کے باوجود راہ راست پر نہیں آئے تو اس میں آپ پریشان نہ ہوں، اللہ کے اختیار میں ہے چاہے آئندہ کے طور پر ان کی توبہ قبول کرلے اور ان پر رجوع کرے اور ان کو اچھا بنا دے کہ آئندہ اس قسم کی یہ لغزش نہ کریں، اور اگر اللہ تعالیٰ مناسب سمجھیں تو ان کو عذاب دیں، اسی نفاق کے اندر مبتلا رکھے اور اسی نفاق کے اوپر موت دے کہ بے شک یہ ظالم ہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے یوں بھی اس کا تعلق قائم کیا گیا ہے کہ ان منافقوں کے چلے جانے کی وجہ سے حضور ﷺ کو جو صدمہ ہوا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے، آپ کے ذمہ تبلیغ تھی، آپ نے سمجھانا تھا سمجھا دیا اب ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کردو چاہے آئندہ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق دے اور یہ توبہ استغفار کرلیں اور اللہ ان کی توبہ قبول کرلے یا ان کو نفاق پر ہی موت دے کر ان کو عذاب میں مبتلا کردے، یہ اللہ کے اختیار میں ہے جس کو چاہے بخشے نیکی کی توفیق دے اور جس کو چاہے عذاب دے دے، آپ کو اس معاملہ میں کوئی اختیار نہیں ہے ہر قسم کا اختیار اللہ کے لئے ہے۔

اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ جب حضور ﷺ کو زخم آ گیا تو اس وقت آپ نے کافروں کے لئے ایک بددعا کرنی چاہی یا اس قسم کے الفاظ آپ کی زبان پر آئے کہ اس قوم کا کیا حال ہوگا یا وہ قوم کیسے کامیاب ہوسکتی ہے جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ حال کیا، اور اشارہ اپنے دانت کی طرف کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ آیت اتاری کہ آپ صبر وتحمل رکھیں اس معاملہ میں آپ کا کوئی اختیار نہیں ہے، اللہ کی حکمتیں ہیں چاہے ان کافروں کو توبہ کی توفیق دیدے اور ان کو نیکی کی توفیق دے کر ان کے لئے مغفرت کا سامان پیدا کردے یہ بھی اللہ کے اختیار کی بات ہے، اور چاہے تو یہ اپنے کفر وشرک کے اوپر پڑے رہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں مبتلا کردے یہ بھی اللہ کے اختیار میں ہے آپ اس معاملہ میں کوئی دخل نہ دیں۔

تو زخمی ہونے کے بعد حضور ﷺ نے جو بددعا کرنے کا ارادہ کیا تھا تو اس وقت یہ آیت اتری، دونوں طرح اس

آیت کا شان نزول ذکر کیا گیا ہے، بہر حال یہ آیات غزوہ احد سے متعلق ہیں یا غزوہ بدر سے، نہیں ہے آپ کے لئے امر سے کچھ بھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر رجوع کرے ان کی توبہ قبول کرے یا عذاب دے پس بے شک یہ ظالم ہیں اور اللہ ہی کے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بخشے گا جس کو چاہے گا عذاب دے گا جس کو چاہے گا اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا
اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿١٣١﴾ وَأَ
طِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٣٢﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن
رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٣﴾ الَّذِينَ
يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ
عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣٤﴾ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا
فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۖ
وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٣٥﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿١٣٦﴾
قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى
وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾

ترجمہ:

اے ایمان والو سود نہ کھایا کرو کئی کئی گنا بڑھایا ہوا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ، اور بچو تم آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے اور اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو تا کہ تم پر رحم کیا جائے، دوڑو اپنے رب کی طرف سے مغفرت کی طرف اور جنت کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین ہیں تیار کی گئی ہے متقین کے لئے، جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں اور تکلیف میں اور غصہ کو دبانے والے ہیں اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، وہ لوگ جس وقت کوئی فاحشہ کر لیتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو یاد کرتے ہیں اللہ کو پھر استغفار کرتے ہیں اپنے گناہوں کے لئے، کون گناہوں کے بخشتا ہے سوائے اللہ کے اور وہ اصرار نہیں کرتے اس کام پر جو انہوں نے کیا حالانکہ وہ جانتے ہیں، یہ لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور باغات ہیں جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہے، تحقیق گزر گئے تم سے پہلے بھی واقعات پس تم زمین میں چلو پھرو پھر تم دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا، یہ لوگوں کے لئے وضاحت ہے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے متقین کے لئے۔

تشریح:

شروع میں غزوہ احد کا ذکر آیا تھا جس کے ضمن کچھ بدر کے واقعات کے طرف اشارہ کر دیا گیا تھا اور یہ آیات جن کا ترجمہ کیا گیا ہے ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کو کچھ ہدایات دی ہیں، اور ان ہدایات کا حاصل یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیجئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی نہ ہونے پائے، بدر کے اندر صبر وتقوی مضبوط تھا تو اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت حاصل ہوئی، اور احد کے اندر بعض معاملات میں صبر وتقوی کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے محرومی ہوئی، تو جس وقت تک تم صبر وتقویٰ کو اختیار کیے رہو گے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل رہے گی تو اس میں خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے چونکہ جہاد کے لئے یہ بھی بہت ضروری ہے، جس طرح جہاد میں جانی قربانی دی جاتی ہے اسی طرح مال کی قربانی بھی دی جاتی ہے کہ جب تک خرچ نہیں کریں گے اس وقت تک جہاد کی تیاری نہیں ہوگی۔

اصل مقصود ہے خرچ کی ترغیب دینا، خرچ کرنے کی ترغیب دینے سے پہلے سود لینے کی ممانعت کر دی، سورت بقرۃ کے آخری حصہ میں آپ کے سامنے گزر چکا کہ سود صدقہ کے ساتھ تضاد کا تعلق رکھتا ہے، اللہ کے راستہ میں مال وہ شخص خرچ کر سکتا ہے جس کے دل میں مال کی محبت نہ ہو بلکہ آخرت کی قدر ہو، اور سود خور انتہائی طور پر مال کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے

کہ اگر کسی کو بوقت ضرورت وہ قرض دیتا ہے تو اپنے پیسے واپس لیتا ہے اور صرف اپنے پیسے ہی واپس نہیں لیتا تھوڑا سا وقت جو اس نے اس کے مال سے فائدہ اٹھایا ہے اس کی قیمت بھی وصول کرتا ہے، تو یہ انتہائی بخل اور مال کے ساتھ انتہائی محبت کی علامت ہے، تو جب کوئی شخص مال کی محبت میں اس طرح مبتلا ہو جائے تو پھر وہ مال اللہ کے راستہ میں صدقہ خیرات کے طور پر نہیں دے سکتا، اور جب مال کے بارے میں اتنا بخل ہوگا تو جان کے بارے میں بھی بخل کرے گا۔

ایثار او ہمدردی اللہ کے راستہ میں اپنی جان اور مال کی قربانی یہ سود کھانے والوں سے ممکن نہیں ہوتی اور اس زمانہ مین مدینہ منورہ کے اردگرد چونکہ یہود کے قبائل آباد تھے اور یہود سودی کاروبار بہت کرتے تھے، اور سرور کائنات ﷺ کے تشریف لانے سے قبل اوس اور خزرج اور دوسرے قبائل کے بھی ان کے ساتھ یہی سودی معاملات چلتے رہتے تھے، مدینہ منورہ میں آنے کے بعد سرور کائنات ﷺ نے سود کی ممانعت کر دی کیونکہ یہ مالی نشیب وفراز بہت زیادہ پیدا کر دیتا ہے ایثار اور ہمدردی سے انسان محروم ہو جاتا ہے اور پھر اب یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہود کے ساتھ تعلقات چھوڑ دو ''لا تتخذوا بطانة من دونكم ولا يألونكم خبالا'' تو ان تعلقات کے قطع کرنے کے لئے بھی سود کی ممانعت مفید ہے کہ جس وقت تک یہ سودی کاروبار چلتے رہیں گے اس وقت مسلمانوں کے تعلقات ان یہودیوں کے ساتھ رہیں گے، اور جب سودی معاملات چھوٹ جائیں گے تو یہودیوں کے ساتھ قطع تعلق ہو جائے گا۔

بہر حال اسی مقاصد کے تحت اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہاں سود کی ممانعت کی ہے اور سود کی ممانعت کرتے ہوئے لفظ یہ آئے ''لا تأكلوا الربا اضعافا مضاعفة'' کہ کئی گنا سود نہ کھایا کرو یہ ''اضعافا مضاعفة'' کی جو قید لگائی ہے یہ احترازی نہیں بلکہ ایک واقعہ کا بیان ہے، احترازی اگر ہو تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ تھوڑا بہت تو کھا لیا کرو، لیکن جو اصل کے مقابلہ میں کئی گنا ہو جائے وہ نہ کھایا کرو، یہ مطلب غلط ہے، چونکہ قرآن کریم میں ہی دوسری جگہ مطلقاً ربوا کی حرمت مذکور ہے، ''احل الله البيع وحرم الربوا'' اور سود کھانے والوں کی مذمت بھی علی الاطلاق کی گئی ہے، تھوڑا کھائیں یا زیادہ کھائیں۔

اور سرور کائنات ﷺ اپنی کلام پاک میں بھی سود کے ایک ایک درہم کی مذمت بیان فرمائی ہے اس لئے سود کی حرمت کا تعلق اس سے نہیں کہ وہ اصل سے بڑھ جائے بلکہ کم سے کم ہو تو بھی وہ حرام ہے اس کی حرمت دوسری آیات اور صحیح روایات سے ثابت ہے اور یہاں جو ''اضعافا مضاعفة'' کی قید لگائی ہے یہ اس کی قباحت کو زیادہ مستحضر کرنے کے لئے ہے جس طرح دوسرے کو نصیحت کرتے ہوئے کوئی شخص یوں کہے کہ بھائی مسجد میں گالی نہ دو، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ مسجد کے باہر گالی دینا جائز ہے بلکہ گالی کی زیادہ قباحت ظاہر کرنے کے لئے ایک نقشہ سامنے حاضر کر دیا کہ دیکھو تم مسجد میں گالی دیتے ہو گالی تو مطلقاً بھی ممنوع ہے اور پھر مسجد میں دینا اور بھی زیادہ ممنوع ہے، تو یہ قید واقعہ کے مطابق ہوتی ہے تو اس وقت بھی لوگوں

کے ہاں سود ایسے ہی چلتا تھا کہ ایک سو روپیہ دیتے اور اس کے اوپر دس روپے سود لگتا پھر اگر وقت پر وہ ادا نہ کر سکے تو ایک سو دس کو اصل قرار دیکر پھر اوپر سود لگا دیتے جس کو سود در سود کہتے ہیں کہ سود کو اصل رقم کے اندر شامل کر کے پھر اس کے اوپر سود لگاتے رہتے تو ایک سو روپیہ سود پر دیکر ہزاروں روپے یہ لوگوں سے وصول کرتے ہیں تو "اضعافامضاعفة" کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، بہت گھناؤنی چیز ہے کہ جتنے پیسے تم نے دیے تھے اس سے کئی کئی گنا زیادہ وصول کرو کتنی بری بات ہے تو زیادہ قباحت ظاہر کرنے کے لئے یہ قید لگائی ہے۔

ورنہ یہ مطلب نہیں کہ سود اگر کم ہو جائز ہے زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے، یہ قید احترازی نہیں بلکہ واقعہ کا بیان ہے اور زیادہ قباحت کو بیان کرنے کے لئے لگائی گئی ہے، سود نہ کھایا کرو کئی کئی گنا زیادہ اس صورت میں خود اس کی قباحت زیادہ نمایاں ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ یعنی آج دنیا کا نظریہ یہ ہے کہ سود لینا اور سودی کاروبار کرنا یہ کامیابی کا ذریعہ ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان مالی مشکلات میں اسی لئے مبتلا ہیں کہ یہ سودی کاروبار نہیں کرتے، یہ بات اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہدایت کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان یہ ہے کہ فلاح اسی میں ہے کہ تم سود کو چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرو، اہل ایمان کا جذبہ یہی ہونا چاہیئے کہ چاہے دنیا کی کامیابی چاہے آخرت کی کامیابی یہ اللہ کے احکامات ماننے میں ہے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی میں نہیں ہے، "لعلکم تفلحون" میں اسی بات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے اللہ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کو قبول کرو۔

"واتقوا النار التی" بچو جہنم سے جو کہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے یہ لفظ آپ کے سامنے سورت بقرۃ کی ابتداء میں بھی آئے تھے، وہاں عرض کر دیا گیا تھا کہ جہنم اصل کے اعتبار سے تو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے لیکن مؤمن جس وقت تک اس کے اندر کوئی کفر کا شعبہ نہ پایا جائے اس وقت تک جہنم میں نہیں جائے گا، کفر ہے دو قسم کا ایک ہے کفر اعتقادی اور ایک ہے کفر عملی، کفر اعتقادی اگر ہوگا تو جہنم اسی کے لئے ہے وہ تو دائماً اس میں رہے گا اس کو اس سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا اور جس وقت کفر اعتقادی تو نہیں ہے البتہ کوئی کام کافروں والا ہو گیا اللہ تعالیٰ کی معصیت کا جو شعبہ بھی ہے وہ سب کفر کا شعبہ ہے، اگر کوئی شخص ان نافرمانیوں میں سے کسی نافرمانی کو اختیار کرتا ہے مثلاً نماز نہیں پڑھتا تو نماز نہ پڑھنا یہ بھی کافروں کا کام ہے زکوۃ نہیں دیتا تو زکوۃ نہ دینا یہ بھی کافروں کا کام ہے، حج نہیں کرتا تو حج نہ کرنا یہ بھی کافروں کا کام ہے، یا اسی طرح کسی بدمعاشی، فسق وفجور کے اندر مبتلا ہوتا ہے تو یہ ساری کی ساری چیزیں کفر کے شعبے ہیں ایمان کے شعبے نہیں۔

تو جس وقت کوئی شخص اس کفر کے شعبہ کو اختیار کرتا ہے عملی طور پر تو اس عملی مشابہت کی بناء پر وہ جہنم میں جائے گا، لیکن فرق یہ ہوگا کہ اگر اس میں صرف عملی کفر تھا تو سزا پائے گا اور سزا پانے کے بعد بخشا جائے گا، اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی

رحمت کے ساتھ ابتداءً بھی معاف فرمادے، بہر حال گناہ گار آدمی جس کا عقیدہ صحیح ہو وہ دائمی جہنمی نہیں، دائمی جہنمی وہی ہے جو عقیدۃً کافر ہے، باقی مومن جو جہنم میں جائے گا تو اس کافر کی مشابہت کی بناء پر جائے گا، اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف نہ کرے یا کسی کی سفارش سے جان نہ چھوٹے تو اس عملی کفر کی سزا پانے کے لئے وہ جہنم میں جائے گا اور جس وقت وہ سزا پوری ہو جائے گی اللہ کے علم کے مطابق تو پھر اس کو چھوڑ دیا جائے گا پھر وہ نجات پا جائے گا، تو مؤمن آخر کار ناجی ہے یہ اصل تیار کافروں کے لئے کی گئی ہے۔

"واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول" اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے یہاں دو لفظ بولے گئے اللہ اور رسول، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اب اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام صراحتاً اترتے ہیں جیسے کتاب اللہ میں آگئے، ان کو اگر آپ براہ راست مانتے ہیں تو یہ اللہ کی اطاعت ہے اور اس کے علاوہ رسول کا یہ منصب ہے کہ وہ آپ کو ایسے احکام بھی دے سکتا ہے کہ جن کا ذکر صراحتاً کتاب اللہ کے اندر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول کا منصب بیان کیا ہے، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت تو تعلیم کا تعلق اس کے ساتھ ہی ہے کہ لفظی ترجمہ کے علاوہ اس کا کچھ مفہوم بھی سمجھا جائے اور حکمت سے سنت بھی مراد لی گئی ہے، اور رموز و نکات جو کتاب اللہ سے ثابت ہوتے ہیں وہ بھی مراد ہیں، تو جب رسول کا منصب ہے کہ وہ معلم کتاب ہے اس لئے جو کچھ وہ اس کتاب کی تعلیم کے تحت کہیں گے ان کا ماننا یہ بھی ضروری ہوا اب چونکہ وہ صراحتاً تو قرآن کریم میں ہوں گی نہیں، نسبت ان کی رسول کی طرف ہو گی چاہے حقیقت کے اعتبار سے وہ بھی اللہ کی بات ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" یہ رسول اپنی خواہش نفس کے تحت نہیں بولتا، ایسی باتیں نہیں کہتا جو اس کی خواہش نفس سے ناشی ہیں جو کہتا ہے اللہ کی طرف سے وحی شدہ ہوتی ہیں، چاہے الفاظ اس کے وحی شدہ ہوں چاہے کوئی مفہوم وحی شدہ ہو چاہے اصول وحی ہوں اور ان سے وہ مستنبط کر کے کہتا ہے۔

بہر حال ان کا بیان کردہ کوئی حکم ہوائے نفس سے ناشی نہیں ہے ہوتا تو سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے تو جب رسول کا منصب یہ ہے کہ تو جو کچھ رسول بیان کرے گا اس کا ماننا بھی ضروری ہوا، اس لئے ان کا ذکر علیحدہ کر دیا گیا اگر رسول نے صرف وہی بات کہنی ہو جو کتاب اللہ کے اندر آئی ہوئی ہے اور اس کے علاوہ رسول کا کوئی دوسرا منصب نہ ہو تو پھر صرف "اطیعوا اللہ" کہنا کافی تھا اطیعو االرسول بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جگہ بجگہ جو رسول کے اس منصب کو بیان کیا ہے "لتبین للناس مانزل الیھم" تاکہ تو واضح کرے لوگوں کے لئے اس چیز کو جو ان کی طرف اتاری گئی یا "ما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا" جو کچھ تمہیں رسول دے وہ لے لیا کرو، اور جس سے روکے اس سے

رک جایا کرو، رسول کا یہی منصب بیان کرنا مقصود ہے۔

اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ ایک شخص اپنے عیش وعشرت کے ساتھ تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے پاس میرا کوئی حکم آئے یا میری کوئی نہی آئے اور وہ کہے کہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے جو ہم اس میں پائیں گے ہم اس کی اتباع کریں گے تو ایسا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ میں بھی لوگوں کو احکام دیتا ہوں اور اس قسم کے احکام دیتا ہوں جن کی اتباع ضروری ہے اور وہ قرآن کریم میں مذکور نہیں بلکہ میرے بیان کردہ احکام قرآن کریم کے بیان کردہ احکام سے زیادہ ہیں بہرحال الرسول کا لفظ جو مستقل طور پر ذکر کیا گیا تو معلوم ہو گیا کہ رسول کی ایسی بات جو صراحتاً قرآن کریم میں مذکور نہیں اس کو ماننا بھی ضروری ہے، اور اصل کے اعتبار سے اطاعت رسول وہی کہلائے گی۔

جیسے ایک اور آیت آئے گی جس میں ایک لفظ اور بڑا ہوا ہو گا "اطیعو االله واطیعو االرسول واولی الامر منکم" اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت بھی کرو، اب اولی الامر سے کون مراد ہیں حکام مراد ہیں یا علماء اس میں دونوں باتیں ہیں، اطاعت رسول ان باتوں میں ہوگی جو اللہ نے صراحتاً نہیں کہیں، اور اولی الامر کا لفظ جو آ گیا تو اس سے مراد ایسی باتیں ہوں گی جو اللہ اور اللہ کے رسول نے صراحتاً نہیں کہیں، اگر اولی الامر نے بھی وہی بات آپ کو بتائی ہے کہ جو اللہ اور اللہ کے رسول نے صراحتاً کہی ہے تو پھر اس لفظ کے بڑھانے کی ضرورت نہیں تھی، یہ لفظ جو بڑھایا گا تو معلوم ہو گیا کہ اولوالامر کا ایک منصب ایسا بھی ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں کہیں جن کا ذکر صراحتاً قرآن کریم میں نہیں، صراحتاً حدیث شریف میں نہیں تو ان باتوں کا ماننا بھی ضروری ہے، بشرطیکہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی سے تعلق نہ رکھتی ہوں کہ " لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق " خالق کی معصیت جہاں لازم آتی ہو وہاں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاتی۔

اگر تو اولوالامر سے حکام مراد ہیں تو پھر اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اپنے ملکی انتظام کے لئے جو ہدایات دیں ان کا ماننا ضروری ہے اور شرعی فرض ہے اور گر علماء ہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ قرآن اور حدیث کی طرف دیکھتے ہوئے جو احکام وہ مستنبط کرتے ہیں جن کا ذکر صراحتاً قرآن اور حدیث کے اندر نہیں ہے، ان کا ماننا بھی ضروری ہے تو یہ تیسرے لفظ کا بڑھانا اسی لئے ہے کہ صراحتاً وہ بات آپ کو نہ اللہ کی کلام میں ملے گی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام میں ملے گی، اس قسم کے احکام جو ہوں گے ان کا ماننا ضروری ہو گا، اور اس قید کے ساتھ ملحوظ رکھنا ہو گا کہ وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کے خلاف نہ ہو، اولوالامر کا کہنا ماننے میں اللہ اور اللہ کے رسول کی نافرمانی لازم نہ آئے، اگر ان کی نافرمانی لازم آئے گی تو پھر اللہ اور اللہ کے رسول کا حق مقدم ہے، اور اگر وہ ایسی بات کہتے ہیں جو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کے ساتھ موافقت رکھتی ہے چاہے صراحتاً حکم ان کی کلام کے اندر موجود نہیں ہے اس کا ماننا واجب ہے پھر اس کی نافرمانی درست نہیں ہے۔

انتظامی امور میں یہ چیزیں آجایا کرتی ہیں جس وقت تک حاکم کی اطاعت کا اصول نہ اپنایا جائے اس وقت دنیا کا نظم ٹھیک نہیں رہ سکتا اس لئے یہ ہدایت دیدی گئی "لعلکم ترحمون" تا کہ تم پر رحم کیا جائے، اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کے لئے، اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اللہ کے رسول کی اطاعت بھی ضروری ہے، تو حجیت حدیث کے لئے یہ لفظ دلیل ہے کہ حدیث بھی حجت ہے، کیونکہ حدیث کا مطلب یہاں یہی ہے کہ جو حکم صراحتاً کتاب اللہ میں مذکور نہیں اور سرور کائنات ﷺ کی حدیث میں ہے اس کا ماننا بھی ضروری ہے، چاہے وہ حکم ایسا ہو کہ قرآن کریم میں اس کے متعلق کوئی اشارہ موجود نہیں ہے چاہے وہ حکم قرآن کریم میں مجمل آیا ہوا ہے، اور اس کی تفصیل اللہ کے رسول نے بیان کردی، جیسے قرآن کریم نے کہا کہ نماز قائم کرو لیکن اس کا کوئی عملی نقشہ کتاب اللہ میں نہیں دکھایا گیا، رکوع سجدہ کا ذکر ہے لیکن کوئی پتہ نہیں رکوع کا طریقہ کیا ہے سجدہ کا طریقہ کیا ہے، سجدہ کس طرح کرنا ہے نماز اپنی پوری ہیئت کذائیہ کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور نہیں ہے، سرور کائنات ﷺ نے اس کے مطابق عمل کر کے دکھادیا کہ اس ہیئت کے ساتھ نماز ادا کرنا ان اوقات میں اتنی رکعات اتنے رکوع اور اتنے سجدے یہ ساری کی ساری اطاعت رسول ہے۔

تو نماز پڑھنی فرض ہے اور اس طرح پڑھنی فرض ہے جس طرح حضور ﷺ نے پڑھ کر دکھائی ہے یا سکھائی ہے تو مجمل لفظ آگیا اس کی تشریح حضور ﷺ نے کردی، اسی طرح زکوٰۃ ہے، قرآن نے کہا ہے کہ زکوٰۃ دو، اب کس کس مال میں سے دینی ہے، کتنا مال ہو تو دینی ہے، اور کس مقدار کو ادا کرنا ہے، جانوروں میں کیا اصول ہے، سونا چاندی میں کیا اصول ہے، مال تجارت میں کیا اصول ہے یہ ساری کی ساری وضاحت اللہ کا رسول کرے گا ان باتوں کو ماننا یہ اطاعت رسول ہے۔

"وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم" بھاگ کے چلو ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو کیونکہ نیکی میں مسارعت مرغوب ہے مقابلہ کرو ایک دوسرے کے ساتھ کوشش کرو کہ میں دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ اللہ کی رحمت حاصل کرلوں، دوسرے سے زیادہ اللہ کی مغفرت حاصل کروں، نیکی کے اندر مقابلہ یہ مطلوب ہے، "فاستبقوا الخیرات" نیکی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب سے مغفرت کی طرف، مغفرت کی طرف دوڑنے کا مطلب موجبات مغفرت کی طرف دوڑنا، یعنی وہ کام کرو جن کی بناء پر تمہارے رب کی طرف سے مغفرت حاصل ہوتی ہے، اور اسی طرح وہ کام کرو جن کی وجہ سے جنت حاصل ہوگی، اور جنت کو معمولی نہ سمجھو "عرضها السمٰوٰت والارض" اگر تو یہ عرض طول کے مقابلہ میں ہے پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی چوڑائی اتنی ہے جتنی زمین اور آسمان باقی طول کا حال اللہ جانے، اتنی لمبی چوڑی وہ جنت ہے۔

اور عرض سے مراد قیمت بھی لی گئی ہے عرض سامان کو بھی کہتے ہیں جو مقابلہ میں پیش کیا جائے، مطلب یہ ہے کہ

جنت اتنی قیمتی چیز ہے کہ آسمان اورزمین بھی اس کے مقابلہ میں آجائیں تو بھی جنت زیادہ قیمتی ہے، یہ ترجمہ بھی بعض تفاسیر میں کیا گیا ہے لیکن مشہور ترجمہ وہی ہے کہ عرض سے طول کے مقابل مراد ہے اوراس میں جنت کی وسعت بیان کرنی مقصود ہے، "اعدت للمتقین" یہ تیار کی گئی ہے متقین کے لئے ،متقین کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ان کا ایمان صحیح ہواور آگے جیسے جیسے عمل کے اندر تقویٰ آئے گا اتنا ہی جنت کی طرف انسان زیادہ قریب ہوتا چلا جائے گا ، اور تقویٰ میں خلل ہوگا تو جہنم کے قریب ہوتا چلا جائے گا۔

اور جس شخص کا عقیدہ ہی صحیح نہیں ہے اس میں ادنیٰ درجہ کا بھی تقویٰ نہیں ہے چونکہ عقیدہ صحیح نہ ہوتو اعمال کا کوئی اعتبار نہیں ایسے شخص کا جنت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لئے مؤمن اگر گناہ کرتا ہے تو اس گناہ کی بناء پر اس کو جہنم میں تو بھیجا جائے گا،اور سزا بھگت کے واپس آجائے گا،لیکن اگر کافر کوئی نیکی کرتا ہے تو کافر کی اس نیکی کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس لئے اس نیکی کی بناء پر وہ جنت کا حقدار نہیں ہوگا،عقیدہ کے فساد کے بعد عملی نیکی کا کوئی درجہ نہیں ہوتا،"اعدت للمتقین" یہ متقین کے لئے تیار کی گئی ہے،اب آگے متقین کی کچھ صفات بیان کردیں جن کا حاصل کرنا متقی بننے کے لئے ضروری ہے، اور جس وقت یہ حاصل ہوجائیں گی تو اس کے بعد جو جزاء ذکر کی گئی ہے وہ جزاء یہی ہے کہ " اولئك جزاء هم مغفرة من ربهم وجنات" اور یہی مغفرت اور جنت ہے جس کی طرف بھاگنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ جو آپ کو کہا گیا ہے کہ اللہ کی مغفرت حاصل کرنے کی کوشش کرواور جنت حاصل کرنے کی کوشش کرواس کا راستہ بتادیا کہ یہ راستہ ہے جب تم اس راستہ پر چلو گے تو اپنے اس مقصد تک پہنچ جاؤ گے تو متقین کی جو صفات بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو حقوق العباد سے تعلق رکھتی ہیں اور بعض وہ ہے جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتی ہیں "الذین ینفقون فی السراء والضراء" متقین وہ لوگ ہیں جو خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگی میں بھی،یعنی ان کو خرچ کرنے کی عادت ہے،ان کے پاس تھوڑا ہواس میں سے خرچ کرتے ہیں زیادہ ہواس میں سے خرچ کرتے ہیں،اصل یہ ہے کہ ان میں انفاق کا جذبہ ہوتا ہے یعنی دوسرے سے لینے کا جذبہ نہیں ہوتا، دینے کا جذبہ ہوتا ہے،اور ایمان کا تقاضا اصل میں یہی ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ ہواور پھر اس انفاق کو یہاں عام ذکر کیا ہے اس کا مفعول مال ذکر نہیں کیا تو مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی کے پاس مال ہے تو مال خرچ کرے اور اگر مال خرچ نہیں کرسکتا تو پھر جو چیز بھی اس کے پاس ہے اس کو اللہ کے راستہ میں لگائے اور مخلوق کو فائدہ پہنچائے۔

اس لئے مال اگر نہ ہو تو علم کی نشر واشاعت ،بدنی قوت اگر آپ کو حاصل ہے تو بدنی قوت کا اللہ کے راستہ میں صرف کرنا اور لوگوں کو بدنی قوت کے ساتھ ہی فائدہ پہنچانا یہ بھی انفاق فی سبیل اللہ کے اندر داخل ہے جیسا کہ مفسرین نے تعمیم

کی ہے، تو ینفقون کے بعد اموالہم ذکر نہیں کیا بلکہ اس کو عام چھوڑا ہے تنگی میں کشادگی میں جو چیز بھی آپ اللہ کے راستہ میں صرف کر سکتے ہیں صرف کیجئے، مال ہے تو مال کو صرف کیجئے، اللہ نے علم دیا ہے تو علم کو صرف کیجئے، بدنی قوت دی ہے تو بدنی قوت کو صرف کیجئے، بہرحال مخلوق کی خدمت اللہ کی رضا کے لئے کرنا وہ بھی انفاق میں شامل ہے۔

اور سراء اور ضراء دونوں لفظ بول دیے کیونکہ بسا اوقات تنگی ہوتی ہے تو انسان اللہ سے غافل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات خوشحالی ہوتی ہے تو اللہ سے غافل ہو جاتا ہے، متقی وہ ہوتا ہے جو نہ تنگی میں اللہ کو بھولتا ہے اور نہ کشادگی میں اللہ کو بھولتا ہے، دونوں ہی صورتوں میں وہ اللہ کے راستہ میں اپنی صلاحیتیں اور مال سب صرف کرتا ہے یہ مخلوق کو فائدہ پہنچانے والی بات ہے۔

"والکاظمین الغیظ" غصہ کو دبانے والے ہیں یعنی انسان جس وقت اپنی انسانی برادری میں رہتا ہے تو بہت سارے واقعات ایسے ہیں جو طبیعت کے خلاف پیش آتے ہیں اور جب طبیعت کے خلاف واقعات پیش آتے ہیں تو پھر غصہ بھی آتا ہے اور غصہ کے آنے کے بعد پھر انسان لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتا ہے، دوسرے پر ہاتھ اٹھاتا ہے، اگر وہ شخص جس کو غصہ آیا ہے انتقام لینے پر قادر ہے اور قدرت کے باوجود اپنے غصہ دبا جائے، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت محبوب عمل ہے جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ یا اللہ! تیرے بندوں میں سے سب سے زیادہ محبوب بندہ تجھے کونسا ہے؟ کس بندے سے تجھے زیادہ محبت ہے؟ تو اللہ نے فرمایا کہ جو قادر ہونے کے باوجود معاف کردے، اگر کوئی شخص انتقام لے ہی نہیں سکتا تو صبر تو وہ بھی کرے گا لیکن اس کے صبر میں اتنا کمال نہیں ہے کہ جتنا ایسے شخص کے صبر میں کمال ہے کہ جو ہر طرح سے سزا دے سکتا ہے، انتقام لے سکتا ہے، بدلہ لے سکتا ہے لیکن پھر وہ معاف کردے، اور انسانی برادری کے اندر یہ عادت بہت اہم ہے چونکہ ایک دوسرے سے تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں اگر ہر شخص اپنی تکلیف پر انتقام لینے کی کوشش کرے گا تو کبھی بھی ماحول کے اندر سکون اور اطمینان پیدا نہیں ہو سکتا، غصہ دبانے کی کوشش سکون اور اطمینان پیدا کرتی ہے، کہ اگر کسی بات پر غصہ آ بھی جائے اس کو دبا جاؤ اس کو ہمیشہ آگے چالو نہ کر دیا کرو۔

"والعافین عن الناس" اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں کہ اگر کوئی اپنے حق میں کوتاہی ہو گئی یا بدنی طور پر کوئی تکلیف پہنچ گئی یا عزت کو کوئی نقصان پہنچ گیا، دوسرے کی طرف سے کوئی ایسا معاملہ ہو گیا جو باعث تکلیف ہے تو درگزر کر جاتے ہیں " واللہ یحب المحسنین " صرف یہی نہیں کہ معاف کر دیتے ہیں بلکہ احسان کی صفت بھی ان میں پائی جاتی ہے کہ اپنے ستانے والوں پر الٹا احسان کرتے ہیں اور جو بھی احسان کرنے والا ہو اللہ اس سے محبت رکھتا ہے، یہاں بھی وہی بات ہے کہ دوسرے کو برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیا جائے یہ بھی خوبی ہے، لیکن اگر برائی کرنے والے کے ساتھ پھر احسان

کیا جائے تو اور بھی زیادہ خوبی کی بات ہے۔

جیسا کہ ہمارے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں،

بدی را بدی سہل باشد جزاء

اگر مردی احسن الی من اساء

کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینا بہت آسان ہے یہ تو عام آدمی بھی کر سکتا ہے کہ برائی کے بدلہ میں برائی کرلے جس طرح عام طور پر کہا جاتا ہے کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہیئے، بدی کے مقابلہ میں بدی یہ آسان ہے اگر تو جوان مرد ہے بہادر ہے تو احسان کر اس شخص کے ساتھ جو تیرے ساتھ برا برتاؤ کرتا ہے۔

یہی اصول ہے صلہ رحمی میں کہ اگر کوئی رشتہ دار آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے آپ مقابلہ میں اچھا برتاؤ کرتے ہیں یہ بھی اچھی بات ہے، لیکن زیادہ قابل تعریف نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کی صلہ رحمی یہی ہے کہ تمہارے ساتھ اگر کوئی قطع رحمی سے پیش آئے تو تم اس سے صلہ رحمی سے پیش آؤ، تو یہ ہے احسان کا جذبہ، کظم غیظ اور عفو کے بعد احسان کا درجہ ہے کہ غصہ کو دبا جاؤ دوسرے کی کوتاہی سے درگزر کر جاؤ اور پھر اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو یہ صفت حاصل کرو گے تو تب جا کے انسان کامل درجہ کا متقی بنتا ہے اور اس شخص کے متعلق ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت ایسے شخص کے لئے تیار کی گئی ہے اور یہی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اعلیٰ درجہ کی مغفرت حاصل کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

"والذین اذا فعلوا فاحشة" اور یہ متقی وہ لوگ ہیں کہ جس وقت کوئی فاحشہ کر لیتے ہیں کوئی گناہ کر لیتے ہیں جس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے، "اذ ظلموا انفسھم" کے اندر آجائے گا کہ ایسا گناہ کرتے ہیں کہ جس کا اثر معاشرہ پر نہیں پڑتا، دوسروں پر نہیں پڑتا، اپنا ہی ذاتی نقصان ہے اور اگر کوئی شخص ظلم وستم کرتا ہے تو ایسا گناہ ہے کہ اس میں اس کا اپنا نقصان بھی ہے اور دوسروں تک بھی یہ نقصان متعدی ہوتا ہے، یا فاحشہ سے مراد کھلی بے حیائی ہے، اور "ظلموا انفسھم" ایسا گناہ جو عام طور پر لوگوں کے اندر شہرت نہیں رکھتا، فاحشہ اور ظلموا انفسھم کے اندر تمام گناہ آجائیں گے کہ جب وہ کوئی کھلا گناہ کر بیٹھتے ہیں، یا ایسا کام کر بیٹھتے ہیں کہ جس کا نقصان دوسروں تک پہنچتا ہے یا اپنے نفسوں پر ظلم کر لیتے ہیں تو ذکروا اللہ اللہ کو یاد کرتے ہیں، "فاستغفروا لذنوبھم" پھر اپنے گناہوں کے لئے استغفار کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب بھی انسان سے صادر ہوتا ہے تو اللہ کے ذکر سے غفلت کی بناء پر صادر ہوتا ہے، اور اگر اللہ یاد رہے اور اللہ کا ذکر ہو تو پھر انسان کا نفس اللہ کی معصیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

تو اگر بشری کمزوری کے تحت کسی وجہ سے گناہ صادر ہو بھی جائے تو فوراً اللہ کو یاد کریں اور پھر اپنے گناہوں پر استغفار

کریں، اور اللہ کے علاوہ گناہوں کو بخش کون سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی بخشتا ہے، "ولم یصروا علیٰ مافعلوا" اور یہ لوگ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے حالانکہ وہ جانتے ہیں اس بات کو کہ ہم نے گناہ کیا اور استغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے نہیں استغفار کریں گے تو اللہ کی طرف سے سزا ہوگی ان باتوں کو جانتے ہوئے وہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے یہ بھی متقین کی صفت ہے، یعنی انسانی دنیا کے اندر چونکہ لغزشیں ہوتی رہتی ہیں، انسان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی کمزوریاں رکھی ہیں کہ جس کی بناء پر یہ غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، اس کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اپنے ماحول سے تأثر کی بناء پر نفسی تقاضہ سے انسان پھسل جاتا ہے تو متقی ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس سے سرے سے گناہ ہی نہ ہو یہ انبیاء کے بعد دوسرے لوگوں کے لئے مشکل ہے۔

انبیاء سے گناہ نہیں ہوتا وہ ہر طرح سے پاک ہوتے ہیں انبیاء کے علاوہ کتنا ہی عظیم انسان کیوں نہ ہو اس معاشرہ کے اندر رہتے ہوئے اس سے لغزش ہو جاتی ہے اور کبھی نہ کبھی وہ اس قسم کی کوتاہی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ جس کو ہم گناہ کا نام دیتے ہیں تو پھر ضروری ہے کہ اللہ کو یاد کر کے فوراً اپنے گناہ سے استغفار کر لیا جائے جس قسم کا گناہ اس کے مطابق توبہ اگر کسی کا مالی نقصان کیا ہے تو یہ حق ادا کر دیا اس سے معاف کرواؤ، پھر اللہ سے استغفار کرو تب وہ گناہ معاف ہوگا، کوئی فرض چھوٹ گیا ہے مثلاً نماز نہیں پڑھی تو پہلے قاعدہ کے مطابق اس کو قضاء کرو پھر اللہ سے استغفار کرو طریقہ یہ ہوتا ہے، اور اگر کوئی ایسا کام ہوگا ی شریعت نے جس کا کفارہ متعین کیا ہے تو اس کا کفارہ دو، قضا متعین کی ہے تو قضا کرو، جو طریقہ شریعت نے بتایا ہے اس گناہ کو مٹانے کے وہ طریقہ اختیار کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو تو اللہ تعالیٰ گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

جن لوگوں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں ان کی جزاء ہے مغفرت ان کے رب کی طرف سے اور باغات جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، اور ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے، اور عمل کرنے والوں کا اجر بہت اچھا ہے، تو جس مغفرت اور جنت کو حاصل کرنے کے لئے آپ کو مسارعت کا حکم دیا گیا تھا گویا کہ اس کو حاصل کرنے کا طریقہ بتا دیا کہ یہ صفتیں اپناؤ، اللہ کے راستہ میں خرچ کرو اور غصہ کو دبا جایا کرو، لوگوں کی کوتاہیوں سے درگزر کرو اور مخلوق کے ساتھ احسان سے پیش آؤ، اور اگر کوئی گناہ کا کام ہو بھی جائے تو فوراً اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہ کی معافی مانگو اور دل میں یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا گناہ معاف نہیں کر سکتا، کبھی بھی یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہم سے غلطی ہو گئی اس کے اوپر اصرار نہ کرو جس وقت یہ صفتیں اپناؤ گے تب وہ مغفرت اور جنت حاصل ہوگی جس کے حصول کے لئے تمہیں مسارعت کا حکم دیا گیا ہے۔

"قد خلت من قبلکم سنن" یہاں پھر تاریخ کا حوالہ ہے کہ تم سے پہلے بہت واقعات گذر گئے اگر تم غور کرو گے تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ جنہوں نے صبر وتقویٰ کو اپنایا کامیاب وہی رہے، اور زمین کے اندر چلو پھر و اور دیکھو کے جھٹلانے

والوں کا انجام کیا ہوا، تمہارے سامنے یہ بات آجائے گی کہ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکذیب کرتے ہیں آخر کار خسارہ میں وہی رہتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتے ہیں کامیابی انہی کو نصیب ہوتی ہے اس زندگی میں بھی اور آخرت کی کامیابی بھی انہی لوگوں کے لئے وضاحت کردی گئی، اور یہ ہدایت اور موعظت ہے متقین کے لئے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس بیان کے ذریعہ سے حق و باطل کے درمیان فرق کرو، اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرو، ہدایت اور موعظت کے درمیان فرق یہی ہے کہ راہنمائی ہے یعنی حق و باطل میں امتیاز کرنے والی چیز ہے اور موعظہ یعنی ترغیب ہے اس کے مطابق عمل کرنے کی تو یہ جو وضاحت آپ کے سامنے کی جارہی ہے اس وضاحت کے بعد حق و باطل کے درمیان فرق کر کے اس کے مطابق عمل بھی کرنا چاہیئے متقین کا کام یہی ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ
يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِ
لُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ
شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ
اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ
الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا
مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ
انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ
شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا
بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾
وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَا
بَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَ مَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا
وَاِسْرَافَنَا فِيْۤ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾
فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

ترجمہ:

تم ہمت نہ چھوڑو اور غمزدہ نہ ہوؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم کامل مؤمن ہو، اگر تمہیں زخم پہنچا ہے پس تحقیق پہنچا ہے زخم قوم کو بھی ایسا ہے یہ ایام ہم ادل بدل کرتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے تمہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تاکہ اختیار کرے تم میں سے شہداء اللہ تعالیٰ ظالموں کے ساتھ محبت نہیں رکھتا، تاکہ صاف ستھرا کرے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تاکہ اختیار کرے تم میں سے شہداء اللہ تعالیٰ ظالموں کے ساتھ محبت نہیں رکھتا تاکہ صاف ستھرا کرلے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، اور تاکہ کافروں کو مٹادے، کیا تم نے سمجھ لیا کہ داخل ہوجاؤ گے جنت میں اور ابھی تک نہیں جانا ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور نہیں معلوم کیا صابرین کو البتہ تحقیق تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے، نہیں ہیں محمد ﷺ مگر رسول تحقیق گزر گئے اس سے پہلے رسول کیا اگر آپ کو موت آگئی یا آپ قتل کردیئے گئے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے، اور جو شخص پھر جائے اپنے ایڑیوں پر پس ہرگز نہیں نقصان پہنچائے گا اللہ کو کچھ بھی عنقریب اللہ تعالیٰ بدلہ دیں گے، شکر گزاروں کو، نہیں ہے کسی نفس کے لئے کہ وہ مرجائے مگر اللہ کے اذن کے ساتھ موت لکھی گئی ہے وقت متعین پر اور جو شخص ارادہ کرتا ہے دنیا کے بدلہ کا ہم دے دیتے ہیں اس کو اس دنیا میں سے اور جو کوئی ارادہ کرتا ہے آخرت کے ثواب کا دیدیتے ہیں ہم اس کو اس میں سے ہم عنقریب بدلہ دیں

گے شکر گزاروں کو، کتنے ہی نبی ہیں کہ لڑائی لڑی ان کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے ان اللہ والوں نے ہمت نہیں چھوڑی ان مصیبتوں کی وجہ سے جو ان کی پہنچی ہیں اللہ کے راستہ میں اور نہ ان کا زور کم ہوا اور نہ وہ دبے، اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے، نہیں تھی ان کی بات مگر یہی کہ انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہمیں ہمارے گناہ اور ہمارے معاملہ میں ہمارا حد سے تجاوز کر جانا اور ہمارے قدموں کو جمادے اور ہماری مدد کر کافر لوگوں کے خلاف پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بدلہ دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ دیا اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔

لاتھنوا یہ وہن سے ہے اور اس کا معنی ہے ہمت نہ ہارو وہن کا یہ مفہوم ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ کے سامنے بیان کیا کہ ایک وقت آئے گا جب تم اس طرح ہو جاؤ گے جیسے سیلاب کے سامنے خس وخاشاک ہوتا ہے اور سیلاب ان کو بہا کر لے جاتا ہے، تمہاری حیثیت اس قسم کی ہو جائے گی اور تمہارے اندر وہن آجائے گا، صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ! وہن کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا" حب الدنیا وکراھیۃ الموت" دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت، موت سے ڈرنے لگ جاؤ گے اور دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جاؤ گے، آپ جانتے ہیں کہ یہ دونوں کیفیتیں قلب سے تعلق رکھتی ہیں، حضور ﷺ نے وہن کا مفہوم یہ بیان کیا ہے تو وہن ایک کیفیت ہے جو قلب پر طاری ہوتی ہے، جس میں انسان لڑنے سے ہمت چھوڑ دیتا ہے، بلکہ اپنے لئے دنیا کی راحت کا طالب ہو جاتا ہے، اور یہ موت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے یہ ہے کیفیت جو قلب پر طاری ہوتی ہے اور اس کو وہن کہتے ہیں، تو لاتھنوا کا مطلب یہ ہوگا کہ تم ہمت نہ چھوڑو، ہمت نہ ہارو، تمہارے دلوں کے اندر کسی قسم کی بزدلی اور ضعف نہیں آنا چاہیئے تو قلبی ضعف ہے جس کو وہن سے تعبیر کیا گیا ہے" ولاتحزنوا" اور غمزدہ نہ ہو یعنی پہلے جو مصیبت آگئی تکلیف آگئی فتح شکست سے بدل گئی اس پر غم نہ کرو۔

تشریح :

یہ آیات غزوہ احد سے تعلق رکھتی ہیں، واقعہ آپ کے سامنے پیش کردیا گیا تھا کہ صحابہ کرام کی کچھ اپنی لغزش کی وجہ سے جو انہوں نے سرور کائنات کی ہدایات پر پابندی نہیں کی اور تیر اندازوں نے اپنا مورچہ چھوڑ دیا اس کی بناء پر فتح شکست سے بدل گئی، ستر کے قریب صحابہ شہید ہو گئے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اسی غزوہ میں ہوئی حضرت مصعب بن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی غزوہ میں شہید ہوئے اور سرور کائنات ﷺ بھی زخمی ہو گئے اور آپ کا ایک دانت مبارک بھی شہید ہو گیا، سر پر بھی چوٹ لگی، چہرہ بھی زخمی ہوا اور آپ ﷺ چکر کھا کر گر گئے تھے جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے

یہ اعلان کردیا کہ ”ان محمداً قد قتل ،محمد ﷺ قتل کردیئے گئے ، یہ اعلان ہوا تو اس سے رہی سہی ہمت بھی ٹوٹ گئی اور قدم اکھڑ گئے کچھ مدینہ منورہ کی طرف بھاگ گئے کچھ احد کی طرف چڑھ گئے ، اور تھوڑے لوگ تھے جو سرور کائنات ﷺ کے ساتھ رہ گئے اور اس افراتفری میں دلوں کے اندر مختلف قسم کے وسوسے آنا شروع ہو گئے ، اور کمزور ایمان والے لوگوں نے کچھ اس قسم کی باتیں کرنی شروع کردیں کہ جب سرور کائنات ﷺ ہی شہید ہو گئے تو پھر ہمیں ان کافروں سے پناہ لے لینی چاہیئے ان سے صلح کرلیں ، منافق قسم کے لوگوں نے پروپیگنڈہ کرنا شروع کردیا کہ جب آپ ہی نہیں رہے تو پھر ہمیں پہلا دین ہی قبول کرلینا چاہیئے ۔

اور بعض مخلص قسم کے جانباز ایسی باتیں کرنے لگے کہ جب آپ ہی نہ رہے تو ہمارے رہنے کا کیا فائدہ ، ہمیں اس طریق پر چل کر جان دیدینی چاہیئے جس طریق پر سرور کائنات ﷺ چلتے رہے یہ مختلف قسم کی باتیں لوگوں کی زبانون پر جاری ہوئیں ، اور بعض نے اس میدان میں کمزوری کا مظاہرہ کیا تو یہ بہت دردناک واقعہ تھا بدر میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت شامل حال تھی اور مسلمانوں کو فتح ہوئی تھی اب اس واقعہ سے معاملہ برعکس ہو گیا ہ مشرکین کا حوصلہ بڑھ گیا اس لئے جاتے ہوئے ابوسفیان اعلان بھی کر گیا کہ اگلے سال پھر بدر میں مقابلہ ہوگا اور مسلمانوں کی طرف سے اس کو قبول کرلیا گیا بہرحال اس قسم کی باتیں یہ علامت ہیں کہ مشرکین کے حوصلے بڑھ گئے ، اور یہود جو اردگرد تھے ان کے حوصلے بھی بڑھ گئے ۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر اس واقعہ کے بارے میں مسلمانوں کو مختلف باتیں سمجھائی ہیں کہ ہمت چھوڑنے کی کوئی بات نہیں ہے ایسے واقعات اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قوموں کو پیش آیا کرتے ہیں ، پہلے تو یہ کہا کہ تم ایمان کے تقاضوں پر پورے رہو تو انجام تمہارے حق میں ہی ہے ،”وانتم الاعلون“ غالب تم ہی رہو گے بشرطیکہ ایمان کے اندر پختہ رہو ، دوسرے نمبر پر یہ بات کہی کہ اس میدان میں اگر تمہیں زخم پہنچ گیا ہے تمہارے بہت سارے آدمی شہید ہو گئے ہیں تو کیا ہوا ؟ آخر تمہارے مدمقابل قوم کو بھی تو زخم پہنچا ہے ان کو زخم پہنچ چکا ہے اس میدان میں بھی ان کے آدمی کام آئے اور پچھلے سال بدر کے اندر انہوں نے کتنا نقصان اٹھایا تھا وہ اتنا نقصان اٹھا کے پھر بھی جرأت کر کے تمہارے مقابلہ میں آ گئے انہوں نے ہمت نہیں چھوڑی تو تمہیں خیال کرنا چاہیئے اگر تمہیں زخم پہنچ گیا تو تم ہمت کیسے چھوڑتے ہو ۔

اگر کافر شکست کھا کر مصیبت اٹھا کر اپنے کفر سے باز نہیں آتا تو تمہیں تو بدرجہ اولیٰ ڈٹنا چاہیئے باقی اس قسم کے واقعات اللہ تعالیٰ جو ادل بدل کرتے رہتے ہیں اس میں امتحان مقصود ہوتا ہے ، اگر ہمیشہ حق والے فتح ہی پاتے چلے جائیں تو پھر حق قبول کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس قسم کا واقعہ پیش آ جاتا ہے جس میں حق والے مغلوب ہو جاتے ہیں جس سے اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے کہ تو اس اشتباہ سے ہی امتحان مقصود ہے اور اس قسم کی

مصیبتوں کے اندر مؤمن اور منافق کا پتہ چلتا ہے ظاہری طور پر، جس وقت تک کسی امتحان کی بھٹی میں چڑھائے جائیں اس وقت تک مخلص اور منافق کا پتہ نہیں چلتا۔

اب اس واقعہ میں جو کچھ انسان کے اندر تھا باطن میں تھا سب باہر آ گیا ہر ایک نے اپنے دل کے جذبات اگل دیے معلوم ہو گیا کہ اس کے دل کی کیفیت یہ ہے، اور مسلمانوں کو اس واقعہ میں یہ سبق بھی ملا کہ اپنی کوتاہیوں پر نظر کریں اور جس قسم کی لغزشوں کی بناء پر اس شکست سے دوچار ہونا پڑا ہے آئندہ بچنے کی کوشش کریں، مصیبتوں میں مؤمن مخلص کے اخلاق نکھرتے ہیں، طبعیت کی کمزوریاں دور ہوتی ہے، ٹھوکریں کھا کے زیادہ ہوشیار ہوتے ہیں اس قسم کے مقصدوں کے تحت اللہ تبارک وتعالیٰ اس قسم کے واقعات اہل حق پر بھی ڈالتے رہتے ہیں، اور پھر تم نے ایمان جو قبول کیا تھا تو یہ سمجھ کر قبول کیا تھا کہ یہ ٹھنڈی جنت ہے جس پر چل کر فوراً جنت میں پہنچ جاؤ گے۔

یہ تو اپنے آپ کو امتحان کی بھٹی میں ڈالنے والی بات ہے ایمان قبول کرنے کے بعد اپنے آپ کو امتحان میں ڈالنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے اللہ تعالیٰ ایسے واقعات تم پر بھیجے گا جس سے پتہ چلے گا کہ اللہ کا نام لینے والے، اللہ کے رسول پر ایمان لانے والے کس طرح جانباز ہیں، مال اور جان کو اللہ کے راستہ میں کس طرح قربان کرتے ہیں، اور جو قربان نہیں کرتے ان کا امتیاز بھی ہو جائے گا، تو ایمان لانا یہ اپنے آپ کو امتحان گاہ میں پیش کرنا ہے، منتظر رہو کہ ابھی اور واقعات بھی پیش آئیں گے جن میں مجاہدین اور غیر مجاہدین کا امتیاز ہو گا، اور صابرین اور غیر صابرین کا امتیاز ہو جائے گا، کون مستقل مزاج ہے اور کون مستقل مزاج نہیں ہے، ایسے واقعات کے ذریعہ سے سب امتیاز ہو جائے گا اور پھر آگے ایک آیت ایسی ہے جس میں تھوڑی سے ملامت ہے کہ بدر میں جس وقت مسلمان شریک ہوئے تھے اور فتح پا گئے اور اہل بدر کی فضیلتیں نازل ہوئیں تو بعض لوگ جو اس میدان میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ حسرت کے ساتھ کہنے لگے کہ اے کاش! ہم بھی اس میدان میں ہوتے تو ہم بہادری دکھاتے اور اگر اب کوئی موقع آیا تو ہم اپنی جان لڑائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خوب جہاد کریں گے تاکہ ہم بھی اس قسم کی فضیلتیں حاصل کر لیں جس قسم کی فضیلتیں شہداء بدر کو حاصل ہوئی ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ موت سے ملاقات ہونے سے قبل تو تم بھی موت کے تمنا کرتے تھے کہ کوئی موقع آئے گا تو ہم یوں جانبازی دکھائیں گے اور اب جب موت آنکھوں کے سامنے آ گئی تو پھر ڈر گئے یہ کونسی بہادری کی بات ہے کہ پہلے تو باتیں بناؤ اور پھر موقع آنے پر اپنی باتوں پر پورے نہ اترو جیسے قرآن کریم کی اس آیت کا مفہوم بھی یہی ہے "لم تقولون مالا تفعلون" تم ایسی باتیں بولتے کیوں ہو جب تم ایسے کام کرتے نہیں یعنی اگر منہ سے کہتے ہو کہ ہم ایسا کر کے دکھائیں گے تو پھر موقع آنے پر کر کے دکھانا بھی چاہیئے، اس طرح ملامت کی ہے کہ تم تو موت کے متمنی تھے اور موت کو تلاش کرتے تھے

کہ موقع ملے تو ہم بھی قربانی دیں اور جس وقت موت آنکھوں کے سامنے آگئی تو پھر تم گھبرا گئے، رکوع کی آخری آیت تک یہی مضمون ہے کہ کچھ شکست کی حکمتوں کی طرف اشارہ ہے اور کچھ تسلی دی ہے اس لئے ان آیات کو دیکھ لیجئے۔

"لاتھنو ا" سست نہ ہو جاؤ ہمت نہ ہارو جو کچھ ہو گیا اس پر غم نہ کرو تم ہی غالب آؤ گے اگر تم مؤمن ہو اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو قوم کو بھی اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے قوم سے مد مقابل قوم مراد ہے اور یہ دن یعنی فتح وشکست کے دن ہم ان کو پھیرتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان تا کہ ہم آزمالیں اور تا کہ جان لے اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو منافقوں سے جدا کر کے اور تا کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے شہداء اختیار کرے باقی یہ بات کہ کافر فتح پا گئے اس سے یہ استدلال نہ کرنا کہ ان کافروں سے اللہ کو محبت ہو گئی، اللہ تعالیٰ ظالموں سے محبت نہیں کیا کرتا اور تا کہ خالص کرے اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو یعنی ان مصیبتوں کے ساتھ اخلاق کی تطہیر ہو جائے، نفسانی کمزوریاں دور ہو جائیں اور تا کہ اللہ کافروں کو مٹا دے یعنی تم پر جو مصیبت آئی یہ کافروں کا مٹانے کا ذریعہ بنے گی، وہ اس طرح کہ جتنا وہ پہلے کفر میں پکے تھے اس واقعہ کے بعد اس کفر میں اور پکے ہو جائیں گے، اور وہ غرور میں مبتلا ہوں گے۔

اور جتنا کفر میں زیادہ ترقی کریں گے جتنا غرور میں آئیں گے اتنا ہی اللہ کے عذاب کے نشانہ بنیں گے اہل حق کے ساتھ ٹکرانے کا جذبہ ان کے اندر جتنا زیادہ پیدا ہوگا اتنا ہی وہ پاش پاش ہوں گے، اسی طرح اللہ تعالیٰ اس قسم کے واقعات کو کافروں کے مٹانے کا ذریعہ بناتا ہے یعنی ظاہری طور پر جو انہوں نے فتح پالی یہ آئندہ ان کے مٹنے کا ذریعہ بنے گی، کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ نہیں معلوم کای اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر ان لوگوں کو جہاد کرنے والے ہیں تم میں سے یعنی ان لوگوں سے جدا کر کے جو جہاد کرنے والے نہیں ہیں، اور نہیں معلوم نہیں کئے صبر کرنے والے البتہ تحقیق تم تمنا کرتے تھے موت کی قبل اس کے کہ تم اس سے ملو پس تحقیق تم نے اس موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ تم جھانک رہے تھے یعنی کھلی آنکھوں تم نے اس موت کو دیکھ لیا تو اب تو چاہیئے تھا کہ تم اپنی حسرتوں کو پورا کرتے لیکن جیسی تمہاری تمنائیں تھیں اس کے مطابق تم نے میدان میں بہادری نہیں دکھائی اور تم ثابت قدم نہ رہے۔

"وما محمد الا رسول" ان آیات کا تعلق اس واقعہ سے جو شہرت ہو گئی تھی کہ سرور کائنات ﷺ قتل کر دیئے گئے "ان محمد أ قد قتل" اور اس کے بعد لوگوں کے اندر مختلف قسم کے جذبات ابھرے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ہدایات دی ہیں کہ اس واقعہ کی خبر سن لینے کے بعد تمہارا اس طرح دلوں کو چھوڑ دینا اور ایسی باتوں میں مبتلا ہو جانا یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے، محمد ﷺ کوئی خدا تو نہیں کہ ان پر موت ممتنع ہو کہ ان پر موت نہیں آسکتی یا انہوں نے ہمیشہ زندہ رہنا ہے "حی لایموت" تو اللہ کی شان ہے اللہ کے علاوہ کوئی "حی لایموت" نہیں ہے انسانوں میں سے ایک انسان ہیں، بنی آدم میں سے ایک ہیں

خدا نہیں صرف رسول ہی تو ہیں، ان کے لئے کوئی ممتنع نہیں ہے ایسا واقعہ پیش آ سکتا ہے، یہاں تو امکان کے درجہ میں بات ہوگی کہ آپ اپنی طبعی موت سے وفات پا جائیں یا کسی دشمن کے ہاتھ سے قتل ہو جائیں جس طرح دونوں احتمال انسانوں میں ہوتے ہیں یہاں بھی دونوں احتمال ہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کو طبعی موت آ جائے یا آپ قتل کر دیے جائیں لیکن تم یہ بتلاؤ کہ اگر آپ کو طبعی مدت آ گئی، یا آپ قتل کر دیے گئے تو کیا تم اس دین کو چھوڑ دو گے، میدان جہاد سے بھاگ جاؤ گے، اور اپنی جاہلیت کی طرف عود کر جاؤ گے، اگر ایسا کرو گے تو ہمارا کیا بگاڑو گے نقصان اپنا کرو گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی ایک حکمت تھی کہ سرور کائنات ﷺ کے ساتھ جس قسم کے عاشقانہ جذبات صحابہ کرام کے تھے تو آپ کی وفات پر اس قسم کے جذبات ابھر سکتے تھے تو سرور کائنات ﷺ کی زندگی میں ہی ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا کہ جس میں ان خیالات کے سامنے آ جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت آ گئی، اب اگر کوئی وفات کا واقعہ پیش آئے تو لوگوں کی راہنمائی کے لئے یہ آیات کافی ہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا جس وقت سرور کائنات ﷺ کو حقیقتاً وفات آئی اور آپ اس جہاں سے رخصت ہو گئے اس وقت بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل چھوٹ گئے اور مختلف قسم کے خیالات لوگوں کے دلوں میں آنے لگے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آ کر انہی آیات کو تلاوت کیا تھا اور ان آیات کے پڑھنے سے یہ ثابت کیا تھا کہ آپ پر موت وغیرہ کا واقعہ پیش آ جانا یہ کوئی خلاف عقل نہیں ہے، جس طرح دوسرے رسولوں کو پیش آئے آپ کو بھی پیش آیا جس میں اشارہ کیا اس امکان کی طرف اور واقعہ سامنے آ گیا کہ آپ پر موت کا ورود ہو گیا۔

تو جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ ہمیں تسلی ہوئی اور یقین آیا کہ واقعی حضور ﷺ کی وفات ہو گئی، پہلے تو ہم سمجھتے تھے کہ شاید حضور ﷺ معراج پر تشریف لے گئے ہیں پھر واپس تشریف لائیں گے، یقین ہی نہیں آتا تھا کہ آپ پر موت کا ورود ہو گیا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آ کر یہ آیات پڑھیں جن کے اندر موت کا امکان ذکر کیا گیا اور پھر یہ واقعہ سامنے ہا تو جس کی بناء پر یقین آ گیا کہ واقعی حضور ﷺ کی وفات ہو گئی نہیں ہیں محمد مگر رسول ہی یعنی خدا نہیں ہے کہ جس پر موت ممتنع ہو آپ سے پہلے بھی بہت سارے رسول گزر چکے اور وہ بھی اپنی اپنی عمر گزار کے اس دنیا سے چلے گئے ان پر بھی موت کا ورود ہوا کچھ قتل بھی ہوئے۔

تو اگر آپ کو موت آ گئی یا آپ قتل کر دیئے گئے تو تم اپنی ایڑھیوں پر لوٹ جاؤ گے پھر تم بھی جاہلانہ باتیں کرنے لگ جاؤ گے یا اسلام کو چھوڑ دو گے میدان جہاد سے بھاگ جاؤ گے، اگر ایسا کرو گے تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے، جو پھرے گا اپنی ایڑھیوں پر پس وہ ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائے گا اللہ کو کچھ بھی اور اللہ تعالیٰ بدلہ دیتے ہیں شاکرین کو جو قدردان ہیں اسلام کی نعمت کے، اللہ تعالیٰ کی ہدایت والی نعمت کے جو قدردان ہیں اللہ کے احکام کی پابندی کریں اور

ایسے واقعات کے پیش آ جانے کے باوجود وہ دل نہیں چھوڑتے اور جاہلیت کی باتیں نہیں کرتے اس قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بدلہ دے گا۔

"وما کان لنفس ان تموت" موت کی خبر سن کے گھبرانے کی ضرورت ہی کیا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نفس کے لئے جو وقت مرنے کے لئے مقدر ہے اس وقت موت آتی ہے پہلے نہیں آ سکتی، اور اس وقت سے ٹل نہیں سکتی، مرنا تو ہر کسی نے ہے پھر اس قسم کے واقعہ کو سن کے گھبرانے کی کیا ضرورت ہمیشہ زندہ تو کسی نے رہنا ہی نہیں کوئی نفس نہیں مرتا مگر اللہ کے اذن کے ساتھ اور وقت مقررہ پر، وقت مقررہ یہ حاصل مفہوم ہے یعنی وقت متعین کر کے اس کی موت لکھی گئی ہے اور جو شخص دنیا کے بدلہ کا ارادہ کر لے کہ ایسے وقت میں دنیا کا مفاد سوچنے لگ جائے کہ ہمیں کافروں سے امن لے لینا چاہیئے ان سے صلح کر لینی چاہیئے، یہ سارے کا سارا مقصد اس لئے ہے تا کہ ہماری دنیوی زندگی تلخ نہ ہو اور ہمیں دنیا کے اندر راحت مل جائے، تو جو کوئی دنیوی ثواب کا ارادہ کرتا ہے ہم اس کو دنیا میں سے دیتے ہیں۔

دوسری آیات میں ہے کہ اتنا دیتے ہیں جتنا ہم چاہتے ہیں جو اس کے لئے مقدر ہے یہ نہیں کہ اس قسم کی تدبیر اختیار کرنے کے بعد وہ حسب منشاء دنیا کو حاصل کر لیتا ہے ایسی بات نہیں ہے، اتنا ہی دیتے ہیں جتنی ہماری منشاء ہوتی ہے اور جتنا اس کے لئے مقدر ہوتا ہے اور جو شخص ثواب آخرت کا ارادہ کرتا ہے تو ہم اس کو آخرت میں سے دیتے ہیں اور عنقریب ہم بدلہ دیں گے شکر گزاروں کو، یہاں شکر گزاروں کا مفہوم یہ ہے جو اپنے اعمال میں آخرت کا ارادہ کرتے ہیں۔

"وکاین من نبی قاتل معه ربیون کثیر" یہاں پھر تاریخی واقعہ ذکر کر کے ہمت بڑھائی کہ جس طرح تمہیں اپنے وقت کے نبی کے ساتھ مل کے لڑنے کی نوبت آئی اسی طرح پہلے بھی بہت سارے نبی گزرے جن کے ساتھ ان کی جماعت جو اس وقت ربیون تھے اللہ والے تھے انہوں نے اس نبی کے ساتھ مل کر کافروں کے ساتھ لڑائی کی اور فتح و شکست بھی ہوتی رہتی ہے، میدان جنگ کے اندر مصیبتیں بھی آتی ہیں لوگ قتل بھی ہوتے ہیں، زخمی بھی ہوتے ہیں ان کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے، جب ان کو اس قسم کے واقعات پیش آئے تو نہ انہوں نے دل چھوڑا نہ ان کے بدن ڈھیلے ہوئے اور نہ وہ دشمن کے سامنے دبے، تو تمہیں بھی چاہیئے تھا کہ اگر اپنے نبی کے ساتھ مل کر کافروں کے ساتھ لڑ رہے ہو تو ان مصیبتوں کی بناء پر جو اللہ کے راستہ میں پیش آ رہی ہیں نہ تمہیں ہمت چھوڑنی چاہیئے تھی اور نہ تمہارے بدنوں کا زور کم ہونا چاہیئے نہ ان کے سامنے دبنا چاہیئے بلکہ مستقل مزاج رہو اور مستقل مزاج رہنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں۔

اور وہ ربیون ایسے لوگ تھے کہ اگر کسی وقت میں وہ مصیبت میں مبتلا ہو بھی گئے تو انہوں نے اس قسم کی کمزور باتیں زبان سے بھی نہیں کہیں بلکہ ان کا ذہن ہمیشہ اس بات کی طرف گیا کہ ہماری ہی کوتاہیاں ہیں جن کی بناء پر اللہ نے ہمیں اس

امتحان کے اندر ڈال دیا ہے یہ مصیبت جو ہم پر آئی ہے یہ ہماری ہی کسی غلطی کی بناء پر آئی ہے ان کا ذہن یہ ہے اور وہ یوں دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہماری غلطیوں کو معاف کردے اور اس معاملہ میں ہم سے کوئی حد سے تجاوز ہو گیا ہو تو اس سے بھی درگزر کر اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمارے قدموں کو ثابت رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد کر تو ان ربیون کو واقعہ ذکر کر کے صحابہ کرام کو یہی نصیحتیں ذکر کرنی مقصود ہیں کہ اللہ کے راستہ میں مصیبتیں پیش آیا کرتی ہیں، اور اللہ والوں کو کثرت سے پیش آتی ہے پہلے انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کو بھی اس قسم کی تکلیفیں پیش آتی تھیں جیسے انہوں نے ہمت نہیں چھوڑی کمزور نہیں ہوئے، دبے نہیں اسی طرح تمہیں بھی مضبوط رہنا چاہیئے اور اپنی کوتاہیوں کو متحضر کر کے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ سے نصرت مانگنی چاہیئے یہ جذبات ہونے چاہئیں۔

یہ واقعہ پیش کر کے اسی پر برانگیختہ کرنا مقصود ہے تو جب وہ لوگ ڈٹے رہے اپنی کوتاہیوں کی معافی اللہ سے چاہی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان کے قدموں کو مضبوط کردے اور کافروں کے خلاف مدد کر، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا فتح اور نصرت دی اور آخرت میں بھی اچھا بدلہ دیا، اور اللہ تعالیٰ محسنین کو نیکو کاروں کو پسند کرتے ہیں محبت رکھتے ہیں تو تمہیں بھی یہی صفت احسان اختیار کرنی چاہیئے اخلاص، ہر معاملہ میں اللہ کی طرف توجہ اور اس قسم کا واقعہ پیش آنے کے بعد اپنی کوتاہیوں کا استحضار اور دلوں کی مضبوطی اور اللہ تعالیٰ کی طرف پوری توجہ رکھتے ہوئے مصیبتیں برداشت کرنا جیسے پہلے انبیاء کے رفقاء نے کیا تھا تو تمہیں بھی اسی طرح کرنا چاہیئے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَا
بِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِ
يْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا
بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ
حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ
مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ

صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ
فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى
اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ
لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً
نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ
اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۗ يَقُوْلُوْنَ
هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۗ
يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۗ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ
لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۗ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ
بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ
وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۗ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ
وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

ترجمہ:

اے ایمان والو اگر تم نے اطاعت کی ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تو وہ لوٹا دیں گے تمہیں تمہاری ایڑیوں پر پھر پھرو گے تم اس حال میں کہ خسارہ پانے والے ہو گے، (یہ کافر تمہارے دوست نہیں) بلکہ اللہ تمہارا دوست ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے، عنقریب ڈال دیں گے ہم رعب ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے کفر کیا بسبب شریک ٹھہرانے ان کے اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو کہ اللہ نے اس کے متعلق کوئی دلیل نہیں اتاری، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا برا ٹھکانہ ہے، البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے سچا کیا تم سے اپنے وعدہ کو جبکہ تم انہیں قتل کر رہے تھے اللہ کے اذن سے (اللہ کی یہ مدد جاری رہی) حتی کہ جب تم ہی سست پڑ گئے اور امر میں تم نے جھگڑا کیا اور تم نے نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے دکھادی تمہیں وہ چیز جو تم چاہتے تھے تم میں سے بعض وہ تھے جو دنیا ارادہ کرتے تھے اور تم میں سے بعض وہ تھے جو آخرت کا ارادہ کرتے تھے پھر اللہ نے پھیر دیا تمہیں ان مشرکین سے تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے، البتہ تحقیق معاف کر دیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اللہ تعالیٰ مہربانی والے ہیں مؤمنین پر، جب تم بھاگے جا رہے تھے اور کسی شخص پر مڑ کے بھی نہیں دیکھتے تھے اور رسول تمہیں پکارتا تھا، تمہارے پیچھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں بدلہ دیا غم کا غم کے ساتھ تا کہ تم غمزدہ نہ ہوؤ، اس چیز پر جو تم سے فوت ہو گئی اور نہ اس چیز پر جو تمہیں پہنچی اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے ان کاموں کی جو تم کرتے ہو، پھر اتارا اللہ تعالیٰ نے تم پر غم کے بعد چین یعنی اونگھ وہ اونگھ ڈھانپتی تھی تم سے ایک طائفہ کو اور ایک گروہ کو غم میں ڈال رکھا تھا ان کی جانوں نے وہ گمان کرتے تھے اللہ کے متعلق ناحق جاہلیت کا گمان کرنا کہتے تھے کیا ہمارے لئے امر سے کوئی شیء ہے، آپ فرما دیجئے بے شک امر سارے کا سارا اللہ ہی کے لئے ہے چھپاتے تھے وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی باتیں جو تیرے لئے ظاہر نہیں کرتے تھے کہتے تھے کہ اگر ہمارے لئے امر سے کوئی شیء ہوتی تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے، آپ کہہ دیجئے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے البتہ باہر نکل آتے وہ لوگ جن پر قتل ہونا مقدر کیا گیا تھا اپنے گرنے کی جگہوں کی طرف تا کہ اللہ تعالیٰ آزمائے اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور خالص کر دے اس چیز کو جو تمہارے قلوب میں ہے اللہ جاننے والا ہے سینہ کی باتوں کو، بے شک وہ لوگ جنہوں نے پیٹھ پھیر تم میں سے اس دن جس دن کہ دو جماعتیں آپس میں ٹکرائیں تھیں، سوائے اس کے نہیں کہ پھسلا لیا ان کو شیطان نے ان کے بعض کاموں کی وجہ سے البتہ تحقیق اللہ نے انہیں معاف کر دیا بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بردبار ہے۔

تشریح:

یہ آیات غزوہ احد سے ہی متعلق ہیں واقعہ آپ کے سامنے مفصل ذکر کیا جا چکا ہے اور اس غزوہ میں چونکہ مسلمانوں

کو تکلیف پہنچی تھی فتح بعد میں شکست کی صورت اختیار کر گئی اور سرور کائنات ﷺ کو بھی تکلیف پہنچی تھی تو ان واقعات کے اوپر مختلف پہلوؤں سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہدایات دے رہے ہیں اور تبصرہ فرما رہے ہیں کہ، پہلی آیت کا تعلق تو اس مضمون سے ہے جو پچھلے رکوع میں گزرا جب یہ شہرت ہوگئی تھی کہ سرور کائنات ﷺ قتل کر دیئے گئے تو لوگوں کے اندر مختلف قسم کے خیالات پھیل گئے تھے اس موقع پر بعض منافقین نے یہ مشورہ بھی دینا شروع کر دیا کہ جب حضور ﷺ وفات پا گئے تو ہمیں اپنا پہلا دین ہی قبول کر لینا چاہیئے، مشرکین سے امان مانگ لینی چاہیئے اور اس جھگڑے کو یوں ختم کر دینا چاہیئے کہ ہم آپس میں ایک ہو جائیں جس طرح پہلے آپس میں اکٹھے تھے، اس قسم کی باتیں جو انہوں نے کرنی شروع کیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مؤمنین کو یہ تنبیہ کی جا رہی ہے کہ یہ تمہیں کفر کی طرف واپس لے جانا چاہتے ہیں بظاہر چاہے خیر خواہی سے پیش آئیں دوستی کا اظہار کریں لیکن حقیقت کے اعتبار سے یہ تمہارے ایمان کے دشمن ہیں ان کی ایسی باتوں پر کان نہ دھرنا اگر ان سے متاثر ہو گئے تو پھر تمہیں یہ ایمان سے محروم کر دیں گے۔

پہلی آیت کا تعلق تو اسی مضمون سے ہی ہے کہ اے ایمان والو! اگر تم نے کہنا مانا ان کافروں کا چاہے وہ علی الاعلان کافر تھے جیسے یہود جو مدینہ منورہ کے ارد گرد آباد تھے انہوں نے بھی مختلف قسم کے خیالات چھوڑ کر وسوسے ڈال کر مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانے کی کوشش کی، اور منافقین جو در پردہ کافر تھے وہ بھی اس قسم کی باتیں جو ایمان کے منافی ہیں تو دونوں ہی اس کا مصداق ہو سکتے ہیں اگر تم نے اطاعت کی ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا تو لوٹا دیں گے تمہیں تمہاری ایڑیوں پر یعنی جس حالت پر تم پہلے تھے ادھر ہی لوٹا کر لے جائیں گے اور پھر تمہارا یہ پھرنا کوئی کامیابی نہیں ہوگا بلکہ تم اسی حالت میں پھرو گے کہ خسارہ میں جانے والے ہوؤ گے یہ انقلاب خسارہ کا انقلاب ہے یہ کوئی نفع کا انقلاب نہیں ہوگا م اس سے دشمنوں سے چوکنا کر دیا کہ ان کی باتوں میں نہ آنا اگر ان کی باتوں میں آگئے تو دولت ایمان سے محروم ہو جاؤ گے۔

اس وقت یہود، مشرکین، اور منافقین نے بہت پروپیگنڈہ کیا تھا بدر کی فتح کے بعد مسلمانوں کے جو حوصلے بڑھ گئے تھے یہ حوصلے کم کرنے کے لئے اور ان کے اندر ضعف اور کمزوری پیدا کرنے کے لئے انہوں نے پورا زور لگایا کہ اگر یہ اللہ کے رسول ہوتے تو اب یہ شکست کیوں کھا گئے تم کہتے تھے کہ ان کو فرشتوں کی مدد حاصل ہے اب فرشتے کہاں چلے گئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں تمہیں بہلانے کے لئے کی گئی ہیں ورنہ یہ لڑائی تمام لڑائیوں کی طرح ہے اسباب کے تابع ہے جس کو اسباب مہیا ہو گئے وہ کامیاب ہو گیا اور جس سے کوئی لغزش ہو گئی وہ شکست کھا گیا جیسے دنیا میں لڑائیاں ہوتی ہیں یہ بھی ویسی ہی لڑائیاں ہیں یہ سب باتیں تمہیں بہلانے کے لئے کی گئی ہیں حقیقت ان میں کچھ نہیں ہے، جیسا کہ ابوسفیان نے اس میدان میں اعلان کر دیا تھا کہ "الحرب سجال" کہ یہ لڑائی تو ڈاؤن ڈول ہے، ڈول بھرنے کی طرح ہے کبھی تم نے بھر لیا کبھی ہم نے

بھر لیا اس کا بھی یہی معنی تھا اس قسم کی باتیں کر کے مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کی گئی تا کہ ان کی ہمت جو بدر کے میدان میں بندھی تھی وہ ختم ہو جائے اور یہ مرعوب ہو جائیں، اسی قسم کے پروپیگنڈے سے محتاط رہنے کی تلقین کی جارہی ہے کہ ان کی باتوں میں نہ آنا۔

"سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب" یہ اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے ایک وعدہ کرلیا کہ ظاہری طور پر اس میدان میں جو یہ لوگ غالب آگئے ہیں یہ ایک عارضی سی بات ہے ہم عنقریب ان لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے تمہارا رعب ان کے دلوں پر طاری ہو جائے گا، کیونکہ یہ مشرک ہیں اور انہوں نے غیر اللہ کے سہارے لے رکھے ہیں، غیر اللہ کا سہارا بہت کمزور سہارا ہے وہ دل کے لئے قوت کا باعث نہیں بن سکتا ایسی چیزیں کہ جن کے شریک ہونے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری نہ عقل کے ساتھ اس پر کوئی دلیل قائم ہے نہ نقل کے ساتھ قائم ہے، نہ فطرت کے ساتھ قائم ہے کسی صورت میں بھی ان کے اوپر کوئی دلیل قائم نہیں ہے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرانے کی نحوست یہ بڑھے گی کہ ان کے دلوں کے اوپر رعب طاری ہو جائے گا اور یہ واقعہ نقد بنقد ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا پہلے تو اس میدان میں ہی باوجود اس بات کے کہ مشرکین غلبہ پا گئے تھے لیکن وہ مسلمانوں کا استیصال نہ کر سکے اور بغیر کسی ظاہری سبب کے ہی میدان چھوڑ کر چل دیئے جیسا کہ اس کی تفصیل میں عرض کیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی نصرت تھی کہ اتنا غلبہ پا جانے کے باوجود مشرکین اس جنگ کو نتیجہ تک نہ پہنچا سکے کہ سرور کائنات ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا تعاقب کرتے اور ان کو قتل کرنے کی کوشش کرتے یا مدینے پر چڑھ جاتے اور مدینہ کو جا کے اجاڑ دیتے اگر ایسا کرتے تو یہ ان کے لئے آسان تھا لیکن بغیر کسی قسم کے ظاہری سبب کے اس میدان کو چھوڑ کر چل دیئے اور پھر جس وقت چلے گئے تھوڑی دور پہنچے وہاں جا کر خیال ہوا کہ ہم نے تو بڑی غلطی کی ہے ہمیں تو چاہیئے تھا کہ ان کو اچھی طرح اجاڑتے اور اچھی طرح برباد کرتے پھر ارادہ کیا کہ واپس چلیں۔

سرور کائنات ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے اطلاع ہوگئی آپ نے فوراً اعلان کر دیا کہ مشرکین کا تعاقب کرنا ہے اکٹھے ہو جاؤ تو وہی زخمی لوگ اکٹھے ہوئے اور حضور ﷺ ان کو ساتھ لے کر چلے، مدینہ منورہ سے پانچ چھ میل ان کا تعاقب کیا، حمراء الاسد ایک جگہ ہے وہاں جا کر حضور ﷺ نے پڑاؤ ڈال دیا اور تین دن تک وہاں ٹھہرے رہے لیکن مشرکین کو واپس آنے کی ہمت نہ ہوئی، بلکہ کوئی قافلہ آرہا تھا اس قافلے کے لوگوں نے انہیں طمع دلائی کہ ہم تمہیں اتنا مال دیں گے تم مدینہ منورہ میں جا کر ہماری طرف سے خوف وہراس پھیلاؤ کہ وہ دوبارہ آرہے ہیں انہوں نے اس طرح ساز وسامان اکٹھا کر لیا ہے اور جس وقت وہ لوگ آئے اور انہوں نے آکر اس قسم کی باتیں شروع کیں تو مسلمانوں نے

جواب یہی دیا "حسبنا الله ونعم الوكيل" ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے اگر وہ ساز و سامان کے ساتھ آ رہے ہیں تو ہمیں کوئی کسی قسم کا ڈر نہیں یہ حمراء الاسد کا واقعہ احد کے اختتام پر قرآن کریم میں آئے گا، اس وقت وہ مرعوب ہو گئے اور پھر واپس آکر دوبارہ حملہ نہ کر سکے۔

تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وعدہ تھا جس کا ظہور فوراً ہوا کہ ہم عنقریب ڈال دیں گے ان لوگوں کے دلوں میں رعب جنہوں نے کفر کیا بسبب اس کے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو جس کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری یہ دنیا میں مرعوب ہوں گے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ان ظالموں کا بہت بڑا ٹھکانہ ہے، ظالمین سے یہاں مشرکین مراد ہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے " ان الشرك لظلم عظيم "شرک ظلم عظیم ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق کے تلف کرنے کا بھی ذریعہ ہے اور یہ شرک اپنے نفس پر بھی ظلم ہے کہ انسان شرک کے ذریعہ سے جتنا اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے اتنا کسی دوسری چیز کے ذریعہ سے نہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور باقی کائنات کو اس کا خادم بنایا ہے اور جو چیزیں اس کی خدمت کے لئے تھیں انہی کے سامنے اگر انسان جھکنے لگ جائے تو یہ انسانیت کی تذلیل ہے یہ اپنے آپ پر بدترین قسم کا ظلم ہے تو ان ظالموں کا برا ٹھکانہ ہے۔

باقی وہ بات کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو نصرت کا تھا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ وعدہ تو ہم نے سچا کر دیا کہ جس وقت تم صحیح طریقہ پر چلے نبی کی ہدایات کی تم نے پابندی کی سرور کائنات ﷺ کے طریقہ کے مطابق تم نے جنگ لڑی تو ہمارا وعدہ سچا تھا اور سچا کر دکھایا کہ تم دشمنوں کو قتل کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنے وعدے کو سچا کیا جب کہ تم قتل کرتے تھے ان کو اللہ کے اذن کے ساتھ اللہ کی توفیق کے ساتھ ہماری طرف سے نصرت ہو رہی تھی اور تم غلبہ بھی پا رہے تھے، لیکن پھر خرابی تمہاری طرف سے آئی کہ تم میں فشل آ گیا کمزوری آ گئی اور ایک معاملہ میں تمہارا آپس میں جھگڑا ہو گیا کیونکہ جب جماعتی حیثیت سے کوئی کام ہو رہا ہو تو جماعت میں سے کسی ایک فرد کی غلطی جو ہوتی ہے اس کا خمیازہ ساری جماعت کو بھگتنا پڑتا ہے، انفرادی زندگی اور انفرادی معاملات اور طرح کے ہوتے ہیں جماعتی معاملات اور طرح کے ہوتے ہیں، جماعت کو نقصان پہنچنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر کسی سے لغزش ہوئی ہو بلکہ بسا اوقات ایک کی لغزش سب کو نقصان میں مبتلا کر دیتی ہے، نسبت جماعت کی طرف ہوتی ہے۔

ایک کشتی کے اندر آپ سارے سفر کر رہے ہوں اور آپ سارے محتاط ہیں اور آپ میں سے ایک ساتھی اس کشتی کے اندر سوراخ کر دے اب اس سوراخ کے ساتھ جب کشتی میں پانی آئے گا تو غرق تو سارے ہو جائیں گے، اب یہ تو نہیں ہوگا کہ چونکہ صرف ایک نے نقصان کیا ہے تو اسی کو ہی تکلیف پہنچے وہی ڈوبے، لیکن جب کشتی ڈوبے گی سب ڈوب جائیں گے

تو جہاں بھی جماعتی سطح پر کوئی کام ہوا کرتا ہے تو جماعتی سطح پر کام ہوتے وقت چند افراد کی غلطی کا خمیازہ ساری جماعت کو بھگتنا پڑتا ہے، اب ہم پاکستان کے باشندے ہیں اگر کسی وقت کسی ملک کے ساتھ لڑائی چھڑ جاتی ہے ہماری فوج مقابلہ میں چلی جاتی ہے تو بسا اوقات ایک جرنیل کی غلطی ساری قوم کو غلام بنا کر رکھ دیتی ہے، اب اپنے طور پر باقی قوم کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو لیکن جب ان میں سے بعض افراد غلطی کریں گے تو غلطی کا اثر ساری جماعت پر پڑے گا، اجتماعی کاموں کے اندر اسی طرح ہوا کرتا ہے۔

اب یہاں تنازع تو ہوا تھا ان لوگوں میں جو حضور ﷺ نے جبل رواۃ پر متعین کیے تھے وہ پچاس آدمی تھے تاکہ اس درہ کی حفاظت کریں کہ کوئی شخص پیچھے سے آ کر حملہ نہ کرے اور جب مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض کہنے لگے کہ اب یہاں ٹھرنے کی ضرورت نہیں میدان خالی ہو چکا ہے ہمیں نیچے اترنا چاہیئے اور دوسرے اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر مال غنیت اکٹھا کرنا چاہیئے ظاہری طور پر ان لوگوں کی توجہ مال دنیا کی طرف ہوگئی، ظاہری طور پر اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس میدان میں مال غنیمت جو بھی حاصل ہوتا ہے آپ جانتے ہیں شرعی قواعد کے مطابق وہ صرف انہیں لوگوں کا نہیں ہوتا جو بالفعل لڑتے ہیں، بلکہ اس میدان میں جن کی ڈیوٹیاں علیحدہ علیحدہ لگی ہوئی ہوں جیسے یہی درہ کی حفاظت کے لئے کھڑے تھے مال غنیمت جو بھی حاصل ہوتا اس میں یہ برابر کے شریک تھے حصہ تو ان کو بہر حال ملنا تھا یہ نہیں کہ اگر یہ مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لئے نہ اترتے تو ان کو مال غنیمت نہ ملتا، اور یہ اس لئے اتر کر آ گئے کہ اگر ہم نہ اترے تو ہمیں یہ مال حاصل نہیں ہوگا یہ مقصد نہیں تھا، مال غنیمت سے یہ کسی صورت میں محروم نہ ہوتے لیکن انہوں نے یہ خیال کر کے کہ اگر ہم درہ کے اوپر کھڑے رہے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعاون نہیں ہے مال غنیمت اکٹھا کرنے میں ہمیں بھی اترنا چاہیئے تاکہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مال اکٹھا کروائیں، جس طرح ہم نے پہلے درہ کی حفاظت کر کے ثواب لیا ہے اسی طرح ان کافروں کا پیچھا کر کے ان کا تعاقب کر کے اس طرح بھی حصہ لینا چاہیئے۔

لیکن ظاہری طور اس میں توجہ مال اکٹھا کرنے کی طرف ہوگئی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی عادت ہے اپنی کتاب میں کہ اپنے محبوبوں کی ذرا ذرا سی بات پر گرفت ایسے سخت انداز میں کرتے ہیں کہ جس طرح ان سے کوئی بہت بڑا جرم ہوگیا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ عادت انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں بہت زیادہ نمایاں ہے کہ جب نبی سے کوئی کسی قسم کی لغزش ہوتی ہے تو عام لوگوں سے زیادہ سخت لب ولہجہ کے ساتھ ان پر گرفت کی جاتی ہے یہ ان کے تقرب کی دلیل ہے، اللہ کے نزدیک محبوب ہونے کی دلیل ہے کہ "مقرباں را بیش بود حیرانی" جتنا کوئی مقرب ہوا کرتا ہے اتنا ہی وہ جلدی زیر عتاب بھی آتا ہے اور اس کی معمولی معمولی لغزش کے اوپر گرفت بھی زیادہ ہوتی ہے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار پر جانا چاہیئے یہ

صورتاً خطا جوان سے ثابت ہوگئی یہ بھی ان سے نہیں ہونی چاہیئے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ مزید ان کو درجات کی بلندی کی طرف لے جاتی ہے، اور آئے دن ان کے حال کو سدھارتی چلی جاتی ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اللہ تعالیٰ کی محبوب شخصیات ہیں ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں ایک اجتہادی اختلاف کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہاں سے ہلنا نہیں لیکن ان کا آپس میں اختلاف ہوا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ جس وقت تک جنگ کے آثار ہیں اس وقت تک نہیں ہلنا، اب تو جنگ ختم ہوگئی ہے جب جنگ ختم ہوگئی تو اب ہمارا یہاں کھڑے رہنا ٹھیک نہیں ہے، ہمیں میدان میں اتر کر اپنے ساتھیوں سے تعاون کرنا چاہیئے لیکن یہ بات ایسی تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں غور فرمایا جاتا تو اس طرح عمل اختیار کرنے کی گنجائش بہت کم تھی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ جب تک میں پیغام نہ بھیجوں اس وقت تک تم نے اس درہ کو نہیں چھوڑنا یہ غلطی تھی اب اس میں تنازع ہوا اختلاف ہوا اور اس امر کی مخالفت ہوگئی، عصیان صادر ہو گیا۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت واپس لے لی، جب اپنی نصرت واپس لے لی تو پہلے یہ مشرکین کے پیچھے دوڑے جارہے تھے اب ان کا رخ بدل گیا اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر کو لیکر اس درہ سے حملہ کیا، یہ دس بارہ آدمی جو رہ گئے تھے یہ مدافعت میں شہید ہو گئے، اور پیچھے سے حملہ ہوا تو مسلمان درمیان میں آگئے تو گویا کہ یہ شکست جو ہوئی تو اس میں تمہاری رائے کا اختلاف، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت، تنازع فی الامر یہ سبب بنے شکست کا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت ان وجوہ کی بناء پر واپس لے لی، اور یہ جو کچھ پیش ہوا یہ بھی تمہارے لئے بطور سزا کے نہیں اس لئے ہے تا کہ تمہیں آزمائش کی بھٹی میں ڈال کے آئندہ زیادہ سے زیادہ نکھار دیا جائے، یعنی سبب اگر چہ تمہاری لغزش ہے لیکن اس میں حکمتیں یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں امتحان کی بھٹی میں ڈال کر تمہیں زیادہ سے زیادہ صاف ستھرا کرنا چاہتا ہے۔

یعنی اندازہ کیجئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کیسی لغزش ہوئی کہ جس اثر قومی سطح پر بہت شدید پڑا کہ ایک شکست کا داغ لگ گیا، تاریخ اسلام کے اندر شکست کا ایک باب درج ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے، جماعت کے کتنے افراد شہید ہو گئے مشرکوں کے حوصلے بڑھ گئے یہود کو زبان درازی کا موقع مل گیا، اتنا شدید نقصان ہوا ہے ان چند صحابہ کی لغزش سے، قرآن کریم اس کی نشاندہی بھی کرتا ہے کہ یہ واقعات اس لئے پیش آئے کہ تم سے یہ لغزش ہوئی لیکن ساتھ ساتھ لطف اور مہربانی بھی ہے کہ ساتھ ساتھ تسلیاں بھی دی جارہی ہیں کہ جو کچھ تمہارے ساتھ پیش آیا میری طرف سے کوئی سزا نہیں بلکہ تمہارے لئے ایک امتحان بن گیا، آزمائش کی صورت پیش آگئی، تا کہ تمہیں اس آزمائش کے اندر ڈال کر تمہارے اندر زیادہ سے زیادہ پختگی پیدا کی جائے کہ یہ ٹھوکریں کھانا آئندہ کے لئے مضبوط ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اور پھر جو صورت حال پیش آئی بار بار اس کے اوپر معافی کا اعلان بھی کر دیا تو اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت

ثابت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی محبوبیت نمایاں ہوتی ہے، نہ یہ کہ یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوپر طعن و تشنیع کا سبب ہے، یہی وجہ ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شخص نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرتے ہوئے یہ بات نقل کی تھی کہ یہ میدان احد سے بھاگ گئے تھے تو حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں زبان پر یہ بات نہیں لانی چاہیئے جب اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے تو تم کون ہوتے ہو اعتراض کرنے والے، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معافی اپنی کتاب کے اندر صراحتاً آ گئی جس کی وجہ سے اب یہ واقعہ کسی کے لئے طعن و تشنیع کا باعث نہیں بن سکتا۔

"حتیٰ اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر" یہ شکست کا سبب کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ حتیٰ کہ جب تم ہی دل چھوڑ بیٹھے اور امر میں تم نے تنازع کیا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں تمہاری محبوب چیز دکھا دی تھی محبوب چیز سے فتح مراد ہے تم میں سے بعض وہ تھے جو دنیا کا ارادہ کیے ہوئے تھے ظاہری طور پر جوان کا مال کی طرف رجحان ہو گیا تو اس کو ارادہء دنیا سے تعبیر کیا ہے میں نے عرض کیا ہے کہ یہاں انہیں حقیقتاً دنیا مطلوب نہیں تھی اگر حقیقتاً دنیا مطلوب ہوتی تو میدان میں اترنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ تو وہاں کھڑے رہتے تو بھی مال غنیمت میں ان کا حصہ تھا لیکن یہ ظاہری رجحان جو اس مال کے اکٹھا کرنے کی طرف ہو گیا اس کی بھی مذمت کی جا رہی ہے تو تمہیں مال کی طرف توجہ ہی نہیں کرنی چاہیئے تھی یہ مال جمع کرنے کا تصور جو تمہارے دماغ کے اندر آیا یہ تمہارے قدم اکھیڑنے کا باعث بن گیا، ورنہ مسئلہ کی رو سے مجاہدین کا حصہ مال غنیمت میں ہوتا ہے چاہے وہ عملاً جنگ میں شریک ہوں چاہے ان کی ڈیوٹی کسی دوسری جگہ لگی ہوئی ہو، وہ سارے کے سارے مال غنیمت میں شریک ہوتے ہیں۔

کہ یہ لوگ اگر پہاڑ سے نہ اترتے اور اس درہ کو نہ چھوڑتے، میدان میں نہ آتے تو بھی مال غنیمت میں یہ برابر کے شریک تھے لیکن ظاہری صورت پیدا ہو گئی کہ مال کو دیکھ کر لپک پڑے چاہے ان کی نیت یہی تھی کہ ہم اس کو اکٹھا کریں تاکہ دشمن کو زیادہ نقصان پہنچے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ تعاون ہو، لیکن بظاہر رجحان مال اکٹھا کرنے کی طرف ہے جس کو قرآن کہتا ہے کہ تم میں سے بعض تھے جنہوں نے دنیا کا ارادہ کا ی اور تم میں سے بعض وہ ہیں جو آخرت کا ارادہ کرتے ہیں جس کا مصداق خاص طور پر وہ لوگ ہو جائیں گے جو اس مال کی طرف نہیں لپکے اور اپنی جگہ پر قائم رہے اور اس مال کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوئی، "ثم صرفکم" پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان سے پھیر دیا "لیبتلیکم" تاکہ تمہیں آزمائش میں ڈال دے "ولقد عفاعنکم" کتنے صاف لفظوں کے ساتھ معافی کا اعلان ہے اللہ تعالیٰ تم سے درگزر کر گیا وہ مؤمنین پر مہربانی والا ہے۔

"اذتصعدون" جب تم چڑھے جا رہے تھے اور کسی پر مڑ کے توجہ بھی نہیں کرتے تھے اور رسول تمہیں آوازیں دے

رہا تھا تمہارے پیچھے پھر اللہ تعالیٰ تمہیں غم پر غم مسلسل غم دیا پہلا غم تو یہ تھا کہ فتح شکست سے بدل گئی دوسرا غم یہ تھا کہ اپنے بہت سارے ساتھی شہید ہو گئے، اور تیسرا غم حضور ﷺ کی وفات کی خبر سے پہنچ گیا یہ غم تہہ بتہہ آ گئے ایسی خبریں تمہیں پہنچی ہیں، جو کہ موجب غم ہوئیں اور یہ اتنا شدید غم دیا جس میں مقصد یہ تھا کہ تمہیں غم برداشت کرنے کی عادت پڑ جائے کیونکہ زندگی میں کسی شخص کے ساتھ کوئی واقعہ اگر اس قسم کا نہ پیش آیا ہو تو جب بھی کوئی تھوڑا بہت واقعہ پیش آئے گا تو انسان بالکل ہی حوصلہ چھوڑ دیتا ہے اور بہت غمزدہ ہو جاتا ہے اور جس کو اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں تو ان واقعات کے پیش آنے کے ساتھ طبیعت میں پختگی پیدا ہو جاتی ہے پھر اگر کوئی خلاف طبیعت واقعہ پیش آ بھی جائے تو انسان اس کو برداشت کر لیتا ہے تو یہ غم کے واقعات پیش آنا انسان میں پختگی کا باعث ہیں پھر آئندہ کے لئے غم کی کیفیت ہلکی ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ سنا ہے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ یہ شعر بہت پڑھا کرتے تھے

عادی ہوا رنج کا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر اتنی پڑیں کہ آسان ہو گئیں

کہ جب انسان رنج برداشت کرنے کا عادی ہو جائے تو پھر رنج سرے سے مٹ ہی جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ تمہارے نفسوں کے اندر یہ پختگی پیدا کرنا چاہتا ہے تا کہ آئندہ اگر کوئی چیز تم سے فوت ہو جائے کوئی موقع تمہارے ہاتھ سے چلا جائے تو ایسی صورت میں تمہیں غم نہ ہو اور جو مصیبت پہنچے اس کے اوپر بھی کوئی کسی قسم کا حزن نہ ہو اللہ تعالیٰ تمہاری طبیعت کے اندر یہ پختگی پیدا کرنا چاہتا ہے اس لئے تمہیں یہ مسلسل غم دیا۔

دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو غم پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بدلہ میں تمہیں غم دیدیا یہاں بھی مقصد وہی تا کہ تمہیں غم برداشت کرنے کی عادت ہو، اور آئندہ کے لئے اگر اس قسم کا خلاف طبیعت واقعہ پیش آ جائے تو تم گھبرا نہ جاؤ کہ جو تم سے فوت ہو جائے کوئی اچھا موقع تمہارے ہاتھ سے چلا جائے اس کے اوپر تم غمزدہ نہ ہوا کرو اور جو مصیبت تمہیں پہنچے اس پر بھی تمہیں حزن نہ ہوا کرے اس لئے تمہیں یہ غم دیا اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والے ہیں تمہارے عمل کی، پھر اللہ نے اتاری تمہارے اوپر غم کے بعد چین اطمینان اتار دیا جو نیند کی صورت میں تھا یعنی میدان جنگ میں نیند آ جانا یہ سارے کے سارے منتشر خیالات کو دماغ سے نکالنے کا باعث بن جاتا ہے، تھکاوٹ بھی دور ہو جاتی ہے تو میدان احد میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی یہ نیند صحابہ پر طاری ہوئی جس کی وجہ سے پریشانی کے خیالات ختم ہو گئے، طبیعت کو سکون حاصل ہو گیا اور بدر کے میدان جب گئے تھے تو وہاں بھی لڑائی سے پہلے رات کو اطمینان سے سونے کا موقع دیدیا، میدان جنگ میں مجاہدین کی سونے کو موقع مل جائے آرام کرنے کا موقع مل جائے اور امن کے ساتھ نیند آ جائے یہ بہت بڑی قوت کا

باعث ہوتی ہے۔

اور وقت پر نیند نہ پریشانی کا باعث ہوتا ہے پھر انسان کے حوصلے اور بھی چھوٹ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اطمینان نازل کیا گیا، صحابہ کے اوپر نیند طاری کردی گئی جس سے تھکاوٹ بھی دور ہوئی اور منتشر خیالات بھی دور ہوگئے، لیکن یہ نیند ان کو آئی جن کے دلوں کے اندر خلوص تھا اور سرور کائنات ﷺ کے وعدوں پر ایمان تھا، عقیدے ان کے صحیح تھے اور جو منافق قسم کے لوگ تھے ان کے دلوں میں پریشانی تھی تو پریشانی کی حالت میں نیند نہیں آتی، ان کو نیند نہیں آئی، ان کو اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی وہ نیند ڈھانپتی تھی تم میں سے ایک طائفہ کو نعاساً چونکہ لفظوں میں مذکر ہے اس لئے یغشی یہ مذکر کی ضمیر لوٹی اور نیند کا لفظ اردو میں مؤنث استعمال ہوتا ہے اس لئے ترجمہ مؤنث کے ساتھ کیا جارہا ہے، وہ نیند ڈھانپتی تھی تم میں سے ایک طائفہ کو اور ایک طائفہ ان کو غم میں ڈال رکھا تھا ان کی جانوں نے وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ناحق گمان پکاتے تھے جاہلیت والے گمان برے برے خیالات ان کے دل میں آتے تھے، اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر ان کو یقین نہیں تھا اور وہ یوں کہتے تھے کہ کیا ہمارے لئے اس امر سے کوئی شیء ہے ہمیں اس امر میں کچھ اختیار ہے، اب اس لفظ کے دو پہلو ہیں، مصیبت آگئی تکلیف آگئی بہت سارے رفقاء شہید ہوگئے تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا کچھ بس نہیں چلتا، ہمارے بس میں کچھ نہیں ہمارا کوئی اختیار نہیں۔

ظاہری سطح تو اس کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے سامنے انسان بے بس ہے اللہ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے یہ پہلو تو اس کا صحیح ہے اور اسی کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کہا کہ ہاں انہیں کہہ دیجئے کہ واقعی اختیار سارا اللہ کا ہی ہے، بندوں کا کوئی اختیار نہیں لیکن ان کے دل میں جو بات تھی وہ اور تھی وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ ہم نے تو مشورہ دیا تھا کہ باہر نکل کر نہیں لڑنا مدینہ منورہ میں لڑنا ہے اگر ہمارا کوئی بس چلتا تو ہم مدینہ سے باہر نہ نکلتے، اور یہ ہمارے رفقاء اور ساتھی اور ہمارے خاندان کے لوگ قتل نہ ہوتے ہماری چونکہ بات نہیں مانی گئی اس لئے نقصان اٹھایا ہے، ان کے دل میں یہ بات تھی۔

ظاہری طور پر جو یہ کہتے تھے کہ ہمارا کوئی بس نہیں اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہمارا بس چلتا تو ہماری تجویز پر عمل ہوتا تو یہ نقصان نہ اٹھاتے، اللہ تعالیٰ اسی بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ان کے دلوں میں یہ بات ہے ظاہر اس کو اور انداز سے کرتے ہیں جس سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کا تقدیر پر اعتماد ہے کہ ہمارے بس میں کچھ نہیں جو ہوتا ہے اللہ کی جانب سے ہوتا ہے ان لفظوں کا بظاہر یہ مطلب سمجھ آتا ہے کہ یہ تقدیر پر اعتماد کو ظاہر کرتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں یہ بات ہے کہ اپنی تقدیر پر ان کا اعتماد ہے کہ اگر ہماری بات مان لی جاتی اور ہمارا بس چلتا تو آج یہ نقصان نہ ہوتا۔

اسی کو کہا آگے جاکر کہ "یخفون فی انفسھم مالا یبدون لك" یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تیرے سے ظاہر نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کوئی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے یعنی ہماری تدبیر پر عمل نہیں کیا گیا اگر ہماری

تدبیر پر عمل ہو جاتا تو یہ نقصان نہ اٹھاتے، آپ انہیں کہہ دیجئے! ہمیشہ تقدیر ہی غالب آیا کرتی ہے تدبیر کچھ نہیں، اگر تمہاری تدبیر پر عمل ہوتا اور شہر میں بیٹھے رہتے تو پھر بھی جن کے اوپر قتل ہونا مقدر کر دیا گیا تھا وہ اپنے مضاجع کی طرف باہر نکل آتے، وہیں مرتے جہاں ان کے مرنے کی جگہ اللہ کی طرف سے مقدر تھی، اور یہ واقعہ جو پیش آیا اس میں وہی حکمت بتائی جا رہی ہے کہ اس لئے پیش آیا تا کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اس کی آزمائش ہو جائے، تمہارے جذبات تمہارے خیالات کی تطہیر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جانتا ہے۔

بے شک وہ لوگ جنہوں نے پیٹھ پھیری تم میں سے جس دن دونوں جماعتوں کی ٹکر ہو گئی تھی ان سے پہلے کوئی کام ایسا ہوا جس کی بناء پر شیطان ان کو مزید لغزش میں ڈال گیا، ''ببعض ما کسبوا'' یہاں قرآن کریم میں مبہم ذکر کیا ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسان میں کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں، چھوٹی چھوٹی کمزوریاں بعد میں کسی بڑی کمزوری کا باعث بن جاتی ہیں صحابہ کرام آخر معصوم تو نہیں تھے، معصوم تو انبیاء کی ذات ہے تو بعض چھوٹے چھوٹے گناہ مزید ان کو لغزش میں ڈالنے کا باعث بن جاتے ہیں، یہ لفظ اسی طرح مبہم ذکر کیا گیا ہے، ہم بھی اس کو مبہم ہی ذکر کریں گے باقی اس میں کسی ایسے جرم کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی کہ چونکہ انہوں نے پہلے یہ جرم کیا تھا تو وہ جرم پھر باعث بن گیا کہ شیطان ان کو اس جرم میں مبتلا کر گیا، کچھ اپنی لغزشیں ایسی تھیں کہ جن کی وجہ سے شیطان کو اور زیادہ بہکانے اور پھسلانے کا موقع ملا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح نیکی نیکی کا باعث بنتی ہے اگر ایک شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اس کی نیکی کی دنیا کے اندر یہ بھی جزاء ہے کہ مزید نیکی کی توفیق ہو جاتی ہے۔

اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی کوئی برا کام کر بیٹھا چاہے وہ کسی درجہ کا ہو پھر وہ برائی مزید برائی کا باعث بن جاتی ہے یعنی قلب کے اوپر اس کا ایسا اثر پڑتا ہے کہ پھر دوسری برائی کے لئے راستہ اور ہموار ہو جاتا ہے اسی طرح ان بھاگنے والوں کی کچھ لغزشیں تھیں جن کی بناء پر شیطان ان کو مزید بہکا گیا، کوئی بات نہیں ایسا ہوتا رہتا ہے جو کچھ بھی ہوا اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا، جس سے یہ چوکنا کر دیا کہ اپنی زندگی کے اوپر ہمیشہ نظر رکھا کرو اور پنی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں اور لغزشوں کی فوراً تلافی کیا کرو، توبہ اور استغفار کیا کرو، تا کہ شیطان تمہاری ان کوتاہیوں کو ذریعہ بنا کے تمہیں کسی اور کوتاہی کے اندر مبتلا نہ کر دے، تو زندگی کو سنوارنے اور زندگی کو صاف ستھرا کرنے کے لئے ایک تنبیہ ہو گئی کہ کبھی کسی لغزش کے بعد یا کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جانے کے بعد، یا کسی غلطی کے صدور کے بعد مطمئن ہو کے نہ بیٹھو یہ مزید کسی گناہ کا باعث بن جائے گا، بلکہ اس کو جلدی سے مٹاؤ توبہ اور استغفار کرو تا کہ شیطان اس سے آگے دوسری کسی برائی کے اندر تمہیں مبتلا نہ کر دے۔

اور بعض تفاسیر کے اندر ''ببعض ما کسبوا'' کا مصداق وہ بدر کے قیدیوں کے متعلق جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فیصلہ تھا

اس کو بھی قرار دیا گیا ہے، چونکہ جب قیدیوں کے بارے میں اختیار دیا گیا تھا کہ ان کو قتل کر دیا فدیہ لے کر چھوڑ دو، لیکن اگر فدیہ لے کر چھوڑ و گے تو تمہارے بھی اتنے ہی آدمی دوسرے موقع پر قتل کیئے جائیں گے، اس کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فدیہ کو ترجیح دی اور یہ کہا کہ ہم میں سے قتل ہو جائیں گے کوئی ایسی بات نہیں اس وقت ضرورت ہے کہ ان کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے یہ بھی توقع ہے کہ یہ مسلمان ہو جائیں گے کچھ ہمیں بھی سہارا مل جائے گا، جیسے سورت انفال کے اندر اس کی تفصیل آئے گی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ فیصلہ جو تھا قیدیوں کو چھوڑنے کا بعض نے "ببعض ما کسبوا" کا مصداق اس کو بنایا ہے کہ یہی سبب بن گیا کہ دوسرے وقت میں تمہارے قدم اکھڑ گئے۔

بہر حال یہ لفظ مبہم ہے مجمل ہے اس میں کسی جرم کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی کہ ہم کہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ جرم سرزد ہوا تھا تو اس کے بعد شیطان نے ان کو پھر پھسلا دیا، اجمالی طور پر یہ بات ٹھیک ہے کہ بعض غلطیاں اس قسم کی ہوتی ہیں جو مزید غلطی کا باعث بن جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں تنبیہ کی جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ ہمیشہ اپنی زندگی کا جائزہ لیتے رہو کوئی کوتاہی گناہ کی سرزد ہو جائے تو اس پر خاموشی اختیار نہ کیا کرو توبہ واستغفار کر کے اس کو صاف کر لیا کرو ورنہ پھر وہ کسی اور بڑے گناہ کا باعث بن جاتا ہے جو کچھ بھی ہوا بہر حال اللہ تعالیٰ نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا "ولقد عفا اللہ عنہم" اللہ تعالیٰ ان سب سے درگزر کر گیا جو پھسلنے والے تھے بھاگنے والے تھے میدان چھوڑنے والے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو معاف کر دیا" ان اللہ غفور حلیم " بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا بردبار ہے۔

غزوہ احد کے واقعات آپ کے سامنے تفصیل سے آرہے ہیں پہلا غزوہ جو مسلمانوں نے کفار کے خلاف کیا تھا بڑا غزوہ وہ غزوہ بدر ہے یہ دو ہجری میں پیش آیا تھا، اور اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجود اس کے کہ تعداد میں کم تھے اور اسلحہ اور سامان بھی کم تھا اللہ تعالیٰ کی نصرت کے ساتھ مشرکین مکہ کے مقابلے میں غالب آئے یہ غزوہ رمضان شریف میں پیش آیا تھا، اگلا رمضان گزرنے کے بعد شوال میں یہ غزوہ احد پیش آیا، غزوہ احد میں بھی ابتداء میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت پورا ہوا مسلمانوں کو فتح ہوئی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا غلبہ مشرکین کے اوپر نمایاں ہو گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے، "ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونہم باذنہ " کہ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جبکہ تم انہیں اللہ کی توفیق کے ساتھ قتل کرتے جا رہے تھے، بعد میں یہ فتح شکست کے ساتھ بدلی، کیوں بدلی، اس کا کیا سبب پیش آیا، اللہ تعالیٰ کی نصرت کیوں رک گئی؟ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شکست کیوں کھا گئے؟ قرآن کریم کے الفاظ میں صراحت ہے کہ "حتیٰ اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون " کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری محبوب چیز تمہیں دکھا دی تھی یعنی فتح، تم کافروں پر فتح پا رہے تھے، اللہ کی نصرت تمہارے ساتھ تھی، کافروں کو تم قتل کرتے جا رہے تھے۔

لیکن بعد میں تمہارے اندر رائے کی کمزوری پیدا ہوئی اور ایک معاملہ میں تم نے آپس میں جھگڑا کیا، اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی تم نے نافرمانی کی اس کا تعلق اس جماعت کے ساتھ ہے جو کہ پہاڑ کے اوپر حضور ﷺ نے ایک درے کی حفاظت کے لئے متعین کی تھی، اور میں نے کل آپ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ جب ایک کام اجتماعی شکل میں کیا جایا کرتا ہے تو اس میں سے بعض افراد کی لغزش نقصان ساری جماعت کو پہنچاتی ہے، اور جس وقت اس واقعہ پر تبصرہ کیا جائے گا تو نسبت ساری جماعت کی طرف ہوگئی کہ تم نے یہ کیا، اس لئے نقصان ہوگیا چاہے کرنے والے بعض افراد ہوتے ہیں، قرآن کریم نے جو شکست کی وجہ بیان کی ہے وہ ہے رائے کی کمزوری کہ اپنے خیال میں وہ ٹھوس نہ رہے اور ان میں تنازع پیدا ہوگیا کہ ہمیں یہاں ٹھہرنا چاہیئے یا نہیں ٹھہرنا چاہیئے اور آپس میں اختلاف ہوا اور سرور کائنات ﷺ نے جو حکم دیا تھا کہ تم نے یہیں جمنا ہے اس جگہ کو چھوڑنا نہیں ہے اس میں ان سے عصیان ہوگیا اور یہ عصیان بھی کیوں ہوا؟

آپس میں اس خیال کی بناء پر کہ اب فتح مکمل ہو چکی ہے میدان خالی ہوگیا، اب کافر بھاگے جا رہے ہیں اس لئے ہمیں چاہیئے کہ ہم ان کافروں کا تعاقب کریں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ تعاون کریں اور مال غنیمت اکٹھا کروائیں، ظاہری طور پر ان کی توجہ مال غنیمت کی طرف ہوئی مال کا تصور آ گیا ورنہ یہ مطلب نہیں تھا کہ اگر ہم مال غنیمت میں شریک نہ ہوئے تو ہمیں حصہ نہیں ملے گا، حرص اور لالچ اگر کہا جا سکتا ہے تو اس بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اگر ان کو معلوم ہوتا کہ اگر ہم نے مال غنیمت جمع کرنے میں شرکت نہ کی تو ہمیں حصہ نہیں ملے گا، اس لئے ہمیں دوڑ کے جانا چاہیئے، ہم مال اکٹھا کروائیں تاکہ ہمیں بھی حصے ملے پھر تو ہم کہہ سکتے تھے کہ حرص اور لالچ کی بناء پر انہوں نے اپنی جگہ کو چھوڑا لیکن جب بدر کی غنیمت تقسیم ہونے کے بعد یہ قانون واضح ہوگیا تھا کہ غنیمت کے حصہ دار صرف وہی نہیں سمجھے جاتے کہ جو باقاعدہ میدان کے اندر لڑ رہے ہوں بلکہ جو نگرانی پر کھڑے ہیں دوسری خدمات کے لئے متعین ہیں وہ بھی اسی طرح شریک ہوتے ہیں۔

اس قانون کے مطابق ان جبل رواۃ والوں کو حصہ تو بہر حال ملنا تھا، محروم تو انہوں نے رہنا نہیں تھا اب ان کا اترنا اس اجتہاد کی بناء پر تھا کہ یہاں رہنے کی اب ضرورت ختم ہوگئی اب کافروں کا تعاقب کرنا چاہیئے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے مال کے اکٹھا کرنے میں اس لئے اس میں کوئی حرص اور لالچ کی بات نہیں لیکن ظاہری طور پر ان کی توجہ مال کے اکٹھے کرنے کی طرف ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی انکار فرمایا کہ تم میں سے بعض تھے جو دنیا کا ارادہ کئے ہوئے تھے یہ تو ہے قرآن کریم کا مضمون اور پھر ان سے جو لغزش ہوئی اس لغزش کے نتیجہ میں جماعت کا نقصان ہوا، سرور کائنات ﷺ زخمی ہوئے، بہت زیادہ نقصان ہوا اسلام کے اندر باقاعدہ ایک شکست کا باب قائم ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمتیں واضح کیں کہ کوئی بات نہیں اگرچہ تم سے غلطی ہوئی لیکن اس سے یہ فوائد حاصل ہوئے، مؤمن مخلص کا اور منافق کا امتیاز ہوگیا

اور آئندہ کے لئے تمہیں تجربہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ کو امتحان مقصود تھا، باقی سب غلطیاں ہم نے معاف کر دیں، معافی کا اعلان بار بار کر دیا تو ان آیات میں بھی عتاب کے مقابلہ میں شفقت زیادہ نمایاں ہے۔

یہ ہے قرآن کریم کا مفہوم لیکن ہمارے مودودی صاحب جن کی یہ عادت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر گرفت کے بہانے تلاش کرتے ہیں، اور کوئی کسی قسم کی کوئی بات سامنے آجائے تو اس کو اچھالنے کی کوشش کرتے ہیں، دیکھو ایک ہے میرا انداز بیان کہ اکابر کے طرز پر ایک ایک بات بھی ذکر کریں لیکن ایسے انداز کے ساتھ کہ صحابہ کا دامن صاف ہوتا نظر آئے اور اگر ان سے کوئی لغزش ہوئی ہے تو ہلکی سے ہلکی ہوتی نظر آئے تا کہ اس جماعت کی عظمت بحال رہے، مسلمانوں کے اندر جو ان کا مقام ہے اس کی حفاظت ہو اور ان کا ذہن یہ ہے کہ جس وقت بھی کوئی ایسی بات آجاتی ہے تو اس کو ایسے سخت انداز سے ذکر کرتے ہیں جس سے وہ معاشرہ ہمارے آج کل کے معاشرے سے گھٹا ہوا ہی معلوم ہوتا ہے انہوں نے شکست کا سبب کیا قرار دیا یہی آپ کو سنانا چاہتا ہوں، یہ کہتے ہیں کہ سود خوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں سود لینے والوں میں حرص طمع، بخل اور خود غرضی تھی۔

اور بعض سود دینے والے تھے جن میں نفرت، غصہ بغض اور حسد تھا اور احد کی لڑائی میں شکست کے معاملہ میں ان بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل ہو گئے، اور یہی عبارت ہے تفہیم القرآن کی جس کے اوپر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے زبردست قسم کی گرفت کی ہے اسی انداز میں جیسے میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں یہ ان کی کتاب ہے ''یتیمۃ البیان'' اس میں اس عبارت کا عربی میں ترجمہ کر کے پیش کیا ہے، یہ جو عبارت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے یہ ہے صفحہ نمبر ۷۰ پر اور صفحہ ۸۱ پر یہی گرفت ہے جو میں نے آپ کے سامنے کی کہ قرآن کریم نے تو نشاندہی یہ کی ہے شکست کے اسباب کی انہوں نے معلوم نہیں یہ کہاں سے نکال لی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف حرص، طمع، بخل، خود غرضی، اور اسی طرح نفرت غصہ بغض حسد اس کو جو اسباب میں ذکر کیا ہے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے خلاف ہے۔

یہ بات تو تھی مودودی صاحب کی اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے چوہدری افضل حق صاحب رئیس الاحرار آپ شاید ان سے متعارف نہیں ہیں، احرار کے لیڈر ہیں لیکن احرار ایک ایسی جماعت تھی جو انگریز کے خلاف ایک آزادانہ ذہن رکھنے والوں کی جماعت تھی، جو بھی انگریز کے خلاف تھے آزادی کے متوالے تھے، جانباز قسم کے لوگ وہ اس اسٹیج پر جمع تھے، باقی اس میں کوئی عقیدہ یا نظریہ کی بنیاد پر اس میں اجتماع نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ اس جماعت میں شیعہ بھی تھے، مظہر علی اظہر آخر وقت تک اس میں رہا ہے وہ شیعہ تھا اور اس میں غیر مقلد بھی تھے اور اس میں بریلوی بھی تھے، نواب زادہ نصر اللہ یہ ہمیشہ احرار میں رہا ہے تو جانباز قسم کی ایک جماعت تھی جو انگریز کے خلاف جہاد کا جذبہ رکھتے تھے، باقی ایک عقیدہ ایک نظریہ اس پر اس کی بنیاد نہیں تھی

ہر مسلک کے لوگ لے لئے جاتے تھے بشرطیکہ ان میں آزادی کا جذبہ ہو وہ جانباز قسم کے لوگ ہوں جو انگریز کے خلاف ہر قسم کی قربانی دینے کے تیار ہوں۔

ان میں سے ایک چوہدری افضل حق بھی ہیں، مجاہد قسم کے آدمی ہیں، صاحب قلم ہیں لیکن علم میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے ادیب ہیں صاحب قلم ہیں، قرآن وحدیث کی تشریح وتفسیر کے اندر ان کا کوئی مقام نہیں ہے، اس لئے علماء نے کبھی ان کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں دی، ایک آدمی کی اگر ایک میدان میں عظمت مان لی جائے تو اس کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ ہر میدان میں اس کی عظمت کا اعتراف کیا جائے، اب مولانا آزاد تھے ہم ان کو سیاسی لیڈر سمجھتے ہیں، اور سیاسی قائد ہیں، ہمارے اکابر نے ہمیشہ ان کو سیاست میں امام مانا ہے، باقی فقہی مسائل قرآن وحدیث کی تشریح میں ان کی رائے کا کبھی اعتبار نہیں کیا، اس لئے کبھی اس قسم کے مسائل حل کرنے میں ان کا حوالہ نہیں دیا جاتا، جو نظریہ ان کا ہمارے بزرگوں کے خلاف ہے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

اور سیاسی اتحاد کے طور پر احرار ہو جمعیت علماء ہند ہو، ہندستان کی سیاسی زندگی کے اندر یہ نہرو اور گاندھی کو بھی آگے رکھتے تھے کیونکہ ہندوستان کو آزاد کرانا جو مقصود تھا جو بھی اس میں مفید تھا وہ اس کا ساتھ دیتے، تو ان کا یہ مقام نہیں ہے کہ مذہبی مسائل میں، مذہبی نظریات میں ان کے حوالے دیئے جائیں یہ تو چونکہ کتاب میرے پاس تھی اور یہ مودودی صاحب کی عبارت بھی سامنے تھی تو اس سے زیادہ سخت عبارت افضل چوہدری کی ہے اس کو صرف آپ کے سامنے ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

یہی غزوہ احد کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے حکم کے خلاف لوٹ کی لالچ میں اپنی جگہ چھوڑ دینے والے بھی سود خور تھے، انہیں خدا کی راہ میں جان دینے کی بجائے غنیمت کا مال اڑا لینے کا خیال تھا ان کے اس لالچ نے نبی برحق کو احد میں شکشت دلوائی دانت شہید کروا کر نڈھال کر دیا، جنگ احد کی شکست نے ثابت کر دیا کہ سود خواروں کا گروہ اسلام کی لڑائیاں نہیں جیت سکتا، انہیں حب مال ان کی جان اور ایمان سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، اب اس شریف آدمی سے کوئی پوچھے کہ جس وقت تک جبل رواۃ والوں نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی تھی اس سے پہلے تو مسلمانوں نے غلبہ پالیا تھا اور وقت کیا اس معاشرہ کے اندر سود خوری نہیں تھی، اور اس سے ایک سال قبل بدر کے اندر انہی لوگوں نے فتح پائی تھی، یہ انتہائی درجہ کی صحابہ کرام کی عظمت کو مجروح کرنے والی بات ہے۔

ابھی تو یہ قابل تحقیق بات ہے کہ غزوہ احد سے پہلے سود حرام بھی ہوا تھا یا نہیں؟ قطعی طور پر سود کے حرام ہونے کا حکم حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا ہے اور سورت بقرہ کے آخر میں آپ کے سامنے آیات گزری ہی اور وہ مدنی زندگی کے آخرت دور کی ہیں اسی لئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لے گئے اور ابواب ربا میں سے بہت

ساری باتیں ایسی رہ گئیں جن کی تشریح حضور ﷺ نے ہمارے سامنے نہیں کی، اس وقت تو قطعی طور پر یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ربا کی حرمت آ گئی تھی تو پھر بدر کے اندر ان لوگوں کا غالب آنا اور احد کے میدان میں پہلے فتح پانا اور پھر یہ مرکز چھوڑنے کی بناء پر فتح کا شکست سے بدل جانا قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہے، تو ان کا اس قسم کے الفاظ استعمال کرنا یہ صحابہ کرام کی عظمت کے منافی ہے۔

اور اس قسم کی کتابوں کو دیکھ کر اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ سوشلزم سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں، کسی مذہب کی کتاب کو دیکھنا چاہتے ہو سب کے اوراق الٹ پلٹ کر کے دیکھ لو، غریبوں کی خدمت، بے کسوں پر مہربانی ہر مذہب کی تعلیم کی جان ہے مگر اس کتابی سچائی کو زندگی کی حقیقت یا اسلام نے ابتدائی تیس سال اور اس کے بعد یہ روس کی کوشش بس یہ دو ہیں جو اس حقیقت کو اپنا رہے ہیں باقی اسلام کے ابتدائی تیس سال چھوڑ کے اور اس کے بعد تیرہ سو سال کا زمانہ جو ہے اس میں کسی نے اس چیز کو نہیں اپنایا، یعنی یہ تیس سال بھی بڑی مشکل سے ان کے قلم سے نکل گئے، ورنہ یہ تو اس سے بھی پیچھے ہٹے ہوئے ہیں یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اچانک شہید ہو گئے انہوں نے تو امیر معاویہ سے باز پرس شروع کر دی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شہید ہوتے ہی سرمایہ داری کے مار آستین نے سر نکالا اور روح اسلامی کو ڈس لیا، یعنی تیس سال بھی پورے نہیں ہوتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شہید ہوتے ہی سرمایہ داری کا مار آستین نے سر نکالا اور اس نے روح اسلامی کو ڈس لیا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہے اور اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور ہے تو ان کے خیال کے مطابق سرمایہ داری کی زہر اس وقت معاشرہ میں پھیلنے لگ گئی تھی۔

بس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت تک یہ معاملہ تھوڑا سا ٹھیک رہا ہے، اور اس کے بعد سرمایہ داری آ گئی تو تیس سال بھی پورے نہیں ہوتے اس لئے ان کی عبارات اس قسم کی ہیں جن میں بہت سخت انداز اختیار کیا گیا ہے کہ جس میں بعض تو اس قسدم کی ہیں کہ اگر ظاہر کو دیکھا جائے تو بہت ہی سخت الفاظ ہیں، میں تو اس کتاب کو پڑھ کر بہت بددل ہوا ہوں، انسان جب سوشلزم سے متاثر ہوتا ہے تو اس کے جذبات کدھر کو جاتے ہیں باوجود اس بات کے کہ یہ اچھے بھلے لیڈر ہیں لکھتے ہیں کہ ”خدا کے نام پر سرمایہ داری کے نظام کو چلانے والوں کی چیرہ دستیوں سے چیخ اٹھنے والی بھوک کی ماری مخلوق سوائے خدا کو کوسنے کے کیا کرے، (یعنی اگر یہ اللہ کو گالیاں نہ دے تو اور کیا کرے) جس نے انسان بنا کر انہیں حیوان سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا اگر شخصی جائیداد خدا کی طرف سے ایک مقدس حق ہے تو خدا غریب کے لئے مقدس ہستی نہیں (ہم تو کہتے ہیں کہ شخصی جائیداد مقدس حق ہے تو یہ شرطیہ جو ذکر کر رہے ہیں تو اگر مقدم ثابت آ جائے تو تالی خود بخود ثابت آ جائے گا ان کے خیال کے مطابق) بلکہ خون آشام سرمایہ داروں کا ساتھی ہے یعنی سرمایہ دار جو خون پیتے ہیں پھر خدا ان کا ساتھی ہے،

اگر کہا جائے کہ شخصی جائیداد کوئی مقدس حق ہے اور ہم تو اس کو مانتے ہیں ہم تو کہتے ہیں کہ مقدس حق ہے، حلال ذرائع سے حاصل کر کے شخصی جائیداد کوئی کتنی ہی بنا لے حقوق اسلامی اگر ادا کرتا ہے تو اس کی مقدس چیز ہے اس میں اس کی مرضی کے خلاف تصرف نہیں کیا جا سکتا،

لیکن یہ کہتے ہیں کہ اگر اس کو مقدس حق قرار دیا جائے تو پھر غریب کے نزدیک خدا مقدس ہستی نہیں ہے، اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "بے زبان غریب کی اگر شخصی سرمایہ کے محافظ خدا کے خلاف زبان کھل جائے تو سچے مسلمان کو خوش ہونا چاہیئے کیونکہ مسلمانوں کا خدا انسانوں میں سے کسی بھی امتیاز کا روادار نہیں" اب اللہ تعالیٰ کی ہدایات تو ہیں لیکن واقعہ کیا ہے اگر مسلمانوں کے اندر بھی شخصی سرمایہ ہے اور اللہ نے اس کو تحفظ دیا ہوا ہے جائز طریقہ کے ساتھ کمائے ہوئے سرمایہ کو اسلام نے تحفظ دیا ہوا ہے، خود بخاری شریف کے اندر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی جائیداد کا جو حساب آیا ہوا ہے بڑا پیچیدہ سا حساب ہے ان کی وراثت جو تقسیم ہوئی قرضے ادا کرنے کے بعد چھ کروڑ دو لاکھ کی مالیت چھوڑ گئے تھے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، اور جائیداد کا حساب خود بخاری شریف میں آیا ہوا ہے اب یہ شخصی جائیداد ہے اسلام نے اس کو تحفظ دیا ہے اور اس تحفظ کے بعد انسان اگر اس کے حقوق ادا کرتا چلا جائے تو کوئی کسی قسم کی بات نہیں ہے تو یہ انداز ایسا ہے کہ اس کو پڑھنے کے بعد غریب آدمی کے اندر خواہ مخواہ خدا سے بغاوت پھیلتی ہے۔

اور ایسے ہی ابتداء کے اندر انہوں نے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ نماز وغیرہ اردو میں ہونی چاہیئے، اور قرآن کریم کی تلاوت اردو میں اگر کی جائے تو اس کو قرآن پڑھنا ہی قرار دیا جائے، مولویوں پر ذمہ داری ہے کہ اس مسئلہ کو حل کریں ورنہ قوم اگر جاہل اور قوم اگر اسلامی جذبات نہیں اپناتی اور اس کی ذمہ داری بھی علماء پر آتی ہے، اور کمال اتاترک وغیرہ نے جو عربی ممنوع قرار دے دی تھی ترک کے اندر اور نماز اذان وغیرہ سب عربی میں ممنوع قرار دے دی تھی اس کی عبارت سے اس کی گویا کہ تائید نکلتی ہے، اور یہ جو عربی پڑھنے کے اوپر اصرار کرتے ہیں کہ قرآن بھی عربی میں پڑھا جائے اور نماز بھی عربی میں پڑھی جائے ان کے اوپر یہ کچھ ناراض سے معلوم ہوتے ہیں اس لئے یہ حضرات اس قابل نہیں کہ ان کا مطالعہ کیا جائے اور مطالعہ کر کے ان سے نظریات کو اخذ کیا جائے یہ چیزیں ہمارے اکابر کی تصریحات کے خلاف ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی مذہبی حیثیت بھی تھی اور سیاسی حیثیت بھی تھی بلکہ مذہبی حیثیت غالب تھی اور سیاست ان کی اس مذہبی حیثیت کے تابع تھی، وہ کوئی اقدام اس قسم کا نہیں کرتے تھے جو قرآن وحدیث یا علماء اور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہو اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے صحیح جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں تقریباً پینتیس سال تک انہوں نے حدیث مصطفیٰ کی اشاعت کی ہے اور ان کی تحریرات نقش حیات اور اسی طرح مکتوبات کے چار جزء

چار جلدیں یہ موجود ہیں ان کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں کے ذہن کے اندر اسلامی حدود کی کتنی پابندی ہے کیا مجال ہے کہ ایک لفظ بھی ان کے قلم سے بے احتیاطی کے ساتھ نکل جائے اور پھر ان کے پچیس سال کے شاگرد ان کے علوم کے حامل ہیں۔

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وارث حضرت شیخنا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور اسی طرح شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور ایسے ہی ان کے معروف شاگرد میاں اصغر حسین صاحب یہ سارے کے سارے حضرات ایسے تھے جنہوں نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کی اشاعت کی تو جہاں مذہبی نقطہ نظر سے دیکھنے کی بات ہوگی کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر کیا ہے تو علماء دیوبند میں سے انہی علماء کی تحریریں دیکھو، انہی کی کتابیں پڑھو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی حکمت کیا تھی، قرآن وحدیث کی وہ کس طرح عظمت بحال رکھتے تھے، کس طرح حدود الٰہیہ کی پابندی کرتے تھے، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد ہیں مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ جو اس تحریک آزادی میں بہت آگے نکلے جس کی بناء پر ان کو پھر یہاں سے جلاوطن ہونا پڑا، بائیس سال وہ باہر دنیا کے اندر چکر لگاتے رہے ان کے نظریات میں کچھ سختی آئی، تو جس وقت وہ واپس ہندوستان میں آئے ہیں تو علمی مقام کے طور پر ان کے فتاویٰ کو اور خیالات کو دیوبندی مسلک میں جگہ نہیں ملی، دیوبندی مسلک کی ترجمانی مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہی، مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہی اور دار العلوم کے دار الافتاء کے پاس رہی۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سیاسی لیڈر ہونے کی حیثیت سے ہمیشہ ہمارے اکابر میں احترام کی نظر سے دیکھے گئے ہیں لیکن ان کے خیالات اس دیوبندی مسلک کے اندر کوئی جگہ نہیں دی گئی اور ان کے اپنے قلم کی لکھی ہوئی تصانیف کم ہیں وہ باہر مختلف حلقوں کے اندر جو کچھ بیان کرتے رہے وہ لوگوں نے جمع کر کے شائع کر دیا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک سمجھنے کے لئے ان کتابوں کے اوپر مدار نہیں رکھا جاسکتا جن کے اندر اہل علم کا واسطہ نہیں ہے بلکہ انگریزی خوان قسم کے لوگ ان کے ارد گرد جمع تھے، جو کتابیں انہوں نے ان کے اقوال کے طور پر لکھی ہوں ان کی چھانٹی کی جائے گی جو باتیں ہمارے اکابر کے خیال کے مطابق ہوں گی ہم ان کو صحیح قرار دیں گے اور جو بات ہمارے اکابر کی تحقیق کے خلاف ہوگی ہم راوی کی غلطی بتائیں گے، چونکہ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت قابل احترام ہے ہم یہ کہیں گے کہ چونکہ ان کے اپنے قلم کی باتیں لکھی ہوئی نہیں ہیں اس کے ناقل دوسرے لوگ ہیں اگر کوئی غلط بات ان کتابوں کے اندر آئے گی تو ہم اس کو ناقل کی غلطی بتائیں گے۔

اور تو آپ کے سامنے کیا عرض کروں پچھلے دنوں میں اس بارے میں بعض حضرات سے ملاقات کر کے ان کو توجہ بھی

دلائی، یہ تفسیر ان کی شائع ہوئی ہے الہام الرحمان کے نام سے اب یہ ان کے اپنے قلم کی لکھی ہوئی نہیں، انہوں نے کسی کو پڑھائی اور اس نے وہ اقوال جمع کر لئے، جمع کرنے کے بعد اس کو شائع کر دیا اب ہم اس کی کسی بات کی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، جو بات اس میں سے صحیح ہوگی اس کو مولانا کی قرار دیں گے اور جو بات صحیح نہ ہو ہمارے اکابر کی تحقیق کے خلاف ہو اس کو غلط کہیں گے کیونکہ مولانا کی شخصیت قابل احترام ہے اس لئے مولانا کی طرف نسبت کرنے کی بجائے ہم ناقلین کی غلطی بتائیں گے، کتاب اٹھا کر دیکھیں گے تو اس کتاب کے اندر صراحت کے ساتھ حیات عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام زندہ نہیں ہیں، نزول عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے رفع عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے صاف الفاظ میں بغیر کسی تاویل کے اس کو یہودی داستان قرار دیا گیا ہے اور اس عبارت پر میں نے بہت سارے حضرات کو متوجہ کیا ہے۔

اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ تک یہ بات پہنچائی گئی کہ اس کی تردید کر و اس کے متعلق بیان دو، وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے خیالات تو وہی ہیں جو ہمارے اکابر کے ہیں اور اس کی نسبت بھی حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرنے کے تیار نہیں ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ ناقلین کی غلطی ہے اس قسم کی باتیں ان کی طرف منسوب کتابوں میں موجود ہیں، کہ اگر یہ ان کی کتاب مان لی جائے اور یہ تصریحات ان کی تسلیم کر لی جائیں تو لازماً کہنا پڑے گا کہ آج تک جو ہمارے اکابر ان چیزوں کے انکار کرنے والوں کو کافر کہتے رہے ہیں تو وہ فتویٰ غلط ہے، اور اگر یہ فتویٰ صحیح ہے تو حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت غلط ہے، لیکن جب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت پر تو اعتماد کرتے ہیں اور ان کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو پھر ان کو بچانے کے لئے ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ ان تحریرات کی ذمہ داری حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ پر نہ ڈالی جائے۔

بلکہ یہ کہا جائے کہ یہ بے دین قسم کے ناقلین جو ان کے ارد گرد جمع ہو گئے تھے انہوں نے اس قسم کی باتیں حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیں، تو جس وقت تک ان باتوں کے اندر واسطہ اہل علم کا نہیں ہوگا ہم ان باتوں پر اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں یہ ہے ہمارا نظریہ کہ جہاں اہل علم کا واسطہ ہوگا، اور بات ہمارے اکابر کی تصریحات کے مطابق ہوگی ہم اس کو قبول کریں گے اور جو بات اکابر کی تصریحات کے خلاف ہو اس کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا
ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ
لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾
وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ
اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا
مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی
الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِیْنَ ﴿۱۵۹﴾
اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ
یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا
كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ ؕ وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ
اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ
وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا
یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ:

اے ایمان والو! نہ ہو جاؤ تم ان لوگوں کی طرح جو کفر کرتے ہیں اور بھائیوں کے متعلق کہتے ہیں جس وقت وہ بھائی زمین میں چلیں یا وہ نمازی ہوں (پھران کو موت آجاتی ہے) اگر وہ ہمارے پاس رہتے نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے، نتیجہ ان باتوں کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ان کی ان کے دلوں میں حسرت بنا دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ زندگی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ موت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو دیکھنے والا ہے، اور اگر تم قتل کر دیئے جاؤ اللہ کے راستے میں یا تمہیں موت آجائے البتہ بخشش ہے اللہ کی طرف سے اور رحمت بہتر ہے اس چیز سے جس کو یہ لوگ جمع کرتے ہیں، اور اگر تم وفات پا جاؤ یا قتل کر دیئے جاؤ البتہ اللہ کی طرف ہی تم جمع کئے جاؤ گے، اللہ کی رحمت کے سبب سے آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ ترش رو ہوتے اور سخت دل ہوتے تو البتہ یہ لوگ بکھر جاتے آپ کے اردگرد سے پس تو انہیں معاف کر دے اور ان کے لئے معافی طلب کرے اور ان کے ساتھ مشورہ کیا کر معاملات میں پھر جس وقت آپ پختہ عزم کرلیں پھر آپ اللہ پر بھروسہ کریں بے شک اللہ تعالیٰ متوکلین کو پسند کرتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں نصرت سے محروم کر دے تو اللہ تعالیٰ کے چھوڑ دینے کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے گا، اور اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے ایمان والوں کو، نہیں مناسب کسی نبی کے لئے کہ وہ خیانت کرے اور جو بھی خیانت کرے گا لے آئے گا وہ اپنی خیانت کو قیامت کے دن پھر پورا پورا دیدیا جائے گا ہر نفس جو اس نے کیا ہے اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے، کیا پھر وہ شخص جو اللہ کی رضا کا تابع ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا مستحق ہوا اور اس شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے، (اور جو اللہ کی رضا کے متبع ہیں) وہ مختلف درجوں والے ہیں اللہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے ان کاموں کو جو یہ لوگ کرتے ہیں، البتہ تحقیق احسان کیا اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر جبکہ ان میں ایک رسول اٹھایا انہیں میں سے ہی تلاوت کرتا ہے ان پر اس کی آیات کو اور انہیں سنوارتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے بے شک یہ لوگ اس رسول کے آنے سے قبل کھلی گمراہی میں تھے۔

تشریح:

غزوہ بدر کے حالات آپ نے تفصیل سے سنے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان واقعات کی حکمت بیان کرتے ہوئے ایک حکمت یہ بھی بتائی تھی کہ ایسے مصائب کے وقت میں مخلصین اور منافقین کا امتیاز ہو جاتا ہے، جب خوشحالی کے دن ہوتے ہیں امن اور چین کے دن ہوتے ہیں تو سارے ہی محبّ اور سارے ہی مخلص ہوتے ہیں لیکن اصل کے اعتبار سے دل کی گہرائی

میں جو جذبات چھپے ہوئے ہوتے ہیں ہمیشہ وہ اس قسم کے حادثات میں نمایاں ہوا کرتے ہیں پھر دل کی گہرائی میں چھپی ہوئی باتیں انسان کی زبان پر آتی ہیں تو یہاں بھی واقعہ ایسے ہی ہوا کہ مدینہ منورہ میں بہت سارے لوگ ایسے تھے جنہوں نے ظاہری طور پر ایمان کو قبول کیا ہوا تھا، در پردہ ان کو اسلام سے کوئی ہمدردی نہیں تھی اوران کی ہمدردیا یہود کے ساتھ تھیں، مشرکین مکہ کے ساتھ تھیں اور یہی لوگ ہیں جن کو ہم منافقین کے لفظ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں،اوران کا سردار تھا عبداللہ بن ابی بن سلول، سلول اس کا دادا نہیں بلکہ اس کی ماں ہے اس لئے اس کو ابن سلول پڑھنا ہے۔

یہ تھا ان منافقین کا سردار چنانچہ جنگ احد کے لئے جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے نکلے ہیں تو یہ راستہ سے اپنے ساتھیوں کو واپس لے گیا تھا، تین سو رفقاء اس کے ساتھ واپس چلے گئے تھے انہوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا، اللہ کی مرضی ہوا ایسا کہ غزوہ احد میں شکست ہوگئی تقریباً ستر کے قریب صحابہ اس میدان میں شہید ہوئے جن میں اکثریت انصار کی تھی اور کچھ مہاجرین بھی تھے، جس طرح غزوہ بدر کے اندر بھی چودہ مسلمان شہید ہوئے جن میں آٹھ انصاری تھے چھ مہاجر تھے اور یہاں بھی شہید ہونے والوں میں اکثریت انصار کی تھی، اور یہ انصاری ان منافقوں کے ہم رشتہ ہم نسب قبیلوں کے لوگ تھے تو جس وقت یہ واقعات پیش آگئے تو اب ان منافقین کو اپنے نفاق کے ظاہر کرنے کا موقع ملا اور اس قسم کی باتیں ان کی زبان کے اوپر آئیں کہ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کی دلی ہمدردیاں حضور ﷺ اور آپ کی جماعت کے ساتھ نہیں ہیں، اس موقع پر انہوں نے جماعت کے اندر انتشار پھیلانے کی پوری کوشش کی اور بھی بہت ساری باتیں کیں جن میں سے ایک بات خصوصیت کے ساتھ لوگوں کے اندر پروپیگنڈے کے طور پر پھیلائی تا کہ سرور کائنات ﷺ پر اعتماد ختم ہو جائے اور یہاں ان کے آنے کے بعد سرداری ان کو مل گئی اور سرداری ہماری نہ رہی، اقتدار ہمیں حاصل نہ ہو سکا۔

تو ممکن ہے اس پروپیگنڈے کے ساتھ ان کے قدم اکھیڑ دیے جائیں دوبارہ اسی عبداللہ بن ابی کو سرداری مل جائے اس لئے یہ سرغنہ تھا اس پروپیگنڈے کا اور اس کے رفقاء ان باتوں کو پھیلانے والے تھے، اس رکوع کے اندر تقریباً اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہی کے پروپیگنڈے کا ازالہ کیا ہے، حاصل یہ ہے کہ انہوں نے یوں باتیں کرنی شروع کیں کہ دیکھو ہم نے مشورہ دیا تھا کہ شہر سے باہر نہ جاؤ اگر ہمارا مشورہ مان لیا جاتا تو کم از کم یہ خون ریزی تو نہ ہوتی، یہ مرتے تو نہ، ہمارے مشورے پر عمل کرتے تو یہ مصیبت نہ آتی، یہ مصیبت اس لئے آئی ہے کہ انہوں نے ہمارا مشورہ نہیں مانا، ہم نے تو بہت زور لگایا تھا حتی کہ ہم نے ناراضگی کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ ہم نہیں جاتے شہر میں رہنا چاہیئے لیکن انہوں نے اپنی ضد پوری کی اور اس ضد میں آ کے قوم ہماری مروادی۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے متعلق اس قسم کے پروپیگنڈے کئے کہ یہ ہمارے حق میں مخلص نہیں ہے اپنی قوم

کے ساتھ مخالفت ہے اور قربانی ہماری دی جا رہی ہے، مشورے ہمارے نہیں مانتے، جدھر دیکھو بس ہمارے آدمی قتل کروائے جا رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے جو ان کے اوپر اعتماد کیا ہے اور اپنا سب کچھ ان کے سپرد کر دیا، ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی، اپنا جان مال ان کے سپرد کر دیا یہ ہمارے حق میں مخلص نہیں ہیں یہ اسی طرح ہماری قوم کو تباہ کروائیں گے۔

اس طرح منافقین نے مسلمانوں کے اندر پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا، تو جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی دل کی گہرائی میں جو چھپے ہوئے جذبات تھے، سرور کائنات ﷺ کے ساتھ عدم عقیدت، حضور ﷺ کے اوپر پورا اعتماد نہ کرنا اس قسم کے جذبات ان کے دل کی گہرائی میں جو چھپے ہوئے تھے تو ذرا سا رگڑا لگا اور اندر کے سارے داغ نمایاں ہو گئے، اور اگر اس قسم کی مصیبتیں نہ آتیں تو ان کا یہ نفاق اور ان کے یہ جذبات جو حضور ﷺ اور آپ کی جماعت کے متعلق تھے یہ نکھر کے سامنے نہ آتے اور انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ اب ایک واقعہ سامنے آ گیا اب یہ پروپیگنڈہ عام کرو جس وقت پروپیگنڈہ عام ہوگا تو کم از کم اہل مدینہ کا اعتماد حضور ﷺ سے اٹھ جائے گا، جب اہل مدینہ کا اعتماد اٹھ جائے گا تو یہاں سے ان کے قدم اکھڑ جائیں گے اور دوبارہ ہماری سرداری پھر آ جائے گی جس طرح کہ پہلے تھی۔

یہود کے ساتھ ان کے تعلقات تھے یہود سے ان کی ہمدردیاں تھیں وہ بھی ان کو اس قسم کی پٹیاں پڑھاتے تھے اور خود بھی یہ لوگ چونکہ اقتدار کے بھوکے تھے حب جاہ کے اندر مبتلا تھے، اور یہ بات بخاری شریف کے اندر صراحتاً آتی ہے کہ جب حضور ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک دفعہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ خزرج کے سردار ہیں وہ بیمار ہو گئے اور وہ مخلصین میں سے تھے تو حضور ﷺ اس کی عیادت کے لئے گئے، حمار پر سوار تھے گدھے پر سوار ہو کے جس وقت چلے تو دیہاتوں میں جس طرح رواج ہوتا ہے کہ سڑک کے کنارے پر ایک طرف مجلس لگا لیتے ہیں، تو ایک طرف مجلس لگی ہوئی اور یہ عبداللہ بن ابی رضی اللہ عنہ بھی وہیں موجود تھا اس نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا یہ بدر سے پہلے کی بات ہے اور اس مجلس کے اندر کچھ مسلمان تھے، کچھ مشرکین تھے کچھ یہود تھے، مشترکہ سی مجلس تھی تو حضور ﷺ تشریف لے گئے اور ان کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تو سواری سے اترے اور اتر کر ان کو تبلیغ کی اسلام کی باتیں کیں، تو اس وقت یہ عبداللہ بولا کہنے لگا کہ جو باتیں آپ کرتے ہیں یہ بڑی اچھی باتیں ہیں لیکن ہمیں ہماری مجلسوں میں آ کر تنگ نہ کیا کرو، اپنی جگہ بیٹھا کرو جو وہاں آپ کے پاس آ جائے اس کو یہ باتیں سنایا کرو اور جو آپ کے پاس نہیں آتا تو ہماری مجلسوں میں آ کر اس قسم کی باتیں نہ کیا کرو۔

اور جو درمیان میں مخلص صحابہ بیٹھے تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کا آنا تو ہمارے لئے بڑی خوشی کا باعث ہے اور ضرور تشریف لایا کریں اور ہمیں اس قسم کی باتیں بتایا کریں، ادھر سے وہ ادھر سے یہ بولے بات توں توں میں میں تک پہنچ گئی حضور ﷺ نے سب کو چپ کرایا اور پھر آپ سوار ہو کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے جس وقت حضرت سعد بن

عبادہ رضی اللہ عنہ کے پس گئے تو آپ نے وہاں جا کے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس شکایت کی کہ دیکھو آج اس نے ایسی باتیں کی ہیں جو اس کے لئے مناسب نہیں تھا، تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! اسے معذور سمجھو۔

آپ کے آنے سے قبل اس طرف کے لوگ یعنی مدینہ منورہ کے لوگ طے کر چکے تھے کہ اوس اور خزرج دونوں مل کر اس عبداللہ بن ابی کو اپنا سردار بنالیں انہوں نے اس کو پہنانے کے لئے تاج تیار کر رکھا تھا، پگڑی اس کو بندوانی تھی اور اس کو سردار بنانے والے تھے اور اس سے قبل اوس اور خزرج کا کسی شخص پر اتفاق نہیں ہوا جیسا اتفاق اب عبداللہ بن ابی پر ہو رہا تھا، اور آپ کے آنے کے ساتھ وہ سارے کا سارا پروگرام درہم برہم ہو گیا، وہاں لفظ آتے ہیں کہ یہ بات اس کے گلے میں اٹکی ہوئی ہے اس لئے یہ حسد میں مبتلا ہو گیا ہے تو آپ اس کی باتوں پر کان نہ دھریے، آپ اس سے درگزر کر جایئے تو وہاں سے یہ سارا نقشہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ عبداللہ بن ابی سب سے بڑا منافق کیوں تھا؟ اور ہر موقع پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کی جماعت کو مدینہ منورہ سے نکالنے کے پروگرام کیوں بناتا تھا؟

غزوہ بنی مصطلق کے وقت بھی اسی نے فتنہ اٹھایا تو کوئی موقع یہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا کوشش کرتا تھا کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جس کی بناء پر مہاجرین کے قدم اکھڑ دیے جائیں اور یہ شیرازہ منتشر ہو جائے تو میں اسی طرح دوبارہ مدینہ منورہ کا سردار بن جاؤں گا جس طرح کہ پہلے تجویز ہوئی تھی تو یہ بات تھی جس کی بناء پر اس کے دل کی جلن جاتی نہیں تھی تو ایسے موقع پر انہوں نے بڑا فائدہ اٹھایا جبکہ نقصان ہوا بہت سارے لوگ شہید ہو گئے اور ظاہر یہ ہے کہ اس کے مشورے کے خلاف یہ بات ہوئی تھی اس کا مشورہ تھا کہ باہر جا کے نہیں لڑنا تو انہوں نے یوں پروپیگنڈہ کر کے پھر بد دلی پھیلانے کی کوشش کی تو ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہی کیا ہے کہ اس قسم کی باتیں کرنے والے حقیقت کے اعتبار سے کافر ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر کوئی اعتماد نہیں ہے، اصل بات یہ ہے کہ یہ باتیں ان کے لئے حسرت اور افسوس کا باعث ہیں اگر ان کا اللہ پر صحیح اعتماد ہو کہ حیات وموت اللہ کے ہاتھ میں ہے تو پھر واقعہ پیش آجانے کے بعد یوں کہیں کہ اس کی زندگی اتنی تھی، ایسے ہی ہونا تھا، جب اس قسم کی بات کی جایا کرتی ہے تو دل کو اطمینان آجاتا ہے پھر زیادہ صدمہ نہیں ہوتا۔

ایک آدمی تقدیر کا قائل ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم حکمت قدرت پر اس کا اعتماد ہے اس کا بچہ فوت ہو گیا تو وہ کہتا ہے کہ بس اللہ کو ایسے ہی منظور تھا اس میں اللہ کی حکمت تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہوا ہمارے حق میں وہی بہتر ہے تو طبعی طور پر اگرچہ اس کو صدمہ ہو گا لیکن دو چار دن میں طبعیت صاف ہو جائے گی، دل کو اطمینان ہو جائے گا اور اگر وہ یوں سوچنے لگے کہ ہائے اگر فلاں حکیم سے علاج کرواتا تو شاید بچ جاتا، اگر میں اس کو فلاں ہسپتال میں لے جاتا تو یہ بچ جاتا یہ اس لئے مر گیا کہ میں نے فلاں کا مشورہ نہیں مانا اس لئے مر گیا یہ باتیں جتنی کریں گے اتنی دل کے اندر بے چینی پیدا ہو گئی تو یہ باتیں ان کے

لئے بھی اسی طرح حسرت اورافسوس کا باعث بنی ہوئی ہیں، ورنہ مسلمان کا تو عقیدہ یہ ہے کہ ''الله یحی ویمیت'' حیات وموت اللہ کے ہاتھ میں ہے، جیسے پیچھے آیا تھا کہ اگر وہ گھروں میں بھی چھپ کے بیٹھے رہتے تو بھی جن کے لئے موت مقدر تھی وہ مرنے کی جگہوں کی طرف نکل کے ضرور آتے۔

اوراس رکوع کے آخر میں پھر یہ بات آئے گی کہ ''قل فادرؤا عن انفسکم الموت ان کنتم صادقین'' تم چھلانگیں مارتے پھرتے ہو کہ اگر ہماری تجویز مان لیتے تو نہ مرتے پھر تم موت سے بچ کے دکھا دینا، جب تمہارا وقت آجائے گا پھر دیکھیں گے تم موت سے کس طرح بچتے ہو، اگر تمہاری تجویز پر عمل کرنے کے ساتھ کوئی موت سے بچ سکتا ہے تو تمہیں تو بدرجہ اولیٰ بچ جانا چاہیئے ،لیکن جب تمہیں موت آئے گی دیکھیں گے تم کہاں تک بچتے ہو اس سارے رکوع کے اندر یہی کچھ بیان کیا گیا ہے، پھر خصوصیت کے ساتھ درمیان میں حضور ﷺ پر اعتماد ظاہر کیا گیا ہے کہ دل کے اندر خیانت رکھنا دل کے اندر کسی کے متعلق غداری کے جذبات رکھنا یہ کسی نبی کی شان نہیں ہے کہ ظاہری طور پر خیر خواہی کا اظہار کریں اور دل میں بدخواہ ہوں، یا دل میں کسی کو نقصان پہنچانا مقصود ہو یہ کسی نبی کی شان نہیں ہے۔

نہ مالی طور پر نبی خیانت کرسکتا ہے کہ مال غنیمت میں سے کچھ اٹھالے اور باقی قوم کے سامنے ظاہر نہ کرے اور نہ ان معاملات کے اندر کسی قسم کی خیانت کرسکتا ہے کہ ظاہری طور پر کچھ ہو اور اندر سے کچھ ہو، نبی کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا یہ اس کی شان کے منافی ہے، خائنین تو اللہ کی دربار میں رسوا ہوں گے تو اللہ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹیں گے اور نبی تو اللہ کا محبوب ہوتا ہے یہ لوگ تو درجات والے ہوتے ہیں ان کے متعلق ایسا خیال کیسے کیا جاسکتا ہے اس لئے پھر آگے جا کر بتلایا کہ مومنوں کو تو اللہ کا شکرادا کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا رسول بھیج دیا، ایمان والوں کے جذبات تو شکر گزاری کے ہونے چاہئیں، جس وقت تک یہ نہیں آئے تھے تو ہم کس طرح اینٹوں کے سامنے جھک رہے تھے آگ پانی کی پوجا کرتے تھے صراحتاً گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ان کے آنے کے ساتھ اللہ ہمیں شرف بخشا تو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیئے اور اللہ کے اس احسان کی قدر کرنی چاہیئے جو اللہ کے رسول کی شکل میں آیا۔

''لقد من الله علی المؤمنین'' کے اندر یہ بات بیان فرمائی ہے کہ اور درمیان میں پھر سرور کائنات ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہی کہ آپ نے جن کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا کہ باوجود ان کی اس قسم کی غلطیوں کے جن سے اتنا بڑا نقصان ہوا اور باوجود ان کے اس قسم کے طعن وتشنیع کے آپ کے چہرے پر انقباض نہیں آیا، آپ ان کے ساتھ خوشی سے پیش آتے ہیں مسکراتے ہوئے پیش آتے ہیں یہ اللہ کی رحمت ہے جس نے آپ کا مزاج ایسا بنادیا ورنہ اگر آپ ترش رو ہوتے سخت دل ہوتے تو اس وقت یہ فدائیوں کی جماعت جو آپ کے اردگرد جمع ہے یہ اس طرح مجتمع نہ رہتی یہ آپ سے منتشر ہو جاتے

تو گویا کہ آئندہ کے لئے بھی تلقین فرمادی کہ ان کی اس قسم کی غلطیوں پر خوش رو رہنا چاہیئے ترش روئی نہیں کرنی، سخت دل نہیں ہونا۔

اور مصلح کے لئے اصل بات یہی ہے کہ اس کے دل میں بھی نرمی ہو، اس کی قوم کے لوگ، اس کی ماننے والے، اس کے متبعین اگر کسی قسم کی غلطی کر بھی لیں تو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی جائے سخت دلی کے ساتھ یا ترش روئی کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے، اور پھر ساتھ یہ بھی کہدیا کہ جو ان سے ہوا آپ ان کو معاف بھی کردیں، تربیت ایسی رکھی کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے معافی کا اعلان کردیا اور پھر حضور ﷺ سے کہا جارہا ہے کہ آپ بھی معاف کردیں اور معاف کرنے کے ساتھ ساتھ پھر ان کے لئے میرے سے استغفار بھی کریں کہ یا اللہ! ان کا گناہ معاف کردو کیونکہ یہ دل کے زیادہ صاف ہونے کی علامت ہے اور پھر ان کو اعتماد دلانے کے لئے کہ آپ نے ان کو دل سے معاف کردیا ہے اور آپ ان پر ناراض نہیں ہیں معاملات میں ان سے مشورہ کرتے رہنا تو جس وقت آپ ان سے مشورہ کریں گے ان کی بات سنیں گے تو ان کو اور زیادہ اعتماد ہوگا کہ حضور ﷺ ہم کو دل سے معاف کرچکے ہیں ہم پر خوش ہیں ناراض نہیں ہیں۔

اور پھر صحابہ مخلصین کو بھی اعتماد دلایا جاسکتا ہے کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ شاید حضور ﷺ نے اوپر اوپر سے معاف کردیا ہو دل میں کوئی غصہ رکھ لیا ہو اس قسم کی باتوں کو چھپانا نبی کی شان نہیں ہے، مخلصین کے لئے لفظ یوں صادق آسکتا ہے اور منافقین کے لئے یوں صادق آئے گا کہ دل میں بدخواہی رکھنا اور ظاہری طور پر خیرخواہ بن کر رہنا یہ نبی کی شان نہیں ہے، نبی ہمیشہ خیرخواہ ہوتا ہے اور اس کے اندر کوئی اس قسم کے جذبات نہیں ہوتے جن کو خیانت سے تعبیر کیا جاسکے اس طرح ان آیات کی ترتیب ہے۔

"وشاورھم فی الامر" اور آئندہ کے لئے بھی ان سے مشورہ کرتے رہیئے امر سے مراد ہے کوئی مہتم بالشان کام پیش آگیا، جو معاملات ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ کی طرف سے کوئی قطعی ہدایات آجائیں ان میں کسی کے مشورے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور سرور کائنات ﷺ کے بعد جس معاملہ میں حضور ﷺ کی طرف سے قطعی ہدایا تہیں اس میں بھی مشورے کا سوال پیدا نہیں ہوتا، ہاں البتہ حکومت کے معاملات اور اپنے شخصی معاملات جن میں کوئی پہلو متعین نہیں تو یہاں ذی رائے لوگوں سے پوچھ لینا اور ان سے مشورہ کرلینا تو اس میں خیر و برکت ہوتی ہے، وہ خیر و برکت اس لئے ہوتی ہے کہ ایک آدمی اکیلا جب کسی معاملے کو سوچنے والا ہوتا ہے تو بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ اس کی ایک پہلو پر نظر ہے دوسرے پہلو پر نظر نہیں ہے، اور جب چار آدمی بیٹھ کر اکٹھے سوچیں گے تو ہر پہلو پر نظر چلی جائے گی، سارے پہلو سامنے آجانے کے بعد پھر انسان جو بات طے کرے گا اس میں بصیرت زیادہ ہوتی ہے۔

اس لئے عام معاملات میں بھی اور حکومت کے معاملات میں بھی جن کے بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی قطعی ہدایات نہیں ہیں اب بھی مسئلہ اسی طرح ہے کہ یہ مشورہ کے ساتھ طے ہونے چاہئیں، اس سے اسلام نے جو نظام ہمیں دیا ہے وہ شورائی نظام ہے اور مشورہ کا مطلب یہ ہے کہ جو معاملہ پیش آجائے اس معاملہ کے متعلق سمجھدار لوگ جو بصیرت رکھنے والے ہیں ان کو اکٹھا کر کے ان کی رائے معلوم کی جائے اور رائے معلوم کرنے کے بعد دلیل کے اعتبار سے جو قوی معلوم ہو اس کو اپنا لیا جائے، اور وقت کا حاکم چونکہ چنا ہوا ہوتا ہے سمجھدار قسم کا ہوتا ہے پھر سب کی باتیں سن لینے کے بعد آخری فیصلہ اس کی رائے پر ہے اس لئے فرمایا ”اذا عزمت فتوکل علی اللہ“ اور اس عزم کے اندر یہ ضروری نہیں کہ جو مشورہ دینے والے زیادہ ہیں یا تھوڑے ہیں ان میں سے کسی کی رائے کو ضرور لیا جائے، سب کی بات سن لینے کے بعد اگر انسان یہ رائے قائم کرتا ہے کہ یہ رائے اگرچہ قلیل کی ہے لیکن دلیل کے اعتبار سے قوی ہے اس کا اختیار کرنا درست ہے تو حاکم وقت کو وہ بھی اختیار کرنی جائز ہے، اکثریت کی اتباع کا کوئی اصول نہیں ہے اصل دلیل کی قوت ہے۔

اس لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جتنا اعتماد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کرتے تھے عام لوگوں پر اتنا اعتماد نہیں کرتے تھے اور جس بارے میں دونوں کی رائے اکٹھی ہو جاتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مخالفت نہیں کرتے تھے اسی کو اپنا لیتے تھے، حدیث شریف کے اندر اس قسم کے واقعات موجود ہیں شخصی معاملات میں بھی اسی طرح ہوتا ہے، آپ مثال کے طور پر کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو کسی سمجھدار سے پوچھو کہ میں یہ کام کرنا چاہتا ہوں اس میں نفع ہے یا نقصان کروں تو کیسے کروں، اور عام معاملات میں بھی اس کی ترغیب دی گئی ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے امراء تم میں سے بہتر لوگ ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سے سخی لوگ ہوں اور تمہارے معاملات آپس میں مشورے سے طے ہوں تو ت ایسے وقت میں زندگی موت سے بہتر ہے، اور جب تمہارے امراء تم میں سے بدتر ہو جائیں اور تمہارا مالدار طبقہ بخیل ہو جائے اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہو جائیں کہ جیسے بیوی نے کہنا ہے ویسے ہی کرنا ہے، کسی سے پوچھنے اور مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں تو ایسے وقت میں موت زندگی سے بہتر ہے۔

تو عام معاملات میں بھی مشورہ کی ترغیب ہے اور مشورہ کا اصول یہی ہے کہ جو کام پیش آجائے اس کے متعلق سمجھدار لوگوں سے پوچھا جائے اور پھر جس سے مشورہ لیا جائے اس کے متعلق بھی تاکید ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”المستشار مؤتمن“ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین سمجھا ہوا ہوتا ہے، اس لئے جو دل میں صحیح بات آئے وہی بتانی چاہیئے اور اگر دل میں تو آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام یوں کرے تو بہتر ہے لیکن آپ اس کو وہ نہیں بتاتے کوئی دوسرا راستہ دکھا دیتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ خیانت ہے، تو مستشار کو بھی پابند کر دیا گیا ہے کہ امانت کا خیال رکھے جو صحیح بات ذہن میں آئے وہی بتائے،

اس طرح معاملات میں خیر و برکت ہوتی ہے جب انسان آپس میں مشورہ کر کے چلتا ہے۔

"وما کان لنبی ان یغل" اگر تو اس کو لگا یا جائے مال غنیمت میں خیانت کرنے کے متعلق تو تفسیروں کے اندر ایک روایت لکھی ہوئی ہے کہ بدر کی مال غنیمت میں ایک چادر یا شلوار گم ہوگئی تھی، جس کے متعلق بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ شاید حضور ﷺ نے رکھ لی ہو، اب یہ بات جو ان کی زبان سے نکلی اگر چہ کوئی ایسی اہم نہیں ہے لیکن مالی معاملات میں اس قسم کے خیالات کا لوگوں کے دلوں میں آجانا کسی درجہ میں عظمت کے منافی ہے، اور اگر یہ بات لوگوں کے دلوں میں جگہ پکڑ جائے کہ حضور ﷺ لوگوں کے مال سے اس طرح رکھ لیتے ہیں اور ہمیں بتاتے نہیں ہیں تو کسی وقت بھی شیطان وسوسہ ڈال کے انسان کو حضور ﷺ سے دور ہٹا سکتا ہے اور بداعتمادی کی فضاء پیدا ہوسکتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی کی شان نہیں کہ مال غنیمت میں خیانت کرے پھر یہ آیت بدر سے متعلق ہے احد سے متعلق نہیں، لیکن بدر والی بات کو رکھ دیا گیا غزوہ احد کے واقعات کے اندر کیونکہ اس میں بھی نبی کی شخصیت نمایاں کرنی مقصود ہے کہ نبی مخلص ہوتا ہے نبی خائن نہیں ہوتا، تو اس موقع محل کے مطابق پھر بھی اشارہ اس بات کی طرف کرنا مقصود ہوگا، مال غنیمت سے متعلق خیانت کرنے کا مسئلہ ہو تو پھر یہ غزوہ احد سے متعلق نہیں ہے، پھر یہ غزوہ بدر سے متعلق ہے۔

لیکن موقع محل کے مطابق بات یہ ہے کہ اصل میں نبی کی شخصیت کو نمایاں کرنا مقصود ہے کہ نبی خائن نہیں ہوتا، نہ مال غنیمت میں نہ دوسرے معاملات میں کہ اس کے دل میں خیر خواہی کے جذبات نہ ہوں، ہمدردی کے جذبات نہ ہوں، بلکہ اپنی ضد میں آ کے اپنے جذبات میں آ کے قوم کی قربانی دیدے اور ان کے مفاد کا خیال نہ رکھے، ایسی بات نہیں ہے نبی مخلص ہوتا ہے، نبی خیر خواہ ہوتا ہے اس کے دل کے اندر کوئی کسی قسم کی بدخواہی نہیں ہوتی، منافقین اس قسم کی باتیں مشہور کر کے نبی ﷺ کی شخصیت کو مجروح کرنا چاہتے تھے اس کی صفائی دینی مقصود ہے، پھر ہم نے اس کو عام رکھ دیا کہ نبی نہ مال غنیمت میں خیانت کرے نہ عام مال کے اندر خیانت کرے، نہ ظاہر کے خلاف کوئی بات اپنے دل کے اندر چھپا کے رکھے یہ ہے اس آیت کا مفہوم۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ
هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ
اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ ۙ

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ هُمْ لِلْكُفْرِ
يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ
فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ
وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنفُسِكُمُ
الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي
سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ
بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم
مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ
بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾

ترجمہ:

جب تمہیں مصیبت پہنچی اس سے دوگنی مصیبت تم پہنچا چکے ہو کیا تم کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آگئی آپ کہہ دیجئے کہ یہ تمہارے نفسوں کی طرف سے ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے جو مصیبت تمہیں پہنچی جس دن دو جماعتوں کی آپس میں ٹکر ہوئی تھی

(نوٹ)

ترجمہ نہیں لکھا ہوا ہے

یہاں پر ترجمہ لکھ دو

انہیں کہو کہ تم دور ہٹاؤ اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم سچے ہو ہرگز نہ گمان کر تو ان لوگوں کو جو اللہ کے راستہ میں قتل کیے گئے مرے ہوئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس، رزق دیئے جاتے ہیں، خوش ہونے والے ہیں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے ان کو دیدی اپنے فضل سے اور خوش ہونے والے ہیں ان لوگوں کے سبب سے جو ان کے ساتھ ملے نہیں ان کے پیچھے سے کہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ غمزدہ ہیں، اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ خوش ہوتے ہیں اور اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

تشریح:

ان آیات کا تعلق بھی غزوہ بدر کے حالات سے ہی ہے، پہلی آیت میں اہل ایمان کے لئے ایک قسم کی تسلی بھی ہے اور تنبیہ بھی، مختلف انداز کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل سے اللہ تعالیٰ نے اس غم کو ہلکا کیا ہے، اور جو ان سے لغزش ہوئی تھی اس کے بارے میں بار بار متنبہ کیا ہے تا کہ آئندہ اس بارے میں احتیاط برتی جائے تو یہ جو دلوں میں خیال آتا تھا کہ ہم اہل ایمان ہیں، اللہ کے رسول پر ایمان لانے والے ہیں اللہ کے دین کے سپاہی ہیں یہ شکست کیوں ہوگئی، ہونی نہیں چاہیئے تھی اللہ کی طرف سے نصرت کا وعدہ تھا پھر کیا وجہ ہوئی کہ ہم شکست کھا گئے دلوں کے اندر اس قسم کے خیالات بھی ابھرتے تھے، اس آیت میں اس کا ازالہ کیا گیا ہے کہ اس طرح کیوں سوچتے ہو اگر تمہیں اس میدان میں تکلیف پہنچ گئی تو کیا ہو گیا اس سے پہلے تم اپنے فریق مخالف کو دوگنی تکلیف پہنچا چکے ہو جیسے بدر میں ان کے ستر آدمی مارے گئے تھے اور ستر گرفتار ہوئے تھے اور یہاں اگر تمہارے ستر مارے گئے تم کم از کم گرفتار تو کوئی نہیں ہوا، اور پھر اس لڑائی میں بھی ان کو بہت تکلیف پہنچی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشرکین کے بہت سارے آدمیوں کو قتل کیا۔

تو جب تم انہیں دوگنی تکلیف پہنچا چکے ہو تو اس میں اتنا گھبرانے کی کیا ضرورت ہے، باقی اگر یہ پوچھتے ہو کہ کیوں پہنچی تو اس کے پہنچنے کا منشاء بھی تمہاری اپنی ذات کی طرف سے ہے، ''قل هو من عند انفسكم ''میں وہ تنبیہ آگئی کہ اگر اتنا ہی شوق ہے تمہیں یہ معلوم کرنے کا کہ یہ مصیبت کدھر سے آگئی تو یہ تمہاری اپنی طرف سے آئی ہے اور اپنی طرف سے کیسے آئی ہے تو تفصیل آپ کے سامنے آچکی کہ تم نے صبر و تقویٰ کے اندر خلل ڈالا اور اس خلل کی بناء پر اللہ کی نصرت بند ہوگئی، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس وقت وہ کسی کی مدد کرنا چاہے تو مدد کرنے پر بھی قادر ہے، اور جس وقت کسی سے مدد روکنا چاہے تو یہ بھی اس کی قدرت میں ہے تو اپنی ان باتوں کے اوپر غور کرو تا کہ آئندہ کے لئے پھر اس قسم کی لغزش کی نوبت نہ آئے لیکن جو بھی پہنچ گئی اب اس کو چھوڑو کہ کیوں پہنچ گئی، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں تھیں جو کچھ ہوا اللہ کی اجازت سے ہوا، کتنا بڑا

فائدہ ہوا اس مصیبت کے آنے سے کہ مؤمنین مخلصین اور منافقین علیحدہ علیحدہ ہوگئے اب ان حکمتوں کے اوپر نظر رکھو، اگر ان حکمتوں کے اوپر نظر رکھو گے تو تمہارا یہ صدمہ ہلکا ہو جائے گا۔

آگے منافقین کے اس کردار پر تبصرہ کیا ہے کہ دیکھو ان کا نفاق کیسے کھل کے سامنے آیا ہے جس وقت یہ عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کو لیکر واپس ہونے لگا تھا جس کی تفصیل پہلے آچکی ہے اس وقت لوگوں نے اسے کہا تھا کہ آؤ اللہ کے راستہ میں لڑو اگر تم لڑنا نہیں چاہتے تو ساتھ شامل رہو تاکہ تمہاری وجہ سے مسلمانوں کی تعداد زیادہ معلوم ہو تو دشمن پر رعب پڑے گا، تم صرف دفاع کرو، دفاع کرنے کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اتنا سوچ لو کہ اگر مشرکین غالب آگئے تو پھر وہ یہ نہیں سوچیں گے کہ یہ مخلص تھا یہ منافق تھا، پھر وہ تو سب کو رگڑیں گے، اپنی جان مال سے دشمن کو دور ہٹاؤ، اگر اللہ کے راستہ میں لڑنے کا خیال نہیں ہے تو کم از کم اپنی جان مال سے ہی دفاع کرو، اگر وہ دشمن غالب آجائے گا تو تمہیں بھی نقصان ساتھ ہی پہنچے گا، یہ نہیں کہ وہ تمہیں چھوڑ دے گا مدافعت کرو۔

یا یہ ہے کہ ہمارے ساتھ شامل رہ کر کثرت تعداد کے ساتھ دشمن سے مدافعت کرو دشمن کے اوپر اس بات کا رعب بیٹھے گا کہ یہ کتنے زیادہ ہیں دشمن ڈرے گا اور اس کے حوصل پست ہوں گے، جب ان کے سامنے اس قسم کی بات کہی گئی یعنی قتال فی سبیل اللہ کیلئے کہا گیا جس میں ترغیب کا پہلو ہے اور مدافعت کے لئے کہا گیا جس میں دفع مضرت کا پہلو ہے تو انہوں نے آگے سے یہ جواب دیا "لو نعلم قتالاً لاتبعناکم" اس کا مطلب دو طرح سے ذکر کیا گیا ہے ایک مطلب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے علم میں ہو کہ یہ قتال ہے تو ہم جاتے لیکن یہ کوئی لڑائی نہیں ہے، ایک طرف ایک ہزار اور ایک طرف تین ہزار، ایک طرف اسلحہ سے لیس اور ایک طرف بے سروسامان یہ کوئی لڑائی ہے یہ تو اپنے آپ کو موت کے منہ میں دھکیلنا ہے، ہم آنکھوں دیکھتے ہوئے ہلاکت میں کیسے چھلانگ لگادیں، اگر یہ کوئی لڑائی ہوتی تو ہم جاتے یہ لڑائی نہیں ہے یہ تو اپنے آپ کو موت کے منہ میں دینے والی بات ہے اس طرح وہ وقت پر طوطا چشمی کر گئے۔

اور اس کا دوسرا مفہوم اس طرح بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آپ کے سامنے تفصیل آئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عبداللہ بن ابی سے بھی مشورہ لیا تھا کہ ہمیں شہر کے اندر رہتے ہوئے لڑنا چاہیئے یا شہر سے باہر نکل کر لڑنا چاہیئے، عبداللہ بن ابی کا مشورہ یہ تھا کہ باہر نہ نکلیں گھروں میں رہیں اور اپنے گھروں میں رہ کے دشمن کی مدافعت کریں، لیکن یہ مشورہ مانا نہ گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اکثریت اس طرف ہوگئی کہ میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے ہم گھروں میں چھپے رہے تو دشمن اس کو ہماری بزدلی پر محمول کرے گا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شق کو اختیار فرمایا اور باہر نکلنے کا حکم دیدیا تفصیل آپ کے سامنے آچکی ہے، اب اس کا دل تو اندر سے بیٹھتا جارہا تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کرنا نہیں چاہتا تھا اور وہ قطعاً نہیں چاہتے تھے کہ

مسلمان غلبہ پا جائیں اس کا خیال تھا کہ موقع ایسا آئے کہ ان کی پٹائی ہو اور مدینہ ان سے خالی ہو جائے اور مجھے دوبارہ وہی سیادت وقیادت حاصل ہو جائے جو پہلے حاصل تھی۔

لیکن اب یہ بہانہ کر کے واپس آ گیا کہ تمہارے خیال کے مطابق ہمیں تو لڑنا آتا ہی نہیں ہم تو جانتے ہی نہیں کہ لڑائی ہوتی کیا ہے تمہارے ساتھ جانے کا کیا فائدہ، اگر ہم لڑنا جانتے اور ہمیں علم ہوتا کہ لڑائی ہے تو ہم تمہارے ساتھ چلے جاتے، تم نے تو ہماری رائے پر اعتماد نہیں کیا جیسا کہ ہم اناڑی ہوں، ہمیں پتہ ہی نہ ہو کہ لڑائی کیا ہوتی ہے، جب میرا مشورہ نہیں مانا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھے انجان قرار دیدیا کہ یہ لڑائی کے متعلق جانتا ہی کچھ نہیں، تو جب ہم لڑنا جانتے ہی نہیں تو ہمیں ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے، گویا کہ مشورہ نہ مانے جانے کی وجہ سے اس طرح ناراضگی کا اظہار کر کے وہ لاتعلق ہو کر چلے گئے، یعنی اگر تمہارا خیال ہمارے متعلق یہ ہوتا کہ ہم بھی کوئی لڑنا جانتے ہیں تو تم ہماری تجویز مانتے جب تم نے ہماری تجویز پر عمل نہیں کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے خیال کے مطابق ہم لڑنا جانتے ہی نہیں۔

جب ہم قتال کے متعلق جاہل ہیں اور ہمیں یہ طریقہ آتا ہی نہیں کہ لڑا کیسے جاتا ہے تو تمہارے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے اور اگر تمہارا خیال ہے کہ ہم لڑنا جانتے ہیں تو ہماری تجویز پر عمل ہونا چاہیئے تھا گویا کہ مشورہ نہ مانے جانے کو بہانہ بنا کر وہ شخص واپس آ گیا تو " لونعلم قتالا لاتبعناکم " کا یہ مفہوم بھی ہوا، جب انہوں نے اس قسم کی باتیں کیں اور عین موقع پر آ کے طوطا چشمی کی تو آج یہ کفر کے زیادہ قریب ہو گئے بمقابلہ ایمان کے کہ پہلے ایمان کے قریب تھے کہ کفر کی باتیں زبان پر نہیں لاتے تھے دل میں اگرچہ کفر تھا لیکن ظاہری طور پر مؤمنوں کے قریب تھے اور آج اس قسم کی باتیں کرنے لگ گئے تو کفر کے زیادہ قریب ہو گئے اتنا یہ ایمان کے قریب نہیں تھے جتنا یہ کفر کے قریب چلے گئے، تو ان باتوں نے ان کے نفاق کو ظاہر کر دیا اور دل کے چھپے ہوئے جذبات نمایاں ہو گئے۔

پھر آگے ان کے نفاق کی یہ بات نقل کی کہ خود تو بیٹھ گئے جا کے گھروں میں اور جو مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم میدان میں آئے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت شہید ہو گئے ان کے متعلق بیٹھ کر یہ باتیں بناتے ہیں کہ دیکھا ہماری بات نہیں مانی تھی آخر قتل ہو گئے، اگر ہماری بات مان لیتے ہماری تجویز پر عمل کر لیتے ہمارے مشورے کو قبول کر لیتے تو یہ لوگ قتل نہ ہوتے اور یہ نقصان نہ ہوتا یہ مضمون پہلے بھی تفصیل کے ساتھ آ چکا ہے، اس طرح مؤمنین مخلصین کے دل میں بددلی پھیلانا چاہتے تھے اللہ تعالیٰ نے پھر یہی کہا کہ اگر تمہاری تجویزیں اتنی ہی پختہ ہیں تو پھر تم اپنے آپ کو موت سے بچا کر دکھا دینا، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وقت مقدر آ جائے گا پھر تمہاری تجویزیں دھری کی دھری رہ جائیں گی، جب مرنا تو ہر حال میں ہے تو پھر تمہارا یہ کہنا کہ اگر ہماری بات مانتے تو نہ مرتے نہ قتل ہوتے یہ کونسی بات ہے، یہ نفاق کی بات ہے۔

اس لئے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ لَوۡلَوۡ کرنے سے بچا کرو یہ منافقین کا طریقہ ہے، واقعہ پیش آنے سے پہلے تو تدبیر کرو جس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اس کے مطابق لیکن پھر جس وقت واقعہ پیش آجائے تو لولو نہ کیا کرو، کہ اگر ہم ایسا کرتے تو یوں ہو جاتا اس طرح ہو جاتا، یہ منافقوں کا طریقہ ہے، واقعہ پیش آنے کے بعد یوں کہا کرو کہ اللہ کو یونہی منظور تھا پھر لَوۡلَوۡ کرنا یہ اچھی بات نہیں ہے اس قسم کی باتیں یہ نفاق کی علامت ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی تدبیر پر اعتماد کرتے ہوئے یوں کہنا چاہیئے کہ ہم لاکھ جتن کر لیتے ہونا اسی طرح تھا جس طرح ہو چکا ہے اور اس میں حکمت ہے جو پیش آ گیا۔

اور آگے بات آ گئی جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ اتنے جو ہاتھ مل رہے ہیں کہ یہ قتل کیوں ہو گئے انہیں پتہ نہیں کہ اللہ کے راستہ میں لڑتا ہوا اگر کوئی شخص قتل ہو جاتا ہے تو وہ حقیقت میں مردہ نہیں ہے، وہ زندہ ہے تمہاری تدبیر پر عمل کرتے گھروں میں بیٹھے رہتے تو موت سے تو بچتے نہ البتہ اس شرف سے محروم ہو جاتے، مرنا تو اپنے وقت پر ہے ہی اگر اللہ کے راستہ میں لڑتے ہوئے مریں گے تو وہ موت موت نہیں حقیقت کے اعتبار سے وہ حیات ہے، اگر ان منافقین کی بات کو مان لیتے تو اس شرف سے محرومی ہو جاتی۔

اسی مضمون کی آیت آپ کے سامنے سورت بقرۃ میں بھی گذر چکی ہے وہاں لفظ آیا تھا "ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا" اس آیت پر بھی اس آیت کا تذکرہ کر دیا گیا تھا کہ جہاں تک شہید کی موت کا تعلق ہے تو اس کو مات کہنا جائز ہے اور شہید کو میت بھی کہا جا سکتا ہے موت کا اطلاق اس کے اوپر ہوتا ہے جو موت انسان کے لئے مقدر ہے وہ شہید کو آتی ہے اس لئے یہاں مطلب یہ ہے کہ دوسرے مردوں کی طرح انہیں مردہ نہ کہو، اور دوسرے مردوں کی طرح انہیں مردہ نہ سمجھو، یہ نہیں کہ شہید میت نہیں شہید میت ہے اور موت کا لفظ اس پر صادق آتا ہے دوسرے مردوں کی طرح نہ اس کو مردہ کہنا چاہیئے اور دوسرے مردوں کی طرح نہ اس کو مردہ سمجھنا چاہیئے زبان پر بھی یہ بات نہ آئے اور دلوں میں بھی یہ خیال نہ آئے۔

"لاتحسبن" کا مطلب یہ ہے کہ کبھی تمہارے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ دوسرے مردوں کی طرح یہ مر گیا اور اسی طرح اپنی زبان کے ساتھ بھی یہ نہ کہو بلکہ یہ لوگ زندہ ہیں، قرآن کریم کے ظاہر کا تعلق یہ ہے کہ شہداء کو جب بھی ذکر کیا جائے احیاء کے عنون سے ذکر کیا جائے اموات کا عنوان زبان پر بھی اللہ کو پسند نہیں، اور اموات کا عنوان دل میں بھی اللہ کو پسند نہیں ہے وہ زندہ ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ ان کی زندگی کیسی ہے؟ تو جہاں تک تو ارواح کا تعلق ہے تو روح کافر کی بھی زندہ ہوتی ہے روح کو فنا نہیں آتی، اللہ تعالیٰ نے ارواح کو پیدا کیا ہے پیدا کرنے کے بعد ان اجساد کے ساتھ جوڑا تو یہ دنیوی زندگی ہمیں حاصل ہو گئی اور موت کا مطلب یہ ہے کہ اس تعلق کو کاٹ دیا جائے گا اور ہمارا یہ بدن بے حس و بے حرکت ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ

روح کو یہاں سے نکال لے گا یہ ہے موت، باقی روح وہ زندہ رہتی ہے روح فنا نہیں ہوتی، اور پھر برزخ میں جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ مؤمنین صالحین رحمہم اللہ کے راحت وہ بھی سب کے لئے ہے چاہے شہید ہو چاہے شہید نہ ہو، اور جو کافر ہیں بدکردار ہیں ان کو قبر میں عذاب بھی ہوتا ہے، یہ اہل سنت والجماعت کا قطعی عقیدہ ہے جس کا انکار کفر ہے تو ان سب سے بالاتر شہید کے کچھ حالات ایسے ہیں جو عام اموات سے زائد ہیں ان کی روح کو اس طرح راحت ہے کہ باقیوں کو اس طرح راحت نہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو رزق بھی دیا جاتا ہے، اور پھر ان ارواح کا تعلق بھی اپنے بدن کے ساتھ باقی ارواح کے مقابلہ میں ممتاز ہے۔

یہی وجہ ہے اس تعلق کا اثر اس دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ شہید کی لاش مٹی کے اندر خراب نہیں ہوتی، جیسا کہ صحیح روایات کے اندر شہداء احد کے حالات بیان کئے گئے ہیں تو وہ حیات کا اثر ہے، باقی اس کی صحیح کیفیت کہ وہ دوسرے مردوں سے کتنا ممتاز ہوتے ہیں یہ عالم غیب سے تعلق رکھنے والی بات ہے جس سے ہم واقف نہیں ہو سکتے، اپنے شعور کے ساتھ اس کو معلوم نہیں کر سکتے، آنکھوں سے دیکھیں گے تو ہمیں جیسے دوسرے مردے معلوم ہوں گے یہ بھی ویسے ہی معلوم ہوں گے جو کیفیت ان کی ہوگی وہی کیفیت ہمیں ان کی نظر آئے گی، شعور کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے حواس کے ساتھ معلوم نہیں کر سکتے، پھر ان کی صحیح کیفیت یا تو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہے یا فراست صحیحہ جو وحی کی اتباع کی بناء پر اہل روحانیت کو حاصل ہوتی ہے ان کے کشف کے ساتھ یہ کیفیات معلوم کی جا سکتی ہیں۔

بہرحال عام صالحین رحمہم اللہ کے مقابلہ میں بھی ان کے کچھ ایسے حالات ہیں جن کی بناء پر ان پر میت کی بجائے حی کا اطلاق زیادہ بہتر ہے اس سے زیادہ محتاط مسلک اور آپ کے سامنے ذکر نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ بات واضح ہے کہ ان کی حیات کو ترجیح دینے کی کوشش کرنا زبان پر ان کی حیات کے تذکرے وہ قرآن کریم کے عنوان کے زیادہ مطابق ہیں، بمقابلہ ان کی موت کے تذکروں کے۔

اور یہاں تو شہداء کا ذکر ہے انبیاء کے متعلق اس قسم کے الفاظ حدیث شریف میں آئے ہوئے ہیں "الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون" انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہاں نماز بھی پڑھتے ہیں، اور جیسے معراج پر جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تھے تو آپ فرماتے ہیں کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور اس قبر سے یہی قبر مراد ہے جو زمین پر بنی ہوئی ہوتی ہے، عالم برزخ یا عالم بالا مراد نہیں، کیونکہ گزرے آپ اسی قبر کے پاس سے تھے جیسا کہ فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا جو ایک سرخ ٹیلے کے پہلو میں ہے، یعنی عام طور پر لوگوں کو موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا پتہ نہیں یہودیوں کو بھی معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

کہاں مدفون ہیں کیونکہ یہودی اس وقت وادی تیہ میں حیران و پریشان پھر رہے تھے، جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام انتقال ہوا تھا ان کے دفن کے بارے میں ان کو کوئی علم نہیں ہے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو بتاتا کہ یہ قبر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی، تو جب آپ لیلۃ المعراج میں بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے تو فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں، تو کچھ ان روایات کے اندر ذکر کر دیا گیا، رزق کا ملنا، نماز کا پڑھنا، اور خوش ہونا، جنت کے اندر آنا جانا پھر عرش کے نیچے قندیلوں کے اوپر بیٹھنا، اور بدن کے ساتھ ان کی ارواح کا بمقابلہ دوسرے کے زیادہ تعلق یہ چیزیں ہیں جن کو ہم اپنی زبان پر لا سکتے ہیں باقی اپنی عقل اور شعور کے ساتھ اس سے زائد باتیں معلوم نہیں کر سکتے، سب سے زیادہ انسب یہی ہے کہ جو باتیں صحیح روایات میں آ گئیں اور جو عنوان قرآن کریم میں اختیار کر لیا گیا بس اس کے اوپر اکتفاء کیا جائے گا، اگر باریکیوں میں پڑو گے تو چونکہ یہ عالم غیب کی چیز ہے جس کا آپ کو مشاہدہ نہیں کروایا جا سکتا تو عالم غیب کی چیز ہونے کی وجہ سے مشاہدہ نہ ہو سکنے کی وجہ سے انسان مختلف قسم کے ذہن اشکالوں کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے، زیادہ سے زیادہ اولیاء کے کشف پر بھی اعتماد کیا جا سکتا ہے لیکن قطعی وہ بھی نہیں ہیں، اس لئے ان کو اگر کوئی مانتا ہے تو ٹھیک ہے نہیں مانتا تو انکار کرنے کے ساتھ بھی کفر لازم نہیں آتا اور اس سے زائد اپنی طرف سے کھینچا تانی کرنا یہ مناسب نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام پر بھی اموات کا اطلاق ٹھیک ہے ان کو بھی میت کہہ سکتے ہیں اس سے بحث نہیں کہ موت آئی یا نہیں آئی موت یقیناً آئی ہے جس کو بھی آئی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ باقی انبیاء اپنا وقت گزار کے ادنیا سے موت کا مزہ چکھ گئے لیکن موت کا ورود کن کیفیات کے تحت ہوا، اور موت کا ورود ہو جانے کے بعد برزخ میں ان کے اوپر کیا کیفیات طاری ہیں یہ عقل کے ساتھ معلوم کرنے کی باتیں نہیں، بس جو الفاظ روایات کے اندر آ گئے ہم ان کو اسی طرح ادا کریں گے، باقی ان کا حقیقی حال حقیقی مصداق اللہ کے سپرد کریں گے چونکہ عالم غیب کی بات ہے، یہ کیفیات یا وحی کے الفاظ سے سمجھی جا سکتی ہیں یا اصحاب کشف کے کشف پر اعتماد کر کے ان کے متعلق کچھ کہا یا سوچا جا سکتا ہے اس سے زائد اور کوئی ذریعہ نہیں ہے ان کی حیات معلوم کرنے کا، بسا اوقات ظاہری طور پر ایک چیز ہوتی ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے مثلاً نیند ہے نیند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اخوالموت کہا ہے کہ یہ بھی موت کی بہن ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا "اینام اھل الجنۃ" کیا جنت والے سوئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "النوم اخوالموت ولاموت فی الجنۃ" نیند تو موت کہ بہن ہے (یہ اخ کا ترجمہ بہن کے ساتھ کر رہے ہیں کیونکہ اردو میں نیند مؤنث استعمال ہوتی ہے اور عربی میں نوم مذکر ہے اس لئے اخ کا لفظ بولا گیا اور اخ کا معنی

ہوتا ہے بھائی اس انداز کے ساتھ اس کو ذکر کیا گیا) فرمایا نیند تو موت کی مثل ہے "ولاموت فی الجنة "اور جنت کے اندر موت نہیں، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جنت میں نیند بھی نہیں، اب نیند کی کیفیت تو ایک ہے، نام زید بھی کہہ سکتے ہیں اور نام الانبیاء علیہم السلام بھی کہہ سکتے ہیں اور نام النبی بھی کہہ سکتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سونے کا اطلاق ہوتا تھا لیکن دونوں کی نیند کے اندر زمین اور آسمان کا فرق ہے کہ ہم جس وقت سوتے ہیں تو بالکل غافل ہو جاتے ہیں نہ دنیا کی خبر نہ آخرت کی، نہ عالم بالا کی خبر نہ عالم سفلیٰ کی، ہوا خارج کرتے ہیں ٹانگ کدھر کو جاتی ہے بازو کدھر کو جاتا ہے ہماری نیند کی کیفیت تو یہ ہوتی ہے لیکن نوم انبیاء علیہم السلام اس قسم کی ہے کہ" تنام عيناى ولا ينام قلبى " کہ نیند کا اثر میری آنکھوں تک ہوتا ہے دل میرا بیدار رہتا ہے دل کا تعلق عالم بالا کے ساتھ ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب اس طرح قطعی ہے جس طرح ظاہری وحی ہوتی ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے ہوتے تھے تو صحابہ جگانے کی کوشش نہیں کرتے تھے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر کوئی کیفیت وارد ہو رہی ہو اور ہم اس میں خواہ مخواہ خلل ڈال دیں، تو صحابہ کرام علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار نہیں کیا کرتے تھے صرف اس وجہ سے کہ پتہ نہیں آپ کا دل کس حال میں ہے، "تنام عيناى ولا ينام قلبى " کے تحت جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام اور ہماری نیند میں فرق ہے اسی طرح موت دونوں پہ وارد ہوتی ہے، انبیاء علیہم السلام پر بھی وارد ہوتی ہے اور دوسروں پر بھی وارد ہوتی ہے لیکن کیفیت کو ایک ٹھہرانا یہ مناسب نہیں ہے، اور مرنے کے بعد برزخ میں کیا کچھ ان کو ملتا ہے کن حالات میں وہ رہتے ہیں تو جو الفاظ روایت میں آ گئے ہم یونہی کہیں گے کہ انبیاء زندہ ہوتے ہیں، قبروں کے اندر نماز پڑھتے ہیں ان کو رزق ملتا ہے ہم یہ الفاظ اپنی زبان سے ادا کر سکتے ہیں اور ان کی موت ثابت کرنے کے مقابلہ میں ان کی حیات ثابت کرنا یہ قرآن کریم اور حدیث شریف کے ظاہر کے زیادہ مطابق ہے، لیکن اس میں ہم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہہ سکتے، اجمال کے طور پر ہم اتنا عقیدہ رکھ سکتے ہیں کہ شہداء سے ان کا درجہ فائق ہے، اور ان کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں ممتاز حیات حاصل ہے اور اس قسم کی حیات عام مؤمنین کو حاصل نہیں۔

اور جہاں تک صرف روح زندہ ہونے کی بات ہے تو صرف روح تو کافر کی بھی زندہ ہوتی ہے اس میں مؤمن ہونے کی بھی قید نہیں ہے، یہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طاعات میں لگے ہوئے ہوتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اللہ کو یاد کرتے ہیں حتی کہ قبور کے اندر تلاوت قرآن کے واقعات بھی حدیث کے اندر آتے ہیں، مشکوۃ میں بھی ایک واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے کہیں خیمہ لگایا اور وہاں کوئی قبر تھی اور اس کو معلوم نہیں تھا کہ یہ قبر ہے، اچانک اس کے کان میں آواز آنے لگ گئی کہ کوئی شخص زمین کے نیچے سورۃ تبارك الذى پڑھ رہا ہے، قرآن مجید کی تلاوت کی آواز اس کے کان میں آئی اس نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سورت منجیہ ہے نجات دلانے والی، جو شخص اس کی پابندی کے ساتھ تلاوت کرتا رہتا ہے تو عذاب قبر سے یہ اس کو بچاتی ہے۔

بہرحال اس قسم کے واقعات صالحین کے شہداء کے کثرت کے ساتھ روایات میں بھی آئے ہوئے ہیں، اولیاء اللہ کے کشف کے ساتھ بھی معلوم ہیں لیکن کشف مدار ایمان نہیں ہوتا، اگر کوئی تسلیم کرے تو اولیاء اللہ کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ کسی ظاہری نص قطعی کے خلاف نہ ہو، اور اگر کوئی نہیں مانتا انکار کرتا ہے تو چونکہ یہ مدار ایمان نہیں ہے تو اس سے کفر لازم نہیں آتا، بہرحال احتیاطی پہلو اس میں یہی ہے کہ الفاظ اسی قسم کے استعمال کرو جس قسم کے قرآن اور حدیث کے اندر آئے ہوئے ہیں باقی موت کے ورود میں کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالکل صحیح ہے، مات الشہید بالکل صحیح ہے، حقیقت کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کو اموات کہا جاسکتا ہے، لیکن باقی مردوں کی طرح نہیں، ان کے امتیاز کو اسی طرح باقی رکھنا چاہیئے کہ باقیوں کی موت موت اور ان کی موت حیات ہے، باقی کیفیات متعین نہیں کی جاسکتیں کیونکہ یہ چیزیں دوسرے عالم سے تعلق رکھتی ہیں وحی کے ذریعہ سے جو کچھ کہہ دیا جائے اسی پر اعتماد ضروری ہوتا ہے، سب روایات کا حاصل یہی ہے جو میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیا اس سے زیادہ محتاط مسلک اور کوئی نہیں بیان کیا جاسکتا۔

یہ میرے ہاتھ میں کتاب ہے "المھند علی المفند" اس کتاب کا تعارف یہ ہے کہ مولوی احمد رضا خان بریلوی صاحب ہمارے اکابر کی عبارات کو توڑ مروڑ کر حرمین شریفین لے گئے تھے اور وہاں جا کر انہوں نے ان عبارات پر علماء دیوبند کے لئے کفر کا فتویٰ حاصل کیا حرمین شریفین کے علماء سے اور ہو جو کچھ مجموعہ تیار کر کے لائے تھے اس کے حسام الحرمین کے نام سے انہوں نے ہندوستان میں شائع کیا، جس وقت ہندوستان میں اس کی اشاعت ہوئی تو حضرات دیوبند کو اس کا پتہ چلا، ادھر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت مدینہ منورہ میں مقیم تھے ان کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے وہاں سارے حالات کی تحقیق کر کے حالات لکھے اور وہاں کے لوگوں کو اس فتنہ پرداز کے فتنہ سے متنبہ کیا، چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب جو شہاب ثاقب کے نام سے معروف ہے وہ اسی زمانہ کی لکھی ہوئی ہے اور اس میں یہ سارے حالات لکھے ہوئے ہیں، جب اہل حرمین کو اس کا پتہ چلا کہ وہ جماعت تو ایسی نہیں ہے جس کے اوپر ہم نے کفر کا فتویٰ دیدیا تو پھر انہوں نے اپنے طور پر کچھ سوالات مرتب کر کے بھیجے تھے علماء دیوبند کے عقائد کی تحقیق کے لئے کہ علماء دیوبند کے عقیدے کیا ہیں، جو اشکالات ان کے ذہن میں ڈالے گئے وہ مرتب کر کے بھیجے کہ ان کے جوابات دیئے جائیں تا کہ ہمیں ان کے پہچاننے کا موقع ملے کہ علماء دیوبند کے کیا عقائد اور خیالات ہیں؟

ادھر سے پھر جواب لکھا تھا حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے جو حضرت مولانا شیخ زکریا

رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے مظاہر العلوم سہارنپور کے اندران دنوں صدر مدرس تھے جواب لکھنے کے بعد اس وقت جتنے اکابر موجود تھے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت موجود تھے، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت موجود تھے یہ بڑے بڑے حضرات تھے اور جتنے علماء تھے سب کی خدمت میں یہ جوابات پیش کئے گئے، اور سب نے ان کی تصدیق کی اس کتاب کے پیچھے ان سب کے دستخط ہیں تو گویا کہ یہ دستاویز ہے علماء دیوبند کے عقیدوں کی پھران دستخطوں کے ساتھ یہ تحریر بھیجی گئی حرم میں تو مدینہ منورہ کے علماء نے بھی اس پر تصدیق لکھی تھی کہ یہ عقیدے صحیح ہیں اور مکہ معظّمہ کے علماء نے بھی اس کے اوپر تصدیق لکھی کہ یہ بالکل صحیح عقیدے ہیں، اور پھر یہ دستاویز شام کے علماء کے سامنے پیش ہوئی شام کے علماء نے تصدیق کی، عراق کے علماء کے سامنے پیش ہوئی انہوں نے بھی تصدیق کی، مصر کے علماء کے سامنے پیش ہوئی انہوں نے بھی تصدیق کی، گویا کہ اس کے اوپر تمام عالم اسلام کے علماء کے دستخط ہیں تو یہ جو سوالات آئے تھے ان میں سے پانچواں سوال ہے کہ کیا فرماتے ہو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے؟

یہ پانچواں سوال ہے ان سوالوں میں سے تو جواب یہ دیا گیا "ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے ابلا مکلّف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ انباء الاذکیاء فی حیات الانبیاء علیہم السلام میں بتصریح لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام شہداء کی قبروں میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی، اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ پھر اس سے ثابت ہوا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی ہے اور اس معنی پر برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں ہے اور ہمارے شیخ مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے اس کا نام آب حیات ہے"۔

ان الفاظ کے ساتھ گویا کہ علماء دیوبند کے عقیدہ کو واضح کیا گیا اور اس عقیدے کے اوپر تمام عالم اسلام کے علماء کے دستخط لئے گئے، یہ عقیدہ جو ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے یہی عقیدہ برحق ہے اور اس کے مطابق ہمیں اپنا عقیدہ رکھنا چاہیے، "المهند على المفند" کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کو برزخی حیات بھی کہا جا سکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زمانہ برزخ رحمۃ اللہ علیہ اور ویسے حیات دنیوی ہے دنیوی حیات کا مطلب یہ ہے کہ یہ زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی اور شہداء کی اس بدن سے تعلق رکھتی ہے بدن کے اوپر بھی حیات کے اثرات ہیں، اسی طرح اگر اس کو

رزق اور دیگر کمالات کے اعتبار سے روحانی حیات کہا جائے تو اس میں بھی گنجائش ہے۔

اس لئے نہ تو کسی عبارت میں حیات روحانی دیکھ کر بدکنا چاہیئے اور اگر کسی عالم کی تحریر کے اندر آجائے کہ یہ حیات برزخی ہے تو اس کو بھی محسوس نہیں کرنا چاہیئے، اور اگر اس کو حیات دنیوی قرار دیا گیا ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے تو تینوں لفظ استعمال کیے جاسکتے ہیں، حیات برزخی بھی، حیات روحانی بھی، حیات دنیوی بھی، لیکن مدار اس بات کے اوپر ہے کہ ان کی حیات اتنی قوی ہوتی ہے کہ جس قسم کی زندگی دنیا میں تھی قبر میں بھی اسی طرح ہے، اس لئے کہیں گے ہم یہی کہ حیات دنیوی ہے لیکن اس کو برزخی کہنے کی گنجائش ہے، کیونکہ موت سے لے کر قیامت تک کا زمانہ برزخ کہلاتا ہے اور اس زمانہ کے اندر چونکہ یہ حیات حاصل ہے اس لئے اس کو برزخی بھی کہہ سکتے ہیں تو تینوں قسم کی حیات کا اطلاق ہوسکتا ہے، اگر کسی کلام میں حیات برزخی کا لفظ ہوگا جیسا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کلام میں ہے کہ وہ اس حیات کو برزخی قرار دیتے ہیں تو وہ اس عقیدے کے خلاف نہیں ہے، یہ ہے معتدل اور محتاط مسلک جس کے اوپر تمام عالم اسلام کے علماء کے دستخط موجود ہیں، اور اس دستاویز کو ہمارے بزرگوں نے "المهند على المفند" کے نام سے شائع کیا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ
اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ
قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ
الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ
وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ
يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾
وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا
اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ

یَّضُرُّوا اللّٰهَ شَیْــًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ
كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا
اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰى
مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ حَتّٰى یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۪
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ:

وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کی بات کو قبول کرلیا بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچا ان لوگوں کیلئے جو کہ نیکو کار ہیں ان میں سے اور متقی ہیں ان کے لئے اجر عظیم ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو کہا لوگوں نے کہ بے شک لوگوں نے جمع کیا ہے تمہارے لئے (بہت اسلحہ ولشکر) تم ان سے ڈرو رتو اس بات نے بڑھا دیا ان صحابہ کو از روئے ایمان کے اور صحابہ نے کہا ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے، پھر لوٹے یہ صحابہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ کہ انہوں کو کوئی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی اور انہوں نے پیروی کی اللہ کی رضا کی اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے، بے شک اس قسم کی افواہ پھیلانے والا شیطان ہے وہ اپنے دوستوں سے تمہیں ڈراتا ہے ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان والے ہو، آپ کو غم میں نہ ڈالیں وہ لوگ جو بھاگے جاتے ہیں کفر میں بے شک وہ ہر گز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ نہ کرے ان کے لئے کوئی حصہ آخرت میں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، بے شک وہ لوگ جنہوں نے اختیار کیا کفر کو ایمان کو چھوڑ کر ہر گز نقصان نہیں پہنچائیں گے یہ اللہ کو کچھ بھی ان کے لئے دردناک عذاب ہے ہر گز نہ سمجھیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہمارا مہلت دیا ان کو بہتر ہے ان کے نفسوں کے لئے سوائے اس کے نہیں کہ ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں، تاکہ وہ گناہوں میں بڑھ جائیں اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے نہیں ہے اللہ کو چھوڑ دے مؤمنوں کو اسی حالت پر جس پر کہ تم ہو جب تک کہ جدا نہ کر دے خبیث کو طیب سے اور نہیں ہے اللہ کہ تمہیں مطلع کر دے غیب پر لیکن اللہ تعالیٰ چنتا ہے جس کو چاہتا ہے یعنی اپنے رسولوں کو کہ تم ایمان لاؤ اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اگر تم ایمان لاؤ گے اور تقویٰ اختیار کرو گے

تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

تشریح :

اس رکوع کی ابتدائی آیات غزوہ حمراء الاسد سے تعلق رکھتی ہیں جس کا ذکر احد کے ضمن میں آپ کے سامنے کیا گیا تھا کہ ابوسفیان اپنے لشکر کو لیکر واپس تو لوٹ گیا جب وہ مدینہ منورہ سے باہر مقام روحاء پر پہنچا وہاں جا کے ان کو یہ خیال آیا کہ ہم نے تو غلطی کر لی ہم کیوں اتنی جلدی واپس آگئے اب تو وہ شکست کھا گئے تھے ہمیں چاہیئے تھا کہ ہم ان کا بالکل صفایا کر دیتے، مدینہ منورہ پر چڑھائی کرتے اوراس کو اجاڑ دیتے اور یہ زخمی جو بھاگے ہوئے تھے ہم ان کا پیچھا کرتے تا کہ ہمیشہ کے لئے یہ جماعت ختم ہو جاتی، ایسی حالت میں ان کو چھوڑ آنا یہ ہماری کوئی عقلمندی نہیں ہے، یہ خیال ان کو مدینہ منورہ سے کچھ دور جا کے آیا، سرور کائنات ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے اطلاع ہوگئی کہ مشرکین کچھ سوچ رہے ہیں دوبارہ واپس آنے کے لئے تو آپ نے اعلان فرمادیا مدینہ منورہ میں کہ مشرکین مکہ کا پیچھا کرنا ہے تیار ہو جاؤ، اور میرے ساتھ انہی لوگوں کو چلنے کی اجازت ہے جو احد میں میرے ساتھ تھے جو کل احد کی لڑائی میں شریک ہوئے تھے یہ اعلان اس لئے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد منافقین مخلصین سے جدا ہو گئے تھے تو اب احد کے میدان میں شریک رہنے والے زخم اٹھانے والے سارے کے سارے مخلصین تھے جن میں نفاق کا کوئی شبہ نہیں تھا تو آپ یہ چاہتے تھے کہ مشرکین مکہ کا جو ہم نے پیچھا کرنا ہے تو مخلصین ہی ساتھ ہوں ان کے اندر دوبارہ کوئی ایسے لوگ نہ شامل ہو جائیں کہ جو پھر کوئی ایسی حرکت کر کے دوبارہ قدم اکھیڑ یں جس طرح پہلے منافقین نے کی تھی۔

چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اعلان سنتے ہی باوجود اس بات کے کہ زخموں سے چور تھے باوجود اس بات کے کہ شکست کا صدمہ تھا اور اپنے بہت سارے آدمی شہید ہو گئے تھے اور ان کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا تھا، زخم ابھی تازہ تھا وہ تیار ہو گئے اور حضور ﷺ ان کو لیکر مشرکین کے پیچھے نکل گئے، مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ حمراء الاسد وہاں جا کے حضور ﷺ نے پڑاؤ ڈال دیا اور معلوم ہوا کہ مشرکین مرعوب ہو کے مکہ معظمہ کی طرف چلے گئے ہیں مدینہ منورہ کی طرف آنے کا ارادہ انہوں نے ملتوی کر دیا ہے ادہران کو کچھ لوگ مل گئے جو مدینہ منورہ کی طرف آرہے تھے جو عبدالقیس قبیلہ تعلق رکھتے تھے ان میں سے ایک شخص تھا جس کا نام نعیم بن مسعود لکھا ہے، مشرکین نے کچھ دے دلا کے اس کو آمادہ کیا کہ تم جا تو رہے ہو مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو ذرا ڈرانا دھمکانا تا کہ ان کے دلوں کے اندر خوف وہراس پیدا ہو جائے، ان کو پریشانی لاحق ہو جائے اور انہیں کہا کہ ابوسفیان نے بڑے لشکر جمع کر لیے ہیں بڑا سامان اکٹھا کر لیا ہے اور وہ دوبارہ حملہ کرنا چاہتا ہے، مقصد یہ تھا کہ

شکست کھانے کے بعد زخم خوردہ ہونے کے بعد ان کی طبعیتوں میں گھبراہٹ تو ہے ہی جب اس قسم کا پروپیگنڈہ ہوگا تو ان کے حوصلے اور پست ہوں گے۔

چنانچہ وہ شخص آیا جب اس کی ملاقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوئی اور آ کر اس نے اس قسم کا پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ ابوسفیان تو بڑے لشکر اکھٹے کر رہا ہے، بڑا سامان جمع کر رہا ہے دوبارہ مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سننے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طبعیت میں خوف اور گھبراہٹ پیدا ہونے کی بجائے جوش ایمانی اور بڑھ گیا، وہ کہنے لگے اگر وہ لشکر اکھٹے کر رہا ہے تو کیا حرج ہے "حسبنا الله ونعم الوكيل" ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے، ہمیں تو اللہ کی ذات پر اعتماد ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے، وکیل اس کو کہتے کہ اپنا معاملہ جس کے سپرد کر دیا جائے، یہ عدالتوں میں جو آپ مقدمے لے کر جایا کرتے ہیں اور اس مقدمہ میں جو آپ وکیل بنایا کرتے ہیں اس کا حاصل یہی ہوتا ہے کہ آپ اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دیتے ہیں اب اس کی جیت ہار آپ کی جیت ہار ہوتی ہے وکیل کا یہی مفہوم ہوا کرتا ہے۔

تو یہ لفظ انہوں نے بولے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باقاعدہ مشرکین کا پیچھا کیا، مشرکین واپس نہ آئے تو وہاں تین دن تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملاقات ہوگئی، صحابہ کرام نے کچھ تجارت بھی کی تو ظاہری نفع بھی پایا اور عزت وغلبہ کے ساتھ کہ یہ زخمی ہونے کے باوجود پیچھے گئے اور مشرکین واپس نہیں آسکے، اس عزت وغلبہ کے ساتھ اللہ کی رضا کو حاصل کر کے ثواب حاصل کر کے واپس آ گئے یہ چونکہ انہوں نے تازہ اقدام کیا تھا اور یہ بھی ان کی جانبازی اور فدائیت کی علامت تھی تو ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طبقہ کی تعریف فرمائی ہے۔

"الذين استجابوا لله والرسول" وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی بات کو مان لیا اب یہاں اللہ کا ذکر بھی اور رسول کا ذکر بھی ہے حالانکہ تمام کی تمام روایات اس بات کے اوپر متفق ہیں کہ یہ حکم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دیا تھا، بلایا تھا لوگوں کو چلو مشرکین کے مقابلہ میں چلنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کو اپنا بلانا بھی قرار دیا جس سے معلوم ہو گیا کہ قول رسول قول اللہ ہی ہوتا ہے، رسول کی ہر بات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں اور ان کی بات ماننا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی بات ماننا، تو حجیت حدیث کے لئے اس قسم کی آیات پیش کی جاسکتی ہیں کہ یہاں بلایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھا اور جنہوں نے رسول اللہ کے اس بلانے پر لبیک کہا ان کو اللہ تعالیٰ فرمار ہے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بات مان لی، "من اطاع الرسول فقد اطاع الله" اس کا یہی مفہوم ہے کہ جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے حقیقت کے اعتبار سے اس نے اللہ کی اطاعت کی ہے، "من بعد ما اصابهم القرح" بعد اس کے کہ زخم پہنچا یعنی زخم پہنچنے کے بعد یہ صورت پیش

آئی تھی ان لوگوں کے لئے جو محسنین ہیں اور متقین ہیں یہ من تبعیضیہ نہیں ہے کیونکہ یہ جتنے بھی تھے اللہ اور اللہ کے رسول کی بات کو ماننے والے یہ سارے ہی محسنین تھے اور سارے ہی متقین تھے۔

جیسا کہ سورت فتح کے آخر میں بھی آیت آئے گی "وعداللہ الذین آمنوا وعملواالصالحات منھم مغفرۃ واجرا عظیماً" وہاں بھی اسی طرح من بیانیہ ہے کیونکہ جن کا ذکر پیچھے سے آ رہا ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا جنہوں نے بیعت کی تھی وہ سارے کے سارے "آمنوا وعملوا الصالحات" کے مصداق تھے اسی طرح یہ بھی سارے کے سارے محسنین اور متقین کا مصداق ہیں ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

احسان:

احسان کا معنی ہوتا ہے ہر کام کو اچھی طرح کرنا تو یہاں اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ وفاداری کا جنہوں نے حق ادا کر دیا "الذین احسنوا" کا مصداق وہ لوگ ہیں اور تقویٰ یہ عام احکام کی پابندی ہوگئی اور احسان فی العبادت کی تفصیل حدیث جبرئیل میں یہی ہے کہ "ان تعبداللہ کانك تراہ" کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ اللہ آنکھوں کے سامنے ہے کیونکہ تم اگر اللہ کو نہیں دیکھ رہے تو اللہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے، "فان لم تکن تراہ فانہ یراك" بہر حال اللہ اور اللہ کے رسول کے ساتھ وفاداری اور ان کے حقوق کو اچھی طرح ادا کرنا اور پھر اخلاص فی العبادت یہ احسان کا مصداق ہے۔

اور اتقاء بچنے کو کہتے ہیں کہ جو بچ بچ کے چلتے ہیں اللہ کی نافرمانیوں سے ڈرتے ہیں تقویٰ کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ غالباً حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا تھا کہ تقویٰ کا مفہوم کیا ہے؟ ابی بن کعب کہنے لگے کہ اے امیر المؤمنین آپ کبھی خاردار وادی میں چلے ہیں کہ جہاں کانٹے ہی کانٹے بکھرے ہوئے ہوں اردگرد کانٹے دار جھاڑیاں ہوتی ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہاں بارہا چلا ہوں تو کہنے لگے کہ وہاں چلنے کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ تو کہا کہ وہاں چلنے کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ انسان اپنا دامن بھی سنبھالتا ہے کہ کانٹوں میں نہ الجھ جائے اور پاؤں بھی سوچ سوچ کر رکھتا ہے کہ کہیں پاؤں میں کوئی کانٹا نہ لگ جائے بہت محتاط ہو کے چلتا ہے، فرمایا کہ بس یہی تقویٰ ہے کہ دنیا کے اندر بھی انسان اسی طرح پھونک پھونک کے قدم رکھے، اردگرد معاصی کی طرف دعوت دینے والے بہت ساری چیزیں ہیں گناہوں کے کانٹے ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں سوچ سمجھ کر قدم رکھنا بچ بچ کر چلنا بس یہی تقویٰ ہے، تو "الذین احسنوا" اور "الذین اتقوا" یہ دونوں باتیں ان صحابہ کے اوپر صادق آتی تھیں کہ وفادار بھی تھے ہر کام کو اچھی طرح کرتے تھے اور اپنی اس دنیوی زندگی کے اندر اللہ کے احکام کے مطابق چلتے تھے اور بچ بچ کے چلتے تھے کہ کہیں کوئی معصیت اور نافرمانی نہ ہو جائے ان کیلئے اجر عظیم ہے۔

"الذین قال لھم الناس " اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف ہے جنہوں نے مشرکین کے اس نمائندے کا پروپیگنڈہ سن کے قوت ایمانی کا اظہار فرمایا اس معاملہ میں تعریف ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں کچھ لوگوں نے کہا جو کہ مدینہ منورہ کی طرف آرہے تھے یہ ہوگئے وہ خبر پہنچانے والے، پروپیگنڈہ کرنے والے انہوں نے کہا کہ لوگوں نے یعنی مشرکین مکہ نے ابوسفیان کی پارٹی نے اکٹھے کئے ہیں تمہارے لئے لشکر یا جمع کیا ہے تمہارے لئے سامان "فاخشواھم" کہ تم ان سے ڈرو تمہارے اوپر خوف اور خشیت طاری ہونا چاہیئے اس بات نے ان کے جوش ایمانی کو بڑھا دیا اور کہنے لگے کہ ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے، اگر اسلحہ ان کے پاس ہم سے زیادہ ہے تو کوئی بات نہیں اگر ان کے پاس جماعت ہم سے زیادہ ہے تو کوئی بات نہیں ہمارے لئے اکیلا اللہ ہی کافی ہے، ہمارا اللہ پر اعتماد ہے جب اللہ کی نصرت ہمارے ساتھ ہوگی تو نہ کوئی سامان جنگ کے ذریعہ سے ہمارے اوپر غالب آسکتا ہے اور نہ لشکر کی کثرت سے ہم پر غالب آسکتا ہے تو ایسے خوف وہراس کے وقت میں "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" یہ اپنی زبان کے اوپر لانا یہ ایمان کا اظہار بھی ہے اور یہ کلمہ بھی بابرکت ہے، کہ بار بار اس تکرار کے ساتھ قلب کو قوت بھی حاصل ہوتی ہے اس لئے پریشانی کے وقت میں اولیاء اللہ اسی کا ورد بتایا کرتے ہیں کہ "حسبی اللہ ونعم الوکیل" مفرد کے طور پر پڑھو یا جمع کے طور پر "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" ان الفاظ کو بار بار پڑھنا یہ مشکلات کے کے حل کے لئے اچھا معاون بنتا ہے اور دل کو قوت حاصل ہوتی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہی لفظ ادا کیے کہ ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

"فانقلبوا بنعمۃ من اللہ " پھر یہ لوٹے اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ کوئی کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچی نہ بدنی تکلیف پہنچی اور نہ کوئی دوسری مشکل پیش آئی اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹے ثواب بھی ملا اور ظاہری طور پر مال تجارت میں نفع بھی پایا، یا یہ ظاہری فضل بھی ہے اور یہ اللہ کی رضا کے متبع ہوگئے گویا کہ اللہ کی رضا بھی ان کو حاصل ہوگئی اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والے ہیں اور ان کو بڑا فضل دیں گے جنہوں نے اس نازک موقع پر اللہ کے رسول کی اس بات کو مان لیا۔

"انما ذٰلکم الشیطان یخوف اولیاء ہ" اس آیت میں اس شخص کی برائی ہے جس نے آکر مشرکین کے حق میں پروپیگنڈہ کرنے کی کوشش کی تھی، یہ شخص جو اس قسم کی باتیں پھیلاتا ہے یہ عملاً شیطان ہے یعنی اس کی کاروائی شیطانوں جیسی ہے، جو شرارت پھیلایا کرتا ہے کیونکہ شیطان ہر سرکش اور شرارت پھیلانے والے کو کہہ دیا جاتا ہے چاہے وہ من الجن ہو چاہے وہ من الانس ہو، وہ جو برائی پھیلاتا ہے اور برائی کی اشاعت کرتا ہے وہ شیطان کا مصداق ہے یہ شخص عملاً شیطان ہے شیطان والا کام کر رہا ہے، اپنے دوستوں سے تمہیں ڈراتا ہے کوئی ضرورت نہیں ان سے ڈرنے کی ان سے مت ڈرو، ہاں مجھ سے ڈرتے رہو کہ میری نافرمانی نہ ہونے پائے اگر تم ایمان والے ہو، ایمان والے کا کام یہ ہوتا ہے کہ اللہ سے ڈرتا ہے کسی

دوسرے سے نہیں ڈرتا کیونکہ نفع ونقصان کا مالک بھی اللہ ہے اور اسی طرح فتح وشکست بھی اللہ کے قبضہ میں ہے۔

تو جس کی ہر طرح سے قوت ہے، قدرت ہے جو ہر طرح سے ہمارے اوپر قابض ہے ڈرنا اسی سے چاہیئے باقی دوسروں کے مقابلہ میں فتح اور شکست وہ بھی اس کی مشیت سے ہوتی ہے، اور نفع ونقصان بھی اسی کی مشیت سے ہوتا ہے تو جن کے ہاتھ میں کچھ نہیں ان سے ڈرنا کوئی عقلمندی نہیں اور جس کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے اس سے ڈرنا عقل کا تقاضا ہے، تو اگر تم ایمان والے ہو تو تم پر خوف میرا طاری ہونا چاہیئے کہ میری نافرمانی نہ ہونے پائے باقی کسی دوسرے سے خوف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

"فلایحزنك الذین یسارعون فی الکفر" یہ آیات سرور کائنات ﷺ کی تسلی کے لئے ہیں اور "الذین یسارعون فی الکفر" سے اشارہ منافقین کی جماعت کی طرف ہے کہ جس وقت بھی کوئی ایسا موقع آتا ہے تو یہ کفر کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور باتیں کر کر کے کفر میں جا گرتے ہیں ان کی وجہ سے آپ کو دکھ نہ ہو حزن نہ ہو، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ،آپ کا کام ہے ان کو سمجھانا جب یہ نہیں سمجھتے دوڑ دوڑ کے کفر کی طرف جاتے ہیں تو اس سے آپ کا نقصان کوئی نہیں آپ یوں سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کا ان کے متعلق ارادہ یہی ہے کہ ان کو آخرت میں کوئی حصہ نہ ملے اور یہ عذاب عظیم میں جائیں گے، "لایحزنك" آپ کو غم میں نہ ڈالیں وہ لوگ جو کفر میں دوڑ دوڑ کے جاتے ہیں یعنی کفر کی باتوں میں جلدی کرنے لگ جاتے ہیں، جب کوئی موقع آتا ہے تو ان کی زبان پر ایسی باتیں جاری ہو جاتی ہیں جس قسم کی کافروں کی زبان پر جاری ہوتی ہیں، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے ان کے متعلق اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کو اختیار کیا ایمان کے بدلے یہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، یعنی نقصان انہی کا ہی ہے، اللہ کا اور اللہ کی جماعت کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

"ولایحسبن الذین کفروا انما نملی لهم" اب ان منافقین کو ذرا تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ زخموں سے بھی بچ گئے قتل سے بھی بچ گئے ہمارے لئے بڑی خوشحالی ہے اپنی اس کارروائی تم ناز نہ کرو یہ دو چار دن تمہیں اگر عافیت مل گئی ہے تو یہ عافیت اسی لئے ہے تاکہ تمہاری خباثتیں اور بڑھ جائیں اور پیمانہ بالکل لبریز ہو جائے تو جب پکڑے جاؤ تو چھوٹنے کی گنجائش نہ ہو یہ ڈھیل ہے جو تمہیں دی گئی ہے یہ اللہ کی طرف سے انعام نہیں ہے اس لئے کافر اور منافق اگر دنیا کے اندر خوشحال ہے تو یہ استدراج ہے، اللہ کی طرف سے رسی ڈھیلی ہے، ہرگز نہ سمجھیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم ان کو ڈھیل دیتے ہیں اور وہ ڈھیل دینا ان کے لئے بہتر ہے، سوائے اس کے نہیں کہ ہم انہیں ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ وہ بڑھ جائیں از روئے گناہ کے یعنی ہماری ڈھیل دینے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے گناہوں میں ترقی ہوتی چلی جائے گی اور ان کے لئے

ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

”ما کان اللہ لیذر المؤمنین علیٰ ماانتم علیہ “اس آیت میں مؤمنوں پر مصیبتیں آنے کی مصلحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ تمہارا معاشرہ اسی طرح رہ جائے جس میں مخلص مؤمن اور منافق کا امتیاز ہی نہ ہو، کھرے کھوٹے سب ایک جیسے ہی رہ جائیں ، اللہ ان کے درمیان امتیاز کرنا چاہتا ہے اب ایک تو امتیاز کی صورت یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ سے بتلا دیا جائے کہ فلاں بھی منافق ، فلاں بھی منافق ، یہ اللہ کی عادت نہیں اللہ تعالیٰ اس قسم کی غیبی باتیں اپنے رسولوں کو بتاتا ہے براہ راست ہر کسی کو نہیں بتایا کرتا ، اور واقعات کے ضمن میں جب کوئی چیز نمایاں ہوگی تو تم سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ یہ اتنا وفادار ہے ، یہ اتنا رسول کا مطیع ہے اور یہ اتنا قربانی دینے والا ہے ، اور جب واقعات کے ساتھ امتیاز ہوگا تو تم ہر کسی کے اوپر الزام قائم کر سکتے ہو ، اور اگر غیبی طور پر اطلاع دیدی جائے کہ فلاں منافق ہے تو دوسرے پر الزام قائم کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی ، اللہ تعالیٰ غیب کے اوپر اطلاع براہ راست اگر دیتا ہے تو اپنے رسولوں کو دیتا ہے ہر کسی کو غیب پر اطلاع نہیں دیا کرتا۔

یہ اطلاع علی الغیب ہر رسول کے ساتھ ہوتی ہے اور رسول کی وساطت سے پھر ہمیں بھی ہو جاتی ہے ، جس طرح قیامت غیب ہے ، جنت اور دوزخ غیب ہے ، دوزخ کے اندر جو واقعات پیش آئیں گے وہ غیب ہیں ، جنت کے اندر جو واقعات پیش آئیں گے وہ غیب ہیں مستقبل کے جو واقعات بیان کیے گئے وہ غیب ہیں ، ماضی کے زمانہ کے واقعات ہمارے لئے غیب ہیں ، اور اللہ تعالیٰ انبیاء کی وساطت سے ہمیں غیب کی اطلاع دیتا ہے ، لیکن ہر شخص کو علیحدہ علیحدہ اس غیب مطلع کرے یہ اللہ کی عادت نہیں ہے البتہ اپنے رسولوں کو بتلاتا ہے ، غیب کی اطلاع دیتا ہے اور رسولوں کی وساطت سے پھر دوسرے لوگوں کو بھی پتہ چل جاتا ہے ، یہ اللہ کی عادت ہے باقی مؤمن اور کافر کا امتیاز واقعات کے ذریعے سے اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ تم سب لوگ واقعات سے استدلال کر کے دوسرے پر الزام قائم کرسکو کہ دیکھو یہ واقعہ دلیل ہے کہ تم منافق ہو ، اور اگر اس قسم کا واقعہ پیش نہ آئے اور تم صرف غیب کی اطلاع پانے کی بناء پر تم کہو کہ تم منافق ہو دوسرا آدمی آگے سے انکار کرسکتا ہے وہ کہے گا کہ نہیں میں تو مخلص ہوں ، تمہیں اطلاع غلط ملی ہے یا تم اس اطلاع کا صحیح مطلب نہیں سمجھے ، آگے سے چوں چراں کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

لیکن جب واقعات سے امتیاز ہو جائے تو پھر دوسرے پر الزام بھی صحیح ہو جاتا ہے اور استدلال واضح ہو جاتا ہے ، اس لئے اللہ تعالیٰ تم پر اس قسم کے امتحانات ڈالتا رہے گا ایسے واقعات تمہارے سامنے پیش آتے رہیں گے تاکہ خبیث اور طیب کے اندر امتیاز ہو جائے تو اطلاع علی الغیب کے ذریعہ سے کسی کو عالم الغیب کہنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ

پھر تو اللہ کی طرف سے اطلاع انبیاء علیہم السلام کو ہوئی انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ہمیں ہوگئی اگر اس اطلاع علی الغیب کی بناء پر کسی کو عالم الغیب کہہ سکیں تو پھر تو جتنے نبی پر ایمان لانے والے امتی اور نبی سے سن کر غیب کی باتوں کو جانتے ہیں سب پر یہ لفظ صادق آئے گا اس لئے اس پر علم غیب کا لفظ صادق نہیں آتا، اس کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ اللہ کی طرف سے اطلاع ملنے کے بعد پھر رسول اور امتی سب اس غیب میں شریک ہو جاتے ہیں اس اطلاع علی الغیب سے اللہ تعالیٰ کی صفت علم غیب کے اندر کسی کی شرکت لازم نہیں آتی۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا
لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ
مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ لَقَدْ
سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ
مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ
قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ
تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ
قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ
كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ
الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ قف
وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَ
كُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾
وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ
وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا
قَلِيْلًا ط فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ
بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ
بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

ترجمہ:

ہرگز نہ سمجھیں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے بھیجی اپنے فضل سے کہ وہ ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ بخل کرنا ان کے لئے برا ہے عنقریب طوق پہنائے جائیں گے وہ اس مال کا جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن، اللہ ہی کے لئے زمین و آسمان کی میراث اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کے ساتھ خبر رکھنے والا ہے، البتہ تحقیق کہ سن لی بات اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں، ہم ضرور لکھیں گے اس بات کو جو انہوں نے کہی اور لکھیں گے ہم ان کا قتل کرنا انبیاء کو ناحق اور کہیں گے ہم چکھو تم جلانے والی آگ کا عذاب اور یہ عذاب بسبب ان کاموں کے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے یہ تو واقعہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ نہ آئے وہ رسول ہمارے پاس ایسی قربانی جس کو آگ کھا جائے، آپ فرما دیجئے تحقیق آئے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے واضح دلائل

لیکراور یہی معجزہ لے کر جو تم کہہ رہے ہو پھر تم نے انہیں کیوں قتل کر دیا اگر تم سچے ہو، پھر یہ اگر آپ کو جھوٹا بتلائیں (تو آپ غم نہ کریں) تحقیق جھٹلائے گئے رسول آپ سے پہلے بھی جو واضح دلائل لے کر آئے تھے اور چھوٹے چھوٹے صحیفے لے کر آئے تھے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے، ہر نفس موت کا مزہ چھکنے والا ہے اور سوائے اس کے نہیں کہ تم پورا پورا دیئے جاؤ گے اپنا اجر قیامت کے دن، پھر جو شخص دور ہٹا دیا گیا آگ سے اور جنت میں داخل کر دیا گیا پس تحقیق وہ کامیاب ہو گیا، اور نہیں ہے دنیوی زندگی مگر دھوکے کا سامان البتہ ضرور آزمائے جاؤ گے تم اپنے مالوں کے بارے میں اور جانوں کے بارے میں اور البتہ ضرور سنو گے تم ان لوگوں کی طرف سے جو کتاب دیئے گئے تم سے پہلے اور ان لوگوں کی طرف سے جنہوں نے شرک کیا بہت تکلیف اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ ان کاموں میں سے ہیں جن کا عزم کیا جاتا ہے، یاد کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے لیا پختہ عہد ان لوگوں کا جو کتاب دیئے گئے کہ البتہ ضرور بیان کرو گے تم اس کتاب کو لوگوں کے لئے اور تم اس کتاب کو چھپاؤ گے نہیں، پھینک دیا ان لوگوں نے اس عہد کو پشتوں کے پیچھے اور حاصل کیے اس کے بدلہ میں ثمن قلیل پس بری ہے چیز جس کو یہ خریدتے ہیں ہرگز گمان نہ کر ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے ایسے کاموں کے ساتھ جو انہوں نے کئے نہیں، پس ہرگز نہ سمجھ تو انہیں عذاب سے چھٹکارے میں اللہ ہی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے۔

تشریح:

غزوہ احد کے واقعات جو آپ کے سامنے تفصیل کے ساتھ گزرے ان میں منافقین کی طرف سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے بارہ میں کوتاہی کھل کر سامنے آگئی کہ جس طرح یہ لوگ اللہ کے راستہ میں جان قربان کرنے سے دریغ کرتے تھے اور بزدلی کی بناء پر جہاد کو چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہے تھے اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرو تو مال خرچ کرنے میں بھی وہ کوتاہی کرتے تھے جب کوئی موقع آتا تو مخلص صحابہ تو اپنے گھر تک لٹا دیتے تھے جو کچھ گھر میں سامان ہوتا سب اللہ کے راستہ میں دیدیتے اور یہ بخل کرتے تھے تو جیسے اس جہاد میں کوتاہی کرنے کی بناء پر ان کی مذمت کی گئی ان آیات میں ان کے بخل کی مذمت کی گئی ہے، جیسے وہاں کہا گیا تھا کہ یہ چھپے پھرتے ہیں پھر بھی موت سے بچیں گے نہیں، موت تو آخر ایک وقت آنی ہے لیکن جہاد چھوڑ کر گھر میں بیٹھنے سے ایک شرف والی موت سے انسان محروم ہو جاتا ہے، اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے جو موت آتی ہے وہ برائے نام موت ہے حقیقت میں زندگی ہے۔

اسی طرح یہاں کہا جائے گا کہ جس مال کو یہ سنبھال سنبھال کے رکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح سنبھال کر رکھنا

ہمارے مستقبل کے لئے مفید ہے یہ ہم اچھا کام کررہے ہیں، دوسرے وقت میں یہ مال ہمارے کام آئے گا ان کا یہ نظریہ غلط ہے، مستقبل کے لئے مفید یہی ہے کہ اللہ کے راستہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کیا جائے، اس کے ساتھ دنیا میں بھی امن وعافیت نصیب ہوتی ہے، مثلاً اس وقت یہ لوگ اگر سارے کے سارے ہی اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرتے تو دنیا بھی برباد ہوتی، کافر غالب آتے اور آخرت تو برباد ہے ہی اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے جہاں جہاد کی تیاری ہوگی دشمن کے اوپر غلبہ حاصل ہوگا تو آخرت کا ثواب بھی ملے گا، اور سنبھال سنبھال کے جو رکھ رہے ہیں کہ یہ ہمارے مستقبل کے لئے مفید ہے یہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہنے والی نہیں ہے یہ مرجائیں گے سارا مال پیچھے رہ جائے گا، آخر یہ چیز واپس اللہ کی طرف ہی جانے والی ہے، تو جب یہ چیز آخر کار لوٹ کے اللہ کی طرف جانی ہے تو تم اپنے ہاتھ کے ساتھ اللہ کے راستہ میں اپنی خوشی سے خرچ کروگے تو چیز تو پھر بھی جائے گی لیکن تمہارے لئے اجر وثواب کا باعث بنے گی۔

جیسے وہاں تھا کہ مرنا بہر صورت ہے لیکن اللہ کے راستہ میں موت آجائے گی تو اللہ کی مغفرت اور فضل حاصل ہوجائے گا ورنہ یہ نہیں کہ اگر تم اللہ کے راستہ میں نکلو گے نہیں تو موت سے بچ جاؤ گے، اسی طرح اس مال نے لوٹ کے جانا تو اللہ کے پاس ہے ساری دنیا مرجائے گی زمین وآسمان پیچھے رہ جائیں گے تو سوائے اللہ کے کون ان کا وارث ہے لیکن جو لوگ اپنے اختیار کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے خرچ کرتے ہیں وہ اللہ کے ہاں اجر وثواب پالیں گے، صدقہ کی ترغیب دیتے ہوئے قرآن کریم میں بار بار اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں "من ذاالذی یقرض الله قرضاً حسناً" کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے قرض کا لفظ استعمال کرنا یہ صدقہ کے لئے ترغیب کا باعث ہے ترغیب اس اعتبار سے کہ جب کسی کو قرضہ دیا جاتا ہے تو قرضہ لینے والا اخلاقاً اپنے ذمہ یہ سمجھتا ہے کہ میں نے واپس ضرور کرنا اگر اس کے پاس گنجائش ہو کہ تنگدست نہیں ہے اور اس کو حق کے ادا کرنے کا فکر ہو کہ وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا تو قرضہ کو کوئی دبایا نہیں کرتا۔

شرفاء کے اندر عرف یہی ہے اور جب دیتا ہے انسان قرض کسی ایسے آدمی کو جس کے متعلق خیال ہے کہ یہ مفلس نہیں کہ واپس نہیں کرسکے گا، اور یہ ظالم نہیں کہ دبالے گا اس اعتماد پہ دیا کرتا ہے کہ لازماً یہ واپس آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس صدقہ کو اپنے لئے قرض قرار دیتے ہیں اور پھر جس طرح حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کی ترغیب دیتے ہیں کہ صبح کے وقت طلوع فجر کے وقت صبح صبح جس وقت اللہ اپنی مغفرت اور رحمت کی طرف بلاتے ہیں، تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ اعلان کرنے کے بعد کہ مجھ سے مانگو میں دینے کے لئے تیار ہوں، مجھ سے استغفار کرو کہ میں تمہارے گناہ معاف کروں، دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ہاتھ پھیلاتے ہیں اور پھیلا کے کہتے ہیں "من یقرض غیر ظلوم ولاعدوم" کوئی ہے جو ایسے کو قرض دے جو مفلس بھی نہیں اور ظالم بھی نہیں، یہ دو لفظ جو بولے

گئے تو اس لئے بولے گئے کہ مفلس کو قرض دیتے ہوئے انسان ڈرتا ہے کہ اس کے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں دے گا کہاں سے، اور ظالم کو دیتے ہوئے ڈرتا ہے کہ اس کو تو حق دبانے کی عادت ہے ہمارے حق بھی دیا جائے گا۔

اور اللہ تعالیٰ ظلوم بھی نہیں اور عدوم بھی نہیں اس لئے ترغیب کا پہلو ہے کہ اللہ کے راستہ میں جب دیں تو اس کی واپسی کا تمہارے دل میں اتنا خیال ہونا چاہیئے کہ جس طرح تم کسی اچھے بھلے آدمی کو قرض دیتے ہو تو تمہارے دل میں یہ اعتماد ہوتا ہے کہ یہ ضائع نہیں ہوگا دوسرے وقت میں لوٹ کے آئے گا اس پہلو سے ترغیب دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے لفظ قرض استعمال کیا ہے، یہود نے اس لفظ کا مذاق اڑایا باوجود اس بات کے کہ وہ اللہ کے قائل تھے اور ان کی کتابوں میں اس قسم کے عنوانات موجود تھے لیکن جب آپس میں ضد ہو جاتی ہے تو اس قسم کی باتیں مذاق میں آجاتی ہیں، اور یہ منافقین چونکہ یہود سے ہی متاثر تھے انہوں نے بھی اس لفظ کا اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر مذاق اڑایا کہ لو جی آج تو اللہ محتاج ہو گیا، (نعوذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد) فقیر ہے ہم سے قرضہ مانگتا ہے گویا کہ ہم مالدار ہیں اور اللہ فقیر ہے، یہود بھی اس لفظ کا مذاق اڑاتے تھے اور منافقین نے بھی اپنی مجلسوں میں اس لفظ کا مذاق اڑایا۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کی ہے اور تنبیہ میں یہ نہیں کہا کہ میں جو قرض کا لفظ بولتا ہوں تو اس کی مراد یہ ہے کیونکہ یہ بات تو واضح تھی، اللہ تعالیٰ کے متعلق فقیر ہونے کا تصور کوئی جاہل سے جاہل بھی نہیں کر سکتا، یہ تو اس کی شفقت ہے کہ اپنے دیئے ہوئے میں خرچ کرواتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں اس کو ضرور واپس کروں گا، تو ان کو ڈرایا ہے کہ یہ باتیں ہم سن رہے ہیں اور تمہارے نامہ اعمال میں یہ باتیں ہم لکھ کر رکھیں گے، اور جس طرح تمہارے دوسرے جرائم ہیں خاص طور پر یہودیوں کو تنبیہ ہے کہ جماعتی سطح پر تم نے جو جرم کیے ہوئے ہیں انبیاء کا قتل کرنا، حق کی مخالفت جو فہرست جرائم کی ہے اس فہرست کے اندر اس جرم کا اضافہ ہو گیا ہے اور قیامت کے دن ساری کی ساری چیزیں سامنے آئیں گی اس وقت ہم کہیں گے کہ جس طرح تم باتیں کر کر کے اہل اللہ کا دل جلایا کرتے تھے آج جلنے والے عذاب کا مزہ چکھو، تو یہاں ان کو تنبیہ کرتے ہوئے ان کے بڑوں کا کردار بھی سامنے لائے جو انبیاء کو قتل کیا کرتے تھے، کیونکہ یہ ان حرکتوں کو جاننے کے باوجود اپنے بڑوں کا کردار اس کر دار پر انکار نہیں کرتے تھے، انکار نہ کرنے کی بناء پر وہ جرم جماعتی سطح پر ان کے اپنے بڑوں کے کردار پر انکار نہیں کرتے تھے، انکار نہ کرنے کی بناء پر وہ جرم جماعتی سطح پر ان کے سر پر بھی آتا ہے کہ جیسے تمہارے یہ بڑے بڑے جرائم فہرست میں آئے ہوئے ہیں ان جرموں کے اندر یہ بھی شریک ہو گیا اس طرح یہ یہود کو تنبیہ ہو گئی، یہود سے متاثر ہو کر منافقین جو اس قسم کی باتیں کرتے تھے تو منافقین کو بھی تنبیہ ہو گئی ابتدائی آیات تو یہ ہیں۔

"ولایحسبن الذین یبخلون "ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو اللہ کے دیے ہوئے فضل کے ساتھ بخل کرتے ہیں

یہ دیا ہوا اللہ کا ہے کہ اللہ نے اپنی مہربانی کے ساتھ اپنے فضل کے ساتھ جو کچھ دیا ہے اس کو خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ کوئی اچھا کام کررہے ہیں ان کا جذبہ یہی تھا کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں مال کو محفوظ رکھیں گے تو دوسرے وقت میں کام آئے گا، حالانکہ یہی بات ان کے حق میں بری ہے اس کو اگر آپ ایک حسی مثال کے ساتھ سمجھنا چاہیں تو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ غلہ آپ کے گھر میں پڑا ہے، فصل بونے کا وقت آ گیا اب ایک آدمی گندم کی بوری اٹھاتا ہے اور لے جا کے باہر مٹی میں بکھیر دیتا ہے، اور ایک آدمی اس بوری کو سنبھال کے رکھتا ہے کہ ہم اس بوری کو مٹی میں کیوں ڈالیں ، ایسا نہ ہو کہ یہ ضائع ہو جائے کل کو یہ ہمارے ہاں بھوک ہوگی تو ہم کیا کریں گے۔

اب یہ مثال آپ کے سامنے جس طرح دونوں شخصیتوں کو لاتی ہے کہ ایک آدمی اللہ کی عادت پر اعتماد کرتا ہوا جا کے مٹی کے اندر غلہ کو بکھیر دیتا ہے کہ اللہ کی عادت یہی ہے کہ جب موسم پر اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق یہ دانے بکھیر دیے جاتے ہیں تو دوسرے وقت یہ سو سو گنا زائد ہو کے واپس آتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی اس عادت پر اعتماد کرتا ہے اور اعتماد کر کے وہ دانے مٹی میں ملا دیتا ہے تو چند دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق جو اس نے اپنی عادت کے تحت مخلوق سے کیا ہوا ہے اس کے مطابق ایک بوری بکھیری تھی بیس بوریاں آجاتی ہیں چالیس بوریاں آجاتی ہیں تو ایک دانہ کا سو سو دانہ بن گیا، لیکن اگر ایک بیوقوف یہ کہے کہ کیا پتہ، ہوسکتا ہے کہ اس کو کیڑا لگ جائے، ہوسکتا ہے کہ فصل برباد ہو جائے تو ہم اپنے گھر کے اندر پڑے ہوئے دانوں کو کیوں برباد کریں، ہم اس کو سنبھال کے رکھیں گے، دوسرے وقت میں ہمارے کام آئیں گے، اب ظاہری طور پر اس کی بات کتنی ہی بھلی کیوں نہ معلوم ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت کے تحت اس شخص کا اپنے آپ پر یہ ظلم ہے، کیونکہ جو اس نے تھوڑا بہت سنبھال کر رکھا ہوا ہے یہ رہے گا تو ہے نہیں کھالے گا تو ختم ہو جائے گا، اور اگر نہیں کھائے گا تو گھن لگ جائے گا ختم تو اس نے ہو جانا ہے، اور اگر طریقہ کے مطابق اس کو صرف کرتا ہے تو یہ بڑھتا بھی ہے اور محفوظ بھی ہوتا ہے جس طرح یہ حسی مثال ہے رزق کے بڑھنے کی کہ خرچ کرنے کے ساتھ بڑھتا ہے اور لوٹ کے انسان کی طرف آتا ہے۔

بالکل یہی حساب ہے معنوی طور پر کہ جب اللہ کے نام پہ دیا جاتا ہے تو یہ رزق کے اندر اضافہ کا باعث بنتا ہے، حضور ﷺ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ صدقہ دینے سے کسی کا مال کم نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ برکت دیتے اور دوسرے راستہ سے لوٹ لوٹ کے وہی آتا ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر نہیں ہے بلکہ یہ ان کے حق میں برا ہے جو اس طرح کرتے ہیں۔

"**سیطوقون مابخلوا به یوم القیامة**" ان لفظوں کی تشریح حدیث شریف میں موجود ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن مالدار لوگ جو اپنے مال میں سے اللہ کے نام پر خرچ نہیں کرتے تھے، حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے تھے ان

کا وہ مال، ان کا خزانہ ایک سانپ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے گا اور پھر وہ سانپ ان کے گلے کا ہار بنا دیا جائے گا، اور سانپ ان کے منہ پر کاٹے گا اور ساتھ یہ بھی کہے گا ''انا کنزك انا مالك'' تو گویا کہ طوق بنا کے گلے میں ڈالنے کا مطلب حدیث شریف میں یہ ذکر کیا گیا کہ اس خزانہ کو اس مال کو سانپ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے گا، اور وہ سانپ ان کے گلے کا ہار بنا دیا جائے گا اور پھر وہ ان کو کاٹے گا بھی اور یاد بھی دلائے گا کہ میں وہی مال ہوں جس کو تو سنبھال سنبھال کے رکھتا تھا۔

''ولله میراث السمٰوٰت والارض'' اس میں وہ بات بھی کہہ دی گئی کہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے آخر جانا تو اس نے لوٹ کر اللہ کے پاس ہی ہے تم مر جاؤ گے پیچھے چھوڑ جاؤ گے، جس طرح دنیا کے اندر ایک آدمی مرتا ہے پیچھے مال چھوڑ جاتا ہے تو اس کو ورثہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تو یہاں بھی جب ساری مخلوق مر جائے گی، سارے زمین و آسمان اللہ ہی کے لئے باقی رہ جائیں گے، یہ ایسے ہی ہے جیسے ظاہری طور پر ایک وارث ہوتا ہے پیچھے بچا ہوا سب اللہ کے قبضہ میں ہوگا مطلب یہ ہوا کہ لوٹ کے یہ چیز جانی تو اللہ کے پاس ہے اس لئے بہتر ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر لو، جیسے موت کا مسئلہ ہے کہ موت آنی تو یقیناً ہے اندر گھس جاؤ گے تو مر جاؤ گے ''ولو کنتم فی بروج مشیدۃ'' چونا گچ قلعوں کے اندر بند ہو جاؤ مرنا تو تب بھی ہے لیکن اس طرح چھپ چھپ کے مرو گے تو اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بھی بنو گے اور اگر اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے مرو گے موت تو پھر بھی آنی ہے لیکن وہ باعث رحمت اور مغفرت ہوگی۔

''لقد سمع الله قول الذین کفروا'' اس میں اس بات پر انکار ہے جو انہوں نے استہزاء کیا تھا کہ تحقیق سن لی بات اللہ تعالیٰ نے ان کی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہے ہم مالدار ہیں ضرور لکھیں گے ہم اس کی ان کہی ہوئی بات کو اور انبیاء علیہم السلام کے قتل کرنے کو جو انبیاء علیہم السلام کو یہ ناحق قتل کرتے تھے اور ہم کہیں گے کہ جلنے والی آگ کا عذاب چکھو، اور پھر ساتھ یہ بھی کہا جائے گا کہ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے انسان کے تمام اعمال کی نسبت ہاتھوں کی طرف ہی ہوتی ہے چاہے وہ زبان سے ہوں یا کسی اور عضو سے مطلب یہ کہ تیرے اپنے کئے ہوئے اعمال کا یہ بدلہ ہے، اور یہ تو واقعہ ہے کہ اللہ بندوں پر زیادتی نہیں کرتا جو کچھ بھی ہے یہ تمہارا اپنا کیا ہوا سامنے آ رہا ہے، جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے، اگر تم نے اپنے کھیتوں کے اندر کانٹے ہی بکھیرے ہیں تو کل اگر کانٹے دار جھاڑیاں اگیں گی تو تمہارے پاؤں کو زخمی کریں گی تمہارے دامن میں الجھیں گی تو اپنا بویا ہوا ہی دیکھا ہے اور اگر اچھی چیز بوؤ گے تو اچھا انجام سامنے آئے گا یہ تو تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔

''الذین قالوا ان الله عهد الینا'' یہ دوسری بات ان کے سامنے ذکر کی جا رہی ہے کہ یہود کو جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے کہا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے ہم اس نبی پر ایمان نہیں لاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ عہد کیا ہوا ہے

کہ ہم ایسے شخص پر ایمان لائیں گے جو ہمارے سامنے یہ معجزہ ظاہر کرے کہ اللہ کے نام پر کوئی قربانی پیش کرے اور آسمان سے آگ آئے جو اس قربانی کو جلا جائے جب تک یہ معجزہ نہیں دکھایا جائے گا اس وقت تک ہم نہیں مانیں گے اور یہ ان کا افتراء تھا بہتان تھا یہ ٹھیک ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ دیا کہ انہوں نے قربانی کے طور پر کوئی چیز پیش کی اور آسمان سے آگ آئی اور اس کو کھا گئی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس وقت تک کوئی نبی اس معجزہ کو نہ دکھائے تو وہ نبی نہیں نہ ان کی کتاب کے اندر یہ مذکور ہے گویا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کے لئے وہ اس قسم کے بہانے تراشتے تھے۔

چونکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عہد و پیمان نہیں تھا کہ جب تک کوئی نبی یہ معجزہ نہ دکھائے اس وقت تک اس کو نہیں ماننا یہ بات واقعہ کے خلاف تھی اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو الزام دیا ہے کہ یہ بات تم جو یہ کرتے ہیں یہ بھی ایمان نہ لانے کے لئے ایک بہانہ ہے ورنہ ان سے پوچھو کہ جو نبی آئے تھے اور اسی قسم کا معجزہ لائے تھے ان کے ساتھ انہوں نے کیا کیا، اگر یہ اتنے ہی عہد کے پکے ہیں تو جو نبی آئے تھے اور انہوں نے یہ معجزہ دکھایا تھا ان کے ساتھ انہوں نے کیا کیا، ان کو بھی قتل کر دیا ان کو بھی نہیں مانا تو یہ کیسے کہتے ہیں کہ ایسا معجزہ دکھائیں تو ہم مان لیں گے ایسا معجزہ دکھانے والوں کا بھی انہوں نے یہی حال کیا ہے تو اصل یہ ہے کہ ماننا ہے نہیں اور نہ ماننے کے لئے مختلف بہانے ہیں۔

”فان کذبوک “اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں یہ ان کی پرانی عادت ہے اور رسولوں کے ساتھ یونہی ہوتا آیا ہے جب ان کی پرانی عادت ہے اور رسولوں کے ساتھ پہلے بھی ایسے ہی ہوتا آیا ہے تو آپ کو تسلی رکھنی چاہیئے، آپ کے لئے کوئی غم کی بات نہیں ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ جس جماعت میں انسان شامل ہو اس جماعت کی خصوصیات اپنانی پڑتی ہیں جیسے ہمارے شیخ کہتے ہیں کہ یا تو ہاتھی والوں سے دوستی نہ لگاؤ اگر ہاتھی والوں سے دوستی لگانی ہے تو پھر دروازے بڑے بڑے رکھو، کیونکہ پھر جب ہاتھیوں والے آئیں تو ان کے اندر آنے کی گنجائش تو ہو یعنی جن کے ساتھ دوستی ہو تو پھر ان کے لوازمات کی رعایت رکھی جاتی ہے، آپ ہیں رسولوں کی جماعت کے فرد اور رسولوں کے ساتھ لوگوں نے ہمیشہ ایسے ہی کیا ہے جب ایسے ہی کیا ہے اور آپ اس جماعت میں شامل ہیں تو تٓ آپ کو بھی حوصلہ رکھنا چاہیئے، لوگ آپ کے ساتھ یونہی کریں گے برداشت کرو۔

جیسے آپ کی خدمت میں میں عرض کیا کرتا ہوں کہ آج کل بسا اوقات بچے گھبرا جاتے ہیں کہ لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں جب اس قسم کی بات ہمارے سامنے آتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ بھائی تعلق کس جماعت سے رکھتے ہیں، اللہ تو اپنے رسول کو کہتے ہیں ”ولقد استھزیء برسل من قبلك“ کہ اگر یہ تیرا استہزاء کرتے ہیں تو کیا ہو گیا پہلے رسولوں کا بھی ان لوگوں نے ایسے ہی استہزاء کیا ہے، جب رسولوں کے ساتھ یہ ہوا اور تم ورثۃ الانبیاء ہو اور رسولوں کے وارث بنے بیٹھے ہو

تو وراثت کے اندر جہاں فوائد حاصل ہوا کرتے ہیں وہاں ذمہ داریاں بھی آیا کرتی ہیں یہ نہیں کہ صرف فوائد فوائد حاصل کرلو اور ذمہ داریوں سے جان چھڑاؤ تو ان ذمہ داریوں کے ساتھ اس قسم کی باتیں بھی آئیں گی کہ جیسے رسولوں کو لوگوں نے پتھر بھی مارے استہزاء بھی کیا ان کی تکذیب بھی کی ،اس طرح تم بھی اپنے لئے یہ برداشت کرو،اگر یہ استہزاء اور تکلیف تم برداشت نہیں کرنا چاہتے تو اس جماعت میں رہنے کا کیا مطلب ، جب اس جماعت میں شامل ہوں گے تو اس قسم کے واقعات تو پیش آئیں گے اور آپ کو ٹھنڈے دل سے سننے پڑیں گے اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو کوئی تعجب نہیں آپ سے پہلے بھی تھے ،کتاب منیر کا مصداق خاص طور پر تورات ہے کیونکہ حضور ﷺ سے پہلے جو کتابیں اتریں ان میں سب سے واضح کتاب تورات ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد جتنے پیغمبر آئے ہیں وہ سب اسی کتاب کے حامل تھے۔

”کل نفس ذائقة الموت “ یہ بھی تسلی کی بات ہے کہ کوئی بات نہیں اگر یہ دندناتے ہیں اہل حق کی مخالفت کرتے ہیں طعنے دیتے ہیں باتیں کر کے دل جلاتے ہیں آخر ایک دن مرنا ہے جب مرنا ہے تو پھر آنا تو ہمارے پاس ہی ہے ،”کل نفس ذائقة الموت “ ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور قیامت کے دن تمہارے اجر پورے پورے دیدیئے جائیں گے پھر جو شخص جہنم سے دور ہٹادیا گا ی اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا ،اور دنیوی زندگی تو دھوکہ کا سامان ہے ، دھوکہ کے سامان کا مطلب اس طرح سمجھیں کہ جس طرح ایک خوبصورت لیبل لگا ہوا بہترین ڈبہ اور اس کے اندر کوئی ردی قسم کی چیز ڈالدی جائے تو ظاہری شکل دیکھ کر انسان مست ہو کے بہت سارے پیسے دے کر گھر لے آئے اور گھر آ کر دیکھا تو اوپر سے خوبصورت اور اندر سے چیز ردی نکلی تو دھوکہ کا سامان یہ ہوتا ہے اسی طرح یہاں دنیا کی زیب وزینت پر آرائش پر زیبائش پر انسان مرتا ہے اور اس کی طرف انسان رغبت کرتا ہے حالانکہ یہ بالکل فانی ہے اور چند دنوں کے بعد اس کا نتیجہ جو سامنے آتا ہے تو نتیجہ خطرناک ہے۔

اس کی مثال اگر آپ سمجھنا چاہیں تو اس طرح سمجھ لیجئے کہ جیسے سانپ تو آپ حضرات نے دیکھے ہی ہوں گے کہ بعض بعض سانپوں پر بڑا نقش ونگار ہوتا ہے ،اور دیکھنے میں بڑے خوبصورت محسوس ہوتے ہیں اور اگر انسان اس کو خوبصورت سمجھ کے اٹھا کے جیب میں ڈال لے کہ یہ تو بڑی اچھی چیز ہے لیکن جب وہ ڈنگ مارے گا اور اس کی زہر پھیلے گی تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اس مار منقش کے اندر جو زہر تھی یہ کتنی مہلک ہے ،اسی طرح دنیا کی لذات پرستی اور دنیا کی آرائش ظاہری طور پر انسان کو اچھی لگتی ہے اور جب انسان اس کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے شہوت پرستی میں پڑ جاتا ہے ،لذات اٹھانے لگ جاتا ہے تو تھوڑے سے وقت میں ہی اس کا نتیجہ نہایت ہی خطرناک شکل میں سامنے آتا ہے تو اس کو دھوکہ کا سامان نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔

جو شخص بھی اس کے دھوکہ میں آ گیا اور اس کو مطلوب بنا کے اس کے پیچھے پڑ گیا آخر وہ اپنی آخرت برباد کر بیٹھا اس

سے زیادہ دھوکہ کسی کے ساتھ اور کیا ہوگا، تو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ اس کا سبیل دیکھ کے اس کے ظاہری نقش ونگار دیکھ کے اس کے اوپر مرو نہیں یہ اندر سے بڑی خطرناک چیز ہے، اتنا ہی لو جتنا کہ تمہارے لئے ضروری ہے اور باقی فکر اپنی آخرت کی کرو، صحیح کامیابی یہ ہے کہ انسان جہنم سے بچ جائے اور جنت کے اندر داخل کر دیا جائے۔

"لتبلون فی اموالکم وانفسکم" اب اس قسم کی باتیں سن کے جس قسم کی باتیں منافق اور یہ یہودی کرتے تھے بڑا دکھ ہوتا تھا مسلمانوں کو بلکہ تفسیروں کے اندر ایک واقعہ بھی لکھا ہے غالباً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی یہودی نے ایسی بات کر دی "ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء" تو ان کو جو غصہ آیا تو اس کو تھپڑ مار دیا، حضور ﷺ کے پاس واقعہ پہنچا تو آپ نے کہا یہ کیا بات ہے اس سے بھی بڑی بڑی باتیں سنو گے صبر کرو بس اللہ کے احکام کی پابندی کرو، ایسے اقوال موذیہ ان کی طرف سے سنتے ہی رہو گے، کس کس بات پر ان کے ساتھ الجھو گے، جتنا الجھنے کی کوشش کرو اتنا یہ اور چڑھ آئیں گے تمہار اوقت ضائع کریں گے، ساری توجہ اس طرف ہو جائے گی اور باقی کام چھوٹ جائیں گے، جیسے دنیا میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر ایک آدمی دوسرے کی بات کے اوپر چڑنے لگ جائے تو دوسرا اس کو اور زیادہ چڑاتا ہے پھر بات بات پر اس کے اوپر الجھو گے تو اپنے بہت سارے کام چھوڑ بیٹھو گے، اور طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کوئی اس قسم کی بدتمیزی کی بات کرتا ہے تو ان سنی کر دو گویا کہ سنی ہی نہیں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دشمن خود ناکام ہو جائے گا، تمہارا وقت ضائع نہیں کر سکے گا، تمہیں پریشان نہیں کر سکے گا اور تمہارے اپنے کام بھی ہوتے رہیں گے، اس لئے صبر واستقلال کو اپناؤ تقویٰ کو اپناؤ کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو باقی مشرکوں کی طرف سے یہودیوں کی طرف سے ان منافقوں کی طرف سے تکلیف دہ باتیں تم سنتے ہی رہو گے اور بہت ساری سنو گے یہ کیا ہے اس لئے ہر ہر بات پر اشتعال میں نہیں آ جانا چاہیئے۔

"ولا تحسبن الذین یفرحون "اس میں بھی منافقوں اور یہودیوں پر مشترکہ انکار ہے جو آدمی چالباز ہوا کرتا ہے وہ بسا اوقات دوسرے کو دھوکہ دے کر خوش ہوتا ہے، اور بسا اوقات چالباز آدمی شرارت کرتا ہے اور اس شرارت کے ساتھ دوسرے کو پریشان کر دیتا ہے اور دوسرے کو پریشان دیکھ کر پھر خوش ہوتا ہے، یہ دنیا کے اندر ہوتا رہتا ہے، اس قسم کے کردار کے اوپر منافق بھی خوش ہوتے تھے جہاد کا موقع آتا گھروں میں چھپ کے بیٹھ جاتے جیسے سورۃ براءۃ میں اس کی تفصیل آئے گی، اور جب حضور ﷺ واپس تشریف لاتے تو قسمیں اٹھا اٹھا کر کہتے کہ یہ واقعہ پیش آ گیا تھا ورنہ ہم نے ضرور چلنا تھا حضور ﷺ معاف کر دیتے پھر وہ لوگ خوش ہوتے کہ دیکھو ہم جہاد میں بھی نہیں گئے اور انہیں خوش بھی کر لیا اس قسم کی باتوں کے اوپر وہ خوش ہوتے تھے، اور پھر جو کام انہوں نے نہیں کیے ہوئے تھے وہ چاہتے تھے کہ ان کاموں کی بناء پر ہماری تعریف کی جائے مثلاً جو یہودی یہ حق بیان تو نہیں کرتے تھے لیکن ان کا دل چاہتا تھا کہ ہمیں حق پرست کہا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ بڑے

حق گو ہیں بڑے متقی ہیں، بڑے پرہیزگار ہیں، بڑے اللہ والے ہیں۔

اور منافقین کے دل میں بی یہی جذبہ تھا کہ کرتے کچھ نہیں تھے لیکن ہمیں مجاہد ملت کہا جائے یہ تو بڑے خادم دین ہیں بڑے عاشق رسول ہیں، اس قسم کی تعریفیں سننے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن کے یہ جذبات ہیں کہ اعمال رحمۃ اللہ علیہ کرتے ہیں برا کردار اور پھر خوش ہوتے ہیں کہ دیکھو ہم نے کیا کرلیا اور اسی طرح کام کرتے نہیں اور حالات پیدا کر کے اپنی تعریف کروانا چاہتے ہیں یہ اپنے آپ کو کامیاب نہ سمجھیں یہ کوئی کامیابی نہیں ہے، ان کو آخرت میں جا کے جب ان سب چیزوں کا سامنا کرنا ہوگا اور دردناک عذاب ان کو پہنچے گا تب پتہ چلے گا کہ ان کے جذبات کیا تھے تو اس آیت کے اندر منافقین اور یہود دونوں کے اوپر مشترکہ انکار ہے کہ ہرگز نہ سمجھو تو ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں اپنے کیے پر اور پسند کرتے ہیں کہ وہ تعریف کئے جائیں ایسے کاموں کے ذریعہ سے جو انہوں نے کیے نہیں ان کو عذاب سے چھٹکارے میں نہ سمجھو ان کے لئے دردناک عذاب ہے اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان کی اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ
لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ
وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ
سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ
وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ
اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا
وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ ۚ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ
وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ
لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ
اُنْثٰی ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ

دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقٰتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ج
ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾
لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ ط مَتَاعٌ قَلِيْلٌ قف
ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا
رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَإِنَّ
مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ
وَمَآ أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لا لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
ثَمَنًا قَلِيْلًا ط أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ط إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

ترجمہ:

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں رات اور دن کے اختلاف میں البتہ نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے جو یاد کرتے ہیں اللہ کو اس حال میں کہ وہ کھڑے ہوتے ہیں اور اس حال میں کہ وہ بیٹھے ہوتے ہیں اور اس حال میں کہ وہ اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوتے ہیں اور غور وفکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے اس مخلوق کو بے کار پیدا نہیں کیا تو ہر قسم کے عیب سے پاک ہے پس بچا تو ہمیں جہنم کے عذاب سے اے ہمارے

پرودگار! بے شک تو جس کو داخل کردے جہنم میں پس تو نے اسے رسوا کردیا اور نہیں ہے ظالموں کے لئے کوئی مددگار، اے ہمارے پالنے والے! بے شک ہم نے سن لیا ایک شخص کو جو آواز دے رہا تھا ایمان کے لئے کہ اے لوگو! تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ، پس ہم ایمان لے آئے، اے ہمارے پالنے والے! ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری چھوٹی موٹی غلطیوں پر بھی پردہ ڈال دے اور تو ہمیں وفات دے نیکوکاروں کے ساتھ، اے ہمارے رب! دے تو ہمیں وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی زبان پر اور ہمیں رسوا نہ کرنا قیامت کے دن بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، پس قبول کرلیا ان کے لئے ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میری عادت یہ ہے کہ میں نہیں ضائع کرتا کسی کام کرنے والے کے کام کو مذکر یا مؤنث پھر وہ لوگ جنہوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑ اور وہ اپنے گھروں سے نکالدیے گئے، اور وہ تکلیف پہنچائے گئے میرے راستہ میں اور انہوں نے لڑائی لڑی اور قتل ہوئے البتہ ضرور ہٹا دوں گا میں ان سے ان کے گناہ اور البتہ ضروری داخل کروں گا، میں انہیں یا عادت میں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی اس حال میں کہ یہ بدلہ ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے تجھے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں یہ بہت تھوڑا سا سامان ہے پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے لیکن وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ہے ابرار کے لئے اہل کتاب میں سے بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی، اس حال میں کہ وہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں نہیں لیتے وہ اللہ کی آیات کے بدلے ثمن قلیل یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے اجر ہے ان کے رب کے پاس بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے اے ایمان والو! صبر کرو اور دشمنوں کے مقابلہ میں بھی ڈٹ جاؤ، اور نیک اعمال پر مداومت اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پا جاؤ۔

تشریح:

یہ سورۃ آل عمران کا آخری رکوع ہے جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورت بقرۃ کے آخر میں ایمان لانے والوں کی تعریف فرمائی اور ان کو کچھ دعاؤں کی تلقین کی کہ وہ یوں دعائیں کرتے ہیں پھر ان دعاؤں کو قبول کرنے کا ذکر فرمایا اسی طرح آل عمران کے آخر میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے توحید اختیار کرنے والوں کا ذکر کیا کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والوں کا ذکر کیا اور پھر ان کی زبان سے کچھ دعائیں ذکر کی ہیں کہ وہ یوں دعائیں کرتے ہیں اور پھر اپنی طرف سے ان کو قبول کرنے کا ذکر فرمایا اور پھر خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر کیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے مہاجرین کے عنوان سے ذکر کیے

جاتے تھے بہت انہوں نے اللہ کے راستہ میں تکلیفیں اٹھائیں تھیں پھر خصوصیت سے ان کا ذکر کیا کہ میں کسی کے عمل کو بھی ضائع نہیں کرتا لیکن میرے راستہ میں جو تکلیفیں اٹھانے والے ہیں اور اپنے گھر بار کو چھوڑ کر آنے والے ہیں میرے راستہ میں لڑتے ہیں مارتے ہیں مرتے ہیں ان کے عمل کو میں نے کیا ضائع کرنا ہے، ان کو ثواب دوں گا، اور پھر یہ ذکر کیا کافر لوگ اگر عارضی طور پر دندناتے پھرتے ہیں تو کسی دھوکہ میں نہ پڑ جانا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عارضی سی چیز ہے جو انہیں دی گئی ہے ان کا آخر ٹھکانہ جہنم ہے۔

حقیقی کامیابی اگر انسان کو نصیب ہوتی ہے تو تقویٰ کے ساتھ اور بر اختیار کرنے سے وہ اللہ کے مہمان ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان پر اس طرح انعام کرے گا جس طرح انسان مہمان کی خدمت کیا کرتا ہے، مہمان کو اپنی حیثیت کے مطابق کھلاتا، پلاتا، راحت اور آرام پہنچاتا ہے تو اس قسم کے لوگ جنت میں اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں پھر آپ نے دیکھا کہ ساری سورت میں ہی ابتداء سے اہل کتاب کے ساتھ خاص طور پر گفتگو رہی ہے، بلکہ سورت کے شروع میں جو مسئلہ توحید کو شروع کیا گیا تھا وہ اہل کتاب کی وجہ سے ہی شروع کیا گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ گفتگو کرنے کے لئے آئے تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تذکرہ ہوا تو توحید کا مضمون آیا تھا اب آخر میں جا کے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کی تعریف کردی جو اپنی کتابوں کو تسلیم کرنے کے ساتھ اس نئی کتاب کو بھی تسلیم کرتے ہیں، اللہ سے ڈرتے ہیں اور دوسرے دنیا دار یہود و نصاریٰ کی طرح حق کو چھپا کر دنیا کا فائدہ حاصل نہیں کرتے، اور آخری آیت کے اندر مسلمانوں کو چند ایک نصیحتیں کی گئی ہیں اور ان کے اوپر پابندی کے لئے کہا گیا ہے یہ مضمون اس رکوع کا ہے جو آپ کے سامنے پڑھا گیا۔

"ان فی خلق السمٰوٰت والارض" ان آیات کی حدیث شریف میں بھی خصوصیت کے ساتھ فضیلت آتی ہے بالکل اسی طرح جس طرح سورت بقرۃ کی آیات کی فضیلت ہے ان کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص سورت بقرۃ کی آخری تین آیتیں رات کو پڑھ لے تو وہاں لفظ ہیں یہ آیتیں اس کے لئے کافی ہوجاتی ہیں، یعنی کوئی شخص پھر اگر رات کو کوئی اور وظیفہ نہ بھی کر سکے تو اس کو غافل نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ ان آیات کے پڑھنے کی وجہ سے جو حق اس کے ذمہ آتا ہے قرآن کریم کا وہ ادا ہوجاتا ہے، اسی طرح ان آیات کے متعلق آتا ہے کہ ان آیات کو اگر کوئی شخص رات کو تلاوت کرتا ہے تو اس کو قیام لیل کا ثواب ملتا ہے، تہجد کی روایات میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت منقول ہے کہ آپ جس وقت اٹھا کرتے تھے تو اٹھتے ہی پہلے ان آیات کی تلاوت کیا کرتے تھے، ان آیات کی تلاوت کرنے کے بعد پھر وضو وغیرہ کر کے نماز پڑھتے تھے اٹھتے ہی پہلے ان آیات کی تلاوت کرتے تھے بہت ساری روایات میں اس کو ذکر کیا گیا ہے بعض میں "انک لاتخلف المیعاد" تک اور بعض میں رکوع کے آخر تک ہے اور اس پڑھنے پر قیام لیل کے ثواب کا وعدہ ہے۔

مضمون اس میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ آسان ہے کہ " لله ملك السمٰوٰت والارض والله علیٰ کل شیءٍ قدیر " کے اندر بھی توحید مذکور تھی ، آگے انتقال اسی مناسبت سے توحید کے مضمون کی طرف ہے ، زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں دن رات کے اختلاف میں یہ لفظ پہلے بھی گزر چکے ہیں ، لآیات علامات ہیں عقل والوں کے لئے کہ عقل کے ساتھ اگر سوچنا شروع کریں زمین کی پیدائش میں غور کریں آسمان کی پیدائش میں غور کریں کہ کس طرح یہ بنائے گئے کتنی عظیم الشان چیزیں ہیں ، کیسا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں نظم قائم کیا ہے ، بلندی کی جانب آسمان آ گیا پستی کی جانب زمین آ گئی تو دونوں طرف ذکر کرنے کے ساتھ گویا کہ احاطہ ہو گیا کہ جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے سب کا ذکر آ گیا ، تو زمین و آسمان میں غور کریں گے اس کے اندر ستارے ہیں سیارے ہیں سورج ہے چاند ہے اور فضاؤں کے اندر ہوا کا چلنا یہ کچھ بھی ہے ان سب چیزوں کے اندر جب غور کیا جائے گا تو غور کرتے ہوئے انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ نہ تو اس میں کسی انسان کی عقل کام کر رہی ہے اور نہ یہ ساری چیزیں خود بخود چل رہی ہیں ، کیونکہ خود بخود کوئی چیز اتنے نظم ونسق کے ساتھ اور اتنے فوائد پر مشتمل ہو کے اپنا وقت نہیں گزار سکتی ۔

اور انسان کی عقل بھی اس میں دخیل نہیں ہے کہ کوئی انسان ہی اس کو چلانے والا ہو کیونکہ ہمارے سامنے یہ تجربہ ہے کہ کہ اعلیٰ سے اعلیٰ اسباب مہیا ہو جانے کے بعد اور اپنی کامل عقل کو استعمال کرنے کے بعد انسان ایک چیز بناتا ہے اور یہ روز مرہ کے مشاہدے ہیں کہ وہ چیز بھی انسان کی منشاء کے مطابق چلتی نہیں ، ہوائی جہاز بنایا وہ بھی کبھی کبھی ایسے گرتا ہے کہ اس کے چلانے والوں اور اس میں بیٹھنے والوں کا نام ونشان تک نہیں ملتا ، موٹریں اور کاریں کتنی ہی احتیاط کے ساتھ ان کو بنائے اور کتنی ہی احتیاط کے ساتھ ان کو چلانے کی کوشش کرے لیکن آئے دن یہ ایک دوسرے سے ٹکراتی رہتی ہیں اور انسان حادثہ کا شکار ہوتا رہتا ہے ، ریل گاڑیاں ہیں سمندری جہاز ہیں بڑی سے بڑی چیزیں انسان کی ایجاد ہیں جس کے اندر پورے کے پورے وسائل استعمال کیے گئے ہیں اس میں پوری احتیاط رکھی جاتی ہے لیکن یہ سمندری جہاز بھی آئے دن سمندر میں غوطے کھاتے رہتے ہیں اور ریل گاڑیاں بھی آئے دن پٹڑی سے اترتی رہتی ہیں اور آپس میں ٹکراتی رہتی ہیں ۔

انسان کی بنائی ہوئی کوئی بھی چیز جو انسان کے اختیار کے ساتھ چلتی ہے وہ انسان کے لئے امن کا پیغام نہیں ہے آئے دن حادثات کی وجہ سے انسان کے لئے خطرات پیدا ہوتے رہتے ہیں ، تو جب یہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ انسان کتنی ہی کامل عقل استعمال کر کے کوئی چیز بنائے اس کا نظم ونسق انسان کی منشاء کے مطابق نہیں رہتا ، اور یہ زمین و آسمان اللہ نے بنائے کب سے بنائے اور کتنی طویل مدت سے چلے آ رہے ہیں اور ان کے اندر اللہ نے ایسا نظم ونسق قائم کیا ہے کہ ساری دنیا مل کر بھی اگر اس میں کوئی تغیر برپا کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی ، دن رات اپنے وقت پر آئیں گے سورج چاند اپنے وقت پر چڑھیں گے

اور جوان کی متعین مسافت ہے اسی پر جائیں گے، موسم اللہ تعالیٰ نے جس طرح بنادیے اسی طرح آتے جاتے ہیں اور بغیر انسان کے اختیار کے آتے جاتے ہیں تو ضرور کوئی غیبی قدرت ہے جوان کو کنٹرول کیے ہوئے ہے، اس طرح استدلال کر کے ان کے خالق و مالک پر اپنے عقیدے کو لے جاتے ہیں، اور اللہ کے وجود کے قائل ہوتے ہیں اور اس کی قدرت اور حکمت کے قائل ہوتے ہیں۔

اس غور وفکر کے ذریعہ سے آیات سے یہاں ایسی آیات مراد ہیں جو اللہ کے وجود اور وحدانیت پر دلالت کرنے والی ہیں، تو عقل والوں کا کام یہی ہے کہ ان کے اندر غور وفکر کر کے ان کے پیدا کرنے والے کو سمجھیں اور اگر عقل سے کام نہیں لیا اور یہ نہیں سوچا کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا کون ہے تو یہ کوئی عقلمندی نہیں ہے، یہ تو ایک سفلی رجحان ہے جس کا انسان مظاہرہ کرتا ہے کہ وقتی طور پر بس ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور سوچتا نہیں کہ پیدا کرنے والے نے ان کو کیوں پیدا کیا؟ اس کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے؟ اس پر اگر غور نہ کیا جائے تو یہ کوئی عقلمندی نہیں ہے، عقلمندی یہی ہے کہ ان کے اندر غور کر کے ان سے آیات اور نشانیاں اخذ کر کے اللہ کے وجود اور اللہ کی وحدانیت تک انسان پہنچے، اور پھر اس کو اپنا خالق اور مالک مانتا ہوا اس کو اپنا محسن اور منعم مانتا ہوا ہر وقت اٹھتے بیٹھتے اس کو یاد کرے۔

اس لئے عقلمندوں کا معیار یہ ذکر کیا گیا کہ "الذین یذ کرون الله قیاما وقعودا وعلی جنوبھم" کہ ہر وقت وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں اور ہر وقت کی تعمیم کے لئے تین لفظ بول دیے، کھڑے ہوں تو ان کو اللہ یاد ہے بیٹھے ہوں تو ان کو اللہ یاد ہے لیٹے ہوں تو ان کو اللہ یاد ہے، زبان پر بھی اللہ کا نام مختلف الفاظ میں "سبحان الله ،الحمدلله،لاالٰہ الاالله الله اکبر" زبان پر بھی یہ جاری کیا جائے، اور حدیث شریف میں مختلف اوقات میں جو مختلف دعائیں پڑھنے کا تذکرہ آیا ہوا ہے اگر کوئی شخص اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے، آتے جاتے ان دعاؤں کو پڑھتا رہے تو وہ بھی اس کا مصداق بن جاتا ہے کہ اس کو ہر وقت اللہ یاد ہے، اشارہ اس سے اس بات کی طرف ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیئے، قرآن کریم میں جیسا کہ صراحتاً یہ حکم آیا ہوا ہے "یاایھاالذین آمنوا اذکروالله ذکرا کثیرا" اس قسم کے الفاظ آتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو بہت کثرت کے ساتھ یاد کرو، صبح وشام اللہ کی تسبیح اور تحمید بیان کرو۔

اللہ کو یاد کرتے ہیں "ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض" اور زمین وآسمان کے پیدا کرنے میں غور کرتے ہیں تفکر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد مخلوق میں سوچ وبیچار کر کے معرفت میں ترقی حاصل کرتے ہیں، سوچ وبیچار کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز آپ کے سامنے آگئی اس میں غور وفکر کیا اس سے عبرت حاصل کرنے کی کوشش کی، جیسے انسان دینا کی چیزوں کو دیکھتا ہے کہ ان کا وجود بھی آپ کے سامنے ہے پھر ان کا فنا ہونا بھی آپ کے سامنے ہے، ایک انسان

پیدا ہوتا ہے جوان ہوتا ہے بوڑھا ہوتا ہے ساری زندگی کوشش کر کے جائیداد بناتا ہے، محلات تعمیر کرتا ہے لیکن آپ کے سامنے وہ مرتا ہے اور اس کا جنازہ اٹھ جاتا ہے،

آپ اس میں غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ واقعی ہی دنیا کی ان چیزوں کے ساتھ انسان کا تعلق بہت عارضی ہے، اور جس نے اپنی زندگی کا حاصل انہی چیزوں کو بنایا ہے تو وہی بالآخر تہی دست اس دنیا سے جاتا ہے، جب یہ ایک دن چھوٹنے والی ہیں تو پھر انسان ان کی محبت کے اندر گرفتار کیوں ہو؟ تفکر کا طریقہ یہ ہوا کرتا ہے، مثلاً آج کل آپ کے سامنے شاہ ایران ایک داستان بنا ہوا ہے یعنی دنیا کے اندر اونچے سے اونچا مرتبہ اگر کسی کو مل سکتا ہے تو وہ بادشاہت ہی ہے اس سے اوپر تو کوئی درجہ نہیں ہے، اور اس بادشاہت کے نتیجہ میں اس کے ساتھ کیا ہوا دنیا کے اندر اب اس بے چارے کو ایک چپہ جگہ نہیں ملتی، جہاں امن چین کے ساتھ اپنا وقت گزار لے، دولت اس کے پاس اتنی ہے کہ جس کا حساب کوئی نہیں لیکن امن چین سے وہ محروم ہے، اور اس کی پریشانی کے قصے آئے دن آپ سنتے رہتے ہیں تو اس میں غور کر کے انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ واقعی یہ مال و دولت یہ بادشاہت اور یہ اقتدار انسان کو کامیاب زندگی کی طرف نہیں لے جاتا یہ تو خطرات سے بھری ہوئی چیزیں ہیں، اور انسان کے لئے مصیبت بنتی ہیں۔

اس کی بجائے اگر اللہ تعالیٰ ضرورت کے مطابق دے اور امن وعافیت عنایت فرمائے اور سکون واطمینان کی زندگی دیدے یہ سب سے بڑی نعمت ہے ایک غریب اگر اپنی کٹیا میں روکھا سوکھا کھا کے امن کے ساتھ سو جاتا ہے اور اس کو کوئی فکر نہیں اور صبح جب وہ اٹھتا ہے تو فارغ البال ہوتا ہے اور اس کا دل کسی قسم کی بے چینی میں مبتلا نہیں ہوتا وہ اس کروڑ پتی سے بہتر ہے جس کو اپنے محلات کے اندر رات کو چین کے ساتھ نیند نہیں آتی اور صبح اٹھتا ہے تو کروڑ ہا فکر اس کے پیچھے لگے ہوئے ہوتے ہیں نہ کھانے میں مزہ ہے نہ سونے میں مزہ ہے نہ کسی دوسری چیز میں، یہی چیزیں ہیں جو انسان تفکر کے بعد اخذ کرتا ہے کہ اصل چیز اللہ کی رضا آخرت کی کامیابی اور دنیا کے اندر رہتے ہوئے امن اور سکون کی زندگی، یہ چیزیں اگر حاصل ہو جائیں تو اس کے بعد پھر کسی تیسری چیز کی ضرورت نہیں ہے، تفکر اسی طرح ہوتا ہے غور کر کے انسان نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتا ہے، پھر وہ جذبات اپنے دل میں لاتا ہے دنیا کی چیزوں میں غور کر کے ان کا فناء ہونا سمجھو اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں تو اللہ کی آیات میں اللہ کی مخلوقات میں غور کرنے کے بعد اپنے دل میں نور ایمان کو داخل کرو اس سے یہی مقصود ہے۔

غور کرتے ہیں وہ زمین وآسمان کے پیدا کرنے میں اور غور کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ان چیزوں کو بے کار پیدا نہیں کیا، ہر کام میں تیری حکمت ہے اور یہ اتنا بڑا کارخانہ تو نے جو قائم کر دیا اگر اس کا کوئی بھی نتیجہ نکلنے والا نہیں تو یہ عبث بے کار اور کھیل تماشا ہے، اور عبث اور بے کار کام کرنے سے تو پاک ہے، تیری ذات کی

طرف ہم ایسی نسبت نہیں کر سکتے کہ تو نے بغیر کسی مقصد کے اس کو بنا کے رکھدیا، جس طرح سے بچے آپس میں کھیلتے ہیں اور کھیلنے کے لئے گھر بنالیتے ہیں اور آخر میں اس کو ڈھا دیتے ہیں، مخلوق کا یہ درجہ نہیں جس کام میں کوئی حکمت نہ ہو وہ کام تیری طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا جو بھی کام ہے وہ پر حکمت ہے یہ جو دنیا تو نے بنائی ہے زمین و آسمان آباد کیے ہیں اس کا لازماً ایک نتیجہ نکلنے والا ہے اس طرح مخلوق میں غور کرتے ہوئے پھر آخرت تک وہ اپنے ذہن کو لے جاتے ہیں کہ نتیجہ یہی سامنے آئے گا کہ اللہ تعالیٰ حق و باطل میں امتیاز کریں گے، جنہوں نے اس دنیا میں رہتے ہوئے حق کو پہچانا ہے ان کا انجام اچھا ہوگا اور جنہوں نے حق کو نہیں پہچانا ان کا انجام خراب ہوگا یہاں سے ان کا ذہن آخرت کی طرف منتقل ہو گیا۔

بالکل اسی طرح جیسے ایک کاشتکار کھیتی بوتا ہے بونے کے بعد اس کی پرورش کرتا ہے وہ آباد ہوتی ہے بڑھتی ہے اور ایک وقت آتا ہے جب وہ انتہاء پر پہنچتی ہے تو اس کو کاٹ لیا جاتا ہے کاٹ کر پھر اس میں سے غلہ کو علیحدہ کیا جاتا ہے، بھوسہ کو علیحدہ کر لیا جاتا ہے، جس طرح کھیتی پکنے کے بعد اس کے اجزاء کو بکھیر کے اس میں سے مقصود اور غیر مقصود کو علیحدہ کر لیتے ہیں اسی طرح یوں سمجھیے کہ جس وقت یہ دنیا اپنے کمال کو پہنچ جائے گی اللہ تعالیٰ اس کو بھی توڑے پھوڑے گا اور نتیجہ کے طور پر اس میں سے بھی اہل حق اور اہل باطل میں امتیاز کیا جائے گا، ان چیزوں میں غور کر کے ذہن آخرت تک چلا جاتا ہے، پھر آخرت کے عذاب سے بچنے کی وہ فکر کرتے ہیں اور اللہ کے سامنے پھر اس طرح دعائیں کرتے ہیں یوں ربط ہو جائے گا ما بعد سے کہ غور کرتے کرتے آخرت تک وہ اپنے ذہن کو لے جاتے ہیں اور پھر آخرت کی کامیابی کے لئے اور آخرت کے عذاب سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے دعائیں کرتے ہیں "فقنا عذاب النار" اے اللہ! تو ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا، اے ہمارے پروردگار بے شک تو جس کو جہنم میں داخل کر دے گا تو نے اس کو رسوا کر دیا یعنی اصل رسوائی یہی ہے کہ کوئی جہنم میں داخل کر دیا جائے۔

اور ان ظالموں کے لئے جن کے لئے جہنم تجویز ہوگئی ان کی بدکرداری کی بناء پر ان کا کوئی مددگار نہیں، جس کو تو جہنم میں ڈالنا چاہے اس کو کوئی بچا نہیں سکتا، اور جس کو تو جہنم میں ہمیشہ کے لئے رکھنا چاہے اس کو وہاں سے چھڑا کوئی نہیں سکتا، ہاں البتہ ایسا ہوگا کہ اگر تو نے عارضی طور پر کسی کو جہنم میں بھیج دیا پھر تیرا ارادہ اس کو چھوڑنے کا ہے تو پھر اجازت کے ساتھ جو سفارش ہوگی وہ اصل کے اعتبار سے رحمت تیری ہی ہے ان آیات کے ساتھ سفارش اور شفاعت کی نفی نہیں کی جاسکتی جو کچھ ہوگا اللہ کی اجازت سے ہوگا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا، یہ تو ان کا عقلی استدلال کے طور پر ایمان لانا ہے اور آگے نقلی استدلال آگیا کہ اے ہمارے پروردگا! بے شک ہم نے ایک بلانے والے کو سنا آواز دینے والے کو سنا جو آواز دے رہا تھا ایمان کے لئے، اس سے مراد سرور کائنات ﷺ اللہ کے رسول ہیں ان کی آواز ہم سنتے ہیں بالواسطہ بلا واسطہ،

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے لوگ جو حضور ﷺ کے سامنے موجود تھے انہوں نے بلاواسطہ آپ کی دعوت کو سنا اور ہم بالواسطہ سن رہے ہیں وہی باتیں نقل ہو کے ہم تک آگئیں۔

تو گویا کہ توحید کے بعد رسالت کے ایمان کا ذکر بھی آگیا، آوازیں دے رہا تھا ایمان کے لئے کہ ایمان لے آؤ اپنے پروردگار پر ہم اس کی دعوت پر اعتماد کرتے ہوئے بھی ایمان لے آئے، اے ہمارے پروردگار! ہمارے اس ایمان کی برکت سے ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری کوتاہیوں کو دور کردے اور ہمیں نیکوں میں شامل کر کے وفات دے، نیکوں کے ساتھ وفات دینے کا یہ مطلب نہیں کہ نیکوں کی جماعت مرے تو ہم بھی ساتھ ہی مر جائیں، مطلب یہ ہے کہ وفات تک ہم ابرار میں شامل رہیں، جس وقت ہماری وفات ہو تو ہم ابرار میں شمار ہوں نیکی پر ہمیں موت آئے جب نیکی پر موت آئے گی تو ہم بھی برکا مصداق ہوں گے، تو ہماری شمولیت ابرار کے ساتھ ہوگی، اے ہمارے پروردگار د! دے ہمیں وہ چیز جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا اپنے رسولوں کی زبان پر کہ ایمان کی برکت سے یہ نعمتیں دوں گا، وہ چیزیں ہمیں عطا فرما، اور ہمیں قیامت کے دن رسوانہ کرنا کہ ہمیں تو عذاب دے بے شک تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

ہم جو تیرے سامنے التجا کر رہے ہیں کہ یہ اس لئے کر رہے ہیں کہ ہمارے اوپر کوئی ایسا حال طاری نہ ہو جائے کہ ہم تیرے اس وعدے کے اہل نہ رہیں ورنہ اللہ تعالیٰ تو وعدہ خلافی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے اس کے مطابق کرے گا، ہمارے درخواست کرنے کا مطلب کہ ہمارے ساتھ آخرت میں یوں ہو اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم آخر وقت تک تیرے اس ووعدہ کے اہل رہیں، ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھ اور ہمارا خاتمہ نیکوں کے ساتھ کرتا کہ تیرے وعدے سے فائدہ اٹھانے کے ہم اہل رہ جائیں ورنہ تو تو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، تو اس دعا میں دفع مضرت اور جلب منفعت دونوں باتیں آگئیں، عذاب سے بچنے کے لئے جو دعا کی گئی ہے یہ دفع مضرت ہے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کے جو دعا کی گئی ہے یہ جلب منفعت ہے تو یہ ایک جامع دعا ہے۔

"**فاستجاب لهم ربهم**" تو جو وقت وہ یوں اپنے دل کی بصیرت اور معرفت کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں بار بار ربنا ربنا کہنا یہ الحاء وزاری کے لئے ہے، دعا کرتے وقت بارہا اس قسم کے الفاظ کہے جائیں یا اللہ یارب اس طرح بار بار جو ندا کی جاتی ہے اس سے الحاء وزاری پیدا ہوتی ہے جو دعا کے اندر مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کو اچھی لگتی ہے تو جب وہ یوں دعائیں کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر لیتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری تو عادت ہے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو چاہے عورت ہو جو بھی نیک عمل کرے گا میں اس کے عمل کا اس کو بدلہ دوں گا نیک عمل کے اعتبار سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے نیکی دونوں کے لئے نیکی ہے اور دونوں اللہ کے ہاں ثواب پائیں گے

"بعضکم من بعض " بعض تم بعض سے ہو یعنی تم سارے ایک ہی چیز ہو ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہو اس لئے میرا برتاؤ دونوں کے ساتھ مرد ہو یا عورت ایک جیسا ہو گا جو بھی نیکی کا کام کر کے آئے گا میں اس کو اجر دوں گا چاہے وہ مرد ہے چاہے وہ عورت ہے۔

پھر خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا ان لوگوں کو جنہوں نے میرے راستہ میں اپنے گھر بار کو چھوڑا ہجرت کی اور چھوڑا بھی خوشی کے ساتھ نہیں، سیر وسیاحت کے لئے نہیں، بلکہ میرا نام لینے کی وجہ سے ان کو تکلیفیں پہنچائی گئیں، اور وہ گھروں سے نکال دیے گئے اور تکلیفیں پہنچائے گئے، اس میں دیکھو کتنی قدر افزائی ہے مہاجرین کی کی اللہ تعالیٰ جس وقت یہ اظہار کرے کہ میرے لئے ان کے ساتھ سب کچھ ہوا تو مطلب یہ ہے کہ ان کے خلوص میں کوئی شبہ نہیں ہے جنہوں نے یہ کام کیا ہے، اپنے گھر بار کو چھوڑا ہے مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائیں، اللہ کہتا ہے کہ انہوں نے سب کچھ میرے لئے کیا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ جتنے مہاجرین تھے، جتنے گھر بار کو چھوڑ کر آئے تھے ان کا خلوص اللہ تعالیٰ کے ہاں بالکل قبول ہے۔

تو اللہ اقرار کرتا ہے کہ ان دونوں نے جو کچھ کیا میرے لئے کیا ہے ان کے سامنے اپنی کوئی غرض نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ جمہور امت کا فیصلہ ہے کہ مکہ معظّمہ میں ایمان قبول کرنے والوں میں منافق کوئی نہیں تھا کہ جس ظاہری طور پر کسی غرض فاسد کے ساتھ ایمان قبول کیا ہو مہاجرین میں منافق کوئی نہیں تھا، کیونکہ منافق جو تھے وہ تو اپنا مطلب اور مقصد حاصل کرنے کے لئے کلمہ پڑھتے تھے، اور اندر اندر سے کافر تھے، اور مکہ معظّمہ میں ایمان لانا تو اپنے آپ کو مصیبتوں کی دعوت دینا تھا تو جو مطلب پرست لوگ ہوتے ہیں وہ ایسے وقت میں کہاں کلمہ پڑھتے ہیں اور کہاں ایمان لاتے ہیں۔

نفاق جتنا ہے مدینہ منورہ جانے کے بعد آیا ہے جب کہ اسلام کو اقتدار حاصل ہو گیا تھا اور پھر ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے وہ مسلمانوں والے مفاد حاصل کرنا چاہتے تھے، مکہ معظّمہ میں ایمان لانے سے تو انسان پٹتا تھا، لٹتا تھا گھر بار سے محروم ہوتا تھا، تو خود غرض لالچی حریص قسم کے لوگ ایسے وقت میں کلمہ نہیں پڑھا کرتے تو یہ جتنے گھر بار کو چھوڑ کے آنے والے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا میرے لئے کیا اس لئے ان کے ندر منافق کوئی نہیں تھا مکہ معظّمہ کے اندر جنہوں نے اسلام قبول کیا وہ سارے کے سارے مخلص تھے اور جو کچھ انہوں نے کیا سب اللہ کی رضا کے لئے کیا۔

قاتلوا لڑائی لڑی، قتلوا" قتل بھی کیے گئے، یعنی ان میں سے بعض دور ہٹا دوں گا میں ان سے ان کے گناہوں کو اور ضرور داخل کروں گا انہیں باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں یہ اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے، یہ تو پٹنے اور لٹنے والوں کی فضیلت آگئی اور اس کے مقابلہ میں ان کو پیٹنے والے اور ان کو گھر بار سے نکالنے والے جو سمجھتے تھے کہ ہم غالب ہیں اور ہم ان کے اوپر ہر طرح سے حاوی ہیں، اور وہ خوش ہو رہے تھے اس بات پر کہ ہم نے ان کو

نکالدیا اور تجارت کرتے ہوئے شہروں کے اندر پھرتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی حالت دیکھ کے دھوکہ میں نہ آجانا کہ شاید کامیاب ہیں یا یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول یا محبوب ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول تو وہ ہیں جو اس راستہ میں پٹتے ہیں، لٹتے ہیں، مرتے ہیں یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ان کا نتیجہ یہ نکلنے والا ہے اور یہ جو کھاتے پیتے زیب وزینت کے ساتھ دندناتے پھرتے ہیں ان کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ آجانا یہ بہت عارضی سی حالت ہے جو ان کے سامنے ہے یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی پھانسی کی کوٹھی میں ہو اور پھانسی کا فیصلہ ہوگیا ہو حکومت کی طرف سے اس کو مراعات دی جاتی ہیں کہ جس سے ملنا چاہتے ہو مل لو جو کھانا چاہتے ہو کھالو اور ان کی ہر خواہش پوری کرنی کی کوشش کی جاتی ہے کہ پتہ تو ہے کہ چند دنوں کے بعد اس کو لٹکا دینا ہے جو کھانا چاہتا ہے کھالینے دو۔

اور ایک آدمی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ اس کا بڑا اس کی تربیت کرنا چاہتا ہے تو تربیت کرتے ہوئے اس کو باکمال بنانے کے لئے بسا اوقات اس کو فاقہ بھی کراتا ہے اور بسا اوقات ظاہری طور پر سزا اور مار دھاڑ بھی ہوتی ہے جس طرح بچوں کے ساتھ کرتے ہیں، اساتذہ مارتے ہیں والدین تنبیہ کرتے ہیں بظاہر پٹتے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ اچھے انجام کے لئے ہے، اور جن کو ظاہری طور پر کھلایا پلایا جاتا ہے تو اس لئے کھلایا پلایا جاتا ہے تاکہ چند دنوں کے بعد جب اس کو لٹکائیں تو پچھلا معاملہ خود ہی بے باک ہوجائے گا، یہ حالتیں دنیا کے اندر بھی ایسی ہوتی رہتی ہیں، بظاہر ایک آدمی کے ساتھ سختی کی جاتی ہے اس کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے کہ سختی کا انجام اچھا ہونے والا ہے اور ایک آدمی کو کھلایا پلایا جاتا ہے تاکہ یہ زیادہ برباد ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کافروں کے حال کو دیکھ کے دھوکہ میں نہ پڑجانا یہ بہت تھوڑا سا فائدہ ہے جو یہ اٹھا رہے ہیں پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے ”لٰکن الذین اتقوا ربہم“ لیکن جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں اللہ کی طرف سے یہ مہمانی ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ابرار کے لئے بہتر ہے۔

”وان من اھل الکتاب“ اس میں اہل کتاب کی تعریف آگئی جو ایمان لانے والے ہیں قرآن کریم پر اور سرور کائنات ﷺ پر کہ اہل کتاب میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی اور اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو ان کی طرف اتاری گئی اللہ سے ڈرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے وہ ثمن قلیل کو حاصل نہیں کرتے یعنی دوسرے یہود ونصاریٰ کی طرح نہیں جو حق پوشی کرتے ہیں اور غلط مسئلے بیان کرکے دنیا کا مفاد حاصل کرتے ہیں وہ ایسے نہیں ہیں یہی لوگ ہیں کہ ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے یعنی قیامت جلدی آنے والی ہے یا جب حساب شروع ہوگا تو اللہ تعالیٰ سب کو جلدی فارغ

کردے گا۔

"یایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ" اس آیت کے اندر یہ نصیحت آگئی کہ اے ایمان والو! صبر کرو صبر کا مفہوم آپ کے سامنے بارہا ذکر کیا جا چکا ہے کہ یہ بہت جامع لفظ ہے، بہت جامع خلق ہے، اس میں اصل ہوتا ہے استقلال مزاج کہ انسان مستقل مزاج ہو، مصیبت آجائے تو اس کو برداشت کرنے کی کوشش کرے اس میں واویلا نہ کرے، چیخ و پکار نہ کرے، شکوہ شکایت نہ ہو یہ صبر علی المصیبت ہے، اور نیکی کے کام کے وقت اپنے نفس کو اس کے ادھر جمائے نیک کام کرنے کو جی نہیں چاہتا تو بھی اپنے آپ کو مجبور کر کے نیکی کے کاموں میں لگائے یہ صبر علی الطاعت ہے، معصیت کی طرف رجحان ہے تو اپنے آپ پر دباؤ ڈال کر اپنے آپ کو معصیت سے روکنے کی کوشش کرے یہ صبر علی المعصیت ہے تو یہ صبر کا مفہوم سب کو شامل ہے ،حاصل یہ ہے کہ نفس میں پختگی ہونی چاہیئے، اگر خلاف طبیعت کوئی واقعہ پیش آجائے جس کو مصیبت کہتے ہیں تو اس کو برداشت کرو اور نیکی کا کام آجائے تو اپنے آپ کو اس کا پابند کرو، معصیت کی طرف رجحان ہو تو اپنے آپ کو روکنے کی کوشش کرو یہ جو قوت انسان کے قلب میں پیدا ہوتی ہے استقلال والی اس کو صبر کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور اس کے بعد صابروا باب مفاعلہ آگیا یعنی پہلا صبر تو اپنی ذاتی حالات میں ہے اور صابروا دوسرے کے مقابلہ میں بھی یعنی اگر دشمن کے ساتھ مقابلہ ہو جائے تو وہاں بھی ثابت قدم رہے وہاں بھی ڈٹ جاؤ اور رابطوا نیک اعمال پر دوام اختیار کرو یہ بھی اس کا مفہوم ہے اور ہمیشہ انہی سرحدوں کی نگرانی رکھو کہ تمہاری غفلت سے دشمن فائدہ نہ اٹھائے، ان دونوں قسم کے اعمال کی فضیلتیں حدیث شریف کے اندر آتی ہیں مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص اچھی طرح سے وضو کرتا ہے باوجود اس بات کے کہ ناگواریاں ہیں وضو پوری طرح کرتا ہے باوجود ناگواریوں کے اور پھر کثرت کے ساتھ مسجد کی طرف آتا جاتا ہے اور پھر ایک نماز پڑھنے کے بعد دوسرے نماز کی انتظار میں رہتا ہے فرمایا "ذلکم الرباط" یہ بھی رباط کا مصداق ہے کیونکہ جو شخص اس قسم کے مستحبات کی پابندی کرتا ہے تو یوں سمجھئے کہ وہ اپنے سارے دین کو محفوظ کر لیتا ہے کوتاہی تب شروع ہوتی ہے پہلے انسان مستحبات میں غفلت برتتا ہے، جب مستحبات سے غفلت برتی تو آپ کے دین کی حدود سمٹ کر سنتوں پر آگئی، پھر اگر سنتوں کی آپ پابندی نہیں کریں گے سنتوں میں غفلت برتیں گے تو گویا کہ سنت والا معاملہ بھی آپ کے قبضہ سے نکل گیا تو اب یہ حدود واجبات پر پہنچ گئی، اب اگر واجبات کی پابندی بھی آپ نہیں کریں گے تو آپ کا معاملہ فرض تک پہنچ گیا، تو ایسا شخص آہستہ آہستہ فرض کو بھی ضائع کر بیٹھتا ہے پھر اس کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا۔

اور اگر کوئی شخص یہ تہیہ کر لے کہ میں نے کسی مستحب کے بھی خلاف نہیں کرنا تو جب وہ مستحب کی پابندی کرے گا تو سنت کی یقیناً کرے گا، واجب کی اس سے زیادہ کرے گا فرض کی اس سے زیادہ کرے گا، تو مستحبات کی پابندی کرنے والے

سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ فرض چھوٹ جائے جس نے نماز باجماعت کبھی ترک نہیں کرنی وہ نماز کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ تو رباط کو یہاں یہ معنی ہے کہ ان مستحبات کی نگرانی کرو جس وقت تک مستحبات کی نگرانی کرو گے تو تمہارا سارے کا سارا دین محفوظ رہ جائے گا اور اگر اس میں کوتاہی شروع کردو گے تو معاملہ آہستہ آہستہ سرے تک پہنچ جائے گا۔

اسی طرح گناہوں سے بچنے کے لئے مکروہات سے بچنے کی کوشش کرو جو شخص مکروہات سے بچنے کی کوشش کرے گا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ حرام کے اندر واقع ہو جائے، پہلے انسان مکروہات میں غفلت برتتا ہے پھر وہ قریب آجاتا ہے حرام کی سرحد کے پھر یہ غفلت اور لاپرواہی کی عادت آہستہ آہستہ اس کو حرام کے اندر مبتلا کردیتی ہے، تو معنوی طور پر اپنے دین کی سرحد کی حفاظت اسی صورت میں ہوتی ہے کہ انسان آخری کنارے کی نگرانی کرے، آخری کنارہ یہی ہے کہ مامورات میں مستحبات کی پابندی کرو اور منہیات میں مکروہات سے بھی بچنے کی کوشش کرو تو سارے کا سارا دین محفوظ رہ جائے گا۔

ورنہ اگر اس سرحد کی حفاظت چھوڑ دو گے تو آہستہ آہستہ اہم چیزیں بھی چھوٹتی چلی جائیں گی، اور آپ کے سارے دین کو نقصان پہنچ جائے گا اور ظاہری طور پر بھی اسی طرح ہے کہ ملک کا جو آخری کنارا ہوتا ہے چاہے وہاں ویرانہ ہے، پہاڑ ہے کوئی آبادی نہیں ہے نگرانی اس کی کرو گے تو تمہارا ملک محفوظ رہے گا، اور اگر سرحد سے غفلت برتو گے تو دشمن تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھا کر تمہارے اوپر حملہ کردے گا، ملک ہاتھ سے نکل جائے گا، رابطوا کے اندر یہی بات ہے کہ سرحدوں کی نگرانی کرو، نیک اعمال کے اوپر مداومت اختیار کرو اور اللہ سے ہر وقت ڈرتے رہو، تقویٰ تمام نیکیوں کے لئے قوت کا باعث بنتا ہے اللہ سے ڈرتے رہو "**لعلکم تفلحون**" تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

ایاتها ۱۷٦ | ۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲ | رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ
وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا
وَّ نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿۱﴾ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا
الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ
حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿۲﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا
مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ
اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا
تَعُوْلُوْا ؕ ﴿۳﴾ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ
عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ﴿۴﴾ وَلَا تُؤْتُوا
السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ
فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى
حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا
اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ؕ

وَ مَنۡ كَانَ غَنِيًّا فَلۡيَسۡتَعۡفِفۡ ۚ وَ مَنۡ كَانَ فَقِيۡرًا فَلۡيَاۡكُلۡ
بِالۡمَعۡرُوۡفِ ‌ؕ فَاِذَا دَفَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ اَمۡوَالَهُمۡ فَاَشۡهِدُوۡا
عَلَيۡهِمۡ‌ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيۡبًا ۝۶ لِلرِّجَالِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ
الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ
وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ مِمَّا قَلَّ مِنۡهُ اَوۡ كَثُرَ‌ ؕ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا ۝۷ وَاِذَا
حَضَرَ الۡقِسۡمَةَ اُولُوا الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنُ فَارۡزُقُوۡهُمۡ
مِّنۡهُ وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝۸ وَلۡيَخۡشَ الَّذِيۡنَ لَوۡ تَرَكُوۡا
مِنۡ خَلۡفِهِمۡ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوۡا عَلَيۡهِمۡ ۖ فَلۡيَتَّقُوا اللّٰهَ
وَلۡيَقُوۡلُوۡا قَوۡلًا سَدِيۡدًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَاۡكُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡيَتٰمٰى
ظُلۡمًا اِنَّمَا يَاۡكُلُوۡنَ فِىۡ بُطُوۡنِهِمۡ نَارًا‌ ؕ وَسَيَصۡلَوۡنَ سَعِيۡرًا ۝۱۰ ع

ترجمہ:

"یایھاالناس " اے لوگوخطاب صرف اہل ایمان کونہیں بلکہ تمام لوگوں کو ہے "اتقو اربکم "اپنے رب سے ڈرتے رہو، ڈرنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے ،ایسارب کہ جس نے تمہیں پیدا کیا،"من نفس واحدۃ" ایک نفس سے اس نفس واحدہ کا مصداق حضرت آدم علیہ السلام ہیں ،تو گویا کہ جتنے بھی انسان ہیں سارے کے سارے آدم کی نسل ہوئی ،"وخلق منھا زوجھا" اور پیدا کیااس نفس سے اس کی زوجہ کو،زوج جوڑا،اس کا مصداق حضرت حواء علیہا السلام ہوئیں ،منھا کا کیا مطلب ؟عام طور پر مشہور اس لفظ کی تشریح یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام کوتو براہ راست مٹی سے بنایا،مٹی سے ان کا پتلا تیار کرنے کے بعد اس میں نفخ روح کیا، جیسے کہ وضاحت قرآن کریم میں موجود ہے،اور حواء علیہا السلام کی جو بنیاد اٹھائی وہ آدم علیہ السلام پسلی سے کوئی مادہ لیکر اس سے حضرت ہوا کو پیدا کیا

حدیث شریف میں آتا ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی اس لئے عورت میں کچھ نہ کچھ کجی اور ٹیڑھا ہے، جس طرح سے پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے، اس کو ٹیڑھی رکھتے ہوئے ہی اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو، اور اگر اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ ٹوٹ جائے گی، یا تم اسے توڑ دو گے؛ اور توڑنا اس کا یہی ہے کہ اس کو گھر سے نکال دو گے اس کو طلاق دیدو گے، تو عورتوں کی فطرت میں کچھ نہ کچھ کجی مردوں کے مقابلہ میں ہے، اس لئے میل جول کے اندر اس کی طبعیت مرد کے ساتھ پوری طرح سے موافقت نہیں رکھتی، گاہے گاہے بلا وجہ ہی یہ آپس میں اختلاف کر لیتے اور یہ اڑی اور ضد کا مظاہرہ کرتی ہے، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ کہ اس کو اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور سمجھتے ہوئے درگزر کر جایا کرو، اور اگر چاہو گے کہ بالکل تمہارے مواجق ہو جائے بالکل سیدھی ہو کر رہے یہ اس کی فطرت کے خلاف ہے بالکل سیدھی ہو کر نہیں رہے گی، اس کو کج رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھاؤ، زیادہ سیدھی کرنے کی کوشش کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ٹوٹ جائے گی، یہ اس کی فطرت کو بیان کرتے ہوئے سرور کائنات ﷺ نے بیان فرمایا۔

اس روایت کے تحت بھی شراح حدیث، اور اس آیت کے تحت مفسرین نے صراحت کی ہے کہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے مادہ لیکر حضرت حواء علیہا السلام کی بنیاد اٹھائی گئی تھی، گویا کہ حضرت حواء علیہا السلام کے پیدا ہونے میں آدم علیہ السلام واسطہ ہوئے، لیکن پیدا ہونا اس طریقے سے نہ ہوا جس طرح جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے تحت آدم کو مٹی سے بنایا، حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کا ایک جزء لے کر اس سے بنایا، تو ''منہا زوجہا کا مفہوم یہ ہوگیا، لیکن ایک دوسری رائے بھی ہے کہ منہا کا یہ معنی نہیں کہ آدم علیہ السلام سے پیدا کیا، آدم علیہ السلام سے بنایا اس کی زوجہ کو، بلکہ منہا کا معنی ہے آدم علیہ السلام کی جنس سے کہ جیسے آدم علیہ السلام ویسے حواء علیہا السلام تو ''منھا من جنسھا'' مراد ہو جائے گا اس نفس کے جنس سے ہی اس کی زوجہ کو بنایا تو حواء علیہا السلام کی خلقت جو ہے وہ بھی آدم علیہ السلام کی طرح مستقل ہے، آدم کے جزء سے نہیں بنائی گئی، یہ قول نقل کرنے کے بعد صاحب روح المعانی نے تو کی ہے تردید کہ یہ ٹھیک نہیں لیکن ہمارے وہ قصص القرآن والے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب انہوں نے اسی رائے کو ارجح قرار دیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں یہ من کا محاورہ دوسری جگہ بھی مذکور ہے یہاں تو آدم علیہ السلام کے متعلق آیا کہ آدم علیہ السلام کو اس کی زوجہ سے بنایا، اور دوسری جگہ ہے ''خلق لکم من انفسکم ازواجا'' سب انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کہتے ہیں ''خلق لکم من انفسکم ازواجا'' اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں سے تمہاری بیویاں بنائیں تو جیسے وہاں ''من انفسکم ازواجا'' کا معنی یہ ہے کہ تمہاری جنس سے جیسے تم ہو ویسے تمہیں تمہاری بیویاں بنا کر دیں، وہاں من کا یہ معنی نہیں، یہاں یہ معنی نہیں کہ وہ انفسکم کا جزء ہے، اسی طرح یہاں بھی منہا کا مطلب یہ ہے کہ جیسے آدم تھے اسی طرح آدم کی جنس سے ہی نفس واحدہ کی جنس سے ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی کو بنایا، قصص القرآن میں اسی رائے کو ترجیح دی گئی ہے۔

اور موجودہ جدید مفسرین میں سے مولانا امین احسن اصلاحی نے تدبر القرآن میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے، اور شراح حدیث میں سے موجودہ دور کے ہمارے قاضی شمس الدین صاحب گجرانوالہ والے انہوں نے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے ''الھام الباری'' بخاری شریف کی روایات کے متعلق کچھ انہوں نے تشریح کی ہے اس میں انہوں نے بھی اس روایت کو جو میں نے تمہارے سامنے پیش کی ہے کہ پسلی سے مادہ لیکر عورت کو پیدا کیا گیا، اس کے تحت انہوں نے اس رائے کو ترجیح دی ہے کہ یہاں تشبیہ دینا مقصود ہے کہ جنس سے، کہ عورت پسلی کی طرح کجی والی ہے ورنہ یہ بتلانا مقصود نہیں کہ پسلی سے ہی مادہ لیکر اس کو پیدا کیا گیا، اس کی طبعیت کے اندر جو پسلی کی طرح کجی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس رجاج کو بیان کرنے کے لئے سرور کائنات ﷺ نے یہ تعبیر اختیار فرمائی، گویا کہ انہوں نے بھی اس رائے کا اظہار کیا کہ آدم کی پسلی سے حواء علیہا السلام کو پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ جنس مرد کی کجی کو بیان کرنے کے لئے یہ ایک تشبیہ ہے، تشبیہ کے طور پر اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

اور اس کی تائید بھی قرآن کریم کے ایک محاورے سے ہوسکتی ہے ''خلق الانسان من عجل'' انسان عجل سے پیدا کیا گیا، جلد بازی سے پیدا کیا گیا، یعنی اس کی فطرت کے اندر جلد بازی ہے، تو جس طرح سے جلد بازی انسان کی فطرت میں ظاہر کرنے کے لئے یہ لفظ استعمال ہوئے ہیں، اسی طرح عورت کی فطرت کے اندر کجی ظاہر کرنے کے لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا ہے، بہر حال یہ دونوں رائیں ہیں، بیان القرآن میں تو اسی پہلی رائے پر زور دیا گیا ہے کہ پسلی سے پیدا کیا گیا حواء علیہا السلام کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے کوئی مادہ لیکر پیدا کیا گیا روح المعانی میں بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور دوسرے قول کو مردود ٹھہرایا ہے میں تو صرف ناقل ہوں کہ دونوں باتیں محاورات سے دونوں کی تائید ہوتی ہے۔

لیکن ہمارے قریبی اکابر جو ہیں اکابرین دیوبند وہ پہلی رائے کو ترجیح دیتے ہیں، کہ آدم علیہ السلام کی پسلی سے لیکر ہی حواء علیہا السلام کو پیدا کیا گیا ہے، اس طرح کی جو چیزیں ہوتی ہیں جو قرآن کریم کے اندر پوری وضاحت کے ساتھ ذکر نہیں کی گئی اور محاورات کے ساتھ اس کے دونوں مطلب بن سکتے ہیں تو اس میں کوئی ایسے اختلاف کی بات نہیں ہوا کرتی، اور نہ یہ چیزیں ایمان کا دارومدار ہوتی ہیں، بہر حال آدم علیہ السلام کو براہ راست مٹی سے بنایا گیا، حواء علیہا السلام کی پیدائش اس طرح سے نہیں ہوئی جس طرح سے موجودہ انسانوں کی ہوتی ہے، یا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی براہ راست مٹی سے بنایا، یا اس کی بنیاد جو ہے آدم کی پسلی سے کوئی چیز لے کر رکھی گئی دونوں راؤں کی گنجائش ہے اب یہ جوڑا تیار ہو گیا۔

جوڑا تیار ہونے کے بعد ''وبث منهما رجالا كثيرا ونساء'' پھر ان دونوں سے بہت سارے مردوں اور بہت ساری عورتوں کو پھیلایا، آگے نسل انسانی اس طرح سے چلی کہ اس جوڑے سے آگے مرد اور عورت پیدا ہوتے گئے اور یوں خاندان آباد ہو گئے تو بنیاد یہی ہے انسان کی تمام ادیان سماویہ کے ساتھ یعنی اس نظریئے میں کسی دین سماوی نے اختلاف نہیں کیا

کہ نسل انسانی کی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی ہے اور آدم علیہ السلام کی بیوی حواء علیہا السلام اس سے آگے پھر نسل چلی، پیدائش کے طور پر تو گویا کہ سارے کے سارے انسان ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تو رشتہ داری سب سے ہوئی، کسی سے قریب کی اور کسی سے دور کی، تو اصلاح معاشرہ کی بنیاد اسی اصول پر رکھی گئی کہ انسان سارے کے سارے بھائی بھائی ہیں، اور آپس میں معاملات یوں طے کیا کرو جس طرح کہ بھائی بھائیوں سے کرتے ہیں۔

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حدیث شریف میں اسی چیز پر زور دیا "لایؤمن احدکم حتی الخ" اس وقت تک کوئی شخص کامل مؤمن نہیں ہوتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے یعنی معاملات کے اندر ہمیشہ دوسرے کے معاملے کو اپنے معاملے کی طرح سمجھو، جس طرح تم اپنے ساتھ برتاؤ پسند کرتے ہو اسی طرح سے دوسرے بھائی کے ساتھ برتاؤ کیا کرو، تم چاہتے ہو کہ تمہاری عزت کی جائے تم چاہتے ہو کہ تمہاری عزت کو نقصان نہ پہنچایا جائے، مال کو نقصان نہ پہنچایا جائے، جان کو نقصان نہ پہنچایا جائے، اپنے ساتھ تم دوسرے کو ہمدرد دیکھنا چاہتے ہو، خیر خواہ دیکھنا چاہتے ہو اپنی طرف سے دوسروں کے ساتھ تم بھی انہی جذبات کا اظہار کرو، کمال ایمان کا تقاضہ یہی ہے، اور انسانی برادری کے ساتھ تعلق رکھنے کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سب معاملات کو اسی طرح سے سوچو۔

"واتقوا اللہ الذی تساء لون بہ والارحام" پھر دوبارہ تقویٰ کا حکم آ گیا کہ تعلق اگرچہ واضح کر دیا گیا کہ تم سب ایک خاندان کے ہو لیکن اس قسم کے قواعد وضوابط کی رعایت رکھنا اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت رکھیں گے تبھی جا کے یہ معاشرہ صحیح ہو سکتا ہے، ڈرو اللہ تعالیٰ سے جس کے واسطے سے تم آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، یعنی جب تمہارا معاملہ کسی دوسرے سے اٹک جاتا ہے یا آپ کا حق کسی دوسرے کے ذمے لگ جاتا ہے تو آپ اسے کہتے ہیں کہ اللہ سے ڈر اور میرا حق ادا کر تو جب دوسرے کو اللہ کا ڈر سناتے ہو تو خود بھی تو اللہ سے ڈرو، اور خود اللہ سے ڈر کر دوسرے کا حق ادا کرو، اگر یہ تقویٰ عام ہو جائے خوف خدا عام ہو جائے تو دوسرا آپ کے حق کی رعایت کرے گا، آپ اس کے حقوق ادا کرنے کی رعایت کریں گے، معاملہ سیدھا رہ جائے گا تو جیسے دوسرے سے اپنا حق مانگتے وقت اللہ یاد دلاتے ہو تم بھی دوسروں کے حق ادا کرتے وقت اللہ کو یاد رکھا کرو۔

"والارحام" ارحام یہ رحم سے آ گیا رحم اصل کے اعتبار سے تو بچہ دانی کو کہتے ہیں لیکن پھر ولادت کے طور پر جس کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے اس کو کہا جاتا ہے کہ میرا ذی رحم ہے، ذی رحم، ذی الرحم یہ لفظ دونوں طرح بولا جاتا ہے، رشتہ داری کے معنی میں ہو گا یا قرابت کے معنی میں، اور قرابت سے ڈرو یعنی قطع رحمی سے بچو، رشتہ داریوں کے تعلق کاٹا نہ کرو صلہ رحمی کو اختیار کرو، یہ دوسری بنیاد ہے اصلاح معاشرہ کے لئے صلہ رحمی کرو اور قطع رحمی سے بچو عمومی تعلق تمام انسانوں سے ہوا، اس کے

بعد پھر خصوصی تعلق اپنے قریبی رشتہ داروں سے کہ جتنا جتنا کوئی قریبی رشتہ دار ہوتا چلا جائے گا اتنے اس کے حقوق بڑھتے چلے جاتے ہیں، مثلاً والدین یہ بلا واسطہ آپ کے رشتہ دار ہوئے اور اسی طرح سے یہ اپنے بہن بھائی یہ والدین کی وساطت سے آگے اور دادا جو ہے وہ باپ کی وساطت سے آگے، چچے جو ہیں وہ دادا کی وساطت سے آگئے چچوں کی اولاد ہو گی ادھر ماں کی وساطت سے نانا نانی ہو گئے، اور پھر نانا نانی کی وساطت سے ماموں اور خالہ ہو گئی، اسی طرح سے پھر یہ دونوں طرف سے رشتہ پھیلتا چلا جاتا ہے، درجہ بدرجہ ان کی رعایت رکھی جاتی ہے۔

اس کی تاکید بھی حدیث شریف میں بہت زیادہ آئی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ قطع رحم جنت میں نہیں جائے گا، جو رشتے داروں کے اندر رشتہ داری کی رعایت نہیں رکھتا، وہ جنت میں نہیں جائے گا، اور جس قوم کے اندر کوئی قاطع رحم موجود ہو وہ ساری کی ساری قوم ہی اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتی ہے، اور صلہ رحمی کی تاکید کی ہے کہ جو صلہ رحمی کرے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اور رشتے داروں کو اپنے ملا کر رکھے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ساتھ ملائے گا، جو رشتہ داروں کو اپنے سے کاٹتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے سے کاٹ دے گا، بہرحال یہ صلہ رحمی کی تاکید بہت زیادہ ہے، قطع رحمی جو ہے اس کو حرام قرار دیا ہے، رزق کے اندر برکت مال کے اندر اضافہ عمر کے اندر اضافہ حضور ﷺ نے یہ صلہ رحمی کے فوائد بتائے ہیں جتنا انسان قطع رحمی کی طرف جاتا ہے رشتہ داروں سے کٹتا ہے، رشتہ داروں سے دور ہوتا ہے رزق میں بھی بے برکتی ہے اور عمر میں بھی بے برکتی ہوتی ہے، مستقل ابواب کتب حدیث کے اندر اس مسئلہ پہ ہیں جس میں صلہ رحمی کی تاکید کی گئی ہے اور قطع رحمی اور صلہ رحمی کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرو ان کے دکھ میں کام آؤ، مالی تنگی میں مبتلا ہیں ان کی معاونت کرو ان کے پاس آؤ جاؤ، حالات کی خبر رکھو، خوشی پہ خوشی کا اظہار کرو غمی کے اندر غمی کا اظہار کرو۔

دنیا کے اندر جس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ہوتا ہے تو عام انسان برادری کے مقابلہ میں جن کے ساتھ جتنی جتنی رشتہ داری ہوتی چلی جائے گی اتنا ان کے ساتھ معاونت رکھنا آپس میں ملنا جلنا گاہے گاہے ہدیے تحفے دینا، دعوت کرنا ان کے پاس جانا، اور اس طرح سے بوقت ضرورت ان کے کام آنا، یہ ساری کی ساری چیزیں صلہ رحمی میں داخل ہیں "ان اللہ کان علیکم رقیبا" بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے اور تمہارا کوئی عمل اللہ سے مخفی نہیں رہے گا اس لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت رکھتے ہوئے انسانی حقوق ایک دوسرے کے ادا کرو، خصوصیت کے ساتھ اپنی رشتہ داریوں کا خیال رکھو، معاشرے کی اصلاح کے لئے یہی بنیادی اصول ہیں۔

"وآتوا الیتمی اموالھم" اب آگے جزوی احکام ہیں، جاہلیت میں سرور کائنات ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے عورتیں اور یتیم یہ بہت مظلوم تھے لوگ ان کے حقوق کی رعایت نہیں رکھتے تھے کوئی بچہ نابالغ جس کا باپ مر جاتا دوسرا کوئی متولی

بنتا تو اس کا مال اڑا جاتے تھے اور جائیداد وغیرہ پر قبضہ کر لیتے تھے، اور ان کی رعایت نہیں رکھتے تھے، اسی طرح سے عورتیں ان کو نہ وراثت میں سے حصہ دیا جاتا تھا، اور نہ معاشرے کے اندر ان کا اور حق پہچانا جاتا تھا، یہ بھی بہت مظلوم تھی تو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ ان کے متعلق تاکید فرمائی "وآتوا الیتمی اموالھم " یتیموں کو ان کے مال دیتے رہا کرو، بطور خرچ کے دیتے رہا کرو، اور کلیۃً سپرد کرنے ہیں کب جس وقت کہ وہ سمجھ دار ہو جائیں اور آپ لوگوں کا خیال یہ ہوگا کہ اب یہ مال کو سنبھال لیں گے مال کو ضائع نہیں کریں گے، آگے "وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح الخ" جب وہ سمجھدار ہو جائیں اور تمہیں خیال ہو جائے کہ اب یہ اپنے مالوں کو سنبھال سکتے ہیں، تب ان کی طرف ان کے مال سپرد کیا کرو یہ ہوگا کہ بوقت ضرورت ان کو دیتے رہو، "وآتوا الیتمی اموالھم " دیدیا کرو یتیموں کو ان کے مال۔

"ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب " اب جس قسم کے لوگ گڑ بڑ کرتے تھے ان مالوں میں اس کا ذکر ہے یتیم کے متولی ہو جاتے اس کے مالوں کے اندر کوئی اچھی چیز ہوتی اپنے پاس، وہی چیز ہوتی لیکن گھٹیا درجے کی تو گھٹیا چیز ادھر رکھ دی جاتی اور اچھی لے لی جاتی، یہ بھی یتیموں کے مال سے ایک ناجائز فائدہ اٹھانے کی صورت تھی کہ اپنے گھر کی گھٹیا چیز اس کے مال میں ڈال دی، اس کی اچھی چیز جو تھی وہ اپنے ساتھ کر لی، اور کبھی ایسا ہوتا کہ یتیم کے مال کو اپنے مال میں خلط ملط کر لیتے، اور اس خلط ملط کا بہانہ کر کے یتیم کا مال کھا جاتے، یعنی ملاتے تو اس لئے کہ جب ہم اکٹھے رہتے ہیں تو اکٹھے کھائیں گے لیکن اپنا مال برائے نام ڈالا اور اس کا زیادہ ڈال لیا، اور اس بہانے کے ساتھ کھا گئے، اس لئے ممانعت کر دی گئی تھی پہلے پہلے کہ مال کو اپنے مال کے ساتھ خلط کیا ہی نہ کرو، سورۃ بقرۃ کے اندر اس کی تفصیل آئی تھی جس میں صحابہ کے لئے کچھ مشکلات پیش آئیں ، تو پھر پوچھا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کہ اصل مقصد تو اصلاح ہے، "قل اصلاح لھم خیر" ان کی مصلحت کی رعایت رکھی جائے اور اگر ان کو اپنے ساتھ خلط کر کے رکھنے میں مصلحت ہے تو خلط بھی کر سکتے ہو۔

"وان تخالطوھم فاخوانکم فی الدین " اگر تم ان کو اپنے ساتھ خلط ملط کر لو تو تمہارے بھائی ہیں لیکن مفسد اور مصلح کو اللہ جانتا ہے کہ کون مصلت کی رعایت رکھتا ہے ور کون مصلحت کی رعایت نہیں رکھتا، یہ تفصیل وہاں بھی آئی تھی اور یہاں بھی یہی کہا جا رہا ہے کہ اپنے مالوں کے اندر ان کے مال خلط ملط کر کے بھی نہ کھا جایا کرو، اور ان کے مالوں سے اچھی چیز لے کر ردی چیز ان کے لئے نہ رکھ دیا کرو، یہ کوتاہیاں تھیں جو اس دور میں ہوتی تھیں، اور آج بھی اللہ تعالیٰ کے دین سے غافل لوگ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہیں، خوف خدا ان پر نہیں ہے تو یتیموں کے مال میں آج بھی لوگ خلط ملط کرتے ہیں، نہ بدلا کرو ردی کو طیب کے ساتھ، یعنی اپنی ردی چیز ڈال دی اور ادھر سے اچھی چیز لے لی ایسا نہ کیا کرو۔

"ولا تأکلوا اموالکم الی اموالکم " اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر ان کے مال نہ کھا جایا کرو یعنی خلط ملط اس نیت

کے ساتھ نہ کیا کرو کہ اس بہانے کے ساتھ یتیموں کا مال کھا جائیں گے اور ایک مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ جو بیان القرآن میں ظاہر کیا گیا ہے، کہ جس وقت تک تمہارے اپنے مال موجود ہیں اس وقت تک یتیموں کا مال نہ کھایا کرو، ہاں البتہ تمہارے پاس اپنا مال نہیں اور تم یتیم کے متولی ہو تو پھر حق الخدمت لے سکتے ہو، جیسا کے آگے صراحتاً آئے گا، "فمن کان فقیرا فلیأکل بالمعروف" یہ آگے آئے گی اجازت، فقیر کا معنی محتاج تمہارے پاس اپنا مال موجود نہیں ہے تم ہو گئے محتاج اور یتیم کی خدمت تمہیں کرنی پڑتی ہے، اس کے مال کو سنبھالنا پڑتا ہے، تمہارا وقت اس کے اوپر خرچ ہوتا ہے تو ایسے موقع پر اگر حق الخدمت کے طور پر تم یتیم کے مال میں سے لے لو کھا لو تو تمہیں اجازت ہے بقدر ضرورت، تو "الیٰ اموالکم " یہ ہوگا کہ جب تک تمہارے اپنے مال موجود ہیں تو اس وقت تک اپنے مال ملا کر ان کے مال نہ کھاؤ، البتہ تمہارے پاس اپنا مال نہ رہے تم محتاج ہو جاؤ تو ایسے وقت میں پھر تم یتیم کا مال کھا سکتے ہو اور وہ کھانا پھر اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھانا ہوا ضرورت کے وقت حق الخدمت لی جا سکتی ہے۔

"وآتوا الیتمی اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب" یتیموں کو ان کا مال دیدیا کرو اور خبیث کو طیب کے ساتھ بدلا نہ کرو، "ولا تأکلوا اموالھم الی اموالکم "اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھا جایا کرو "انه کان حوبا کبیرا" ان کے طیب لے کر ردی رکھ دینا یا ان کے مالوں کو اپنے ساتھ ملا کر اس بہانے سے کھا جانا یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

"وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی "اب یہ دوسرا مسئلہ آ گیا، یہ بھی ایک خرابی تھی اس دور میں کہ بسا اوقات ایک یتیم بچی ہوتی وہ کسی کی کفالت میں ہے اور وہ کفیل ایسا ہے کہ جس کا اس بچی کے ساتھ نکاح ہو سکتا ہے مثال کے طور پر آپ کی تولیت میں آپ کے چچا کی بچی آ گئی، آپ کی تولیت میں آپ کی خالہ کی بچی آ گئی، پھوپھی کی لڑکی آ گئی، یتیم ہونے کی وجہ سے آپ کی کفالت میں آ گئی، اب اس کے پاس کچھ نہ کچھ مال بھی ہوتا خوبصورت بھی ہوتی تو متولی کو رغبت ہوتی ادھر اس سے نکاح کر لیتا اور پھر نکاح کرنے کے بعد اس کے حقوق ادا نہ کرتا، اس وجہ سے کہ کوئی دوسرا اس کے متعلق پوچھنے والا ہے ہی نہیں، آپ ہی اس کے متولی تھے آپ نے ہی اس سے نکاح کر لیا مرضی کے ساتھ تھوڑا بہت اس کو مہر دیدیا اور نہ چاہا تو نہ دیا، اور اس طرح سے اس کے مال کے اوپر قبضہ کر لیا جاتا یوں اس یتیم بچی کے حقوق تلف ہوتے اگر متولی خود اس کو اپنے نکاح میں لے لیتا چونکہ دوسرا کوئی شخص اس کے متعلق پوچھ گچھ کرنے والا ہوتا نہیں تھا، اور اگر اس لڑکی کی شادی دوسری جگہ کر دی جاتی اور آپ رہتے اس کے متولی تو آپ اس کے حقوق کا مطالبہ کر سکتے تھے کہ اگر اس کا خاوند اس کا مہر اداء نہ کرتا تو آپ مہر دلوا سکتے تھے، اگر وہ نفقہ پورا نہ دیتا تو آپ اس کو نفقہ دلوا سکتے تھے۔

اس لئے منع کیا گیا کہ اگر تم میں یہ اندیشہ ہو کہ یتیم بچیوں کے تم حقوق ادا نہیں کر سکتے تو ایسی صورت میں تم ان سے

نکاح کیا ہی نہ کرو، اپنے نفس کے لئے یہ بہانہ مہیا کیا ہی نہ کرو بلکہ ان کی شادی کسی دوسری جگہ کرو، اوران کے حقوق کی نگہداشت کرو، اور خود اور عورتوں سے شادی کرلو جو تمہیں پسند ہوں جو تمہارے لئے حلال ہیں، اللہ تعالیٰ نے قاعدہ بنادیا دو دو کرسکتے ہو، تین تین کرسکتے ہو، چار چار کرسکتے ہو، تو اور عورتیں بہت ہیں ان یتیم بچیوں سے پھر شادی نہ کیا کرو کیونکہ ان کے ساتھ شادی کرنے کے بعد ان کے حقوق جب ادا نہیں ہوں گے تو پھر وہ مظلوم بن جائیں گی اور تم ظالم بن جاؤ گے تو بہتر یہ ہے کہ ان کا نکاح کسی دوسری جگہ کر کے خود ان کے حقوق کی نگہداشت کرو۔

"وان خفتم الاتقسطوا فی الیتمی " اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ یتیم بچیوں کے بارے میں کہ تم انصاف نہیں کرسکو گے "فانکحوا" تو نکاح کرلیا کرو، "ماطاب لکم من النساء" جو تمہیں پسند ہیں، "طاب لکم" طاب حلال ہونے کے معنی میں بھی ہے اور پسند ہونے کے معنی میں بھی ہے، جو تمہیں پسند ہیں عورتوں سے دو دو تین تین چار چار کرلیا کرو تمہیں اجازت ہے، اور یہ اجماع امت ہے کہ چار سے زیادہ شادی کرنی کسی دوسرے کے لئے جائز نہیں ہے یعنی بیک وقت چار بیویاں رکھی جاسکتی ہیں، چار سے زائد نہیں رکھی جاسکتی، چوتھی اگر مرجائے یا طلاق دیدی جائے تو پھر اور بھی کی جاسکتی ہے یعنی نکاح تو چار سے زائد بھی ہوسکتے ہیں لیکن بیک وقت بیویاں چار ہی رہ سکتی ہیں، ایک کو طلاق دیدو یا مرجائے تو پھر اس کے بعد اور بھی کرسکتے ہیں، اس کے بات کے اوپر اجماع ہے، اور سرور کائنات ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے نکاح کے اندر بیک وقت چار سے زائد بیویاں رہیں اور حضور ﷺ نے ہر اس شخص کو جو مسلمان ہوا اور اس کے پاس زائد بیویاں تھیں تو اس کو پابند کیا کہ چار رکھیں اور باقی کو فارغ کریں۔

"فان خفتم الاتعدلوا" لیکن جو دو دو تین تین چار چار کرنے کی تمہیں اجازت دی جارہی ہے یہ بھی تب کرنا جب تمہیں اپنے پہ اعتماد ہے کہ تم سب کا حقوق اداء کرسکتے ہو اور اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم ان کے درمیان برابری نہیں کرسکو گے، حقوق کے اندر ان کے ساتھ عدل وانصاف کا معاملہ نہیں کرسکتے تو پھر ایک پر ہی اکتفاء کیا کرو، یا باندھی پر اکتفاء کرو کیونکہ باندھی کے ایسے حقوق ہوتے ہی نہیں، اور ایک ہوگی تو برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر تو ایک ہی ہے اس کا دوسری کے سات حقوق کا مطالبہ نہیں ہے، تو عدل بین النساء یہ بھی فرض ہے، اور متعدد بیویاں کرنے کی تب اجازت ہے جب تم کو اپنے اوپر اعتماد ہو کہ ہم عدل کریں گے اور اگر اپنے پر اعتماد نہیں تو اگر متعدد بیویاں کرو گے تو نکاح تو پھر بھی ہوجائے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ گار ہونگے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں کے درمیان برابری نہ کرتا ہو تو قیامت کے دن ایسے حال میں آئے گا کہ اس کے ایک پہلو کے اوپر فالج گرا ہوا ہوگا اس حالت میں آئے گا،

اور سرور کائنات ﷺ تمام بیویوں کے درمیان باوجود اس بات کے کہ آپ پر مساوات فرض نہیں تھیں، لیکن پھر بھی آپ سب کے حقوق برابر ادا کرتے تھے، اور حق کے اندر نفقہ تو ہے ہی، اور ایک دوسرا حق ہوتا ہے شب باشی کا کہ ایک رات اس کے پاس گزاری ہے تو ایک رات اس کے پاس بھی گزارے، باقی آپس میں مجامعت اس میں مساوات ضروری نہیں ہوتی، کیونکہ یہ نشاط طبع پر مبنی ہے کہ کسی دن طبعیت میں رغبت ہوتی ہے کسی دن نہیں ہوتی، اور قلبی محبت اور قلبی رجحان یہ انسان کے اختیار میں نہیں۔

جیسے حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے "اللھم ھذا قسمی فیما املك ولاتلمنی فیمالااملك" اے اللہ جو میرے اختیار میں تھا وہ تو میں نے تقسیم کر دیا اور جو میرے اختیار میں نہیں تیرے اختیار میں ہے اس معاملے پر میرے پر ملامت نہ کرنا، اس سے حضور ﷺ کا اشارہ ہوتا تھا میلان قلبی کی طرف کہ دل کا میلان کسی بیوی کی طرف زیادہ ہو تو اس میں جرم نہیں ہے ظاہری حقوق میں برابری ہو کہ ان کو وقت برابر دیا جائے، اور حیثیت کے مطابق نفقہ میں دونوں کی رعایت رکھی جائے تو اگر عدل نہیں کرو گے تو پھر آخرت میں گناہ گار ہوؤ گے اور اس بے انصافی کو دور کرنے کے لئے حکومت مداخلت بھی کر سکتی ہے، اگر کسی بیوی کے حقوق ادا نہ کیے جائیں تو حکومت آپ کو مجبور کرے گی اور اگر آپ ادا نہ کریں تو پھر حاکم تفریق کر سکتا ہے لیکن نکاح کرنے کی صورت میں نکاح ہو جائے گا، بیوی وہ بن جائے گی۔

"فواحدۃ" ای فالزموا واحدۃ" یا "فاختاروا واحدۃ" پھر تم ایک کو ہی لازم پکڑ لو یا ایک کو ہی اختیار کرو، یا ایک پر ہی اکتفاء کرو، "وماملکت ایمانکم" یا انہی باندھیوں پر اکتفاء کرو، "ذلك ادنیٰ ان لاتعولوا..........،

قرآن کریم میں دوسری جگہ آتا ہے "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء" تم سے ہو ہی نہیں سکتا کہ تم عورتوں کے درمیان برابری کرو، اس لئے وہ آج کل متجددین جو ہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد شادیاں کرنے کی اجازت تب دی ہے، جس وقت انسان عدل کر سکے اور یہ اندیشہ نہ ہو کہ میں عدل نہیں کر سکوں گا، اور دوسری جگہ اللہ نے صاف فیصلہ دیدیا کہ تم عدل کر ہی نہیں سکتے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پھر متعدد شادیاں ہونی ہی نہیں چاہیئں، اور شادی صرف ایک ہی ہونی چاہیئے، ان دونوں آیتوں کو جوڑ کر یہ نتیجہ نکال لیا ہے، اور یہ بات اجماع امت کے خلاف ہے، اور قرآن کریم کے فہم کے بھی خلاف ہے اگر ایسی بات ہوتی کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم عدل کر ہی نہیں سکتے ہو ایکسے زیادہ کرنے کی اجازت ہی نہیں پھر پہلے کہنا دو دو تین تین کر لیا کرو، اگر تمہیں خیال ہے کہ تم عدل کر سکتے ہو، اور پھر دوسری جگہ جا کر کہہ دیا کہ تم عدل کر ہی نہیں سکتے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو دو تین کرنی ہی نہیں چاہئیں تو یہ پیش دار معاملہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی بلکہ صاف کہہ دیا جاتا کہ کیونکہ تم عدل کر ہی نہیں سکتے لہذا ایک ہی شادی کی اجازت ہے دوسری کی نہیں۔

وہاں جو کہا گیا "لن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء" اس سے آگے لفظ آتے ہیں "فلاتمیلوا کل المیل" تم سے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ تم عورتوں کے درمیان میں ہر لحاظ سے برابری کرو، لیکن پھر تم پوری طرح سے ایک جانب ہی نہ ڈھلک جایا کرو کہ دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو، اب ان لفظوں کے اندر غور کرو تو بات خود نکل آئی کہ اس طرح سے برابری کرو ظاہراً و باطناً یہ تم سے ممکن نہیں ہے، جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میلان قلبی اختیار میں نہیں ہے، لیکن اس طرح سے مائل نہ ہو جاؤ پورے کے پورے کہ جیسے دل ایک کی طرف مائل ہے تو تم ظاہری طور پر بھی اس کی کی طرف مائل ہو جاؤ، اور دوسری کو لٹکی ہوئی چھوڑ دو نہ وہ سمجھی جائے خاوند والی اور نہ وہ سمجھی جائے بے خاوند، اگر دل کے اندر میلان ایک کی طرف ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ظاہری طور پر میلان ایک طرف ہو جانا ایک ہی طرف کو ڈھلک جانا یہ تمہارے لئے مناسب نہیں ہے، ظاہری برابری تم کر سکتے ہو کہ رات اس کے پاس گزری ہے تو رات اس کے پاس بھی گزارو، نفقہ اس کو بھی دیتے ہو اس کو بھی دیدو۔

یہ ظاہری حقوق یہاں مراد نہیں ہے کہ تم ان کے درمیان میں برابری نہیں کر سکتے ورنہ تو یہ بداہت کے خلاف ہے یعنی اگر ایک شخص کی دو بیویاں ہیں کہ رات وہ ایک مکان میں جا کے سو جائے اور دوسری رات وہ دوسرے مکان میں کیوں نہیں سو سکتا، کیا وہ عاجز آ گیا ہے دوسرے مکان میں سونا اس کے اختیار میں نہیں ہے، جب اس نے ایک رات ایک کمرہ میں گزاری ہے تو کیا وہ دوسری رات دوسرے کمرہ میں جا کر نہیں گزار سکتا، تو پھر ہم کیسے کہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم برابری نہیں کر سکتے، برابری تو ہوگی، اور اگر تم ایک کو پچاس روپے خرچہ دیتے ہو تو دوسری کو تم کیوں نہیں دے سکتے، اور اگر تمہارے پاس ہیں ہی پچاس روپے تو تم پچیس پچیس روپے کیوں تقسیم نہیں کر سکتے، تو یہ ساری کی ساری باتیں اختیار میں ہیں عدم استطاعت ان میں مراد نہیں ہے، اگر عدم استطاعت ان میں مراد ہو تو یہ بات بداہت کے خلاف ہے کہ تم برابری کر ہی نہیں سکتے کہ اگر ایک دن ایک چارپائی پر گئے ہو تو دوسرے دن دوسری چارپائی پر جا ہی نہیں سکتے، ایک کو اگر روٹی کپڑا دیتے ہو تو دوسری کو دے ہی نہیں سکتے، یہ تو بداہت کے خلاف ہے، یہ دونوں باتیں انسان کے اختیار میں ہیں کہ ایک رات ایک طرف گزاری ہے تو دوسری رات دوسری طرف گزار سکتا ہے جیسے ایک کو نان نفقہ دیتا ہے تو دوسری کو بھی دے سکتا ہے۔

یہاں برابری ان میں مراد نہیں جس کو عدم استطاعت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے یہ ہے دل کا میلان کہ اگر تم یہ چاہو کہ ظاہراً و باطناً پوری طرح سے عورتوں میں برابری رکھو یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے، لیکن تم ایسے طور پر ایک طرف نہ لڑھک جایا کرو کہ دوسری کو بالکل چھوڑ دو، تو اگر ظاہری طور پر بھی اسی کے ہو کر رہ جاؤ گے اور باطنی طور پر بھی اسی کے ہو کر رہ جاؤ گے، اب دوسری بیوی معلقہ ہوگی، اور اگر دل کے اندر تو برابری نہیں ہے میلان قلبی جو ہے وہ ایک طرف کم اور ایک طرف زیادہ لیکن ظاہری طور پر تمہیں ڈھلکنے کی اجازت نہیں، ظاہری طور پر برابری رکھا کرو، جو تمہارے اختیار میں ہے یہ اگلے لفظ جو ہیں وہ خود

اس مراد کو واضح کر دیتے ہیں باقی ظاہری حقوق کے اندر برابری ممکن نہیں یہ بات بداہت کے خلاف ہے، کیوں ممکن نہیں؟ آخر انسان کو طاقت ہے قدرت ہے وہ رات اس کے پاس بھی گزار سکتا ہے اور اس کے پاس بھی گزار سکتا ہے، نفقہ اسے بھی دے سکتا ہے اسے بھی دے سکتا ہے، لہٰذا وہ آیت ظاہری حقوق کے اندر برابری میں عدم استطاعت کو ذکر نہیں کر رہی۔

یہ آج کل کے لوگوں کا اس طرح سے استدلال جس کی بناء پر یہ دوسری شادی کو ممنوع قرار دیتے ہیں یہ غلط ہے، اصل مقصد شریعت کا ہے حقوق کی حفاظت، حقوق کی حفاظت کرنی چاہیئے اس میں اللہ سے خوف دلا کر بھی تم کو برانگیختہ کیا جا رہا ہے، اور اس میں حکومت دست درازی بھی کر سکتی ہے کہ اگر کوئی عورت جا کر عدالت میں دعوی کر دیتی ہے کہ میرا نکاح اس کے ساتھ ہے لیکن یہ میرے حقوق ادا نہیں کرتا، تو حاکم پھر مجبور کرے گا اور اگر پھر بھی وہ سیدھا نہیں ہوتا تو پھر حاکم تفریق کر دے گا، اور یہ حقوق کا تلف کرنا جیسے متعدد بیویوں میں ہو سکتا ہے تو ایک بیوی میں بھی ہو سکتا ہے، اس میں کونسی بات ہے، باقی تعدد ازواج یہ چونکہ ایسی حکمت ہے شریعت کی کہ اس کے ساتھ زنا اور بدکاری کو کنٹرول کیا جا سکتا ہے، لازمی بات ہے کہ جس وقت ایک بیوی ہوگی تو ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ کافی کافی مدت تک دیر تک وہ بیوی خاوند کے لئے کار آمد نہیں ہوتی، بیمار ہونے کی صورت میں وضع حمل کی صورت میں، ماہواریوں کی صورت میں، اور آدمی ہوتا ہے مغلوب الشہوت اگر اس کو اتنا ناغہ کرنا پڑ جائے تو اندیشہ ہے کہ کسی بدکاری میں مبتلا ہو جائے گا، تو اس کا تحفظ اسی میں ہے کہ اس کو دوسری شادی کرنے کی اجازت دیدی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ جہاں تعدد ازواج نہیں ہے اور دوسری شادی پر پابندی ہے کہ دوسری شادی نہیں کی جا سکتی تو وہاں یاری باشی کے طور پر وہ دائیاں کے حساب سے بھی برتتے ہیں اور وہاں کسی قسم کی پابندی نہیں، اور پھر وہاں یہ عیاشی فحاشی جو ہے یہ عام ہو جاتی ہے ایک بات یہ ہوئی، اور دوسری بات یہ ہے کہ قدرتاً عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں ہمیشہ زیادہ ہوتی ہے، پیدائش عورت کی زیادہ ہے مرد کے مقابلہ میں اب اگر دوسری شادی کی اجازت نہ ہو تو بہت ساری عورتیں ایسی ہیں جو بغیر شوہر کے رہ جائیں گی، اور اگر اس مسئلے کو حل کیا جائے تو تعدد ازواج کے ساتھ ہی حل کیا جا سکتا ہے کہ ایک خاوند کو کئی بیویاں کرنے کی اجازت ہے تو اس کے ساتھ دنیا کا نظم بھی ٹھیک رہ جائے گا، اور اسی طرح سے فحاشی بدمعاشی کے اوپر پابندی ہوگی وہاں زنا اور فحاشی جو ہے وہ زیادہ پائی جائے گی، اس میں یہ مجمع علیہ مسئلہ ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں دوسری شادی کرنے کی اجازت ہے البتہ حکومت اتنا کنٹرول کر سکتی ہے کہ اگر اس کے نوٹس میں آجائے کہ یہ حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کو مجبور کرے گی اور اگر اس کے باوجود بھی حقوق ادا نہیں کرتا تو حاکم تفریق کر سکتا ہے۔

”ذلك ادنیٰ ان لاتعولوا“ یہ ایک پہ اکتفاء کرنا یہ زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ تم ظلم نہیں کرو گے یعنی ترغیب اسی

کی ہے کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ حقوق ادا نہیں کر سکتے تو ایسی صورت میں پھر اکتفاء ایک پہ کیا کرو بلکہ اس بڑھ کر روایت سے معلوم ہوگا کہ ایک کے متعلق بھی انسان کی حقوق ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہے، بدنی صحت کے لحاظ سے یا دوسرے احوال کے اعتبار سے وہ سمجھتا ہے کہ میں نے شادی کر لی تو میں بیوی کے حقوق ادا نہیں کر سکتا، اس کو ایک بھی کرنے کی اجازت نہیں، اور ایک بھی تبھی کرنی ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ میں اس ایک کے بھی حقوق ادا کر سکتا ہوں ورنہ پھر احتیاط کی جائے۔

"و آتوا النساء صدقاتهن نحلة" اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو رغبت کے ساتھ نحلہ خوشی کے ساتھ کوئی چیز دینا، صدقات صدقہ کی جمع عورتوں کو ان کے مہر خوشی کے ساتھ دیا کرو یہ نکاح میں جو مہر متعین کیا جاتا ہے، یہ عورت کا قرض ہوتا ہے جو خاوند کے ذمے لگتا ہے، اور عام طور پر آج یہی رواج ہو گیا ہے کہ لوگ ادا نہیں کر سکتے رسماً معاف کروا لیتے ہیں، اور معافی چونکہ رواج کے دباؤ سے ہے یا حالات کے دباؤ سے یہ کوئی معتبر نہیں ہے، خاوند کے ذمے یہ قرض ہوتا ہے ادا کرنا چاہیئے اس کو ادا کرنے کے بعد پھر وہ عورت اگر خوشی کے ساتھ واپس کر دے پھر کوئی شک وشبہ نہیں اور خارجی حالات کے دباؤ کے ساتھ اگر خود وہ خوشی سے معاف کر دیتی ہے کہ میں لیتی نہیں تو بھی ٹھیک ہے، لیکن دباؤ دے کر اس سے معاف کروانا چاہے وہ دباؤ رواج کے تحت دلایا جائے یا کسی دوسری چیز کے تحت وہ معافی معتبر نہیں۔

"فان طبن لكم عن شیء منه نفسا فكلوه هنيئاً مريئاً" اگر خوش ہو جائیں تمہارے لئے وہ اس مہر میں سے کسی شیء سے از روئے دل کے یعنی دل سے خوش ہو جائیں کیونکہ طیب نفس کے ساتھ ہی دوسرے کا مال حلال ہو سکتا ہے کئی دفعہ مسئلہ آپ کے سامنے آیا کہ دل کی خوشی کے بغیر دوسے کے مال سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، اس لئے آپ زبردستی جو دوسروں کی چیزیں لے لیتے ہیں مجبور کر کے دوسروں سے دعوت منوا جاتی ہے یہ ٹھیک نہیں ہے، دل کی خوشی کے تحت ہی ایک دوسرے کو عطیہ دیا جائے، ھدیہ دیا جائے، دعوت کی جائے وہی بہتر ہوتی ہے، جہاں یہ دل کی کراہت آ جائے گی اور جبر والی بات آ جائے گی وہاں پھر کھانا پینا جائز نہیں ہوتا اگر وہ دل کی خوشی کے ساتھ کوئی چیز چھوڑ دیں "فكلوه هنيئا مريئا" تو اس کو لذیذ سمجھ کر خوشگوار سمجھ کر کھا جایا کرو، کھا جایا کرو اس کو اس حال میں کہ وہ لذیذ ہے خوشگوار ہے۔

"ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التی جعل الله لكم قيما" نادان بچوں کو نا سمجھ بچوں کو اپنے مال نہ دیا کرو ایسے مال جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے قیام بنایا ہے، تمہاری زندگی کو قائم رکھنے کے لئے یہ مال کی اہمیت ہے یعنی مال کوئی ایسے ضائع کرنے والی چیز نہیں، انسان کے گزران کا باعث ہے اس کے ساتھ انسان کا وقت اچھا گزرتا ہے، آج تو یہ بات بہت ہی واضح ہے کہ اگر مال ضائع ہو جائے اگر مال کے اعتبار سے انسان محتاج ہو جائے تو نہ عزت رہتی ہے نہ وقار، اور انسان بہت جلدی اپنے دین سے ہاتھ دھو لیتا ہے، پھر کھانے کمانے کے لئے انسان حرام ذرائع اختیار کرتا ہے، اپنے دین کو بیچتا ہے پہلے دوسرے

ہی یہ بات اسی طرح سے چلی آرہی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کا قول مشکوۃ میں مذکور ہے فرمایا کرتے تھے کہ جس کے پاس یہ دراہم وغیرہ ہوں وہ اس کو سنبھال کے رکھے کیونکہ زمانہ ایسا آ گیا ہے کہ اگر انسان محتاج ہو جائے تو سب سے پہلے اپنے دین کو خرچ کرتا ہے، پھر روٹی کمانے کے لئے اپنے دین کو برباد کرتا ہے، تو یہ کوئی ضائع کرنے والی چیز نہیں، انسان کی عزت کا تحفظ بھی مال کے ساتھ ہوتا ہے، دین کا تحفظ بھی مال کے ساتھ ہوتا ہے اگر کسی کے پاس مال ہو تو اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیئے، یہ قابل قدر چیز ہے، سرمایہ زندگی ہے تو اگر بے سمجھ لوگوں کے ہاتھوں میں دیدو گے تو وہ ضائع کر دیں گے تو نادان بچوں کو ان کے مال نہ دیا کرو، اپنے مال تم نادانوں کے سپرد نہ کیا کرو، ایسے مال کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے گزران کا باعث بنایا ہے، ہاں البتہ ان سفہاء کو اس میں سے رزق دیتے رہا کرو، ان کے کپڑے کا خوراک کا اس میں سے انتظام کرو، اور انہیں اچھی بات کہتے رہا کرو کہ اگر یہ مانگیں بھی کہ یہ میرے پیسے ہیں تو آپ کہو کہ ہاں آپ کے ہیں لیکن ہم آپ پر خرچ کریں گے بقدر ضرورت ہم آپ کو دیں گے، ہم آپ کے مفاد میں ہی کر رہے ہیں جو کچھ کر رہے ہیں اس طرح سے نرمی کے ساتھ ان کو سمجھاؤ۔

”وابتلوا الیتمی“ اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہا کرو یعنی کبھی کبھی ان کو کچھ خریدنے کے لئے بھیج دیا، بیچنے کے لئے بھیج دیا، ان کی سمجھداری کی آزمائش کی حتی کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں، بالغ ہو جائیں پھر اگر وہ تمہیں سمجھدار معلوم ہوں ”فان أنستم منهم رشدا“ اگر تم ان سے رشد معلوم کرو سمجھدار معلوم ہو جائیں ”فادفعوا الیهم اموالهم“ تو پھر ان کے مال ان کے سپرد کر دیا کرو، البتہ اگر وہ اسی طرح سے سفیہ ہیں نادان ہیں مغلوب العقل ہیں تو پھر چاہے بالغ ہو جائیں مال ان کے سپرد نہ کیا کرو۔

”ولاتأ کلوها اسرافا“ ضرورت سے زیادہ خرچ کرتے ہوئے یتیموں کے مالوں کو نہ کھایا کرو، اور اس بات سے سبقت لے جاتے ہوئے نہ کھایا کرو کہ بڑے ہو کر مال ہم سے لے لیں گے ان کے بڑے جلدی جلدی تصرف کرو تا کہ یہ بڑے ہو کر ہم سے مال لے نہ لیں، یہ ٹھیک نہیں ہے، بقدر ضرورت خرچ کرو اور مناسب اندازے کے ساتھ خرچ کرو، اگر تمہارے دل میں یہ جذبہ ہو کہ ہم جلدی جلدی خرچ کر لیں ورنہ یہ بالغ ہو جائے گا اور بڑے ہونے کے بعد یہ اپنا مال ہم سے لے لے گا یہ بھی ایک مجرمانہ کوشش ہے، ”من کان غنیا“ جو کوئی شخص غنی ہے اس کی اپنی ضرورت گھر سے پوری ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو کھانے پینے کے لئے دے رکھا ہے پھر اگر وہ یتیم کی خدمت بھی کرتا ہے تو یتیم کے مال میں سے لینا نہیں چاہیئے، ”فلیستعفف“ پھر وہ بچ کے رہے ”ومن کان فقیرا“ اور اگر وہ محتاج ہے ضرورت مند ہے تو پھر جو یتیم کی خدمت کرتا ہے اس خدمت کے عوض میں یتیم کا مال وہ معروف طریقے سے کھا سکتا ہے، معروف کا معنی جس قسم کا دستور ہے، عقل مندوں کے

نزدیک شرفاء کے طبقے میں جو دستور ہے کہ اتنا لے سکتے ہیں اپنا معیار زندگی یہ ہے، یتیم کے مال کی نوعیت یہ ہے، یہ نہ ہو کہ یتیم کے پاس تو مثال کے طور پر پیسے تھوڑے سے ہیں اور متولی جو ہے وہ ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ وقت گزرتا ہوا بہانے سے یتیم کا مال کھا جائے نہیں یتیم کی نوعیت یتیم کے مال کی نوعیت اس کی خدمت کی نوعیت کو سامنے رکھتے ہوئے عرف کے مطابق معاوضہ لیا جاسکتا ہے۔

"فاذادفعتم الیھم اموالھم" اور جب تم ان کی طرف ان کے مال دفع کرو "فاشھدوعلیھم" تو گواہ بنالیا کرو یتیم کی جائیداد اس کے سپرد کرتے ہوئے گواہ بنالو تا کہ کوئی کل کو کسی قسم کا نزاع نہ پیدا ہو جائے،"وکفیٰ باللہ حسیبا" تو اللہ تعالیٰ حساب لینے والا کافی ہے،لیکن پھر بھی ظاہری طور پر حساب صاف رکھو،اور ان کے سپرد کرتے وقت ان کو گواہ بنالیا کرو۔

آگے بنیاد اٹھائی جا رہی ہے وراثت کے مسئلے کی کہ پہلے زمانے میں سرور کائنات ﷺ سے پہلے وراثت جو تھی وہ اکثر و بیشتر بالغ لڑکے ہی سنبھال لیتے تھے،لڑکا نہ ہوتا بالغ تو جو بھی خاندان کے اندر بڑا ہوتا وہی قبضہ کر لیتا تھا نہ عورتوں کو حصہ دیتے تھے اور نہ بچیوں اور بچوں کو دیتے تھے،تو یہاں وہ حصے متعین کئے جا رہے ہیں کہ جو شخص بھی مال وغیرہ چھوڑ کر جائے اس کو تقسیم کس اصول سے کرنا ہے، مردوں کے لئے حصہ ہے اس چیز سے جس کو والدین چھوڑ جائیں اور اقربون چھوڑ جائیں، مرد بھی حصے میں شریک ہیں "وللنساء نصیب"اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو والدین چھوڑ جائیں اور اقربون چھوڑ جائیں یعنی ماں باپ کے چھوڑے ہوئے میں لڑکیاں بھی شریک ہیں اور لڑکے بھی شریک ہیں،اور اقربون کے چھوڑے ہوئے میں لڑکے بھی شریک اور لڑکیاں بھی شریک، یہاں پر اقرب کا لفظ بولا ہے جیسا کہ آپ کے سامنے آئے گا کہ وراثت کی تقسیم کا مدار جو ہے اقربیت پر ہے جو زیادہ قریب ہو وہ حق دار ہے اور جو اس مقابلے میں بعید ہو وہ حق دار نہیں ہے ،پچھلے دنوں میں آپ نے سنا ہوگا کہ یہ بات اچھی خاصی پھیلی ہوئی تھی کہ دادے کے فوت ہونے وقت پوتے وارث ہیں یا نہیں، یہ بھی اجماع امت کے ساتھ طے شدہ مسئلہ ہے اس میں کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے کہ ایک آدمی خود بعد میں فوت ہوتا ہے اس کا ایک لڑکا موجود ہے اور وہ فوت ہو گیا اور یہ آدمی بعد میں فوت ہوا اس کا ایک لڑکا موجود ہے اور دوسرے پوتے پوتیاں موجود ہیں، تو لڑکا چونکہ اقرب ہے وراثت اس کو ملے گی ،ابعد کو وراثت نہیں ملے گی، یہ متفق علیہ اصول ہے اجماع امت کے ساتھ جس کا کوئی کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

ہاں اس پوتے پوتیوں کے لئے انان اپنی زندگی میں جو چاہے انتظام کر دے یعنی اگر ان باپ زندہ ہوتا تو پھر تو آدھی جائیداد ملنی تھی اور اب دادے کو اپنی زندگی میں اختیار ہے چاہے آدھی سے بھی زیادہ دیدے، وصیت ان کے لئے کر سکتا ہے اپنی زندگی میں اس قسم کے انتظام کئے جا سکتے ہیں،لیکن جب وراثت تقسیم ہوگی وراثت کے اندر اقربیت کا اصول

مدنظر رکھا جائے گا، کہ اقرب کی موجودگی میں ابعد جو ہے وہ محروم ہوگا۔

"مماقل منه او کثر" تھوڑا ہو یا زیادہ ہو اس میں مرد بھی شریک ہیں اور اس میں عورتیں بھی شریک ہیں اور یہ حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین کئے ہوئے ہیں، "نصیبامفروضا" اور اگر وراثت کے تقسیم کرتے وقت ایسے رشتے دار آ جائیں جو کہ وراثت میں حصے دار نہیں ہیں یا کوئی اور مساکین آ جائیں ان کو ویسے عطیہ کے طور پر تھوڑا بہت بطور خیرات کے دیدیا کرو، کوئی اچھی بات کہہ کر ٹال دیا کرو، لیکن یہ جو بطور خیرات دینا ہے یہ بھی بالغ ورثاء اپنے حصے میں سے دیں، نابالغ کے حصے میں سے دینے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اگر نابالغ اجازت بھی دیدے تو اس کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں، اگر کچھ ورثاء بالغ ہیں اور کچھ نابالغ ہیں تو بالغین اپنے حصے میں سے بطور صدقہ خیرات کے دے سکتے ہیں، نابالغ کے حصے کی میراث جو ہے اس میں سے بطور صدقہ خیرات سے بھی کوئی چیز نہیں دی جا سکتی، مرنے والے کے لئے ایصال ثواب کے لئے بھی کھانا کھلانا ہو تو نابالغ کے مال سے نہیں کھلایا جا سکتا۔

اور مرتے ہی سارا کا سارا مال وراثت میں چلا جاتا ہے، اس لئے جس وقت تک وراثت تقسیم نہ ہو مرنے والے کے گھر سے عام طور پر مہمانی کا کھانا بھی کھانے میں احتیاط کرنی چاہیئے، اگر اس میں یتیم بچے شامل ہیں، جب حاضر ہوں تقسیم کو رشتے دار یتیم اور مسکین تو انہیں اس میں سے کچھ دیدیا کرو، اور انہیں اچھی بات کہہ دیا کرو، یعنی اچھی بات نرم بات کہہ کر ٹال دیا کہ تمہارا حصہ نہیں ہے یا یہ ورثہ جو ہے نابالغوں کا ہے، جس سے ہم بطور صدقہ خیرات سے بھی کچھ نہیں دے سکتے، اس طرح سے نرم گفتگو کر کے ٹال دیا کرو۔

اگلی آیت کے اندر یتیموں کا خیال رکھنے کے لئے کہا گیا اور اس میں اس نفسیاتی اصول کو برقرار رکھا گیا ہے کہ کیا جا رہا ہے کہ اگر تم یہ سوچو کہ تم مر جاؤ اور پیچھے یتیم بچے چھوڑ جاؤ تو تمہارے جذبات کیا ہیں؟ کہ تمہارے بچوں کے ساتھ لوگ کس طرح سے پیش آئیں تو جیسے تم اپنے بچوں کے متعلق سوچتے ہو کہ مر جانے کے بعد تمہارے بچوں کے ساتھ لوگ کس طرح سے پیش آئیں تو جیسے تم اپنے بچوں کے متعلق سوچتے ہو کہ مر جانے کے بعد تمہارے بچوں کے متعلق یہ جذبات ہیں تو دوسروں کے بچے اگر اس طرح سے یتیم ہو گئے ہیں تو اس طرح سے انسان کو ایسے جذبات رکھنے چاہئیں چاہے کہ ڈریں وہ لوگ اگر چھوڑ جائیں وہ اپنے پیچھے کمزور بچے تو ان کے متعلق اندیشہ کریں گے بس چاہیئے کہ وہ اللہ سے ڈریں اور درست بات کیا کریں، اچھی بات کہیں نرمی کے ساتھ ان کو کہیں، بات درست کریں نرم کہیں اور ایسے خیال کریں کہ اگر ہمارے یہ بچے ہوتے تو ہم ان کے ساتھ برتاؤ کس طرح کرنا چاہتے، بے شک وہ لوگ جو یتیموں کے مال کو کھاتے ہیں ناحق، حق کے ساتھ تو کھانا درست ہوا جس طرح سے پیچھے آیا، ناحق اموال یتامیٰ جو کھاتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ اپنے پیٹوں میں آگ

بھرتے ہیں، یعنی یہ آگ کھانا لذیذ معلوم ہو رہا ہے کل کو یہی کھانا آگ کی صورت اختیار کر جائے گا" وسیصلون سعیرا" اور عنقریب وہ داخل ہوں گے بھڑکتی ہوئی آگ میں۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ
فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن
كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ
وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ
السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ
وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ فَرِيضَةً مِّنَ
اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ
أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ
وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَ
لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ
تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ
امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن

كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ
وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۭ ﴿۱۲﴾ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ
وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ
حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ:

"یوصیکم اللہ فی اولادکم" پچھلے رکوع میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ والدان اور اقربون جو کچھ چھوڑ جائیں تھوڑا ہو یا بہت ہو اس میں مرد عورت شریک ہیں اور وہ مال ان میں تقسیم ہوتا ہے، اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے بعض ورثاء کے حصے تقسیم کیے ہیں، آیات کا مطلب چونکہ صاف صاف ہے اس لئے ترجمہ کے ساتھ ہی مفہوم کو ادا کرتے جائیں گے، ورثاء تین قسم کے ہیں جیسا کہ میراث کی کتابوں میں تفصیل آپ کے سامنے ذکر کی جاتی ہے، بعض تو اصحاب فرائض ہیں اور اصحاب فرائض انہیں کہا جاتا ہے کہ جن کے حصے قرآن کریم میں معین کر دیئے گئے کہ ان کو مال میں سے کتنا دینا ہے، فرائض فریضہ کی جمع متعین کیا ہوا حصہ، اس لئے علم المیراث کو علم الفرائض سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حصوں کو تقسیم کرتے ہوئے "فریضۃ من اللہ" کہا ہے یہ اللہ کی طرف سے متعین کئے ہوئے ہیں، اس لئے علم المیراث علم الفرائض کہلاتا ہے، تو یہ ہوں گے اصحاب فرائض جن کے حصے متعین کر دیئے گئے۔

اور بعضے ہیں عصبات، عصبات کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا حصہ کوئی متعین نہیں اصحاب فرائض کو ادا کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ انہیں دیدیا جاتا ہے، اور تیسرے نمبر پر ہوتے ہیں اولوا الارحام، اولوا الارحام انہیں کہا جاتا ہے کہ جو میت کے رشتہ دار ہیں بواسطہ انثیٰ، یعنی جن کے واسطے میں مؤنث آتی ہے مذکر نہیں آتا، جس طرح سے نواسے ہو گئے بھانجے ہو گئے، ماموں ہو گیا اور اسی طرح سے نانا نانی ہو گئے، یہ آخری درجہ میں ہیں کہ جب اصحاب فرائض میں سے بھی کوئی نہ ہو، عصبات میں سے بھی کوئی نہ ہو تو پھر ان میں سے بعض کو میراث دی جاتی ہے جس کی تفصیل سراجی کے اندر مذکور ہے، تو یہاں کچھ احکام

آئیں گے اور باقی احکام روایات میں ہیں، یا فقہاء نے روایات وآیات کی طرف دیکھتے ہوئے مستنبط کئے ہیں تو پورے فن کے طور پر یہ چیز مدون ہے۔

ورثاء جو یہاں ذکر کئے جائیں گے ان میں سے اگر کوئی مرنے والے سے اختلاف دین رکھتا ہو یعنی مرنے والا مسلمان ہے اور کوئی وارث کافر ہے یا مرنے والا کافر ہے اور وارث مسلمان ہے، اس اختلاف کے وقت میں بھی انسان وراثت سے محروم ہوتا ہے، مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا، اتحاد دین شرط ہے اس وراثت کے پانے کے لئے، اگر اتحاد دین نہ ہو تو ایسی صورت میں وراثت سے محروم ہے، اور اگر ان ورثاء میں سے کوئی وارث قاتل ہو یعنی اپنی مورث کو قتل کردے تو مقتول کی وراثت سے قاتل بھی محروم ہوتا ہے یہ حدیث شریف کے اندر ذکر کیا گیا ہے۔

اور پھر جس وقت انسان پھر مرتا ہے تو اس کی جائیداد میں تصرف کرنے کی ترتیب یہ ہے سب سے پہلے اس کے کفن دفن کے اخراجات نکالے جائیں گے، کفن دفن کے خرچ سے فارغ ہونے کے بعد پھر دیکھا جائے گا کہ اس کے ذمے کوئی قرض تو نہیں، اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو پہلے اس کی متروکہ جائیداد میں سے قرض کی ادائیگی کی جائے گی، منقولہ غیر منقولہ حتیٰ کہ اگر مکان ہو تو وہ بھی بیچ دیا جائے گا، پھر دیکھیں گے کہ مرنے والے نے کوئی وصیت تو نہیں کی اگر وصیت کی ہے تو ثلث کے اندر اندر وہ نافذ ہوگی، یعنی تیسرے حصے کے اندر اندر تیسرے حصے تک، اور اگر تیسرے حصے سے زائد کی وصیت کی ہے تو نافذ نہیں ہے، اور اس طرح سے وصیت وارث کے بارے میں نافذ نہیں ہے مرنے والا اگر کوئی وارث کے بارے میں کوئی وصیت کرجائے تو وارث کو ورثہ چونکہ شریعت کے مطابق ہی مل جائے گا تو مرنے والے کی وصیت کا اعتبار نہیں ہوگا، ثلث کے اندر وصیت نافذ کی جائے گی، ثلث نکال لینے کے بعد یا اگر وصیۃ نہ ہو تو قرضہ ادا کرنے کے بعد جو بچے گا پھر ان حصوں کے مطابق ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا، جو ورثاء کے سامنے ذکر کئے جارہے ہیں۔

یہاں جو آیات آپ کے سامنے آئیں گی ان میں وصیت کا ذکر پہلے آئے گا دین کا بعد میں آئے گا، ''**ومن بعد وصیة یوصی بها اودین**'' وصیت کا ذکر پہلے آئے گا اور دین کا بعد میں آئے گا لیکن اجماع امت ہے کہ جس وقت وراثت کو تقسیم کرنا ہے تو دین وصیت سے مقدم ہے پہلے حساب دین کا لگائیں گے اس کے بعد وصیت کا اور وصیت کو مقدم کرکے ذکر اس لئے کردیا کہ وصیت کا بسا اوقات موصیٰ الیہ کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ میرے متعلق کوئی وصیت کرگیا ہے تو ایسے وقت میں اندیشہ ہوتا ہے کہ ورثاء کہیں دبا نہ جائیں، ان کو تاکید کردی کی قرضہ لینے والے تو خود پیچھا کرلیں گے اور یہ پتہ ہوتا ہے کہ ان سے جو قرضہ لیا ہے ان کے پاس کوئی ثبوت ہوگا دلیل ہوگی، وہ تو خود مطالبہ کرلیں گے، وصیت چونکہ ایک مخفی سی چیز ہے اس لئے ان کو پتہ نہیں ہوتا کہ کی بھی ہے کہ نہیں کی، تو کس کے لئے کی ہے کتنے مال کی کی ہے یہ چیز بہت مخفی سی ہے اس لئے ورثاء کو

تاکید کی گئی ہے کہ وصیت کی رعایت رکھیں، وصیت نافذ کرنا جو ہے وہ ضروری ہے، ترتیب کے لحاظ سے قرضے کی ادائیگی مقدم ہے، یہ ہیں کچھ وراثت کے موٹے موٹے اصول اب آگے حصہ داروں کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

"یوصیکم اللہ فی اولادکم " اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں اولاد کا لفظ یہاں عام ہے مذکر ہو یا مؤنث، اولاد ولد کی جمع ہے،" للذکر مثل حظ الانثیین" انثیین دو لڑکیاں ہو گئیں اور ذکر سے مذکر مراد ہے، لڑکے کو دو لڑکیوں کے حصے کے برابر، یعنی وراثت تقسیم کرتے وقت لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا ہے، شریعت نے لڑکی کو کم حصہ دیا لڑکے کو زیادہ دیا اور یہ عین حکمت کے مطابق ہے، کیونکہ لڑکی جو ہے وہ اپنی معاشی ذمہ داریوں سے بری ہوتی ہے اس پر کسی کی معاشی ذمہ داریاں نہیں ہوتیں، جس وقت اس کا نکاح ہو جائے گا اس کا نان نفقہ مسکن جو کچھ بھی ہے یہ سب خاوند کے ذمے ہے پھر جو اس کی اولاد پیدا ہو گئی وہ اولاد جو ہے اس کا بوجھ بھی ماں پر نہیں ہوتا، اس کا کل نفقہ جو ہے وہ باپ کے ذمہ ہوتا ہے، تو اس اصول کے تحت لڑکی آدھی میراث لے کر بھی بھی لڑکے کے مقابلے میں زیادہ خوشحال ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ جو اس کی زائد آمدنی ہو گی اس کے اپنے پر آرائش زیبائش پر، اور اپنی دوسری خواہشات یہ اس کو خرچ کر سکتی ہے، اور جہاں تک نفقہ کا تعلق ہے وہ خاوند کے ذمے اور جہاں تک اولاد کا بوجھ ہے وہ بھی خاوند کے ذمے ہے، عورت پر اس کے خاوند کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے مذکر کے لئے دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

"فان کن نساء فوق اثنتین" اور اگر وہ لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں دو سے زیادہ "فلھن ثلثا ماترک" پھر ان لڑکیوں کے لئے دو یا دو سے زیادہ ہیں ان کی میراث میں آپ پڑھیں گے کہ تثنیہ پر ہی جمع کا حکم لگ جاتا ہے دو لڑکیاں ہوں یا دو سے زیادہ ہوں دو حصہ تو چونکہ واضح ہے اس لئے دو سے زیادہ کا عنوان رکھ لیا گیا، ان کے لئے ماترک دو ثلث ہے یعنی دو تہائی ان کو دیدیا جائے گا،" وان کانت واحدۃ " اور اگر لڑکی ایک ہی ہو "فلھا النصف "تو اس کو میراث کا نصف دیدیا جائے گا، گویا کہ یہاں تین صورتیں ذکر دی گئیں، اگر تو مرنے والی کی اولاد میں لڑکے لڑکیاں مشترک ہیں پھر تو تقسیم یوں کریں گے کہ ایک لڑکا دو لڑکیوں کے قائم مقام، یا دو لڑکیاں ایک لڑکے کے قائم مقام، اس طرح سے حصے تقسیم کر دیئے جائیں گے، اور اگر صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہیں ایک سے زیادہ دو یا دو سے زیادہ ایسی صورت میں کل میراث کا دو ثلث لیکر لڑکیوں پر تقسیم کر دیا جائے گا، اور اگر لڑکی صرف ایک ہی ہے نہ اس کے ساتھ کوئی دوسری لڑکی ہے اور نہ لڑکا ہے ایسی صورت میں وہ اپنے باپ کی نصف جائیداد کی حصہ دار ہو گی، اولاد کا حصہ ختم ہوا۔

"ولابویہ لکل واحد منھما السدس مماترک ان کان لہ ولد" والدین میں سے ہر ایک کے لئے مرنے

والے کے والدین کے لئے یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے سدس چھٹا حصہ ہے، ما ترک اس مال میں سے جو اس نے چھوڑا ہے اگر مرنے والے کی اولاد ہو، اگر مرنے والے کی اولاد لڑکا لڑکی کوئی ہو ایسی صورت میں ماں باپ یہ چھٹے چھٹے حصے کے وارث ہیں، "ولم یکن له ولد" اور اگر مرنے والے کی اولاد نہیں "وورثه ابواه" اس کے وارث صرف اس کے والدین ہی ہیں تو ایسی صورت میں اس کی ماں کو تیسرا حصہ دیدیں گے، اور باقی دو حصے جو ہیں وہ باپ کے، کیونکہ پچھلے لفظوں میں آ گیا کہ وارث صرف اس کے والدین ہیں، جب کل ورثہ جو ہے وہ والدین کو ملنا ہے تو والدہ کے لئے حصہ متعین کر دیا گیا ثلث تو باقی دو حصے باپ کے ہوئے، اگر مرنے والے کی اولاد نہیں ہے اور ماں باپ زندہ ہیں تو پھر تیسرا حصہ ماں کو دیدو، اور دو حصے باپ کو دیدو، لیکن یہ تیسرا حصہ ماں کو تب دینا ہے اگر مرنے والے کے بہن بھائی موجود نہ ہوں، اگر مرنے والے کے بہن بھائی موجود ہیں چاہے وہ حقیقی بہن بھائی ہیں یعنی ماں باپ دونوں میں شریک اور چاہے وہ علاتی بہن بھائی ہیں صرف باپ میں شریک ہیں، چاہے وہ اخیافی بہن بھائی ہیں صرف ماں میں شریک ہوں، اگر یہ بہن بھائی موجود ہوں تو ایسی صورت میں ماں کا حصہ ثلث کی بجائے سدس ہو جائے گا یعنی چھٹا حصہ، اور باقی سارا مال باپ کا ہوگا، بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا یعنی اگر بہن بھائی موجود ہوں تو ماں کے حصے کو کم کر دیتے ہیں باقی باپ کی موجودگی میں خود وارث نہیں ہوتے ، یہی مسئلہ آگے ذکر کیا گیا ہے۔

"فان کان له اخوة" اگر مرنے والے کے بہن بھائی ہیں اخوۃ سے مراد ہے ایک سے زائد جیسے میں نے عرض کیا کہ اس میراث کے مسئلے میں تثنیہ کے اوپر جمع کا حکم لگ جاتا ہے "فلامه السدس" اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے، "من بعد وصية يوصى بها" بعد وصیت کے جو کہ مرنے والا کرتا ہے یعنی قرض اور وصیت ادا کرنے کے بعد، یہ حصے جو ذکر کیے گئے ہیں یہ میں نے پہلے آپ کی خدمت میں عرض کر دیئے ہیں، "آباؤكم وابناؤكم" تمہارے آباء اور تمہارے ابناء تمہارے ماں باپ اور تمہارے بچے، "لاتدرون ايهم اقرب لكم نفعا" تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہے تمہارے لئے ازروئے نفع کے دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے ان میں سے کون زیادہ مفید ہے، تمہیں نہیں پتہ، "فريضة من الله" یہ اللہ کی طرف سے متعین کیے ہوئے حصے ہیں، "ان الله كان عليما حكيما" بے شک اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے اس لئے اس نے میراث کے اندر جو حصے متعین کر دیئے علم کا تقاضا بھی یہی ہے اور حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے، اور اگر کسی شخص کو ان متعین کئے ہوئے حصوں پر کوئی اعتراض ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کے اوپر اعتماد نہیں ہے، اور اگر یہ تمہاری مرضی پر چھوڑ دیئے جاتے کہ تم جس طرح سے چاہو تقسیم کر لو، تم یوں سوچتے کہ اپنے لئے جس کو زیادہ مفید پاتے اس کو زیادہ دیتے، اور جس کے متعلق تمہارا یہ خیال ہوتا کہ ہمارے کوئی کام نہیں آتا اور ہمارے لئے مفید نہیں

ہے تو اس کو تھوڑا دیتے یا بالکل محروم کر دیتے، اور اس چیز کا جان لینا کہ دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے کون مفید ہے کون مفید نہیں ہے یہ تمہارے بس کا روگ نہیں ہے۔

آج ایک لڑکے کے متعلق خیال ہوتا ہے کہ ماں باپ کا بڑا خدمت گزار ہے، دوسرے کے متعلق خیال ہے کہ نافرمان ہے، آپ ساری وراثت اس کو دیدیں گے اس کو محروم کر دیں گے، اور کل کو حالت بدل جائے گی تو نافرمان جو تھا وہ خدمت گزار بن جائے گا، اور خدمت گزار جو تھا وہ نافرمان بن جائے گا تو پھر کیا کرو گے، اور دنیا میں کون مفید آخرت میں کون مفید یہ اللہ جانتا ہے، اس لئے اللہ کی علم وحکمت پر اعتماد کرتے ہوئے جو حصے اس نے متعین کر دیئے ہیں دل جمعی کے ساتھ اسی طرح سے وراثت کو تقسیم کرو، اپنے جذبات کے تحت یا اپنے منطقی دلائل کے ساتھ یا اپنے فلسفے کے تحت اس کے اندر کسی قسم کی تغیر وتبدل کی کوشش کرنا اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی علم وحکمت کے اوپر اعتماد نہیں، اولاد اور والدین کی بات ختم ہوئی۔

”ولکم نصف ماترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد“ تمہارے لئے نصف ہے اس چیز سے جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں اگر ان بیویاں کی اولاد نہ ہو، عورت مر گئی اور اس کی اولاد نہیں ہے چاہے اس خاوند سے چاہے دوسرے خاوند سے، مطلب یہ ہے کہ اس کے پیٹ سے پیدا ہوئی ہوئی اولاد موجود نہیں ایسی صورت صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا، اور اگر ان کے لئے اولاد ہو ”فان کان لہ ولد“ اگر عورت کے لئے اولاد ہے چاہے موجودہ خاوند کی چاہے کسی پہلے خاوند کی یعنی اس کے بطن سے پیدا شدہ اولاد موجود ہے، ”فلکم الربع“ پھر تمہارے لئے چوتھا حصہ ہے، ”مماترک“ اس مال میں سے جو مال تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں ”من بعد وصیة یوصین بھااودین“ بعد وصیت کے جو وہ عورتیں کریں اور یا وہ قرضے کے بعد یعنی بیویوں کا قرضہ ادا کرنے کے بعد، اگر انہوں نے وصیت کی ہے تو وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو بچے گا اب دو حال سے خالی نہیں، کہ مرنے والی تمہاری بیوی اس کی کوئی اولاد موجود ہے کہ نہیں، چاہے وہ اولاد تمہاری ہو چاہے پہلے خاوند کی ہو، اگر اس مرنے والی عورت کی اولاد موجود ہو تو تمہارے لئے چوتھا حصہ ہے، اور اگر اس کی اولاد موجود نہیں تو نصف ہے۔

”ولھن الربع مماترکتم“ اور ان بیویوں کے لئے چوتھا حصہ ہے اس مال میں سے جو تم چھوڑ جاؤ ”ولم یکن لکم ولد“ اگر تمہارے لئے اولاد نہ ہو، ”فان کان لکم“ اگر تمہارے لئے اولاد ہے چاہے اس بیوی کے بطن سے ہے چاہے کسی دوسری بیوی کے بطن سے، ”فلھن الثمن“ پھر ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے ”مماترکتم“ اس مال میں سے جو تم چھوڑ جاؤ ”من بعد وصیة“ بعد وصیت کے جو تم کرو یا قرضے کے بعد، یعنی اب خاوند مر گیا خاوند کے مرنے کے بعد دیکھیں گے کہ خاوند کی اولاد موجود ہے کہ نہیں، چاہے اس موجودہ بیوی سے چاہے کسی دوسری بیوی سے، اگر اس کی اولاد موجود ہو تو پھر بیوی کے لئے آٹھواں حصہ ہے، ایک بیوی ہے تو آٹھواں حصہ ہے، دو ہیں تین ہیں چار ہیں تو ایک آٹھواں

حصہ لے کر سب پر تقسیم کر دیا جائے گا، بیویوں کا آٹھویں حصے سے زیادہ نہیں ہوگا، یعنی اگر ایک ہو تو اس کو آٹھواں حصہ کل مل جائے گا، اور اگر وہ دو ہیں تو آٹھویں حصے کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے، تین ہیں تو آٹھویں حصے کو تین حصوں میں تقسیم کریں گے اور اگر چار ہیں تو چار حصوں میں تقسیم کریں گے، ملے گا بہر حال آٹھواں حصہ، اور اگر تمہاری اولاد موجود نہیں ہے نہ اس بیوی سے نہ دوسری بیوی سے تو ایسی صورت میں چھوڑے ہوئے مال کا چوتھا حصہ بیویوں کے لئے ہوتا ہے، وصیت اور دین کی رعایت رکھنی چاہیئے۔

"وان کان رجل یورث کلالۃ" کللہ اصل کے اعتبار سے تو یہ مصدر ہے، تھکنے کے معنی میں، اور پھر کلالۃ اس شخص کو کہا جاتا ہے کہ جس کے اصول وفروع موجود نہ ہوں یعنی نہ ماں ہو نہ باپ ہو، ماں باپ کی عدم موجودگی میں باپ دادا کے حکم میں ہوتا ہے، یہ تفصیل تو اپنی جگہ ہوگی، باپ کی عدم موجودگی میں دادا یعنی اصول کی طرف کوئی موجود نہیں ہے نہ ماں نہ باپ موجود ہیں نہ دادا وغیرہ موجود ہے اور فروع میں بھی کوئی موجود نہیں، نہ صلبی اولاد اور نہ اولاد کی اولاد، جس کے اصول وفروع موجود نہ ہوں اس مرنے والے کو بھی کلالۃ کہتے ہیں، اسی طرح سے جو رشتہ دار اصول وفروع کے علاوہ ہیں جیسے بھائی بھتیجے ہو گئے اس قسم کے رشتہ داروں کو بھی کلالۃ کہتے ہیں تو اصل کے اعتبار سے مفہوم ہوتا ہے "ذوی کلالۃ" ضعف والا کمزوری والا، یعنی ایسا رشتہ دار جو کہ اصول وفروع کے علاوہ ہو، اور چونکہ وہ کمزور ہوتا ہے اس لئے اس کو ذوی کلالۃ سے تعبیر کر دیتے ہیں، اور مرنے والا جس کے یہ قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں وہ بھی ایک قسم کا عاجز اور کمزور ہوتا ہے جس کی بناء پر اس کو بھی "ذوی کلالۃ" کہہ دیتے ہیں، تو کلالہ کا مفہوم اصل میں "ذوی کلالۃ" ہے۔

"وان کان رجل یورث کلالۃ" وہ آدمی جس کا ورثہ چلا جا رہا ہے اگر وہ آدمی جس کی میراث ہے جس کا ورثہ چلایا جا رہا ہے جس کے وارث بنائے جا رہے ہیں اگر وہ آدمی کلالۃ ہے یا وہ عورت کلالۃ ہے یعنی کلام دونوں طرف سے مرد ہو یا عورت ہو اس کے اصول فروع اگر موجود نہیں ہیں، "ولہ اخ او اخت" پھر اس کا ایک بھائی موجود ہے یا ایک بہن موجود ہے ایک بھائی یا ایک بہن، اور بالاجماع یہاں اخت سے اخیافی مراد ہے، یعنی ماں شریک، کیونکہ جو باپ شریک ہیں ان کا مسئلہ اس سورت کے آخر میں آئے گا، وہ بالکل اولاد کے حکم میں ہوتے ہیں ان کے اوپر میراث تقسیم ہوتی ہے، "للذکر مثل حظ الانثیین" اگر بہن بھائی دونوں موجود ہوں اور اگر ایک بہن موجود ہو تو نصف دو بہنیں موجود ہوں تو "ثلثاما ترک" چھوڑے ہوئے کے دو ثلث، اور اگر اکیلا بھائی موجود ہے تو وہی سارے کا وارث، جو درجہ اولاد کا ہے وہی درجہ حقیقی بہن بھائیوں کا ہوتا ہے جس وقت کہ ماں باپ بھی موجود نہ ہوں اور اولاد بھی موجود نہ ہو، یہ مسئلہ اس صورت کے آخر میں آئے گا، اور بالاجماع یہاں اخ سے اخیافی مراد ہے، اور اخت سے بھی اخت اخیافی مراد ہے، یعنی یہ ماں شریک ہیں اگر اس کے لئے

بھائی اخیافی ہے یا بہن یعنی ان دونوں میں سے ایک ہے۔

"فلکل واحد منھماالسدس" پھران کے لئے چھٹا حصہ ہے یعنی ایک بھائی موجود ہوتو وہ بھی چھٹا لے لے گا،اوراگرایک بہن موجود رہے تو وہ بھی چھٹا لے لے گی، یہاں مردعورت کا حصہ برابر ہے،"فان کان اکثر من ذلك" اوراگروہ ایک سے زیادہ ہیں مثلاً دو بھائی اخیافی ہیں یادوتین اخیافی ہیں یاایک اخیافی بھائی ہے اورایک بہن ہے ایک سے زیادہ ہوگئے توان سب صورتوں میں "فھم شرکاء فی الثلث" یہ تیسرے حصہ کے اندرشریک ہیں، تیسراحصہ مال کالے کر اخیافی بہن بھائیوں پر برابرتقسیم کردیاجائے گا، یہاں مرداورعورت کے حصے کا کوئی فرق نہیں جتنا بھائی کوملنا ہے اتنا بہن کوملناہے، یہ اخیافی بہن بھائیوں کاحکم ہے تو پھر یہ شریک ہیں تیسرے میں، "من بعد وصیة یوصی بھااودین" بعد وصیت کے جوکی جائے اوردین یاقرضے کے بعد۔

"غیر مضار" اس حال میں کہ وصیت کرنے والا نقصان پہنچانے والا نہ ہواگروہ نقصان پہنچائے گاتووہ گناہ گار ہوگا اوراگروہ ثلث سے زیادہ وصیت کرجائے ورثاء کونقصان پہنچانے کے لئے تووہ وصیت سرے سے نافذ ہی نہیں ہوتی،اوراگر وارث کے لئے وصیت کرکے جائے اس میں دوسرے ورثاء کا نقصان ہے اس وارث کے مقابلے میں تو ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے ورثاءاجازت دیں گے،تو دوسرے وارث کے لئے وصیت پرعمل ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، یہ غیر مضار کے ساتھ تاکید لگ گئی، اگرچہ یہ لفظ یہی آیا ہے لیکن ہرجگہ وصیت پراعتبار ہے وصیت کرنے والانقصان پہنچانے کے جذبات پرنہ ہویعنی کسی کو نقصان پہنچانے کا جذبہ اس میں نہ اگرنقصان پہنچانے کے ئے ایسا کرے گا تو بعض صورتوں میں اس کی وصیت نافذ ہی نہیں ہوگی،اوربعض صورتوں میں اگرنافذ ہوگی تو آخرت میں وہ گناہ گارہوگا نہ نقصان پہنچانے والا ہو "وصیة من الله، یوصیکم الله وصیة" اللہ تعالیٰ تمہیں یہ تاکیدی حکم دیتا ہے،"والله علیم حلیم" اللہ تعالیٰ علم والا ہے ان متعین حقوق میں کوئی کسی قسم کاخلل ڈالوگے تو اللہ کے علم میں ہے،اوراگراس خلل ڈالنے کے بعد تمہیں وہ جلدسزانہ دیں تو سمجھ لینا کہ یہ اللہ تعالیٰ کاحکم اور بردباری ہے ورنہ یہ نہیں کہ تم سزاسے بچ جاؤگے ایسی صورت نہیں ہے۔

"تلك حدودالله" یہ اللہ تعالیٰ کی حدود کے بتائے ہوئے ضابطے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ ک باندھی ہوئی حدیں ہیں ان کے اندرکسی قسم کاتغیروتبدل نہیں کرنا چاہیئے،"ومن یطع الله ورسوله" اور جوشخص بھی اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرے گا،"یدخله جنات تجری من تحتھاالانھار" اللہ تعالیٰ انہیں داخل کرے گا باغات میں جن کے نیچے سے نہریں چلتی ہیں "خلدین فیھا" اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے،"وذلك الفوزالعظیم" اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے،"ومن یعص الله ورسوله" اورجواللہ اوراس کے رسول کی نافرمانی کرے گا،"ویتعدحدوده" اس کی باندھی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا

"ویدخله نارا خالدا فیھا" داخل کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ آگ میں اور پڑا رہے گا وہ اس آگ میں "وله عذاب مهين" اور اس کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ
اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی
یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا
مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ
السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ یَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِیْبٍ فَاُولٰٓىٕكَ یَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۚ
حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ
یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾ یٰۤاَیُّهَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ
وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا
وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ
زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ

بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝٢٠ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى
بَعْضٍ وَّ اَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝٢١ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ
النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝٢٢

ترجمہ:

”والتی یاتین الفاحشة من نسائکم “ جوعورتیں ارتکاب کریں بے حیائی کا تمہاری عورتوں میں سے،”یاتین الفاحشة“ کا معنی بے حیائی کا ارتکاب کرنا بے حیائی کے کام کو آجائیں یعنی اس کا ارتکاب کریں،”فاستشهدواعلیهن اربعة“ ان پر چار گواہ بنایا کرو،،”فاستشهدو “گواہ بنایا کرو،”علیهن “ان پر” اربعةمنکم “اپنے میں سے چار آدمی،فان شہدوا پھر اگر چار آدمی گواہی دے دیں،”فامسکوهن“ روک رکھا کروان عورتوں کو،”فی البیوت“ گھروں میں ”حتی یتوفهن الموت اوریجعل الله لهن سبیلا“ حتیٰ کہ موت ان کووفات دیدے،یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ بنادے ،”والذان یاتینهامنکم “الذن یہ اسم موصول کا صیغہ ہے تثنیہ مذکر کا ہے اس لئے یہاں مترجمین نے ترجمہ کے اندر اختلاف کیاہے بعضوں نے ولذان سے دومرد ہی مراد لئے ہیں،اسی طرح حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں یہ مذکور ہے،اور جو دومرد،اور بعضوں نے ایک مرد اور ایک عورت کو مرادلیا ہے،اور تغلیباً مذکر کا صیغہ استعمال کیا ہے،دونوں طرح سے بات صحیح ہے تفصیل میں آپ کے سامنے آجائے گی،اور جو دو شخص اس بے حیائی کا ارتکاب کریں تم میں سے”فا ذوهما“پس ان دونوں کو تکلیف پہنچایا کرو،”فان تابا“ پھر اگر وہ دونوں توبہ کرلیں،”واصلحا“اور اپنے حالات ٹھیک کرلیں،”فاعرضوا عنهما“ پھر تم ان دونوں سے اعراض کرجایا کرو،”ان الله کان توابارحیما“ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے،”انماالتوبة علی الله للذین یعملون السوء بجهالة“سوائے اس کے نہیں توبہ کا قبول کرنا اللہ کے ذمے ان لوگوں کے لئے ہے جو برا کام کرتے ہیں نادانی سے”ثم یتوبون من قریب“ پھر وہ جلدی ہی توبہ کرلیتے ہیں،”فاولئك یتوب علیهم “پس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کوقبول کرتا ہے،ان پر توجہ کرتا ہے،”و کان الله علیماحکیما“ اوراللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے،”ولیست التوبة للذین یعملون السیئات“اورنہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لئے یعنی قبولیت توبہ کا وعدہ ان لوگوں کے لئے نہیں نہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لئے جو برائیاں کرتے رہتے ہیں،”حتیٰ اذا حضراحدهم الموت“حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کوموت آئی”قال انی تبت الآن“وہ کہتا ہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں،”ولاالذین

یموتون وھم کفار ‘‘اور نہ ان لوگوں کے لئے توبہ ہے جو مر جاتے ہیں اس حال میں کہ یہ کافر ہیں، ’’اولئك اعتدنا لھم عذابا الیما‘‘ یہی لوگ ہیں کہ ہم نے تیار کیا ہے ان کے لئے دردناک عذاب، اے ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں، کرھا یہ مصدر ہے کرھات کے معنی میں ہو کر نساء سے حال ہے، تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم وارث ہو جایا کرو عورتوں کے اس حال میں کہ وہ عورتیں ناگوار سمجھنے والی ہوں اور حاصل ترجمہ اس کا یہ ہوگا کہ زبردستی وارث نہ ہو جایا کرو عورتوں کے یعنی ان کی رضا کے بغیر، اور ان عورتوں کو روکا نہ کرو تا کہ تم لے جاؤ اس مال کا بعض جو تم نے ان کو دیا ہے، جو کچھ تم ان کو دے چکے اس میں سے بعض مال حاصل کرنے کے لئے ان عورتوں کو روکا نہ کرو منع نہ کیا کرو مگر یہ کہ وہ ارتکاب کریں وہ صریح بے حیائی کا اور اچھے طریقے سے ان کے ساتھ معاملہ رکھا کرو گزارا کیا کرو ان کے ساتھ اچھے طریقے سے، معاشرت کا معنی ہوتا ہے آپس میں مل جل کر رہنا، اچھے طریقے کے ساتھ ان سے مل جل کر رہا کرو۔

اگر تم ان عورتوں کو مکروہ جانتے ہو تمہیں طبعاً پسند نہیں ہیں، تو ان کی جزاء جو ہے وہ محذوف ہوگی، اگر وہ عورتیں تمہیں طبعاً پسند نہیں طبعی طور پر تو بھی انہیں صبر کے ساتھ برداشت کرو صبر کیا کرو، ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اللہ تعالیٰ اس کے اندر خیر کثیر کر دے، اور اگر تم ارادہ کرو تبدیل کرنے کا ایک بیوی کو دوسری بیوی کی جگہ، قنطار کہتے ہیں ڈھیر کو، اور دے چکے ہو تم ان عورتوں میں سے کسی عورت کو ڈھیروں مال بہت کثیر مال دے چکے، تو اس مال میں سے کچھ بھی نہ لیا کرو، کیا تم اس مال کو لو گے از روئے بہتان لگانے کے اور صریح گناہ کرنے کے یعنی اس مال کا لینا اور صریح گناہ کا ارتکاب کے کیسے کر سکو گے، یا تو عورت پر بہتان لگاؤ گے کہ یہ بدکردار ہے اس لئے اس کو ہم رکھنا نہیں چاہتے تو اس پر ظلم کرو گے، اور خواہ مخواہ اس سے مال چھینو گے، اور کیسے لے سکتے ہو تم اس مال کو حالانکہ پہنچ چکا تمہارا بعض بعض کی طرف یعنی خلوت صحیحہ ہوگئی، آپس میں ملاقات ہوگئی جس ملاقات کے بعد مہر مؤکد ہو جایا کرتا ہے اور وہ عورت کا حق بن جاتا ہے، جو کہ دینا پڑتا ہے ایسی صورت میں تم وہ مال کیسے واپس لے سکتے ہو، افضیٰ پہنچنے کے معنی میں ہے بے حجابانہ تم ایک دوسرے کو پہنچ چکے ہو، اور ان عورتوں نے تم سے گاڑھا میثاق لیا ہے، پختہ عہد لیا ہے، اس پختہ عہد سے وہی نکاح اور نکاح کے ضمن میں جو آپس میں نان نفقہ کا اور مہر کی ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے میثاق غلیظ کا مصداق وہ ہے۔

تشریح:

ان آیات میں بھی کچھ اصول ذکر کئے گئے ہیں خاص طور پر عورتوں کے اوپر جو ظلم ستم ہوتا تھا اس کی تلافی آخری آیات میں کی گئی ہے، پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ اگر تمہاری عورتوں کے اوپر جو ظلم ستم ہوتا تھا اس کی تلافی آخری آیات میں کی گئی ہے پہلی بات تو یہ بتائی گئی کہ اگر تمہاری عورتوں میں سے یعنی مسلمان عورتوں میں سے کوئی عورت بے حیائی کا ارتکاب کر بیٹھے

اس بے حیائی سے مراد مفسرین کے نزدیک زنا ہے، اور یہ آیات اس وقت اتری تھیں جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ابھی تک کوئی زنا کے بارے میں کوئی حد متعین نہیں ہوئی تھی تو یہ ذکر کیا گیا تو پہلے زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہ طلب کیا کرو، جس وقت تک چار گواہ نہ ہوں اس وقت تک کسی پر زناء کے ثبوت نہیں ہوتا، اور یہ سخت پابندی اس لئے لگادی گئی کہ زناء ایک بہت بڑااہم معاملہ ہے، جس میں صرف عورت ہی کی عزت نہیں جاتی بلکہ سارے کا سارا خاندان رسوا ہوتا ہے، اور اس کے بہت برے اثرات واقع ہوتے ہیں تو اجازت نہیں دی گئی، کہ بغیر اہم ثبوت کے کوئی شخص کسی عورت کی طرف یا کسی مرد کی طرف اس جرم کو منسوب کرے ورنہ لوگوں کی عادت ہے کہ غصے میں آکے ضد میں آکے ایک دوسرے کی طرف ایک اس قسم کی بے حیائی کے کاموں کو منسوب کرتے رہتے ہیں، اور جس کے نتیجے میں فساد جھگڑے آئے دن ہوتے رہتے ہیں جیسے آج اس بے احتیاطی کے نتیجے میں کتنا بگاڑ ہے، جس پہ چاہا تہمت لگادی جس کے متعلق چاہا برا لفظ نکال دیا یہ عزت کا معاملہ ہے، اور یہ بہت بڑا جرم ہے معاشرت کے طور پر بھی نسب پر بھی اثر پڑتا ہے، اور خاندانوں کی عزتیں برباد ہو جاتی ہیں، تو اجازت نہیں ہے کہ بغیر اہم ثبوت کے کوئی شخص زبان سے اس قسم کی بات نکالے۔

سورۃ النور کی تفسیر میں آپ کے سامنے آئے گا کہ اگر بلاوجہ کوئی شخص کسی دوسرے پر اس قسم کی تہمت لگادیتا ہے اور اس کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کرسکتا چاہے وہ قسمیں کھاتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، تو بھی اس کو پکڑ کر اس کی دبر پر اسی کوڑے لگادیئے جائیں گے، جب تک شہادت نہ ہوں اس وقت تک کسی کو اپنی زبان سے اس قسم کے لفظ نکالنے کی اجازت نہیں ہے، پہلے تو چار گواہ طلب کیا کرو، اور پھر چار گواہ تم میں سے مسلمان ہونے چاہئیں، مرد ہونے چاہئیں حدود کے معاملے میں عورت کی شہادت قبول نہیں ہے، اور غیر مسلم کی شہادت مسلم کے معاملے میں ہوتی ہی نہیں، کسی معاملے میں حدود میں یہ بھی ایک احتیاط ہے کہ عورت کو گواہ نہیں بنایا جاتا، مرد ہونے چاہئیں پھر چار آدمی اگر گواہ ہو جائیں تو پھر ان عورتوں کو بطور سزا کے گھروں میں روک کر رکھو ان کو باہر نہ نکلنے دو ان کا اختلاط ختم کردو، دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ روکنا بطور سزا کے ہے، اور انتظار کرو یا تو اس اسی حالت میں مرجائیں، یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکال لے بعد میں جس وقت حدود نازل ہوئی تو سرورکائنات ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے لے لو مجھ سے لے لو، اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لئے سبیل بنادیا، تو گویا کہ حضور ﷺ نے ان حدود کو سبیل کا مصداق بنایا فرمایا کہ اب اگر اس قسم کا جرم پایا جائے تو اگر وہ غیر شادی شدہ ہے، تو اس کے سو درے لگاؤ اور اگر وہ شادی شدہ ہے تو رجم کرو، یہ سبیل کا مصداق بنایا۔

حضور ﷺ نے اس روایت کے اندر تغریب عام کا ذکر کیا ہے کہ سال بھر اس کو جیل میں بھیج دیا جائے اپنے علاقے سے نکال دیا جائے، جلاوطن کردیا جائے لیکن اس جلاوطنی کے اضافے کو حد کے اندر شامل کیا گیا ہے یا نہیں کیا گیا، یہ فقہاء کے

نزدیک مختلف فیہ مسئلہ ہے، احناف کے نزدیک سو درہ یہ حد ہے جس کے معاف کرنے کا حاکم کو کوئی حق نہیں ہے، ثبوت ہو جانے کے بعد اس حد کا معاف کرنا حاکم کے اختیارات سے باہر ہے، اور سال بھر کے لئے علاقے سے نکال دینا جلاوطن کر دینا یا جیل میں بھیج دینا یہ بھی تغریب کا مصداق ہے یہ سیاست ہے اگر حاکم مناسب سمجھے تو سزا دیدے نہ مناسب سمجھے تو نہ سزا دے، فقہ حنفی نزدیک آپ اس کی تفصیل یہی پڑھیں گے، اور شوافع کے نزدیک یہ بھی حد کا حصہ ہے کہ سو درے بھی لگانے پڑیں گے اور سال بھر کے لئے اس کو اس علاقہ سے باہر نکالنا پڑے گا، کسی دوسرے علاقے میں بھیج دیا جائے، بہرحال یہ فقہاء کے نزدیک تغریب عام کے اندر اختلاف ہے، باقی حد جو ہے وہ سو درہ قرآن کریم میں صراحتاً آیا ہوا ہے، رجم کا ذکر اگر اس وقت قرآن کریم میں موجود نہیں لیکن روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف نازل شدہ حکم ہے، اور سرور کائنات ﷺ نے اپنے سامنے بعض زانیوں کو رجم کروایا، اجماع امت کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ شادی شدہ کو رجم کیا جاتا ہے، اور غیر شادی شدہ کو کوڑے مارے جاتے ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، قرآن کریم میں اگرچہ وہ پڑھا نہیں جاتا لیکن ہے ایسے ہی قطعی جیسے قرآن کریم کی آیت ہوتی ہے تو یہ سبیل کا مصداق ہے تو پھر سزا جس وقت دیدی جائے گی تو اب وہ حبس کی بات جو ہے وہ ختم ہو گی ثبوت مہیا ہو جانے کے بعد حاکم اس کے اوپر سزا جاری کر دے گا۔

"فاستشھدوا علیھن اربعة منکم" اپنے میں سے چار گواہ طلب کیا کرو، "فان شھدوا" پس اگر وہ گواہی دیدیں "فامسکوھن" پھر ان کو روک رکھا کرو بطور سزا کے باہر نہ آنے جانے دو لوگوں سے اس کا اختلاط ختم کر دو حتی کہ انہیں موت وفات دیدے یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ متعین کر دے، اور راستہ متعین ہو گیا "والذان یاتیانھا" یہ لفظ چونکہ مذکر کے وہ صیغے کے ساتھ آیا ہے اس لئے بعض مفسرین نے اس کی تفسیر کی کہ جو دو مرد تم میں سے بے حیائی کا ارتکاب کر لیں، یا پھر یہ ترجمہ کیا جائے گا تو پھر اس کا مصداق ہے، قضائے شہوت بالجنس، جس کو آج کل لواطت کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے یہ مرد مرد کے ساتھ ارتکاب کرے قضائے شہوت کرے تو پھر "والذان یاتیانھا منکم" کا مصداق یہ دونوں ہوں گے اور اگر اس کو تغلیباً کیا جائے تو پھر مطلب یہ ہو گا کہ اوپر ذکر صرف عورتوں کا ہوا ہے اور آگے تعمیم کر دی کہ یہ حکم صرف عورتوں کے ساتھ خاص نہیں ہے کہ سزا انہیں دینی ہے بلکہ جو شخص بھی یعنی مرد و عورت اس کا ارتکاب کر بیٹھیں دونوں کو تکلیف پہنچاؤ، دونوں کو تکلیف پہنچانے کی عورتوں کے لئے وہ صورت بھی ہو گی کہ عورتوں کو گھروں میں بند رکھو، باہر آنے جانے نہ دو مرد کو گھر میں تو بند نہیں رکھا جائے گا، باہر چل پھر سکتا ہے لیکن اس کو دوسری طرح سے تکلیف پہنچاؤ، ملامت کرو جوتے مارو سزا دو جس طرح سے بھی ہو اور جب حد نازل ہو گئی پھر اس کے لئے بھی ایذاء کی صورت متعین ہو گئی کہ مرد ہو تو اس کو بھی وہی سزا دی جائے گی جو حد زنا کے اندر ذکر کر دی گئی، اور اگر دو مرد مراد لئے جائیں پھر یہ سزا جو ہے گویا کہ لواطت کے سزا کے

طور پر ذکر کی گئی کہ ان دونوں کو تکلیف پہنچایا کرو۔

پھر اس تکلیف کا مصداق صراحتاً شریعت کے اندر مذکور نہیں ہے، اس لئے فقہاء کے نزدیک یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے یہ فعل جس کو لواطت تعبیر کیا جاتا ہے زنا کے مقابلے میں زیادہ غلیظ ہے، اور زیادہ برا ہے اس لئے اس کو کتابوں کے اندر غیر فطری فعل کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، غیر فطری فعل، غیر فطری کا مطلب یہ ہے کہ فطرت کا تقاضہ نہیں یہ فطرت سے بغاوت ہے، فطرت کا تقاضا ہے مذکر کا رجحان مؤنث کی طرف اللہ تعالیٰ نے یہ حیوان کی فطرت میں بات رکھی جاتی ہے کہ نر کا رجحان مادہ کی طرف ہے تمام انواع حیوانات میں کہ نر جو ہے وہ قضائے شہوت کرتا ہے مادہ کے ساتھ رجحان اس طرح سے ہے لیکن یہ نر نر کے ساتھ قضائے شہوت کرے یہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے ذریعے بات نہیں رکھی حیوانات کے فطرت کے خلاف ہے، یہی وجہ ہے کہ جتنے حیوانات آپ کے سامنے پھرتے ہیں کتے بلیوں سے لے کر پرندوں تک بڑے چھوٹے جتنے جانور بھی ہیں ان میں سے کبھی آپ نہیں دیکھا ہوگا کہ کوئی نر نر کے ساتھ قضائے شہوت کر رہا ہو، نمونہ کوئی موجود نہیں، البتہ ایک کتاب کے اندر نظر سے پڑھا ہے وہ ہمیشہ میں ذکر کیا کرتا ہوں، سیرت کی کتاب ہے "انسان العیون" جس کو سیرت حلبی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اس میں ایک جملہ ہے کہ "لایلوط من الحیوانات الا الحمار والخنزیر" یہ لواطت والا عمل حیوانات میں صرف گدھوں اور خنزیروں میں پایا جاتا ہے، باقی حیوانوں میں سے کسی حیوان میں نہیں ہے، تو میں بارہا ذکر کیا کرتا ہوں کہ ہمارے چاروں طرف گدھے تو ہیں ہی اور یہ علاقے کے اندر ہی کثرت کے ساتھ موجود ہیں، لیکن آج تک ہمیں کوئی ثبوت نہیں ملا کہ کسی شخص نے گدھے کو گدھے پر چڑھتے پایا ہو کہ "ادخال الفرج فی الفرج" ہو جائے، ویسے مستیاں کرتے ہوئے لڑتے بھرتے ہوئے ٹانگ کسی کے اوپر رکھ لی، اس طرح سے چھیڑ چھاڑ تو کرتے رہتے ہیں باقی ایسا فعل کا ارتکاب کرتے ہوئے کسی کو دیکھا ہو جس کو قضائے شہوت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو ایسا نمونہ ہمیں آج تک نہیں ملا۔

باقی خنزیر کے ریوڑ ہم نے دیکھے نہیں ہیں جو لوگ ان کو گھروں میں رکھتے ہیں ان کے سامنے کوئی نمونہ ہو تو بے شک ہو، بہر حال حیوان کی تاریخ اس بات سے خالی ہے کہ نر نر کے ساتھ قضائے شہوت کرے، جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ فطرت حیوانی نہیں یہ فطرف سے بغاوت ہے، ایسا کوئی شخص اگر ارتکاب کرتا ہے تو ایسے سمجھو کہ وہ حیوانیت کی حدود سے وہ باہر ہے اس لئے یہ جرم زیادہ سخت ہے، مذکر کا رجحان مؤنث کی طرف یہ فطرت کا تقاضا ہے یہ بات ہر حیوان میں پائی جاتی ہے، لیکن آگے پھر حیوان میں اور انسان میں فرق یوں ہو جائے گا کہ اگر کسی قاعدے اور قانون کا پابند ہے تو وہ انسان ہے اور اگر وہ قاعدے قانون کا پابند نہیں جس کو دیکھا اس سے قضائے شہوت کر لی جیسے باقی حیوانات میں نہ ماں کی تمیز ہے نہ بیٹی کی تمیز ہے نہ بہن کی تمیز ہے، جس کو دیکھا اس کے ساتھ قضائے شہوت کر لی، اگر یہ صورت حال پیش آجائے تو آپ زیادہ سے زیادہ اس کو

حیوانیت کہیں گے بہرحال یہ حیوانی فطرت سے باہر نہیں، قاعدے قانون کے پابند ہونا یہ انسانیت ہے، انسان جو ہے وہ اس قاعدے قانون کا پابند ہے کہ فلاں حلال ہے فلاں حرام ہے، اس صورت میں حلال ہے اس صورت میں حرام ہے، اور حیوان اس چیز کا پابند نہیں تو یہ غیر فطری فعل ہے اس لئے شریعت نے بھی اس کے اوپر وعید زیادہ کی ہے، قرآن کریم نے ایک مستقل قوم کا ذکر کیا ہے کہ جس کو اس جرم کے نتیجے میں تباہ و برباد کر دیا گیا، وہ قوم لوط ہے لوط اللہ کے پیارے پیغمبر ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں ان کو ایک بستی سدوم میں متعین کیا گیا تھا اور اسی کے ساتھ ملحق بستیاں تھیں جن کے ساتھ یہ قوم آباد تھی ان میں کفر و شرک کے علاوہ اس قسم کا فعل بھی پایا جاتا تھا کہ وہ مرد عورت کی طرف رجحان رکھنے کی بجائے مرد مرد کی طرف رجحان رکھتا تھا۔

اور یہ کام انہیں سے شروع ہوا، اس سے پہلے انسانی معاشرے کے اندر یہ چیز موجود نہیں تھی، جیسے کہ قرآن کریم میں موجود ہے، "ماسبقکم بھامن احدمن العالمین" تمام جہانوں میں سے اس حرکت کے ساتھ تم سے کوئی شخص سبقت نہیں لے گیا، اس فعل کی ایجاد بھی انہیں کی ہے، یہ شروع بھی انہیں سے ہوا، باقی یہ ان میں کیسے شروع ہو گیا؟ یہ غیر فطری فعل اس میں اب کوئی واضح ثبوت تو ہے نہیں، اسرائیلی روایات قصے کہانیوں کی کتابیں ان میں اس قسم کی باتیں آتی ہیں اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک واعظ کے اندر ذکر فرمایا کہ اس کی ابتداء کس طرح سے ہوئی وہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا باغ تھا، اور شیطان انسان کو اس غیر فطری فعل کے اندر مبتلا کرنا چاہتا تھا، بربادلانے کے لئے تاکہ اس کی نسل منقطع ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بدترین جرم کا مرتکب ہو جائے، کیونکہ اس فعل کے نتیجے میں نسل بھی منقطع ہو جاتی ہے، جب عورتوں کی طرف رجحان نہیں ہو گا تو آگے اولاد کس طرح سے ہو گی؟ تو شیطان ایک خوبصورت لونڈے کی شکل میں اس باغ میں گیا اور جا کے پھل توڑنے شروع کر دیئے اور خراب کرنے شروع کر دیئے، باغ والے نے اس کو پکڑ لیا، پکڑ کے مارنا شروع کر دیا بہت پیٹا اور اس کو باغ سے نکال دیا اور اگلے دن وہ پھر آ گیا پھر آ کے اس نے اسی طرح سے حرکتیں شروع کر دیں، باغ والے نے پھر پکڑ لیا پھر اس کو سزا دی اور نکال دیا، اگلے دن پھر وہ آ گیا حتی کہ باغ والا اس کو پیٹتا پیٹتا عاجز آ گیا، لیکن اس لونڈے نے اپنی حرکت نہ چھوڑی، باغ میں آتا اور بربادی لاتا، آخر وہ باغ والے نے عاجز آ کر اس سے پوچھا کہ تو کسی طرح سے یہاں رک بھی سکتا ہے کہ مار مار کے تو میں نے دیکھ لیا ہے، وہ کہنے لگا کہ ایک کام اگر کرو تو پھر میں رک جاؤں گا وہ کہنے لگا کہ وہ کیا؟ تو اس نے کہا کہ میرے ساتھ یوں کرو جب اس باغ والے کو اپنے ساتھ مبتلاء کر لیا اب یہ ایک قدرتی سی بات ہے کہ اس کو اس میں لذت زیادہ آئی مقام کے تنگ اور خشک ہونے کی وجہ سے وہاں سے اس کو عادت پڑی، تو دوسرے کو نشاندہی کی تیسرے کو نشاندہی کی اس طرح وہ کرتے کرتے سارا معاشرہ جو تھا وہ اس کی لپیٹ میں آ گیا، تو حضرت لوط علیہ السلام کے ذمے خاص طور

پر اس فاحشہ کو مٹانے کا کام لگایا گیا تھا، اور انہوں نے بہت کوشش کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا حتی کہ وہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جس طرح اس کی تفصیل قرآن کریم میں ہے تو............................

اس سے یہ رسم بد جو تھی یہ انسانی معاشرے میں آئی اب چونکہ یہ کام شروع ہوا حضرت لوط علیہ السلام کی قوم سے تو نسبت بھی اس کام کی ادھر ہو گی، حدیث شریف میں جو عنوان ذکر کیا گیا ہے اس فعل کو نقل کرتے ہوئے وہ یہ ہے "من عمل عملا قوم لوط" اتنی لمبی ترکیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم استعمال فرماتے ہیں، "من عمل عملا قوم لوط" جو کوئی شخص قوم لوط علیہ السلام جیسا عمل کرے، "فاقتل الفاعل والمفعول به" تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو قتل کر دیا کرو، "ملعون من عمل عملا قوم لوط" جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے وہ ملعون ہے، اس پر لعنت ہے اور اسی طرح سے اور روایتوں کے اندر بھی اتنی لمبی ترکیب نقل کی گئی ہے "من عمل عملاقوم لوط" لیکن بعد میں ایک لفظ مستعمل ہو گیا، نیا لفظ بنا لیا گیا اب بن گیا چل گیا تو فقہ کی کتابوں کے اندر آتا ہے تفسیر کی کتابوں میں بھی آتا ہے شارحین حدیث بھی اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں لیکن ذخیرہ حدیث میں یہ لفظ ہے ہی نہیں یعنی یہ لفظ لواطت نہ قرآن کریم میں ہے نہ حدیث شریف میں ہے، حدیث شریف میں جہاں ذکر کیا گیا اتنی لمبی ترکیب کے ساتھ ذکر کیا گیا، "من عمل عملا قوم لوط" اب یہ لفظ مستحدث ہے بنا لیا گیا، جس نے بھی بنایا ہے اور اس لفظ کو ایجاد کیا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے ہے یہ بہت درجے میں زیادتی اب فعل اس سے استعمال ہوتا ہے، "لاط یلوط" گویا کہ اس نبی کے نام سے اس فعل کو اخذ کر لیا حالانکہ اس نبی کا اس میں کیا تعلق تھا؟ حرکت تو قوم کی تھی اب حضرت کا نام اس درجے میں آ گیا کہ کوئی شخص ابراہیم کی طرف نسبت کرتا ہوا ابراہیمی کہلائے گا، عیسیٰ کی طرف نسبت کرتا ہوا عیسوی کہلائے گا، موسیٰ کی طرف نسبت کرتا ہوا موسوی کہلائے گا، محمد کی طرف نسبت کرتا ہوا محمدی کہلائے گا لیکن حضرت لوط علیہ السلام کی نسبت کرتے ہوئے کوئی لوطی کہلانے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ جہاں لوطی کا لفظ آیا نسبت اگرچہ حضرت لوط علیہ السلام کی طرف ہے لیکن فوراً ذہن جو ہے وہ اس برے کام کی طرف چلا جاتا ہے، تو ایک نبی کے نام سے جو اس کو اخذ کر لیا گیا تو اخذ ہو گا۔

اب تو مفسرین بھی نقل کرتے ہیں فقہ کی کتابوں کے اندر بھی آتا ہے ادب کی کتابوں کے اندر بھی آتا ہے "لاط یلوط" فعل بن گیا لیکن اس کی ابتداء جو ہے وہ اچھی نہیں ہے جس میں نبی کا نام آ گیا ورنہ حدیث شریف کے اندر جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے تو اس کو اس انداز کے ساتھ نقل کیا ہے کہ "من عمل عملاقوم لوط" قوم لوط والا کوئی شخص عمل کرے اتنی لمبی ترکیب کے ساتھ اس کو ذکر کیا گیا ہے، سزا اس کی شریعت میں کیا ہے؟ قرآن کریم میں صرف یہی لفظ آیا ہے، "فاذوهما" یا قوم لوط کو جو سزا دی گئی تھی ان کے اوپر سنگ باری کی گئی اور اس علاقے کو الٹ دیا گیا زمین کے نیچے

دبا کران کو ہلاک کردیا گیا، لیکن متعین طور پر کوئی سزا ہماری شریعت نے جو ایسا کام کرتا ہوا پایا جائے ایسے متفق علیہ نہیں ہے صحابہ کرام کے اندر اس بارے میں اختلاف ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ہشام بن عبدالملک رضی اللہ عنہ جو خلیفہ اموی ہوا ان چاروں خلیفہ کے زمانے میں ایسا واقعہ پیش آیا اور کوئی شخص اس فعل کا مرتکب پایا گیا، انہوں نے اس کو زندہ آگ میں جلایا، اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس کو کسی دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اس کے اوپر دیوار گراؤ تا کہ قوم لوط والا نمونہ آجائے بعض کا قول یہ ہے کہ کسی بلند سے بلند عمارت ہو وہاں لے جا کر سر کے بل اس کو زمین پر گرا کر اس کو ہلاک کردیا، پہاڑ کی چوٹی سے اس کو دھکا دے کر اس کو ہلاک کرو اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ اس کو قتل کردیا جائے ،اور بعضوں کا قول یہ ہے کہ جس طرح حد زنا ہے ویسے ہی اس کو زنا کی سزا دی جائے۔

اور فقہاء میں بھی اسی وجہ سے اختلاف ہے بعضے اس کو زنا کی تعریف میں شامل کرتے ہیں وہ تو اس کے اوپر زنا والی سزا دیں گے ،اور بعضے اس کو زنا کی تعریف میں شامل نہیں کرتے بلکہ فاحشہ کا مرتکب قرار دیکر اس کے لئے حاکم کو اختیار دیدیتے ہیں تعزیر کا چاہے وہ درے لگادے اور اگر بار بار سمجھانے کے باوجود باز نہیں آتا تو اس کو قتل بھی کرواسکتا ہے، اور اس کے علاوہ کوئی دوسری سزا دینا چاہے تو وہ بھی دے سکتا ہے، اس کی حدود کو وسیع کردیا گیا، صاحبین کے نزدیک یہ زنا کے حکم میں ہے اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں تعزیر ہے جو حاکم کے اختیار میں ہے اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ زنا کے حکم میں ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کی سزا کے اندر اختلاف نہ ہوتا، کیونکہ زناء کی حد تو قرآن کریم میں متعین ذکر کردی گئی، اس میں تو اختلاف کی گنجائش نہیں ہے، تو جب اس کی سزا میں اختلاف کیا گیا ہے تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ یہ زنا کی تعریف میں نہیں ہے، سزا اس کی سخت ہے، تو مرد مرد کے ساتھ کرے تب بھی یہی بات ہے اور مرد عورت کے ساتھ دبر میں اس قسم کی شرارت کرائے تب بھی یہی بات یہ فعل بھی حرام ہے، چاہے اپنی عورت کے ساتھ دبر میں اس قسم کی شرارت کرے تب بھی یہی بات یہ فعل بھی حرام ہے چاہے اپنی بیوی کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو؟ اس کی اجازت نہیں ہے یہ یہاں بھی غیر فطری فعل ہے، یہ ''اٰذوھما'' کی تفسیر کے تحت آگئی کہ ان کو ایذاء پہنچاؤ اور اس ایذاء کی تفصیل یہ ہے اور اگر مرد اور عورت دونوں مراد لئے جائیں تو ایذاء کا مصداق وہی حد زنا اور اگر دو مرد مراد لئے جائیں تو اس کی تفصیل یہ ہے جو آپ کے سامنے ذکر کردی گئی بہرحال یہ عقلاً عرفاً شرعاً ہر طریقے سے زنا کے مقابلہ میں یہ فعل زیادہ قبیح ہے۔

''فان تاب '' پھر اگر یہ دونوں توبہ کرلیں یہاں بھی اسی طرح سے یہاں دو مرد مراد ہیں یا مرد اور عورت صیغہ تغلیباً آجائے گا ''واصلحا'' اور اپنے فعل کو درست کرلیں، ''فاعرضوا عنھما'' پھر ان کا پیچھا چھوڑ دیا کرو پھر ہر وقت ان کے پیچھے لگے رہنا ملامت کرنا طعنے دینا یہ مناسب نہیں ہے، ان کے توبہ کرلینے کے بعد اور اصلاح کرلینے کے بعد ان کا پیچھا

چھوڑ دینا چاہیئے ،''ان اللہ کان توابا رحیما'' بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے رحم کرنے والا ہے، آگے پھر یہ توبہ کے متعلق یہ کچھ آداب ذکر کر دیئے گئے ، کیونکہ یہاں ''فان تاب'' توبہ کا ذکر آ گیا ہے اس کی مناسبت سے آگے توبہ کا مسئلہ ذکر کر دیا گیا، توبہ کی حقیقت حدیث شریف سے جس طرح سے معلوم ہوتا ہے ''التوبۃ ندامۃ'' اپنے کیے ہوئے شرمندہ ہونا یہ توبہ اور اس شرمندگی کا تعلق قلب کے ساتھ ہے دل میں انسان نادم ہو جائے، شرمسار ہو جائے پشیمان ہو جائے میں نے یہ کام کیوں کر لیا، مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہیئے تھا، قلب کے اوپر کیفیت طاری ہو جائے یہ حقیقت میں توبہ ہے، اور استغفار کا لفظ ہم بولا کرتے ہیں اس کا تعلق لسان کے ساتھ ہے توبہ استغفار دونوں لفظ آ جائیں گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل میں پشیمان ہو اور زبان سے اس توبہ کے لفظ کو استعمال کرے جو توبہ اور استغفار کی شکل میں آ جائیں، جس طرح سے ایمان کی حقیقت قلب سے تعلق رکھتی ہے اور ایک زبان کہ اقرار باللسان اس طرح اس کا ایک تعلق قلب کے ساتھ ہے کہ دل میں ندامت ہو پشیمانی ہو اور دوسرا تعلق اس کا زبان کے ساتھ ہے کہ زبان سے اقرار بھی کرے کہ مجھ سے یہ غلطی ہوگئی آئندہ میں اس قسم کی غلطی نہیں کروں گا، یہ جو حقیقت ہے اس توبہ کی اور اگر دل کے اندر ندامت نہ ہو بلکہ دل میں تو اسی طرح سے شوق ہے اور پتہ بھی ہے کہ دوسرے موقع پر میں نے اسی طرح سے کرنا ہے اور اس فعل سے باز نہیں آتا انسان تو زبان کے ساتھ ایک لاکھ دفعہ بھی توبہ استغفار کرے تو اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ بے حقیقت توبہ ہے۔

جس طرح سے وہ فارسی کا ایک شعر آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہاتھ میں تو تسبیح پکڑی ہوئی ہے زبان پر توبہ توبہ دل اسی طرح گناہ کے شوق کے ساتھ بھرا ہوا ہے، تو گناہ کھڑا ہنستا ہے ہمارے استغفار پر کہ تیرا یہ استغفار مجھے مٹا نہیں سکتا، یہ مجھے دفعہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، تو اس کی قبولیت کے لئے پہلی شرط تو یہ ہے کہ قلب کے اندر ندامت آئے جس وقت تک انسان دلی طور پر شرمسار نہ ہو اس وقت تک توبہ کی حقیقت مہیا نہیں ہوتی، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لئے رکنے کا عزم ہو کہ پچھلے کے اوپر پشیمانی ظاہر کرے اور آئندہ کے لئے تہیہ کرے کہ میں یہ کام نہیں کروں گا، توبہ کرتے وقت یہ عزم ہو کہ میں آئندہ یہ کام نہیں کروں گا، میں بچ کے رہوں گا تو توبہ صحیح ہوگی، لیکن اگر پھر جذبات سے مغلوب ہو کر ماحول سے متاثر ہو کر یا نفسانی شرارت سے شیطان کے اکسانے بہکانے سے دوبارہ پھر اس جرم کے اندر مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے پہلے گناہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہ مستقل فعل ہے اس کے لئے مستقل توبہ چاہیئے، دوبارہ پھر توبہ کر لی جائے، پہلی توبہ اپنی جگہ بحال ہے جو اس سے پہلے گناہ کیا ہوا تھا وہ مٹ گیا اب اس کے لئے دوبارہ توبہ کرو جتنی دفعہ بھی یہ فعل ہوتا جائے بشرطیکہ توبہ کرتے وقت دوبارہ اس کام کے کرنے کا ارادہ نہ ہو توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ ہو سکتا ہے اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا ''............'' جو استغفار کر لے اس کو اڑنے والا نہیں کہا جا سکتا کہ یہ معصیت کے اوپر اڑا ہوا ہے ''ولو عاد فی الیوم سبعین مرۃ'' اگرچہ ایک

دن کے اندر اس فعل کا ارتکاب وہ ستر دفعہ کرے، ستر دفعہ بھی اس سے اس فعل کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو بھی اس کو مصر نہیں سمجھا جائے گا اگر وہ شخص صدق دل کے ساتھ توبہ کرلے، مطلب یہ ہے کہ توبہ کرتے وقت یہ ارادہ ہو کہ یہ کام تم نے نہیں کرنا لیکن اگر پھر کسی وجہ سے پھسل گیا تو ایسی صورت میں پھر توبہ کی گنجائش ہے توبہ کا دروازہ بند نہیں ہے۔

غالباً مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ اسی مفہوم کو ادا کرتے ہیں ''بعض آ بعض آ چہ ہستی بعض آ'' اس کا بھی یہی معنی ہے کہ اللہ نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے جو کچھ بھی تم ہو ایک دفعہ آ جاؤ اللہ کے سامنے، کافر ہو آتش پرست ہو، بت پرست ہو جو کچھ بھی ہو آ جاؤ اس دربار میں ناامیدی نہیں ہے، اگر ستر دفعہ بھی توبہ کر کے توڑ چکے ہو اب بھی گنجائش ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو اور اللہ تعالیٰ پھر گناہ معاف کر دیں گے، تو توبہ کرتے وقت یہ عزم ہونا چاہیئے کہ ہم دوبارہ اس کام کو نہیں کریں گے اور اگر پھر بعد میں ہو بھی جائے تو بھی اسی طرح سے باز آئے اللہ تعالیٰ نے یہ توبہ کا مسئلہ جو ذکر فرمایا یہ انسانی دنیا کے اوپر ایک بہت بڑا احسان ہے اللہ تعالیٰ کا کیونکہ گناہ ہو ہی نہیں یہ تو فرشتوں کی حالت ہے ''لایعصون الله ماامرهم ویفعلون مایؤمرون'' یہ فرشتوں کا مقام ہے کہ ان سے کوئی معصیت نہ ہو اس کی اللہ تعالیٰ نے فطرت ہی ایسی رکھی ہے کہ اللہ کے احکام کے مطابق چلتے ہیں اللہ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے یا یہ انسانی طبقات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو یہ شرف دیا ہے کہ ان سے معصیت صادر نہیں ہوتی وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر ایک قسم کے قادر ہی نہیں ہوتے، یہ مسئلہ آپ کے سامنے عصمت انبیاء علیہم السلام کا آچکا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر باقی انسان معاشرہ جتنا بھی ہے نیک ہو بد ہو ولی ہو غیر ولی ہو، عالم ہو جاہل ہو اس دنیا میں رہتے ہوئے قدم پھسل جاتا ہے گناہ کے اسباب چاروں طرف پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، کہیں آنکھ خطاء کر جاتی ہے کہیں کان بہک جاتا ہے، اور کہیں دل بھٹک جاتا ہے کہیں قدم سے لغزش ہو جاتی ہے، اس قسم کے حالات ہوتے رہتے ہیں، جب کیچڑ زیادہ ہوتا ہے تو ہاتھی بھی پھسل جاتے ہیں دنیا کے اندر اسی طرح سے ہوتا رہتا ہے، اب اگر اس میں توبہ کی بات نہ ہوتی اور اگر اللہ تعالیٰ اس کے ازالے کی کوئی تدبیر نہ بتاتے تو پھر کوئی شخص بھی اپنے نام اعمال کو صاف نہیں رکھ سکتا تھا ہاں البتہ معصیت کے بعد اس پر اڑ جانا ندامت کا اظہار نہ کرنا یہ شیاطین کا کام ہے۔

اور بنی آدم کی بات یہی ہے ''کل بنی آدم خطاؤون'' جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدم کے جتنے بچے ہیں سب خطا کار ہیں ''وخیر الخطائین التوابون'' لیکن ان خطا کاروں میں بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں اس لئے غلطی اور لغزش ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے رو پڑنا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ باندھ دینا ندامت کا اظہار کرنا یہ اصل میں آدمیت ہے، آدمی ہونے کا تقاضا یہی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے کہ اس غلطی اور اس نقص کے تدارک کا طریقہ بتا دیا اب جب گناہ ہو جائے یہاں قبولیت توبہ کے لئے ایک ضابطہ ذکر کیا جا رہا ہے کہ گناہ ہوتا ہے بسا اوقات جذبات

سے مغلوب ہو گئے، "بجھالۃ" کا لفظ جس طرح سے آیا، جہالت سے کیا مراد ہے اس میں بھی دونوں رائیں ہیں، یا تو یہاں جہالت سے مطلقاً بدعملی مراد ہے جو شخص بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ جاہل ہے، یوں سمجھو کہ اس نے علم کے تقاضے چھوڑ دیئے اگر اس پر گناہ کی حقیقت مستحضر ہوتی اور اس کی سزا پر اس کو کامل یقین ہوتا تو ایسی حرکت نہ کرتا، آپ کو پتہ ہے کہ آگ جلاتی ہے آپ کو یقین ہے کہ یہ جلاتا ہے اور اگر کوئی شخص جہالت کرے اور اٹھا کر انگارے کو گود میں رکھ لے کہیں گے کہ دیکھو نادان ہے اس نے حماقت کرلی اسنے جہالت کرلی کیونکہ اس نے اپنے عمل کے تقاضے کو چھوڑ دیا۔

بچھو آپ کے سامنے ہے آپ کو پتہ ہے کہ یہ لڑ جائے گا اور لڑنے کے بعد درد ہوتا ہے تو کوئی شخص اس کو ہاتھ لگانے کی کوشش نہیں کرتا، اور اگر اس کو کوئی ہاتھ لگائے گا پھر وہ لڑ جائے گا، اور درد ہو گا تو سارے کہیں گے کہ جاہل نادان تو نے ایسے کیوں کیا، تجھے پتہ نہیں تھا کہ بچھو ڈنگ مارتا ہے اور درد ہوتا ہے، جب تک کوئی اس تقاضے کو پورا نہیں کرتا جو علم کا تقاضہ ہے تو اس کو کہتے کہ یہ جاہل ہے اس لئے ہر بدعملی جو ہے وہ جہالت کا مصداق ہے تو یہ قید احترازی نہیں بلکہ واقعی ہے کہ نادانی کے ساتھ حماقت کے ساتھ بے وقوفی سے اگر کوئی شخص گناہ کرے اور جو بھی گناہ کرتا ہے نادانی سے بے وقوفی حماقت کرتا ہے ورنہ اس گناہ کا جو نتیجہ ہے کہ قلیل لذت کے لئے کثیر عذاب جو برداشت کرنا پڑے گا، یا دو چار منٹ کی لذت کے لئے ہمیشہ کی رسوائی جو برداشت کرنا پڑے گی اگر اس کا استحضار ہو تو کوئی شخص گناہ کے قریب نہیں جاتا، تو ایسا کرنا گویا کہ جہالت ہے، اور پھر توبہ جلدی کرلے۔

دوسری قید یہ آئے گی کہ توبہ جلدی کرلے تو جلدی کا کیا مصداق ہے؟ ایک تو یہ ہے کہ جب تنبیہ ہوئی فوراً ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرلی اور ایک یہ ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے غرغرہ کی کیفیت سے پہلے پہلے توبہ کرلی جائے تو روایت کی طرف دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی من قریب کا مصداق ہے ہاں البتہ جس وقت جان کنی شروع ہو جائے گی اور آخرت منکشف ہو جائے گی ایسے وقت میں پھر توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، یہ "من قریب" کیا ہے؟ یہ موت سے قبل قبل بھی صادق آئے گی، اور "بجھالۃ" اگر غلط کار کے ساتھ صادق آ گیا تو ایسی صورت میں توبہ جو ہے وہ یوں وسعت اختیار کرگئی، اور اگر ان دونوں لفظوں کو احتراز کے لئے بنایا جائے تو پھر مطلب یہ ہو گا کہ بسا اوقات تو گناہ ہوتا ہے کہ انسان جذبات میں یوں مغلوب ہو جاتا ہے کہ عقل اس کی کام کی نہیں رہتی جہالت سے یہی مغلوبیت جذبات کی مراد ہے، جہالت جس طرح علم کے مقابلہ میں آتی ہے اسی طرح سے حلم کے مقابلہ میں بھی آتی ہے، کہ انسان سے برداشت کا دامن چھوٹ جائے اس کو بھی جہالت کہتے ہیں، "بعض الحلم عند الجهل الخ" جس طرح سے حماسہ میں آپ نے پڑھا کہ بعض بعض برداشت دوسرے کی طرف سے جہالت کے مقابلے میں یہ اپنی ذلت کا یقین ہوتا ہے، دوسرے کی طرف سے تو جذباتی معاملہ ہو رہا ہے اور آپ اس کو آگے

سے برداشت کرتے رہیں تو یہ حلم اور جہالت کا آپس میں مقابلہ ہے، تو جیسے علم آیا کرتا ہے جہالت کے مقابلہ میں ایسے حلم بھی آتا ہے۔

تو جو جذبات سے مغلوب ہو گئے اور مغلوب ہو کر ارتکاب کر بیٹھے تنبیہ ہوتے ہی فوراً توبہ کر لی یہ توبہ ایسی ہے جس کے قبول کرنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے، اور ایک ہے کہ مغلوب نہیں ہوئے بالکل اچھی طرح سے ہوش حواس قائم ہیں گناہ کی نوعیت بھی ہے سوچتے ہوئے قدم اٹھاتے ہوئے اس گناہ میں مبتلا ہوتے ہو تو یہ گناہ گویا کہ ''بجهالة'' نہیں ہے، اور پھر گناہ کرنے کے بعد متنبہ ہو کر فوراً توبہ نہیں کرتے اور س معاملے کو ملتوی کر دیتے ہو سستی کر جاتے ہو تو یہ ''من قریب'' نہیں ہے ایسی توبہ کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وعدہ نہیں ہے، باقی اپنی رحمت کے ساتھ اگر گناہ معاف کر دے تو کر دے وعدہ اس کا ہے کہ کسی وجہ سے جذبات سے مغلوب ہو گئے اور اس فعل میں مبتلا ہو گئے اور تنبیہ ہوتے ہی فوراً توبہ کر لی اس قسم کی قبولیت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے، پھر جیسا گناہ ہوتا ہے ویسے ہی توبہ ہوتی ہے، مخفی گناہ اس کی توبہ بھی مخفی، اور اگر کوئی گناہ علی الاعلان کیا ہے تو اس کی توبہ بھی علی الاعلان کرنی پڑتی ہے، اور اگر اس کا تعلق حقوق العباد کے ساتھ ہے تو وہ یا ادا کرنے پڑتے ہیں یا معاف کروانے پڑتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ کے فرائض کے ساتھ ہے تو اگر کسی کی قضاء ہے تو قضاء دینی پڑتی ہے، اور اگر کفارہ ہے تو کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے وہ ساری کی ساری تفصیل آپ اپنی کتابوں میں پڑھیں گے توبہ کے قبول ہونے کے لئے ان سب چیزوں کا ہونا ضروری ہے، اگر ترک صلوۃ کا آپ نے گناہ کیا ہے تو اس کی توبہ یہ نہیں کہ آپ توبہ واستغفار کر لیں بلکہ اس کو قضاء کریں، اور قضاء کرنے کے بعد پھر اپنے قصور کی معافی مانگیں، کسی کی عزت کو آپ نے کوئی نقصان پہنچایا ہے یا اس کا تاوان دیں یا اس سے معاف کروائیں تب جا کے اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ قبول ہو گی، تو لوگوں پر ظلم کرتے رہو، ان کا مال کھاتے رہو اور حق دباتے رہو اور توبہ استغفار زبان سے ادا کرنے کے ساتھ گناہ معاف نہیں ہوا کرتے یہ ساری تفصیل اپنی جگہ موجود ہے۔

تو ''بجهالة من قريب'' کو واقعی قاعدہ بھی بنایا جا سکتا ہے کہ جب گناہ ہو گا جہالت کے ساتھ ہو گا موت سے پہلے جو توبہ ہو گی وہ من قریب ہے، تو پھر یہ ساری زندگی پہ پھیل گئی یہ آیت، اور اگر احترازی بنایا جائے تو بجہالۃ کا مطلب ہو گا کہ جذبات سے مغلوب ہو کر غلطی کر بیٹھے اور من قریب کا مطلب ہو گیا کہ تنبیہ ہوتے ہی فوراً توبہ کر لی سوائے اس کے نہیں کہ قبولیت توبہ اللہ کے ذمے ان لوگوں کے لئے ہے جو برا کام کرتے ہیں نادانی سے پھر توبہ کر لیتے ہیں جلدی ہے بس یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر توجہ فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے، نہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لئے جو کہ برائیاں کرتے رہتے ہیں گناہ میں مبتلا رہتے ہیں تنبیہ ہونے کے باوجود باز نہیں آتے حتیٰ کہ ان میں سے جب کسی کو موت آتی

ہے یعنی موت کی کیفیت طاری ہوگئی غرغرہ کی کیفیت طاری ہوگئی، عالم آخرت منکشف ہوگیا، عذاب اللہ کا سامنے آگیا تو اس وقت کہتا ہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اب توبہ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

توبہ کا وقت دو طرح سے ختم ہوتا ہے ایک تو سارے عالم کے لئے ختم ہوگا جس وقت کہ مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہوکر آئے گا پھر توبہ کا کوئی وقت نہیں رہے گا، اور تنبیہی طور پر توبہ کا وقت ختم ہوجاتا ہے کہ جس وقت نزاع کا عالم طاری ہوجائے، غرغرے کی کیفیت طاری ہوجائے، اور عالم آخرت منکشف ہوجائے اب توبہ کا وقت ختم ہوگیا اس سے پہلے پہلے چاہے مایوسی ہوجائے کہ یہ شخص بچ نہیں سکتا لیکن ابھی نزع کی کیفیت نہیں ہوئی اس وقت تک توبہ کی گنجائش ہے یعنی اتنا بیمار ہوگیا کہ اب اندازہ ہے کہ اب یہ بچے گا نہیں، لیکن اب تک نزع کی کیفیت نہیں آئی اس وقت تک توبہ کی گنجائش ہے، البتہ نزع کی کیفیت آجانے کے بعد جب عالم آخرت منکشف ہوجائے، فرشتے نظر آنے لگ جائیں ایسی صورت میں پھر توبہ قبول نہیں ہوتی، نہ کسی کا ایمان لانا معتبر نہ کسی کا گناہ سے توبہ کرنا معتبر جیسے طلوع شمس من المغرب کے بعد نہ کسی کا ایمان لانا معتبر نہ کسی کا گناہوں سے توبہ کرنا معتبر۔

"قال انی تبت الآن" کہتا ہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں "ولاالذین یموتون" اور نہ توبہ ان لوگوں کے لئے جو کفر کی حالت میں مرجائیں وہ مرتے وقت کفر سے توبہ کریں یا وفات ان کی کفر پر ہوگئی اور زندگی کے اندر جو گناہوں سے توبہ کرتے رہے وہ بھی قبول نہیں ہے کیونکہ قبولیت توبہ کے لئے ایمان شرط ہے۔ "اولئک اعتدنا لھم عذابا الیما" یہی لوگ ہیں کہ جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سوال والدین اپنے بچے کو محروم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب یہ مسئلہ شریعت کے اندر واضح طور پر مذکور ہے کہ میراث یہ اضطراری حق ہے یعنی اگر وارث کہے کہ میں وارث نہیں بننا چاہتا تو بھی وراثت اس کے ملک میں آجاتی ہے اپنے مورث کے مرنے کے بعد، اور مرنے والا کہہ دے کہ فلانا میرا بیٹا وارث نہیں ہے یا زندگی میں وصیت کر جائے کہ میرے فلاں بیٹے کو وراثت نہ دینا یہ اس کو کوئی حق نہیں ہے، مرنے کے بعد تو بھی وہ وارث ہے کسی وارث کو محروم کرنے کا حق کسی شخص کو نہیں ہے یہ وراثت اضطراری ملکیت ہے، یہ اختیاری ملکیت نہیں ہے، وارث اپنی زبان سے نفی کر دے کہ میں وارث نہیں ہوں تو بھی وہ وارث ہے، مرنے والا کہہ دے کہ فلانا لڑکا میرا وارث نہیں ہے تو بھی وہ وارث ہے، ہاں البتہ محروم کرنے کی ایک صورت ہوتی ہے کہ اپنی زندگی میں صحت کی حالت میں مرض موت کے اندر یہ مبتلا نہیں ہے اپنے اختیار کے ساتھ اپنی جائیداد کسی دوسرے کے نام منتقل کر دے، اور اس کو قبضہ دیدے، جب مرے تو اس کے پلے ہو ہی کچھ نہ پھر ورثاء محروم ہی محروم ہیں پھر اگر یہ شخص اگر اس نیت سے کر رہا ہے تاکہ میرے ورثاء کو نہ

پہنچے تا کہ پھر یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ گار ہے، قانون شریعت کے اندر دوسرا شخص مالک ہوجائے گا، اور وارث جو ہے وہ محروم ہوجائیں گے، ورنہ اگر مرتے وقت اس کی ملکیت میں کوئی چیز ہوئی تو جو قانونی طور پر اس کے وارث ہیں وہ چیز ان کی ملکیت میں آئے گی، اور اس کے منع کرنے کے ساتھ وہ منع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ فعل اضطراری ہے اختیاری نہیں ہے۔

"یایھاالذین آمنو ا لایحل لکم ان ترثوالنساء کرھا" ان آیات میں پھر جاہلیت کی بات رسوم قبیحہ کی تردید کی ہے عورتوں کے بارے میں جاہلیت میں بہت ظلم وستم کے طریقے تھے شخص کی کوئی بیوی ہوتی جس وقت وہ فوت ہوجاتا تو اس کے ورثاء جس طرح مال کے مالک بنتے تھے اسی طرح سے اس کی بیوی پر بھی قبضہ کر لیتے تھے حتیٰ کہ سوتیلی اولاد اپنے اس باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح بھی کر لیتے تھے اور اگر نہ بھی نکاح کرتے تو اس کو اپنے گھر میں زبردستی روک کر رکھتے مقصد یہ ہوتا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ ہمیں دے کر جان چھڑوالے یا ہم اپنی مرضی کے ساتھ ہم دوسری جگہ نکاح کریں گے، یہاں سے کوئی فائدہ اٹھائیں گے، اور اسی طرح سے وراثت دینے کا رواج تھا ہی نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے یہاں ان برے طریقوں کی تردید کی ہے، کہ اے ایمان والو! تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جایا کرو زبردستی کی قید یہ واقعہ کا بیان ہے تو اس وقت واقعہ ایسے ہی تھا کہ عورت چاہے نہ چاہے ورثاء جو تھے وہ مرنے والوں کی عورتوں پر ہی قبضہ کر لیتے تھے انہیں روکا نہ کرو، حضرت شدت کے ساتھ منع کرنے کو کہتے ہیں انہیں روکا نہ کرو اس نیت سے کہ جو کچھ تم ان کو دے چکے ہو یا تمہارا مورث جو کچھ دے چکا ہے اس کا بعض حصہ تم لے لو۔

بیویوں کے ساتھ لوگ ایسا کرتے تھے، بیویوں کے ساتھ نہ تو وہ زوجیت والا تعلق رکھتے تھے نہ ان کو طلاق دے کر فارغ کرتے تھے، بلکہ گھروں میں بٹھا رکھتے تھے مختلف طریقوں سے تنگ کرتے تھے تا کہ ہمارا مہر واپس کر دے اور پھر ہم اس کو اپنے گھر سے نکال دیں اور طلاق دیدیں،، اور پھر ہم اس کو اپنے گھر سے نکالیں گے اور طلاق دیں گے دیا ہوا مہر واپس لینے کے لئے اسی طرح سے اور مالی فوائد حاصل کرنے کے لئے لوگ اپنی بیویوں کو بھی تنگ کرتے تھے اس لئے " ما آتیتموھن " کا مصداق ازواج بھی ہوسکتی ہیں کہ جو کچھ تم نے اپنی بیویوں کو دیا ہے اس میں سے بعض حصے کو وصول کرنے کے لئے ان کو روک کر گھروں میں نہ بٹھا لیا کرو، اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جو تمہارے مورث نے دیا ہے جو مر گیا اس کے دیے ہوئے سے کچھ وصول کرنے کے لئے تم ان کو گھروں میں نہ روک رکھا کرو۔

"الاان یأتین بفاحشۃ مبینہ " مگر یہ کہ وہ عورتیں کسی صریح بے حیائی کا ارتکاب کریں، صریح بے حیائی میں یہ بھی ہے کہ ہیں تمہاری بیویاں مگر وہ نافرمان ہیں وہ تمہارے ساتھ خود نبھانا نہیں کرنا چاہتیں مردوں کا قصور نہیں ہے، قصوروار عورت ہے تو ایسی صورت میں مرد کے لئے جائز ہے کہ عورت سے کچھ لئے بغیر طلاق نہ دے اور مہر دیا ہوا واپس لے لے، اور پھر

طلاق دے جس وقت کہ نافرمانی بیوی کی طرف سے ہو جس کو ہم خلع کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، یا طلاق علی المال کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ جب نافرمانی ہے ہی عورت کی جانب سے مرد اس کو بسانا چاہتا ہے مگر وہ بھی بستی، موافقت نہیں کرتی تو ایسے وقت میں اس کی جان نہ چھوڑی جائے جب تک کہ وہ لیا ہوا مہر واپس نہ کر دے، یا کوئی اس کا حصہ واپس نہ کر دے اس صورت میں خاوند کے لئے دیا ہوا مال واپس لینا جائز ہے، اور یا اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زنا کا ارتکاب کرے تو حضرت تھانوی کے لکھنے کے مطابق پہلے یہ جائز تھا کہ اگر بیوی اس قسم کا ارتکاب کر لیتی ہے تو خاوند اپنا دیا ہوا مال واپس لیکر گھر سے نکال دے اور اس کو طلاق دیدے، لیکن اب اس طرح سے ہے کہ بیوی کے زانی ہونے کی صورت میں بھی مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوتا، اور اس کا واپس لینا درست نہیں ہے، اس کی جو حد شرعی متعین ہوگئی ہے وہی اس کو سزا دی جا سکتی ہے اور دیا ہوا مال واپس نہیں لیا جاسکتا۔

"وعاشروھن بالمعروف" عورتوں کے ساتھ معاملہ اچھا رکھا کرو برتاؤ ان کے ساتھ اچھا رکھا کرو، معاشرت ان کے ساتھ تمہاری معروف طریقے کے مطابق ہونی چاہیئے، اور کبھی ایسے بھی ہو سکتا ہے کہ نکاح تو کر لیا لیکن بعد میں وہ عورت شکل وصورت کے اعتبار سے کسی اعتبار سے پسندیدہ نہیں ہے، اور اس میں اخلاقی خرابی کوئی نہیں صرف شکل وصورت کی بات ہے بسا اوقات انسان کا دل اس پر نہیں ٹکتا تو قرآن اس بارے میں یہ سمجھاتا ہے کہ تمہیں صبر سے کام لینا چاہیئے، صرف اپنی طبعی پسند اور ناپسندیدگی پر مدار رکھ کر عورت کو علیحدہ نہیں کرنا چاہیئے، بسا اوقات طبعاً ایک چیز پسند نہیں ہوتی لیکن اللہ تعالیٰ اس کو خیر کثیر کا ذریعہ بنا دیتا ہے تمہاری وہ خدمت گزار ہو فرمانبردار ہو گھر کو سنبھالنے والی ہو، اگر وہ خوبصورت نہیں ہے یا دل کو نہیں بھاتی تو اس کے مقابلہ میں یہ فوائد بہت ہیں، اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے اولاد ایسی حاصل ہو جائے جو تمہارے لئے دین وآخرت میں مفید ہو، کوئی بچہ پیدا ہو بچپن میں فوت ہو جائے تو آخرت کے لئے مفید ہو گیا، بچے پیدا ہوئے جوان ہوئے دنیا میں بھی خدمت گزار ہو سکتے ہیں اور آخرت کے لئے بھی مفید ہو سکتے ہیں، معمولی سی طبعی ناگواری کے طور پر عورتوں کو گھروں سے نکالنے کی کوشش نہ کیا کرو، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھا کرو کہ یہ عورت دنیا وآخرت میں خیر کثیر بن سکتی ہے، یوں سوچ کے صبر کریں اگر وہ عورتیں تمہیں ناپسند ہوں تو صبر کیا کرو اسے برداشت کیا کرو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کو خیر کثیر کر دے۔

اور اگر تم ارادہ کرو ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کو بدلنے کا یعنی نکاح اور کرنا چاہتے ہو لیکن بیک وقت دو رکھ نہیں سکتے اس لئے خیال ہے کہ پہلی کو فارغ کر دیا جائے اگر اس طرح سے کوئی تبدیلی کا ارادہ ہے تو بھی دیا ہوا مال تمہارے لئے واپس لینا جائز نہیں ہے، چاہے تم کتنے مال ہی کیوں نہیں دے چکے، اگر ارادہ کرو تم بیوی کو بدلنے کا دوسری بیوی کی جگہ اور دے

چکے ہو تم ان میں سے کسی کو "قنطار" ڈھیروں مال، "قنطار" مال کثیر کو کہتے ہیں، مقدار یہاں متعین نہیں ہے جتنا بھی تم دے چکے مہر دے چکے یا بطور ہدیہ کے دے چکے، فقہ کے اندر آپ نے پڑھا ہوگا کہ اگر زوجین آپس میں ایک دوسرے کو بطور ہدیہ کے چیز دیدیں پھر بھی اس کا واپس لینا ٹھیک نہیں ہے زوجیت کا تعلق یہ فدیہ ہدیہ بھی واپس لینے کو مانع ہے، اور مہر جو ہے وہ بھی لازم ہوتا ہے اور اس کی ادئیگی بھی ضروری ہے تو مہر کے طور پر جو تم دے چکے یا ہدیہ تحفہ ھبہ کے طور پر کوئی چیز دے چکے ہو کتنا مال بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لیا کرو، اس وقت واقعہ اسی طرح سے ہوتا تھا کہ لوگ ایسے موقع پر اپنی بیویوں سے اپنا دیا ہوا مال واپس کرنے کے لئے اس کے اوپر مختلف قسم کے بہتان لگاتے اس کے اوپر ظلم وستم کرتے تا کہ تنگ آ کر یہ مہر واپس کر دے تو اللہ تعالیٰ اسی پر انکار کرتے ہیں کہ کیا تم اس مال کو لوگے از روئے بہتان کے اور صریح گناہ کے یہ بھی اس وقت واقعہ تھا جس کی تردید کی جارہی ہے تم اس پر بہتان لگاؤ کتنی بڑی بری بات ہے اس کے اوپر مختلف قسم کے ظلم وستم کر کے گناہ کا ارتکاب کرو کتنی بری بات ہے اس طرح سے مال واپس لینے کی کوشش نہ کیا کرو۔

"وکیف تأخذونه" تم اس دیے ہوئے مال کو کیسے واپس لے سکتے ہو جب کہ تمہارا بعض بعض کی طرف بے حجاب ہو چکا، "واخذن منکم میثاقاغلیظا" اور وہ عورتیں تم سے میثاق غلیظ لے چکیں، میثاق غلیظ پختہ عہد اس سے مراد ہے نکاح، نکاح زوجین کے درمیان ایک پختہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ کی شہادت سے قائم ہوتا ہے اور اس میں ایک دوسرے کے حقوق لازم ہوتے ہیں یہ عقد بھی ہو گیا پختہ عہد بھی ہو گیا، اور نکاح بھی ہو گیا، اور جو پھر نکاح سے مقصود ہے استمتاع وہ بھی ہو گیا جو جس وقت خاوند بیوی سے فائدہ اٹھالے اور ایک دوسرے کے سامنے بے حجاب ہو گئے وہ مال جو تھا وہ عورت کا حق بن گیا اب اس دیے ہوئے مال کو تم کس طرح سے واپس لے سکتے ہو اور اگر یہ ایک دوسرے کی طرف پہنچنے کی صورت نہ ہو اور نہ خلوت صحیح ہوئی ہے تو ایسی صورت میں پھر قرآن کریم میں ہی دوسری جگہ مذکور ہے سورۃ بقرۃ میں وہ آیت آپ کے سامنے گزر چکی ہے کہ آدھا مہر واپس لیا جا سکتا ہے قانونی حیثیت سے لیکن یہ اگر ایک دوسرے تک پہنچ گئے پھر پورے کا پورا دینا خاوند کے ذمے ہے اور اس میں سے کچھ واپس نہیں لیا جا سکتا۔

"ولاتنکحوا مانکح آباؤکم" پہلے تو اصلاح کی گئی تھی ان معاملات کی جو زوجین کے آپس میں نکاح ہونے کے بعد گزر جاتے ہیں اور اب محرمات کی تفصیل کی جارہی ہے کہ کن عورتوں سے نکاح کرنا ٹھیک ہے کن سے ٹھیک نہیں ہے اور اس میں بھی جاہلیت میں بڑی گڑبڑ تھی، جیسے پہلے آپ کے سامنے پہلا اشارہ گزرا کہ اپنے باپ کی منکوحہ کے ساتھ بھی سوتیلی اولاد نکاح کر لیا کرتی تھی سوتیلی اولاد کا مطلب یہ ہے کہ وہ حقیقی والدہ نہ ہوتی اس کی باپ کی منکوحہ ہوتی اس کو بھی نکاح میں لے لیتے تھے، اور اسی طرح دو حقیقی بہنوں کو جمع کر لیتے تھے، تو ایسی محرمات ان لوگوں نے بعض حلال کر رکھی تھیں، تو اس کی تفصیل

کرنا مقصود ہے نکاح نہ کیا کرو ان عورتوں کے ساتھ "من النساء" یہ ما کا بیان ہے نکاح نہ کیا کرو ان عورتوں کے ساتھ جن کے ساتھ نکاح کیا تمہارے آباء نے، آباء کے اندر باپ بھی داخل ہے اور دادا بھی داخل ہے نانا بھی اصول مراد ہیں، یہاں شرعی طور پر نکاح ہو گیا ایجاب وقبول ہو گیا اگر چہ رخصتی کی نوبت نہ آئی تو بھی وہ اولاد کے لئے حرام ہے یعنی باپ کا کسی عورت کے ساتھ عقد ہوا ہے شرعی عقد، رخصتی کی نوبت نہیں آئی عقد ہوتے ہی اولاد کے لئے وہ ماں کے قائم مقام ہو گئی اور اس کے ساتھ نکاح کرنا ٹھیک نہیں ہے۔

اور احناف کے نزدیک خصوصیت سے باقی ائمہ کے نزدیک نہیں، باپ اگر لغوی نکاح کرے کسی کے ساتھ لغوی نکاح سے مراد ہے وطی یعنی باپ نے عورت کے ساتھ وطی کر لی عام ہے جائز طریقے سے کی یا ناجائز طریقے سے کی، جائز طریقے سے تو وہی منکوحہ بن گئی جس کا ذکر پہلے ہو گیا اگر ناجائز طریقے سے بھی ہو جس کو زنا کہتے ہیں تو وہ مزنیہ اب جو ہے وہ بھی اولاد کے لئے حرام ہوتی ہے، حرمت مصاہرت کے طور پر وہ بھی اولاد کے لئے جائز نہیں، یہ "مانکح آباؤ کم" کے اندر تعمیم ہے گویا کہ باپ کی منکوحہ ہو تو جائز نہیں باپ کی موطوءہ ہو تو جائز نہیں، موطوءۃ جائز طریقے سے ہو ناجائز طریقے سے ہو کیسے بھی ہو اولاد کے لئے وہ عورت حرام ہو جائے گی، جس کے ساتھ اس کے اصول نے اس قسم کا معاملہ کیا ہے، "الا ماقد سلف" مگر جو ہو چکا سو ہو چکا، اس پہ گرفت نہیں ہے وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے جو جاہلیت میں کر گزرے پچھلے معاملات کے اوپر گرفت نہیں اس آیت کے اترنے کے بعد تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ تم اپنے باپ کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کرو "انه کان فاحشة" یہ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا بے حیائی کی بات ہے نفرت کی بات ہے، "وساء سبیلا" اور بہت بری بات ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّٰتُكُمْ وَخَٰلَٰتُكُمْ
وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَٰتُكُمُ الَّٰتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ
الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ الَّٰتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ
الَّٰتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ
الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۳﴾ۙ
وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ
اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ
مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ
فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ
بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ
لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ
مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْ ؕ
بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ
اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَیْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَیْهِنَّ
نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ
الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۵﴾ع

ترجمہ:

”حرمت علیکم امھاتکم“ حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں حرام کردی گئیں یعنی ان کا نکاح حرام کردیا گیا،

''امہات'' سے بھی وہ عورتیں مراد ہیں جو آپ کے اصول میں شامل ہیں جس میں ماں بھی آگئی نانی بھی آگئی دادی بھی آگئی اصول میں جو عورتیں ہیں وہ ساری کی ساری آگئیں، وہ ساری کی ساری یہاں مراد ہیں،''وبناتکم ''اور تمہاری بیٹیاں بیٹیوں سے فروع مراد ہیں اپنی بیٹی ہو بیٹے کی بیٹی ہو جس کو ہم پوتی کہتے ہیں بیٹی کی بیٹی ہو جس کو ہم نواسی کہتے ہیں، نیچے کی طرف جتنا چلے جائیں تو آپ کے فروع میں آ کے یہ حرام ہے،''اخواتکم ''حرام کردی گئیں تم پر تمہاری بہنیں، بہنوں کے اندر بھی تعمیم ہے حقیقی بہنیں ہوں جو ماں باپ دونوں میں آپ کے ساتھ شریک ہیں، علاتی بہنیں جو صرف باپ میں شریک ہیں ،اخیافی بہنیں جو صرف ماں میں شریک ہیں ان سب بہنوں کے ساتھ نکاح حرام ہے،''وعماتکم ''اور حرام کردی گئیں تم پر تمہاری پھوپھیاں عمۃ کہتے ہیں پھوپھی کو، یعنی باپ کی بہن اس میں بھی اسی طرح سے تعمیم ہے کہ باپ کی حقیقی بہن ہو باپ کی باپ کی شریک بہن ہو، یا باپ کی ماں شریک بہن ہو گویا کہ آپ کی حقیقی پھوپھی اس طرح سے آپ کی علاتی پھوپھی اخیافی پھوپھی اس میں شامل ہیں۔

''وخالاتکم ''اور تمہاری خالات، خالات خالہ کی جمع ہے جس کو آپ ماسی کہتے ہیں، ماسیاں بھی تم پر حرام کردی گئی ہیں یہاں بھی وہی تعمیم ہے تمہاری ماں کی حقیقی بہن ہو تمہاری ماں کی علاتی بہن ہو تمہاری ماں کی اخیافی بہن ہو یہ سب حرام ہیں،''وبنات الاخ''اور بھتیجی بھائی کی بیٹی بھی حرام کردی گئی اس میں بھی تعمیم کہ بھائی آپ کا حقیقی ہے تو بھی اس کی بیٹی حرام ہے، آپ کا علاتی بھائی ہے تو اس کی بیٹی بھی حرام ہے اور اگر آپ کا اخیافی ہے تو بھی اس کی بیٹی بھی حرام، اور بیٹی پوتی نواسی بھی حرام ہے،''وبنات الاخت ''اور بہن کی بیٹیاں تم پر حرام کردی گئی ہیں، بہن میں بھی تعمیم ہے، آپ کی حقیقی بہن کی بیٹی ہو علاتی بہن کی بیٹی ہو اخیافی بہن کی بیٹی ہو، یہ سب حرام ہیں بیٹی سے وہی فروع مراد ہے بیٹی ہو پوتی ہو نواسی ہو یہ تو ہیں محرمات نسبیہ جن کے ساتھ نسبی تعلق کی بناء پر حرمت آگئی آگے ذکر آگیا محرمات رضاعہ کا یہ دودھ پلانے کی بناء پر جن کی حرمت آتی ہے حرمت رضاعت کے ساتھ جب ہم اس کو تعبیر کرتے ہیں۔

''وامھاتکم التی ارضعنکم'' تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا، تھوڑا پلایا ہو یا بہت، بشرطیکہ دودھ پینے کی مدت میں پلایا ہو، جو مفتی بہ قول کے مطابق دو سال ہے، حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اڑھائی سال ہے لیکن فقہ حنفی میں بھی فتوی دو سال پہ ہے تو بچہ دو سال کے ہونے کے اندر اندر کسی عورت کا دودھ پی لے تو یہ رضاعت کا رشتہ قائم ہوگا اور اگر بڑی عمر کے اندر کسی عورت کا دودھ پی لیا جائے تو ایسی صورت میں رضاعت نہیں آیا کرتی، تھوڑا پلایا ہو یا بہت پلایا ہو، جن عورتوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے وہ تمہاری مائیں بن گئیں، اور وہ بھی تم پر حرام''واخواتکم من الرضاعۃ ''اور اس دودھ پینے کی وجہ سے جو تمہاری بہنیں ہیں وہ بھی حرام ہیں، جس کو ہم رضاعی بہن سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں،

کسی لڑکی کی حقیقی ماں کا آپ نے دودھ پی لیا تو بھی وہ آپ کی رضاعی بہن بن گئی یا کسی لڑکی نے اور آپ نے مل کر کسی تیسری عورت کا دودھ پی لیا یعنی وہ اس کی بھی نسبی ماں نہیں ہے، اور آپ کی بھی نسبی ماں نہیں ہے تو وہ بھی رضاعی بہن بن گئی، آپ کی ماں کا کوئی لڑکی دودھ پی لے وہ بھی آپ کی رضاعی بہن آپ کسی لڑکی کی ماں کا دودھ پی لیں وہ بھی آپ کی رضاعی بہن لڑکا لڑکی مل کر کسی تیسری عورت کا دودھ پی لیں، وہ بھی آپس میں رضاعی بہن بھائی ہو گئے تو یہاں ذکر اگرچہ ماؤں کا ہے اور بہنوں کا ہے لیکن بالا جماع روایات صحیحہ کے مطابق اس میں تعمیم ہے کہ جتنے رشتے نسب کی وجہ سے حرام ہوا کرتے ہیں اتنے ہی رشتے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہوا کرتے ہیں،''یحرم من الرضاع مایحرم من النسب''نسب کی وجہ سے جتنے رشتے حرام اتنے رشتے ہی رضاعت کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں، اس کو یوں سمجھیں کہ جس عورت کا آپ نے دودھ پیا وہ بن گئی آپ کی ماں اور جو اس کا شوہر ہے وہ بن گیا باپ، اس لئے اگر لڑکی دودھ پینے والی ہو تو اس عورت کا شوہر بھی اس سے شادی نہیں کر سکتا، اور اس عورت کی بہنیں آپ کی ماسیاں بن گئیں، اور اس شوہر کی بہنیں آپ کی پھوپھیاں بن گئیں، اور اس شوہر کے بھائی جو ہیں وہ آپ کے چچے ہو گئے اور جتنی اس کی آگے اولاد ہوگی وہ سارے کے سارے بہن بھائی بھتیجے بھانجے جس طرح سے نسبی طور پر سلسلہ چلتا ہے وہاں پر آپ کا اسی طرح سے سلسلہ چلے گا اور نسب کی وجہ سے جتنے رشتے حرام ہوا کرتے ہیں اتنے رشتے رضاعت کی وجہ سے حرام ہوا کرتے ہیں، یہ تعمیم اجمالی ہے اور روایات صحیحہ کے اندر اس کا ذکر آیا ہوا ہے۔

''وامھات نسائکم ''یہ آگے حرمت مصاہرت یہ عقد نکاح کی وجہ سے جن کے ساتھ حرمت آتی ہے تمہاری بیویوں کی مائیں یعنی جس لڑکی کے ساتھ آپ کا نکاح ہو گیا اس کی جو ماں ہے جس کے ہم ساس کہتے ہیں وہ ساس جو ہے وہ بھی حرام ہے، نکاح ہوتے ہی ساس حرام ہو جاتی ہے، پھر اس کے بعد نکاح نہیں ہو سکتا یعنی اس لڑکی کے ساتھ آپ کو خلوت کا موقع ملا یا نہیں ملا، اپنی بیوی کے ساتھ تم نے خلوت کی ہے یا نہیں کی اس کی ماں بہرحال آپ کی ماں کے حکم میں آ گئی، اس کے ساتھ آپ کا نکاح نہیں ہو سکے گا، بیویوں کی مائیں۔

''وربائبکم التی فی حجورکم '' رباب یہ ربیبہ کی جمع ہے ربیبہ پالی ہوئی لیکن یہاں سے مراد ہوتی ہیں لے پالک بچیاں کہ ایک عورت ہے اس کی اولاد وہ کہیں سے بیوہ ہوگئی یا مطلقہ ہوگئی آپ نے اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا تو اپنی اولاد کو ساتھ لے آئیں تو یہ لڑکیاں جو اپنی ماں کے ساتھ آتی ہیں وہ بھی آپ کے لئے حرام ہیں، لیکن یہاں حرمت کی ایک قید ہے بشرطیکہ تم اپنی ان بیویوں سے مجامعت کر لو تب جا کے اس کی اولاد آپ پر حرام ہوگی یعنی بیوی کی ماں جو ہے وہ تو بہرصورت حرام ہوگی نکاح ہوتے ہی چاہے بیوی کے ساتھ ملنے کا آپ کو موقع ملا یا نہیں، لیکن بیوی کی بیٹی جو دوسرے

خاوند سے ہو وہ حرام تب ہوگی جس وقت کہ آپ بیوی کے ساتھ زوجیت والا تعلق قائم کرلیں گے، اگر زوجیت والا تعلق ابھی قائم نہیں ہوا ایسی صورت میں اس بیوی کی بیٹی جو ہے وہ آپ پر حلال ہے وہ حرام نہیں ہے۔

"وربائبکم التی فی حجورکم " یہ قید اتفاقی ہے،"التی فی حجورکم "والی محض وہ بچیاں جو تمہاری گود میں ہیں گود میں ہوں یا نہ ہوں پہلے خاوند سے اگر اولاد رہ گئی تو بھی ان کا یہی حکم ہے کہ جس وقت آپ نے اپنی بیویوں کے ساتھ مجامعت کرلی تو ان کی اولاد چاہے وہ آپ کی پرورش میں ہے چاہے آپ کی پرورش میں نہیں ہے اپنے پہلے باپ کے پاس ہیں یا کسی دوسری جگہ ہیں تو آپ کے لئے حرام ہوجائیں گی، یہی قید آگے لگائی گئی ہے، تمہاری وہ پالی ہوئی لڑکیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں ان بیویوں کی طرف سے جن کے ساتھ تم نے دخول کرلیا ہے، اور اگر تم نے ان عورتوں کے ساتھ دخول نہیں کیا،"فلا جناح علیکم "پھر ان بچیوں سے نکاح کرنے میں تمہیں کوئی حرج نہیں ہے تو گویا کہ مدخولہ بیوی کی لڑکی حرام ہوتی ہے غیر مدخولہ کی حرام نہیں ہوتی، اور بیوی کی ماں بہرصورت حرام ہے چاہے اس کے ساتھ دخول ہوا ہو چاہے نہ ہوا ہو۔

"وحلائل ابناء کم الذین من اصلابکم "اصلاب یہ صلب کی جمع ہے، حلائل حلیلہ کی جمع ہے، حلیلہ سے بیوی مراد ہے تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو بیٹے تمہاری پشتوں سے ہیں یعنی تمہارے نسبی بیٹے ان کی جو بیوی ہے وہ بھی تمہارے لئے حرام ہیں جس کو ہمارے ہاں نوع کہتے ہیں، یہ گھر کی بہو اپنے لڑکے کی بیوی جو ہے وہ بھی اپنے سسر پر حرام ہے، یعنی اپنے خاوند کا باپ جو ہے وہ ایسے ہوتا ہے جیسے اپنا باپ ان کا بھی آپس میں رشتہ نہیں ہوسکتا،"من اصلابکم "کی قید جو لگائی ہے یہ متبنی کو نکالنے کے لئے ہے، کہ اگر کوئی منہ بولا بیٹا رکھا ہوا ہے حقیقی بیٹا نہیں ہے ویسے بیٹا بنا کر اس کو رکھ لیا، جاہلیت میں ایسے بیٹے کی بیوی کو بھی حرام قرار دیتے تھے، اور یہ مسئلہ غلط ہے، متبنی کی بیوی حرام نہیں ہے، وہ غیر محرم ہے اگر وہ متبنی طلاق دیدیے یا وہ فوت ہوجائے تو اس کی بیوی کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے، جیسے کہ سرور کائنات ﷺ نے زید بن حارثہؓ جو آپ کے متبنی تھے ان کی بیوی زینب بنت جحش کے ساتھ نکاح کیا جب زید بن حارثہؓ نے ان کو طلاق دیدی اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے سورۃ احزاب میں آئے گا تو"من اصلابکم "کی قید لگا کر متبنی کو نکالنا مقصود ہے رضاعی بیٹے کو نکالنا مقصود نہیں ہے، رضاعی بیٹے کی بیوی باجماع امت حرام ہے رضاعی بیٹا سمجھ گئے یعنی آپ کی بیوی نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہو تو وہ آپ کا رضاعی بیٹا بن گیا، اگرچہ وہ آپ کا نسبی بیٹا نہیں ہے آپ کے حسب سے نہیں ہے، آپ کا رضاعی بیٹا ہے، لیکن اس کی بیوی آپ کے لئے حرام ہے، جس طرح کے رضاعت کے مسئلے کی تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے ذکر کردیا گیا، تو یہاں"من اصلابکم "کی قید سے رضاعی بیٹوں کو نکال دینا مقصود نہیں وہ حرام ہے از روئے حدیث اور از روئے اجماع امت کے، اور یہاں نکالنا مقصود ہے متبنی کو متبنی کی بیوی جو ہے وہ نص قرآنی کے ساتھ جائز ہے جس کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ احزاب

میں آئے گی۔

”وان تجمعوا بین الاختین الا ماقدسلف “ اور یہ بھی حرام کردیا تم پر کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو،”الا ماقدسلف“ جو ہو چکا سو ہو چکا پہلے جو کچھ ہو گیا اس پر گرفت نہیں ہے، بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا یہ بھی حرام ہے، اب یہاں بھی اسی طرح سے حدیث شریف کی طرف دیکھتے ہوئے تعمیم ہے اور وہ تعمیم اجماعی ہے، کہ ہر وہ دوعورتیں جن میں سے کسی ایک کو مرد فرض کرلیا جائے تو دوسری کے ساتھ نکاح نہ ہوسکے ان دوعورتوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، یہ بھی دو بہنوں کے حکم میں ہیں مثلاً بیوی اور اس کی خالہ، بیوی اور اس کی پھوپھی، بیوی اور اس کی بھتیجی، بیوی اور اس کی بھانجی، جن میں سے اگر ایک کو مرد فرض کریں تو دوسری کے ساتھ نکاح نہ ہوسکے جن کا آپس میں اس قسم کا رشتہ ہے ایسی دوعورتوں کو نکاح کے اندر جمع نہیں کیا جاسکتا یہ بھی حرام ہے یہ تعمیم بھی حدیث شریف کی طرف دیکھتے ہوئے اجماعی ہے، اور اس سے پہلے جو ہو چکا سو ہو چکا اس پر گرفت نہیں ہے، چنانچہ حضور ﷺ کے پاس جس وقت لوگ آیا کرتے تھے اسلام قبول کرنے کے لئے تو اگر کسی کے نکاح کے اندر اس قسم کی کوئی عورت ہوتی جن کو حرام ٹھہرایا گیا ہے یا بیک وقت نکاح کے اندر دو بہنیں ہوتی تو آپ ﷺ ان کی علیحدگی کروایا کرتے تھے، اور یہ کہا کرتے تھے کہ ان میں سے ایک کو رکھ لو اور ایک کو چھوڑ دو، حتی کہ ایک بہن آپ کے نکاح میں ہے اور آپ نے اس کو طلاق دیدی تو اس کی عدت کے اندر اندر دوسری بہن سے نکاح نہیں ہوسکتا، عدت ختم ہونے کے بعد پھر نکاح کیا جاسکتا ہے، کیونکہ عدت کے اندر بھی نکاح کے کچھ نہ کچھ احکام باقی ہوا کرتے ہیں تو اگر دوسری بہن سے نکاح کرتے ہیں تو من وجہ اجتماع لازم آتا ہے”وان تجمعوا بین الاختین “ لیکن یہ حرمت عارضی ہے یعنی بیوی کی زندگی میں آپ کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح نہیں کیا جاسکتا، بیوی مرجائے یا اس کو طلاق دیدی جائے تو دوسرے وقت میں اس سالی کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے،”ان اللہ کان غفورا رحیما“ کا مطلب یہ ہے کہ جو پہلے ہو چکا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاف ہے اس پر کوئی گرفت نہیں، اور اس آیت کے اترنے کے بعد پھر یہ صورت درست نہیں ہے کہ بیک وقت دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرلیا جائے۔

”والمحصنات من النساء “ اور ایسے ہی حرام کردی گئی تم پر وہ عورتیں جو شادی شدہ ہیں، محصنات، احصن احصان یہ عفیف ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے، پاک دامن اور نکاح کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے یہاں نکاح کرنے والا معنی مراد ہے، محصنات جن کا نکاح ہویا ہوا ہے، اور جو کسی دوسرے کی بیوی ہے وہ بھی تم پر حرام ہے، یعنی ایک عورت جب کسی ایک کے نکاح میں موجود ہو تو دوسرا آدمی اس کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا یہ حرمت بھی عارضی ہے جب ادھر سے نکاح ختم ہوجائے گا تو ایسی صورت میں پھر اس سے نکاح کیا جاسکتا ہے، یعنی منکوحہ عورت دوسرے مرد کے لئے حرام ہے جس سے

معلوم ہو گیا کہ عورت میں شریعت کو کسی صورت بھی اشتراک گوارہ نہیں ہے، ہاں البتہ محصنات کے اندر ایک استثناء ہے ''الا ماملکت ایمانکم '' مگر جو تمہاری باندھیاں بن جائیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دارالحرب میں ایک عورت شادی شدہ ہے اور جہاد ہوا جہاد کے دوران وہ پکڑی گئی اور خاونداس کا دارالحرب میں رہ گیا، اور وہ عورت باندھی بن کر مسلمانوں کے ہاں آگئی، ایسی صورت میں اس کا پچھلا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، جس مجاہد کے حصے میں وہ آجائے باندھی بن کر تو استبراء رحم کے بعد یعنی ایک حیض گزرنے کے بعد استبراء ایک حیض کے ساتھ ہوتا ہے۔

پھر اس کے ساتھ وہی تعلق قائم کیا جاسکتا ہے جو کہ دوسری باندھیوں سے ہوتا ہے، اور اگر دارالاسلام میں کوئی باندھی ہے اور وہ منکوحہ ہے یعنی پہلے آقا نے اس باندھی کا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کیا ہوا ہے اور پھر آپ نے اس کو خرید لیا وہ آپ کی باندھی بن گئی وہ آپ پر ویسے ہی حرام رہے گی یعنی باندھی کے اندر بھی اشتراک درست نہیں ہے، جس کی یہ صورت متعین ہے، اس لئے ان کے ازواج ان کے شوہر جو دارالحرب میں رہ گئے اور وہ عورتیں پکڑی ہوئیں دارالاسلام میں آگئی تو یہ باندھی بننے کی صورت میں ان کا پچھلا نکاح جو ہے وہ ختم ہو جائے گا، جب نکاح ختم ہو جائے گا چاہے ان کے خاوند زندہ ہیں چاہے انہوں نے طلاق نہیں دی، لیکن ''ماملکت ایمانکم '' ان کا باندھی بن جانا گویا کہ ان کے پہلے نکاح کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے ایسی صورت میں وہ تمہارے لئے حلال ہو جائیں گی۔

بشرطیکہ وہ باندھیاں اسلام قبول کرلیں، یا وہ اہل کتاب میں سے ہوں، اور اگر وہ باندھی مشرکہ ہے جس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوگی اس وقت تک وہ کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے جس طرح سے منکوحہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عورت مسلمان ہو یا اہل کتاب میں سے ہو اسی طرح باندھی بھی وہی حلال ہوا کرتی ہے جو مسلمان ہو جائے یا اہل کتاب میں سے ہو اور اگر وہ مشرکہ ہو تو پھر حلال نہیں ہے، تو پہلے خاوند ان کے خاوند نہیں سمجھے جائیں گے یہ نکاح ان کا ٹوٹ جائے گا، اس لئے وہ خاوند اگر مسلمان ہو کر آ بھی جائے دارالاسلام میں تب بھی وہ اس پر حق نہیں رکھے گا، ہاں البتہ اگر یہ عورت حاملہ ہو تو اس کا حمل ثابت النسب ہے، اور یہ بچہ جو ہے یہ اسی کی طرف منسوب ہوگا، جو اس کا پہلا شوہر ہے، اور جس وقت تک وہ حمل کو وضع نہیں کردے گی اس وقت تک اس کے ساتھ یہ تعلق قائم نہیں کیا جاسکتا، یہ تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

''کتاب اللہ علیکم '' یہ اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے تم پر ''واحل لکم ماوراء ذلکم ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین '' ''واحل لکم ماوراء ذلکم '' یہ جتنی عورتیں ذکر کی گئی ہیں جو صراحتاً الفاظ میں مذکور ہوگئیں یا احادیث کی روشنی میں جو تعمیم کردی گئی جس طرح سے میں نے آپ کی خدمت میں تفصیل عرض کردی تو ان کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، حلال کردی گئیں تمہارے لئے ان کے علاوہ باقی عورتیں حلال کر دیا گیا تم ان کو طلب کرلیا کرو اپنے مالوں کے

ساتھ یہ طلب کرنا ''ابتغاء بالمال'' مال سے یہاں مہر مراد ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ گوئی نکاح مہر سے خالی نہیں ہونا چاہیئے، نکاح کے اندر مال لازماً آتا ہے چاہے عقد کرتے وقت مہر کا ذکر ہو چاہے نہ ہو، تقدیراً مہر یقیناً ثابت ہوتا ہے، دوسری بات اس لفظ سے یہ ثابت ہوئی کہ مہر وہی چیز ہوا کرتی ہے جو مال بن سکے جو مال کہلائے جو مال کا مصداق ہے، جو چیز مال نہیں وہ مہر نہیں بن سکتی، اس لئے ہمارے ہاں تعلیم قرآن وغیرہ کو مہر نہیں متعین کیا جا سکتا، کیونکہ یہ مال کا مصداق نہیں ہے طلب کیا کرو تم ان کو اپنے مالوں کے ساتھ، یہ ''ماوراء ذلکم'' سے بدل اشتمال ہے ان کے علاوہ عورتیں تم پر حلال کر دی گئیں یعنی ان کا طلب کرنا حلال کر دیا گیا، اپنے مالوں کے ذریعے مال خرچ کر کے ان کو طلب کر لیا کرو، اور اس میں وہ قید ہوگی کہ چار سے زائد نہ ہوں، یہ دوسری آیت سے ثابت ہے جو پہلے ذکر ہو چکی آپ کے سامنے، یعنی ساری عورتیں حلال ہیں جتنی بھی ان کے علاوہ ہیں باقی ساری عورتیں حلال لیکن بیک وقت نکاح جو ہے وہ آپ چار سے کر سکتے ہیں چار سے زائد سے نہیں جیسے دوسری آیت سے ثابت ہے۔

''محصنین غیر مسافحین'' طلب کر لیا کرو ان کو اس حال میں کہ تم ان کو قید نکاح میں لانے والے ہونہ کہ مستی نکالنے والے ہو، مسافحین یہ لفظ سفح سے لیا گیا ہے سفح گرانے کو کہتے ہیں، پانی گرانا ''سفح الماء'' یعنی وقتی طور پر شہوت رانی کرنا مقصود نہ ہو بلکہ عفت طلب کرنا مقصود ہے اور قید نکاح میں رکھنا مقصود ہے، اس لئے نکاح شرعی طور پر معتبر ہے کہ کرتے وقت انسان اسی جذبے کے تحت ہی کرے کہ میں نے اس کے ساتھ زندگی بھر نبھانا ہے، اگر صراحتاً وقت متعین کر دیا جائے کہ ایک مہینے کے لئے کیا جا رہا ہے، پندرہ دن کے لئے کیا جا رہا ہے یہ نکاح باطل ہے اور اگر دل کے اندر ارادہ یہ ہے تو اس میں کراہت ہے فقہی طور پر نکاح اگرچہ ہو جائے گا دل میں ارادہ یہ ہے کہ میں بس نکاح کر رہا ہوں دس دن کے بعد میں نے چھوڑ دینا ہے لیکن یہ ذکر میں نہیں آیا، دل کے اندر اس قسم کا ارادہ ہے تو بھی یہ بری بات ہے اگرچہ نکاح فقہی طور پر ہو جائے گا اصل نکاح کی حکمت یہی ہے کہ جس کے ساتھ تعلق کرو زندگی بھر نبھانے کی نیت سے کرو، اور عفت حاصل کرنا مقصود ہو پاک دامنی حاصل کرنا مقصود ہو، اور عورت کو نکاح میں رکھنا مقصود ہو، صرف وقتی طور پر پانی گرانا مقصود نہیں ہے شہوت رانی مقصود نہیں ہے اب اگر شہوت زور مارے اور انسان خیال کرے کہ چلو وقت گزرتا ہے جیسے متعہ میں ہوتا ہے وقتی طور پر تعلق قائم کر لیا، یہ تو ایسے ہے جیسے پیشاب نے زور مارا اور کسی پیشاب خانے میں چلے گئے اور مثانہ ہلکا کر آئے، اس قسم کی بے حیائی کی حرکتیں شریعت میں جائز نہیں ہیں کہ جس میں وقتی طور پر اپنا بوجھ اتارنا مقصود ہے، اور عورت کو قید نکاح میں رکھنا مقصود نہیں ہے یہ قید اس لئے لگا دی کہ عفت کے تقاضے کے مطابق یہ قید ضروری ہے وقتی مستی نکالنا مقصود نہیں ہے۔

''غیر مصافحین'' اس حال میں کہ تم شہوت رانی کرنے والے نہیں، وقتی طور پر پانی گرانے والے نہیں یہ مفہوم ہے

اس کا قید نکاح میں رکھنے والے ہو نہ کہ وقتی طور پر مستی کرنے والے ہو، عورت کی طرف سے ہو تو تب بھی ایسے ہے، مرد جب قبول کرے گا تو وقتی طور پر قبول کر رہا ہے تو بھی وہ اسی حکم میں ہے، ''فمااستمتعم به منهن '' منهن ما کا بیان ہے پھر تم ان عورتوں میں سے جس عورت کے ساتھ استمتاع کرلو یعنی اس سے فائدہ اٹھالو ''وأتوهن اجورهن '' پھر ان کو ان کے اجور دیدیا کرو، اجور اجر اس کا مصداق مہر ہے، پھر ان کے اجور ان کو دیدیا کرو جو کہ متعین کئے جا چکے ہیں ''فریضة'' اسحالم یں کہ وہ متعین کئے جا چکے ہیں اور جس سے استمتاع نہ ہوا ہو صرف نکاح ہوا ہو وہاں پورا اجر نہیں دیا جاتا، وہاں نصف اجر دیا جاتا ہے، دوسری آیت کی طرف دیکھتے ہوئے مطلب واضح ہے، ان عورتوں میں سے جن سے تم استمتاع کرلو جس سے تم فائدہ اٹھالو تو دیدیا کرو ان کو ان کے اجور اس حال میں کہ متعین کیے ہوئے ہیں۔

''ولاجناح عليكم فيماتراضيتم به من بعدالفريضة'' کوئی گناہ نہیں تم پر اس چیز میں جس پر تم راضی ہو جاؤ فریضہ کے بعد مطلب یہ ہے کہ نکاح کے اندر اگر مہر مقرر ہو گیا جس کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ استمتاع کے بعد وہ عورت کی طرف ادا کر دینا چاہیئے، لیکن ی تعین ایسا نہیں جس میں تغیر تبدل نہ ہو سکے، نکاح کے بعد زوجین اپنی رضامندی کے ساتھ اس میں تغیر تبدل بھی کر سکتے ہیں، مثلاً عورت اس کا کچھ حصہ معاف کر دے یا مرد کی طرف سے اس میں اضافہ ہو جائے، یعنی متعین پانچ سو ہوا تھا لیکن مرد خوشی کے ساتھ ایک ہزار دیدے، یا مہر متعین پانچ سو ہوا تھا عورت اس کو معاف ہی کر دے یا خوشی کے ساتھ آدھا چھوڑ دے اس قسم کا تغیر و تبدل یہ طرفین کے ساتھ زوجین کی رضامندی کے ساتھ ہو سکتا ہے، کوئی گناہ نہیں تم پر اس چیز میں جس پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ فریضہ کے بعد آپس میں راضی ہو کر اگر کسی قسم کا تغیر و تبدل کرلیں تو اس میں کوئی کسی قسم کا گناہ نہیں ہے، ''ان الله كان عليما حكيما '' بے شک اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے، ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کا ذکر فرماتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو احکام آپ کو دیئے جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے علم و حکت کے تقاضے سے ہیں اس کے خلاف جو کام تم کرو گے، جیسے محرمات کی تفصیل بتا دی گئی عورتوں کے حقوق وغیرہ کا تذکرہ ہو گیا اس کے خلاف جو کچھ کرو گے وہ سب جہالت ہو گی اور یہ حکمت اور دانشمندی کے خلاف ہے یہ بات اور اگر یہ تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو بھی اللہ کی علم و حکمت پر اعتماد کرو اور اپنے علم کو اپنی حکمت کو اللہ کی علم و حکمت کے ساتھ ٹکرانے نہ دو، کیونکہ اگر تمہارا علم ٹکراتا ہے تو پھر حقیقتاً علم جہالت ہے اللہ کا علم صحیح اور اللہ کی حکمت صحیح، تو اپنے عقلی دلائل کے ساتھ اور اس قسم کے دوسری چیزوں میں تغیر تبدل کرنے کی کوشش کرو گے غیر دانش مندانہ حرکت ہو گی اور جہالت ہو گی۔

''ومن لم يستطع منكم طولا'' اور جو شخص تم میں سے طاقت نہ رکھے طول بھی طاقت کو کہتے ہیں، ''ان ينكح المحصنات المؤمنات'' یہاں محصنات سے آزاد عورتیں مراد ہیں طاقت نہ رکھے اس بات کی کہ نکاح کرے وہ مؤمن

آزاد عورتوں سے ''فمن ماملکت ایمانکم'' تو پھر وہ لے لیا کرے حاصل کرلیا کرے ان عورتوں میں سے جن کے مالک ہیں تمہارے دائیں ہاتھ، ''من فتیتکم المؤمنات'' ماملکت کا بیان ہے یعنی تمہاری وہ باندھیاں جو کہ ایمان والی ہیں ایک شخص آزاد مؤمن عورت سے نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور تقاضا ہے طبعیت میں نکاح کا اور وہ اندیشہ محسوس کرتا ہے کہ اگر میں نے نکاح نہ کیا تو میں کسی برائی کے اندر مبتلا ہو جاؤں گا، تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ پھر کسی مؤمن باندھی سے نکاح کرلیا کرے، اب یہاں محصنات سے جو مؤمنات کی قید لگائی ہے یہ بھی ترغیب کے لئے ہے احترازی نہیں اس لئے اگر آزاد عورت مومنات میں سے نہ ہو اہل کتاب میں سے ہو پھر بھی یہی بات ہے، اور فتیات کے ساتھ مؤمنات کی جو قید ہے یہ بھی ترغیب کے لئے ہے کوشش کرو کہ جو باندھی ہو وہ مؤمنہ ہو ورنہ اگر مؤمنہ باندھی نہ ہو اہل کتاب میں سے ہو تو بھی ٹھیک ہے ،اور مؤمنات پر قدرت کے باوجود باندھی کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے لیکن اگر کوئی پہلے محصنات عورت نکاح میں آچکی ہو آزاد عورت اس کے بعد پھر باندھی سے نکاح نہیں ہوسکتا، پہلے باندھی نکاح میں ہو تو اس کے بعد پھر آزاد سے نکاح ہوسکتا ہے، لیکن اگر آزاد عورت نکاح میں ہے تو ایسی صورت میں پھر باندھی کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا آزاد پر لونڈی نہیں آسکتی اور لونڈی پر آزاد آسکتی ہے، اور اگر قدرت تو ہے آپ کو کہ محصنہ مؤمنہ سے نکاح کرسکتے ہیں یا محصنہ اہل کتاب سے نکاح کرسکتے ہیں اس کے باوجود بھی اگر آپ اس آزاد عورت سے نکاح نہ کریں باندھی سے کرنا چاہیں تو بھی ٹھیک ہے تو یہ قیود جو ہیں یہ احترازی نہیں ہیں کہ طاقت نہ ہو تو نکاح کرنا جائز ہے اگر طاقت ہو تو نکاح جائز نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، طاقت ہو لیکن اگر آپ نے کسی آزاد عورت سے نکاح نہیں کیا تو بھی آپ کسی باندھی سے نکاح کرسکتے ہیں۔

"واللہ اعلم بایمانکم" اس میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ انسان ہونے کے اعتبار سے تو آزاد اور غلام سب برابر ہیں اور شرعی نقطہ نظر سے اصل فضیلت ایمان کی وجہ سے ہے اور وہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس میں ایمان کتنا ہے؟ کس میں کتنا ہے ؟ ہوسکتا ہے کہ باندھی کا ایمان تم سے زیادہ ہو، اور اللہ کے ہاں زیادہ قبول ہو تو نکاح کرنے میں کوئی کسی قسم کا حرج نہیں، نکاح کرلیا کرو جنس بھی تمہاری ایک ہے، ''بعضکم من بعض'' سارے آدم کی اولاد میں سے ہیں اور اصل شرافت ایمان ہے وہ بھی اللہ جانتا ہے کہ کس مں کتنا ایمان ہے اور کیسا ہے کیسا نہیں ہے، تو بوقت ضرورت اس میں ہچکچانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے نکاح کرسکتے ہو، ''فانکحوھن باذن اھلھن'' نکاح کرلیا کرو ان کے ساتھ ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ یہ مسئلہ واضح ہے فقہ کے اندر کہ باندھی اپنا نکاح خود نہیں کرسکتی، جس وقت تک کہ آقا کی طرف سے اجازت نہ ہو، باندھی کے ساتھ نکاح اس کے آقا کی اجازت سے ہوسکتا ہے، جس طرح کہ ایک حرہ عورت اپنا نکاح باندھ سکتی ہے نکاح ہوسکتا ہے باندھی کا نکاح اس طرح سے نہیں ہوسکتا، اس کے مولی کی اجازت ضروری ہے ان کے مولی کی اجازت کے ساتھ ان سے نکاح

کرلیا کرو۔

"واٰتوھن اجورھن بالمعروف " اور اچھے طریقے کے ساتھ ان کو مہر ادکر دیا کرو یہاں بھی وہی بات ہے کہ ''محصنات غیر مسافحات'' اس حال میں کہ وہ عورتیں قیدنکاح میں لائی جائیں نہ کہ مستی نکالنے والی ہوں ،یعنی ان کے ساتھ بھی تعلق ایسے وقتی طور پر نہ ہو کہ صرف یہ بوجھ ہلکا کیا نہیں بلکہ وہاں بھی اگر نکاح کرو تو اسی طرح سے کرنا ہے کہ ان کو قید نکاح میں رکھنے والے ہو،'' ولامتخذات اخدان '' اخدان خدن کی جمع ہے،اور خدن خفیہ دوست کو کہتے ہیں اور وہ نہ بنانے والی ہوں خفیہ دوست ،یعنی خفیہ طور پر بھی یاری آشنائی نہ لگاؤ اس لئے کہ نکاح کے اندر اعلان شرط ہے کہ جس میں کم ازکم دو آدمیوں کا موجود ہونا ضروری ہے یا ایک آدمی اور دو عورتوں کا ،اشتہار اتنا اعلان ضروری ہے نکاح میں اگر کوئی شخص دو آدمیوں کی موجودگی میں نکاح کرتا ہے تو یوں سمجھو کہ یہ ''متخذات اخدان '' نہیں ہے اور اگر وہاں گواہ موجود ہی نہیں یعنی دو گواہ موجود ہی نہیں یا ایک مرد دو عورتیں موجود نہیں ہیں تو پھر چاہے آپس میں نکاح کا لفظ بولا ہے اور ایجاب وقبول ہوا ہے تو یہ نکاح شرعی طور پر نکاح نہیں، بلکہ یہ خفیہ آشنائی ہے جس کو شریعت حرام ٹھہراتی ہے،اس کا اعلان ضروری ہے اس کا اظہار ضروری ہے،جس کا کم ازکم درجہ یہ ہے کہ وہاں ایجاب وقبول کے وقت میں دو آدمی موجود ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں اگر اتنا کام نہیں ہو تو وہ ایسی صورت میں خفیہ آشنائی کہلائے گا۔

"فاذا احصن " پھر جس وقت یہ باندھیاں قیدنکاح میں لے لی جائیں یہ منکوحہ بن گئیں،''فان اتین بفاحشۃ'' پھر اگر یہ کسی زنا کا ارتکاب کرلیں ''فعلیھن نصف ماعلی المحصنات من العذاب '' پھر آزاد عورتوں کو جتنی سزا ہے ان باندھیوں کو اس سے نصف ہوگی کیونکہ باندھیوں میں اتنا تحفظ نہیں ہوتا جتنا کہ آزاد عورتوں میں ہوتا ہے،انہوں نے اپنے مولیٰ آقا کی خدمت کے لئے باہر چلنا پھرنا بھی ہوتا ہے تو اس میں اتنا چونکہ تحفظ نہیں جس کی بناء پر ان کی سزا بھی تھوڑی رکھی گئی ہے، اور جب یہ نصف کا ذکر آگیا تو معلوم ہو گیا کہ ان کے اوپر رجم بالکل نہیں ہے، کیونکہ رجم کی تقسیم نہیں ہوسکتی ،رجم کا تو مطلب یہ ہے کہ ان کو اتنا مارو کہ ان کی جان نکل جائے اب اس کو آدھ کس طرح سے کریں کہ آدھی جان نکل جائے اور آدھی رہ جائے اس لئے باندھیوں کے اوپر رجم نہیں آیا کرتا، باندھیوں کی سزا جو ہے وہ صرف درے لگانا ہے یہ نصف کے لفظ سے یہ بات نکل آئے گی کیونکہ رجم کی تقسیم نہیں یا تنصیف نہیں ہوسکتی ان پر نصف ہے اس کا عذاب،''من العذاب '' یہ ما کا بیان ہے ان پر نصف ہے اس عذاب کا جو کہ آزاد عورتوں پر ہے۔

"ذلك لمن خشی العنت منکم " یہ جو باندھیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دی گئی ہے یا ترغیب دی گئی ہے یہ اس شخص کے لئے ہے جو اپنے اوپر شفقت کا اندیشہ رکھتا ہے تم میں سے یعنی اس کو اندیشہ ہے،عنت سے زنا مراد ہے یعنی ایہ

اس کو اندیشہ ہے کہ میں نے اگر نکاح نہ کیا تو میں کسی مشقت میں واقع ہو جاؤں گا کسی زنا میں واقع ہو جاؤں گا، اس کو تو نکاح کر لینا چاہیئے باز رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے وہ بھی انسان ہے جس طرح سے تم انسان ہو جس طرح سے تم مؤمن ہو ان کو بھی ایمان حاصل ہے حقیقت اللہ جانتا ہے کہ کس کا ایمان کیسا ہے کیسا نہیں، اس کو تو کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرنی چاہیئے نکاح کر لینا چاہیئے، البتہ جو اپنے آپ پر قابو رکھ سکے اور اسکو مشقت میں واقع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ آزاد عورت سے تو نکاح کرے باندھیوں سے کرنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ باندھیوں کے ساتھ نکاح کی صورت میں پھر کئی ساری مشکلات پیش آتی ہیں جیسے فقہ کے اندر آپ پڑھتے ہیں کہ مولیٰ پابند نہیں ہے کہ اس باندھی کو آپ کے گھر بھیجے بلکہ وہ اپنی خدمت میں اس کو رکھ سکتا ہے، اور خاوند کا بس اتنا کام ہوگا کہ جب کبھی اس کو موقع ملے تو ملاقات کر سکتا ہے پھر وہ مولیٰ کی خدمت کرے گی مولیٰ کے مہمانوں کی خدمت کرے گی، اس کے کام کاج کے لئے باہر آئے جائے گی تو بسا اوقات انسان کے لئے بدمزگی کا باعث بن جاتی ہیں اور جو نکاح سے مقصد ہے کہ مرد اور عورت کی زندگی پرلطف گزرے اس میں رکاوٹیں پڑتی ہیں تو پھر بہتر یہی ہے کہ اپنے آپ کو سنبھال کر رکھو، ورنہ اس قسم کا اندیشہ ہے کہ برائی میں مبتلا ہو جاؤ گے، پھر نکاح کر لینا چاہیئے پھر کوئی رکاوٹ نہیں ہے، یہ اس شخص کے لئے جو تم میں سے اپنے اوپر عنت کا اندیشہ رکھے، تکلیف اور مشقت میں پڑ جانے کا اندیشہ رکھے یعنی زنا وغیرہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہے "وان تصبروا خیر لکم" اور صبر کرنا تمہارا بہتر ہے تمہارے لئے "واللہ غفور رحیم" اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمۡ وَ یَہۡدِیَکُمۡ سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ
وَ یَتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۲۶﴾ وَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یَّتُوۡبَ
عَلَیۡکُمۡ ۟ وَ یُرِیۡدُ الَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الشَّہَوٰتِ اَنۡ تَمِیۡلُوۡا مَیۡلًا
عَظِیۡمًا ﴿۲۷﴾ یُرِیۡدُ اللّٰہُ اَنۡ یُّخَفِّفَ عَنۡکُمۡ ۚ وَ خُلِقَ الۡاِنۡسَانُ
ضَعِیۡفًا ﴿۲۸﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ
بِالۡبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ ۟

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ
ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ
عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا
مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ
مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْــَٔلُوا اللّٰهَ
مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا
مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ
فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾ ع

ترجمہ:

"یرید الله لیبین لکم "اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ واضح کرے تمہارے لئے "لکم "میں لام نفع کا ہے تمہارے نفع کے لئے، یبین کا مفعول محذوف ہے احکام، اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے نفع کے لئے احکام واضح کرے "ویھدیکم سنن الذین من قبلکم "اور ہدایت دے تمہیں راہنمائی کرے تمہاری ان لوگوں کے طریقوں کی طرف جو تم سے پہلے گزرے ہیں، سنن یہ سنت کی جمع ہے سنت طریقہ، "الذین من قبلکم "سے مراد انبیاء علیہم السلام صالحین رحمہم اللہ جو پہلے گزرے ہیں ان کے طریقے تمہیں بتلائیں، "ویتوب علیکم "اور اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تم پر توجہ فرمائے "والله علیم حکیم "اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے، "والله یرید ان یتوب علیکم ویرید الذین یتبعون الشھوات ان تمیلوا میلا عظیما" اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ جو فاحشات کی اتباع کرتے ہیں کہ تم مائل ہو جاؤ مائل ہونا بہت بڑا، "یرید الله ان یخفف عنکم "اللہ ارادہ کرتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے تم پر تخفیف کرے، "وخلق الانسان ضعیفا"

اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے،"یایھا الذین آمنوا لاتأکلوا اموالکم بینکم بالباطل"اے ایماوالو! نہ کھایا کرو تم آپس میں ایک دوسرے کے مال غلط طریقے سے"الا ان تکون تجارۃ" تکون کی ضمیر لوٹے گی جہت اکل کی طرف مگر یہ کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال کھانا تجارت کے طور پر"عن تراض"ایسی تجارت جو کہ آپس میں رضامندی سے صادر ہو،"تراض" یہ باب تفاعل آ گیا جو کہ مشارکت چاہتا ہے تمہاری طرف سے رضامندی سے صادر ہو،"ولاتقتلوا انفسکم"اور اپنے لوگوں کو قتل بھی نہ کیا کرو،"ان اللہ کان بکم رحیما"بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحم کرنے والا ہے،"ومن یفعل ذلک عدوانا وظلما"اور جو کوئی شخص یہ کام کرے گا حد سے بڑھتا ہوا اور ظلم کرتا ہوا، عدوانا ظلم کے طور پر، عدوان حد سے تعدی کرنا حد سے بڑھ جانا تجاوز کر جانا اور ظلم کا اصل مفہوم ہوتا ہے دوسرے کی حق تلفی تو یہ دو لفظ یا تو اس لئے بول دیئے گئے تعدی ہو اور قصدا ہو اخطاً نسیانا نہ ہو کیونکہ جو خطا اور نسیاناً ہو، وہ شرعاً ظلم کی تعریف میں نہیں آتا اس پر وعید نہیں ہے یا یہ دو شقیں ہو جائیں گی، کسی دوسرے پر ظلم کر کے اس سے چیز چھین لینا عدوان ہے اور جو کسی کا حق آپ کے ذمے لگا ہوا ہے وہ دبا لینا نہ ادا کرنا یہ ظلم ہے، جو کوئی یہ کام کرے گا عدوان اور ظلم کے طور پر"فسوف نصلیہ نارا"پس عنقریب ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے"وکان ذلک علی اللہ یسیرا"اور یہ جہنم میں داخل کر دینا اللہ پر آسان ہے۔

"ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنہ" جن کاموں سے تم کو روکا گیا ہے منہیات"کبائر ماتنھون"جن کاموں سے تمہیں روکا گیا ہے ان میں سے بڑے بڑے کام"ان تجتنبوا کبائر ماتنھون"جن کاموں سے تمہیں روکا گیا ان میں سے اگر بڑے بڑے کاموں سے اگر تم بچتے رہو جن گناہوں سے تمہیں روکا گیا ہے، ان میں سے بڑے بڑے گناہوں سے اگر تم بچتے رہو،"نکفرعنکم سیئاتکم"دور ہٹا دیں گے ہم تم سے چھوٹے چھوٹے گناہ،"وندخلکم مدخلا کریما"اور ہم داخل کریں گے تمہیں عزت والی جگہ میں،"مدخل"ظرف کا صیغہ ہو گیا،"کریما"اس کی صفت ہے عزت کی جگہ میں ہم تمہیں داخل کریں گے،"ولاتتمنوا مافضل اللہ بہ بعضکم علی بعض"تمنا نہ کیا کرو اس چیز کی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے،"للرجال نصیب مما اکتسبوا"مردوں کے لئے حصہ ہے اس چیز میں سے جو انہوں نے کیا،"وللنساء نصیب مما اکتسبن"اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس چیز میں سے جو انہوں نے کیا،"واسئلوا اللہ من فضلہ"اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہا کرو،"ان اللہ کان بکل شیء علیما"بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے،"ولکل جعلنا موالی"اور ہر کسی کے لئے ہم نے وارث بنائے ہیں موالی مولی کی جمع ہے یہاں مولی سے وارث مراد ہیں، ہر کسی کے لئے ہم نے وارث بنائے ہیں"مماترک الوالدان والاقربون والذین عقدت ایمانکم"اس مال کے کہ جس کو چھوڑ جائیں والدین اور قریبی رشتہ دار، اور وہ لوگ کہ جن کے ساتھ تمہاری قسمیں واقع ہوئی

ہیں یا جن کے ساتھ تمہارے عہد کو تمہاری قسموں نے باندھا ہے، ان کے عقود کو تمہاری قسموں نے مضبوط کیا ہے، ''فاتوھم نصیبھم '' ان کو ان کا حصہ دیدیا کرو، ''ان اللہ کان علی کل شیء شھیدا'' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر گواہ ہیں۔

تفسیر:

سورۃ نساء کی ابتداء سے اصلاح معاشرہ کے اصول بیان ہوتے چلے آرہے ہیں بنیاد اس کی اس بات سے اٹھائی گئی تھی کہ انسان جتنے بھی ہیں وہ سب ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں، لہذا ان کے معاملات کو اس جذبے کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے جس طرح سے آپس میں بھائی معاملہ طے کیا کرتے ہیں، برادرانی جذبات کو برانگیختہ کیا گیا تھا، انسانی برادری کی یکسانیت ذکر کر کے پھر اس کی تفصیل آگے کی گئی تھی، یتیموں پر زیادتی نہ کرو ان کے مال کی نگہداشت کرو، ہر معاملے میں ان کی اصلاح کا خیال رکھو، عورتوں کے بارے میں جس قسم کی زیادتیاں لوگ کرتے تھے ان کی اصلاح کی گئی تھی اور درمیان میں کچھ اخلاقی اصلاح کے ضابطے بھی بیان کئے گئے تھے، اور پھر اس رکوع سے متصل آیات میں کچھ نکاح کے احکام محرمات کا بیان او عورت کے ساتھ دوسرے برتاؤ کے طریقے واضح کئے گئے تھے، اس رکوع میں ابتدائی دو تین آیتوں میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی عظمت بیان کی ہے، تاکہ مؤمنین کی عظمت کو محسوس کرتے ہوئے احکام کی پابندی کریں اور ساتھ ساتھ ایک فتنے کی نشاندہی کی ہے۔

اس فتنے کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت بھی یہ اصلاحی اصول لوگوں کے سامنے ظاہر کئے جائیں گے جن لوگوں کی زندگیاں ان اصولوں کے مطابق نہیں ہیں، وہ مزاحمت کے لئے میدان میں اتریں گے یہ ہمیشہ دنیا کا دستور ہے کہ جب لوگ کچھ کھانے کمانے کے لئے کچھ غلط طریقے اختیار کر لیتے ہیں تو ان کے سامنے جس وقت کوئی اصلاحی پروگرام رکھا جائے جس میں بظاہر وہ اپنا نقصان سمجھتے ہیں وہ اپنے منطقی فلسفی دلائل لے کر میدان میں آتے ہیں اور اس اصلاحی سکیم کو فیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مثلاً آج کل جو نظام سودی چل رہا ہے تو سرمایہ دار طبقہ جتنا بھی ہے سودی نظام کا محتاج ہے اب اگر آپ قانون بنانے کی کوشش کریں کہ سود کو ترک کر دیا جائے تو وہ لوگ اپنے دلائل کے ساتھ جن کو وہ دلائل قرار دیے ہوئے ہیں منطقی دلائل عقلی دلائل ان کے ساتھ وہ مقابلے میں آتے ہیں اور یہ بتاتے ہیں کہ اگر یہ سود نہیں لیا جائے گا تو یوں بربادی آجائے گی یوں تباہی آجائے گی تجارت تباہ ہو جائے گی، صنعت ٹھیک نہیں رہے گی ہمارے دوسرے لوگوں کے ساتھ لین دین دوسرے ملکوں کے ساتھ کس طرح ہوگا ہزاروں اس میں فائدے بتائیں گے اور اس کے چھوڑنے میں ہزاروں اس کے نقصان واضح کریں گے، مقصد یہ ہوگا کہ یہ اچھا اصول جو بیان کیا جا رہا ہے معاشی اصلاح کے لئے اس کو ناکام کر دیا جائے، اور ہمارا مفاد جو ہے

وہ جاری رہے تو اس طرح سے اس معاشرے میں لوگ یتیموں کا مال کھانے کے عادی تھے یتیموں کے مال کے بارے میں بے احتیاطیاں جاری تھیں، عورتوں کے اوپر وہ ناجائز قبضے جماتے تھے، ان کو اپنی مرضی کے مطابق نکاح نہیں کرنے دیتے تھے، اپنی مرضی کے مطابق ان کو اپنے مالوں کے اندر تصرف نہیں کرنے دیتے تو جن لوگوں نے یہ طریقے اپنا رکھے تھے جن کو یہ حرام کھانے کی عادت پڑی ہوئی تھی، اور ایسے ہی بعض محرمات کے ساتھ نکاح کرنے کی عادت تھی۔

جیسے تفصیل آپ کے سامنے آچکی کہ اپنے باپ کی منکوحہ کے ساتھ بھی نکاح کر لیتے تھے، دو دو بہنوں کو اپنے نکاح میں لئے بیٹھے تھے، اور چار سے زیادہ دس دس بیس بیس عورتوں سے نکاح کیے بیٹھے تھے، جب یہ قاعدے ان کے سامنے واضح کئے جائیں گے تو وہ لوگ اپنے مفاد کے خلاف سمجھیں گے اور پھر تمہارے ساتھ وہ مزاحمت کریں گے ٹکراؤ لیں گے، تمہارے سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ یہ جو باپ دادا کی طرف سے طریقہ چلا آ رہا ہے اور ہمارے بڑوں کی طرف سے ہمیں یہ ورثہ کے طور پر طرز زندگی ملا ہے یہی ہمارے لئے مفید ہے، اور اس کے ترک کرنے میں یہ نقصان ہے، ہمیں اپنے باپ دادا کے طریقے کو بدلنا نہیں چاہیئے اس طرح سے وہ ذہنی طور پر ٹکراؤ لیں گے، اپنی طرف سے دلائل واضح کریں گے ، اور کوشش کریں گے تمہیں اس راستے سے ہٹانے کی اور پھسلانے کی ، اس بات سے خبردار رہو، کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ بیان کرتا ہے اس میں تمہارا فائدہ ہے اور یہ شہوت پرست لوگ خواہشات کے بندے نفس پرور لوگ جو ہیں تمہیں سیدھے راستے سے بھٹکانا چاہتے ہیں تو جس وقت بھی وہ تمہارے سامنے ایسے دلائل لیکر آئیں گے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف ہوں تو سمجھ جایا کرو کہ دین اور دنیا کے دشمن ہیں، ان کی بات پر کان نہیں رکھنا اس طرح سے گویا کہ مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ترغیب دی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلے میں کسی دوسرے کی بات پر کان نہ دھریں، وہ لوگ مرتکب شہوات نفس پرست ہیں، پیٹ کے پجاری ہیں وہ جس وقت اپنے مفاد کے اوپر زد پڑتی ہوئی دیکھیں گے یقیناً تمہیں راستے سے بھٹکانے کی کوشش کریں گے ان سے ہوشیار رہنا، تو دنیا کے اندر اس طرح سے ہوتا ہے جس وقت بھی معاشرے کے اندر کوئی غلط کار لوگ قابض ہو جائیں ان کے قبضے سے چھڑانے کے لئے کتنی اچھی سے اچھی سکیم کیوں نہ واضح کی جائے بہر حال وہ اپنے مفاد کی خاطر مخالفت کرتے ہیں۔

تو یہاں دو چیزیں ملحوظ رکھنی پڑتی ہیں، اللہ کی طرف سے جو احکام آئیں ان کی عظمت محسوس کر و اس کو دین اور دنیا کے لئے مفید سمجھو اور اس پر کار بند ہو جاؤ، اور اس کی مخالفت میں تمہیں بہکانے کے لئے اکسانے کے لئے اس راستے سے ہٹانے کے لئے لوگ کیسے ہی دلائل سے مسلح ہو کر آئیں ان کی بات پر کان نہیں دھرنا، پہلی آیتوں کے اندر تو یہ تاکید کی ہے، آگے پھر احکام کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ان الفاظ کو دیکھ لیجئے، اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے لئے احکام کو واضح کرے اور ان

الفاظ کی تبیین میں فائدہ تمہارا ہے،لکم میں لام انتفاع کے لئے ہے تمہارے فائدے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے احکام اور اپنے قواعد تمہیں بتاتا ہے اور تمہیں ان آیات کے ذریعے سے ان لوگوں کے واقعات اور ان لوگوں کے طریقے بتلاتا ہے جو پہلے گزرے ہیں، انبیاء کے طریقے، صالحین کے طریقے، اللہ کی مقبولیت کے طریقے ان کے واقعات تاکہ ان واقعات کے ساتھ اور ان صالحین کے طریقے کے ساتھ تمہارے دل کے اندر ان قوانین کی عظمت آئے، بتلاتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ راستے ان لوگوں کے جو تم سے پہلے گزرے ہیں اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اپنی رحمت کے ساتھ ان پر توجہ کرے،''یتوب علیکم'' اللہ تعالیٰ علم والا ہے حکمت والا ہے،اس لئے جو کچھ بیان کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کی علم وحکمت پر مبنی ہوگا،اور اس کے خلاف جو کچھ آئے گا وہ سب جہالت اور غیر دانشمندانہ اقدام ہوگا، جب اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور حکیم بھی ہے تو جو کچھ وہ بتلائیں گے علم کا تقاضہ بھی وہی ہے اور جو قاعدہ وہ بنائیں گے حکمت کا تقاضا بھی وہی ہے،اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ جو کوئی بھی آئے گا آپ کے سامنے اگر اللہ کے حکم کے خلاف کسی طریقے کو لائے گا تو وہ علم کے بھی خلاف ہوگا حکمت کے بھی خلاف ہوگا، جاہلانہ طریقہ ہوگا غیر دانشمندانہ طریقہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام کی عظمت کو بیان کرنا ہی مقصود ہے، اور اللہ تعالیٰ بھی ارادہ کرتا ہے تم پر توجہ کرنے کا تم پر رحمت سے متوجہ ہو اور جو لوگ شہوات کے متبع ہیں جو خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں لذات کے پیچھے مرتے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے ایک طرف مائل ہو جاؤ، وہ تمہیں سیدھے راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں، مائل ہو جاؤ تم ایک طرف مائل ہو جانا تم سیدھے نہ رہو، راستے پر نہ چلو، بلکہ ایک طرف کو ڈھلک جاؤ، اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے تم پر تخفیف کا بوجھ ہلکا کرنے کا کہ یہ جاہلیت کی رسمیں جو تمہارے سر کے اوپر ایک بوجھ بنی ہوئی ہے تمہارے گلے کے اندر آباء واجداد کے طریقے جو طوق کی طرح پڑے ہوئے ہیں جس نے تمہاری دنیا کی زندگی بھی تلخ کر رکھی ہے، اللہ تعالیٰ تم سے ان بوجھوں کو ہٹانا چاہتا ہے یہ ناجائز پابندیاں اپنے سے دور کر دو جس طرح سارے جاہلت کے اندر تم پر عائد کی گئی ہیں بہت ساری ایسی چیزیں ہیں جن کو انسان رسم ورواج کے طور پر ان کو اپنائے ہوئے ہوتا ہے اور حقیقت کے اعتبار سے وہ ایک معاشی بوجھ بھی ہوتی ہیں اور ذہنی بوجھ بھی ہوتی ہیں، لیکن جرأت نہیں ہوتی ان کو ہٹانے کی اور اللہ کے حکم کا سہارا لیکر انسان ان کو ہٹانا چاہے تو اس طرح کے بوجھ گرائے جاسکتے ہیں اور اس قسم کے داؤ کاٹے جاسکتے ہیں۔

اچھی طرح سے اس بات کو سمجھنے کے لئے اپنے معاشرے کی طرف ذرا دھیان لے جایئے کہ ہمارے ہاں آج کل بیاہ شادیوں کا طریقہ جو عام طور پر دیکھ رہے ہیں اس میں اس قسم کے اخراجات پڑ جاتے ہیں بچوں والوں پر، کہ اگر چار آدمی عقل مند ملکر بیٹھیں گے تو ہو بھی سمجھیں گے کہ یہ خواہ مخواہ کا بوجھ ہے برادری کی روٹیاں برادری کو ہدیے تحفے دینے اور بارات کی

پابندی جہیز کی پابندی جو اس قسم کے بوجھ ہیں جو رسم ورواج کے طور پر اتنا دبانے کی گنجائش نہیں ہے لوگ قرضے لیتے ہیں زندگی بھر کی بنائی ہوئی جائیدادیں اس قسم کے کاموں میں آکر برباد ہو جاتی ہیں لیکن کسی شخص کے اندر جرأت نہیں کہ اس گدھے کے لد کو اتار کر پھینک دے اور انسان کہے کہ اس بوجھ کو ہم اٹھانے کے لئے تیار نہیں، یہ رسم ورواج خواہ مخواہ ہمارے سروں پر ڈالا ہوا ہے، اور اللہ کے حکم کی طرف اگر دھیان کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تخفیف ہی تخفیف کا حکم دیتا ہے کوئی پابندی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قسم کی نہیں ہے کہ جب تک تم اتنے آدمی نہیں جاؤ گے تو یہ نکاح جائز نہیں ہے جب تک لڑکی کے لئے اتنا جہیز نہیں ہوگا تو نکاح درست نہیں ہے، اور جب تک تم ساری بارات کو دیگیں اتار اتار کر نہیں کھلاؤ گے نکاح درست نہیں ہے اللہ کی طرف سے یہ کوئی حکم نہیں ہے، اللہ نے تو سب تخفیف ہی تخفیف کی ہوئی ہے۔

اسی طرح سے موت کے وقت میں یعنی ایک بوڑھا مرتا تو ہے بے چارہ لیکن پیچھے والوں کے لئے مصیبت بنا جاتا ہے کہ ساری برادری کی دعوتیں کرو، اور ملاں ٹیکس علیحدہ ادا کرو، مولوی ٹیکس علیحدہ ادا کرو، اور فلاں کا ٹیکس علیحدہ ادا کرو، یعنی مرنے کے بعد ایک لمبا چوڑا دھندا شروع ہو جاتا ہے کہ انسان کو اس قسم کی ذمہ داریاں ادا کرنا مشکل ہو جاتا ہے آپ حضرات کے سامنے ہے جس طرح سے برادری آتی ہے کھا پی کر جاتی ہے دیوالیہ انسان کا کر جاتی ہے ایک تو ان کا فرد مر گیا، ایک تو جانی نقصان ہوا اور دوسرا مال کو چٹ کر جاتے ہیں لوگ، یہ سارے کے سارے بوجھ ایسے ہوتے ہیں جو رسم ورواج نے ہمارے سروں کے اوپر ڈالے ہوئے ہیں یہ جاہلانہ رسم ورواج ہیں، اللہ تعالیٰ اس قسم کے بوجھ انسان پر نہیں ڈالتا، اللہ تعالیٰ کے سامنے انسان کی کمزوری ہے کہ کس طرح سے اس نے پیدا کیا ہے کمزور مخلوق ہے اس پر اس طرح کے بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا جن کو یہ برداشت نہ کر سکے، ہم نے خود اپنے اوپر اس قسم کے بوجھ ڈال لئے ہمارے بڑوں کے رسم ورواج کے طور پر ہمارے خاندان میں یہ چیزیں جو آگئی ہیں اللہ کے احکام سب اس کے خلاف ہیں اور تم پر تخفیف پیدا کر دی، تو تمہیں چاہیئے کہ اس قسم کی برادری کی رسموں کو کاٹ دو اور یہ جو بوجھ تمہارے اوپر بلاوجہ پڑا ہے اس کو گرا دو اللہ تعالیٰ تمہاری خلقت سے واقف ہے، وہ تمہارے اوپر ذمہ داری اتنی ڈالتا ہے جس کو تم برداشت کر سکو۔

آگے پھر وہ احکام کا سلسلہ ہے، اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال غلط طریقے سے نہ کھایا کرو، ہاں البتہ کھانے کا طریقہ تجارت ہے، اور وہ بھی جو تمہاری طرف سے رضامندی سے صادر ہو، یہاں سے ایک طریقہ بتایا گیا ہے تجارت کا اور اس کے ساتھ رضامندی کی قید لگا دی گئی چونکہ عام طور پر دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کا درست طریقہ یہی ہے ورنہ شریعت میں بہت ساری تفصیل موجود ہے اب یوں سمجھیں کہ آپ کے ہدایہ کی ساری کتاب البیوع وہ اسی آیت کی تفسیر ہے، دوسرے کے مال سے انسان فائدہ عاریت کے طور پر بھی اٹھا سکتا ہے، باب العاریۃ مستقل شریعت میں ہے،

حدیث کی کتابوں میں بھی ہے، کبھی ھبہ ایک طریقہ ہے دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کا کہ خوشی کے ساتھ آدمی ایک دوسرے کو دیدے کے مقابلے میں لے کچھ نہیں، وراثت کے طور پر بھی ایک کا مال دوسرے کو پہنچتا ہے اور اس طرح سے اور بھی جائز طریقے ہیں، دعوت کے طور پر بھی آپ ان کو کھلا دیں ھدیہ تحفہ کے طور پر آپ ان کو دیدیں، آپ عاریت کے طور پر لے لیں، قرض کے طور پر لے کر آپ اس سے فائدہ اٹھالیں، کرائے پر لے لیں، اجارے پر لے لیں، یہ صورتیں بھی ہیں لیکن عموم کے ساتھ جو چیز واقع ہوتی ہے وہ ہے یہ مبادلہ تجارت، ایک چیز لی جاتی ہے اور دوسری چیز دی جاتی ہے، اور اس مبادلے کے اندر مال کا مبادلہ مال کے ساتھ ہو جو عام طور پر تجارت ہوتی ہے یہ بھی ہے۔

اور یہاں مفسرین نے تصریح کی ہے کہ کسی کے گھر میں ملازمت اختیار کر کے اس سے تنخواہ لے اس کے مال سے فائدہ اٹھانا یا اسی طرح سے یہ اجارے کے طور پر منافع کے ساتھ جو مال کا مبادلہ ہو تا وہ بھی سب اس میں شامل ہے، حقیقت کے اعتبار سے تجارت ان پر بھی صادق آتی ہے، ایک ہے کہ دونوں طرف سے مال ہو جس کو ہم اپنے عرف کے طور پر تجارت قرار دیتے ہیں اور ایک ہے کہ ایک طرف سے مال ہو دوسری طرف سے منافع ہوں آپ کسی کے گھر جا کے کام کیجئے اور اپنے بدنی منافع ان کو دیجئے اور اس کا مال لیجئے اور مال لیکر اس سے فائدہ اٹھائیں، اسی سے آپ اس کو کوئی چیز کرائے پر دیدیں چیز کے منافع اس کے لئے چلے گئے، اور پیسے آپ اس سے لے لیں گے، آپ کسی کا مکان لے لیتے ہیں کرائے پر تو منافع اس سے لے لیتے ہیں اور اس کے مقابلے میں مال دیتے ہیں یہ سب تجارت میں شامل ہے، تو محنت کر کے کسی کے مال سے فائدہ اٹھایا جائے جس کو ہم تنخواہ کہتے ہیں وہ بھی اس میں آجاتی ہے، اور اجارہ وغیرہ کے ذریعہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے تو وہ بھی اس میں آجاتا ہے، تو گویا کہ ایک دوسرے کے مال کو حاصل کرنے کے جائز طریقے یہ ہیں کہ مبادلہ مال کا مال کے ساتھ ہو، یا مبادلہ مال کا منافع کے ساتھ ہو یہ جائز طریقہ ہے ایک دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کا۔

اور اس کے علاوہ غصب کے طور پر مال اس کا لے لیا دیا اس کو کچھ بھی نہیں یا اس کی رضامندی کے بغیر لے لیا چوری کے طور پر رشوت کے طور پر سود کے طور پر دھوکہ اور فریب کے ذریعہ سے ایک دوسرے کے مال سے فائدہ نہ اٹھائے یہ طریقے اگر تم جاری کر دو گے بغیر کسی محنت کے دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کا جس طرح سے آج لوگ چاہتے ہیں کہ کرنا کچھ بھی نہ پڑے بیٹھے بیٹھے سرمایہ دار ہو جائیں، یہ طریقے اگر جاری ہوں گے تمہارا اپنا مالی نظام تباہ ہو جائے گا پریشانیاں تمہیں ہوں گی اور اگر رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مبادلہ کرتے رہو گے اور لیتے دیتے رہو گے تو سارے سکھ اور چین سے رہو گے ''اموالکم '' اپنے مالوں کو یعنی اپنی بھائیوں کے مالوں کو آپس میں ایک دوسرے کے مالوں کو غلط طریقے سے کھایا نہ کرو اور غلط طریقے کے اندر ہر وہ طریقہ آگیا جس کو شریعت نے ناجائز اور حرام قرار دیا ہے، چوری غصب دھوکہ فریب

رشوت سود اور اس قسم کے جتنے بھی عقود باطلہ ہیں اور عقود فاسدہ ہیں وہ سارے اس میں آجائیں گے، اور کثیر الوقوع ہونے کے طور پر تجارت کو ذکر کر دیا، ورنہ شریعت کی دوسری آیات سے ثابت ہے کہ اس کے علاوہ اور طریقے بھی ہیں آپس میں ایک دوسرے کے مال سے فائدہ اٹھانے کے جس کی تفصیل آپ کے سامنے میں نے عرض کر دی۔

تراضی کی قید معتبر ہے، جبری بیع نہ ہو جس طرح کہ سرمایہ دار مال کو اسٹاک کر کے رکھ لیتا ہے، جب وہ بازار سے ناپید ہو جاتا ہے لوگ اب خریدنے کے لئے جاتے ہیں تو منوں لگی قیمت وہ لیتا ہے، اور پھر ساتھ ساتھ اپنے دل کو تسلی بھی دے دیتا ہے کہ لوگ اپنی رضامندی سے خرید رہے ہیں، میں کونسا ان کو مجبور کرتا ہوں اس سے جتنے پیسے لے لوں میرے لئے جائز ہیں یہ بات غلط ہے، یہ رضا جبری ہے جب ایک انسان مجبور ہو گیا مضطر ہو گیا، وہ چیز اس کو کسی اور جگہ سے ملتی نہیں تو اس لئے اگر منہ مانگی رقم دیتا ہے تو یہ رضا جبری ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں، دیکھا جایا کرتا ہے کہ عام عرف کے اعتبار سے وہ چیز کتنی قیمت کی ہے اس سے زائد قیمت لینا اس کے اضطرار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بھی اکل بالباطل ہے، مجبور کر دیا جائے انسان کو کسی حال کے اعتبار سے مجبور کر دیا جائے جیسے کوئی حاکم مجبور کر دے رشوت دینے پر اب رشوت دے کر جو جائے گا لوگ کہیں کہ بھائی اپنی مرضی سے دے کر گئے ہیں اگر تم ان کا کام صحیح طریقے سے کرتے تو وہ اپنی مرضی سے رشوت کیوں دیتے، تو یہ حالات کی مجبوری ہے اور اس حالات کی مجبوری کے تحت اگرچہ دینے والا بظاہر راضی بھی ہوں لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ راضی نہیں ہے اس لئے اس قسم کی رضا معتبر نہیں، طرفین کی رضامندی ضروری ہے اس مال کے حلال ہونے میں۔

"ولاتقتلوا انفسکم" یہ تو مال کی حفاظت تھی اور اس کے ساتھ ہی آ گیا کہ اپنے لوگوں کو قتل بھی نہ کیا کرو اور دونوں باتوں میں پڑا ہوا ہے جس وقت انسان مال کی حرص میں مبتلا ہو جاتا ہے جائز اور ناجائز طریقے سے مال اکٹھا کرنے کی کوشش کرتا ہے لازماً اس نتیجے میں شر اور فساد ہوتا ہے پھر قتل تک نوبت بھی پہنچتی ہے اگر مالی نظام کو ٹھیک کر دیا جائے اور مالی نظام جو ہے وہ صحیح طریقے سے چلتا رہے لوگ ایک دوسرے کے مال پر دست درازی نہ کریں، تو اکثر و بیشتر یہ قتل و قتال کی نوبت بھی نہیں آئے گی، اور جانیں بھی محفوظ ہو جائیں گی، آپ جس وقت غور کریں گے تو آپ کے سامنے یہ بات آئے گی کہ یہ لڑائی بھڑائی قتل و قتال تک عموماً اسی حرص اور لالچ کی بناء پر نوبت آتی ہے کوئی کسی کی جائیداد لینے کے لئے اس کو قتل کر دیتا ہے اور کوئی چوری ڈاکے کے لئے جاتا ہے اور اس کو جان سے مار دیتا ہے اور اسی طرح سے اور فسادات تو مال کے لئے بھی قواعد بتا دیئے گئے کہ غلط طریقے سے نہ کھایا کرو اور حرص سے بچو، اور ایک دوسرے کی جان کی بھی حفاظت کرو، "ولاتقتلوا انفسکم" اپنے لوگوں کو قتل نہ کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرنے والا ہے یہ اس کی رحمت کے تقاضے ہیں جو وہ تمہیں بتا رہا ہے

اور اگر اس کے خلاف چلو گے چاہے تم اس میں اپنے لئے کتنے فائدے ہی کیوں نہ سوچو، حقیقت کے اعتبار سے وہ ظلم کے راستے ہیں، رحمت کے راستے نہیں ہیں، یہ اللہ کی رحمت ہے جو تمہیں تمہاری زندگی کے قاعدے بتا رہا ہے اور جوئی کوئی ایسا کرے گا ظلم اور زیادتی کسی دوسرے پر یعنی غلط طریقے سے مال کھائے گا یا کسی کی جان کو نقصان پہنچائے گا دنیا کی سزائیں بھی اپنی جگہ اللہ نے بتائی ہوئی ہیں کہ اس کو یہ سزائیں دی جائیں گی یہ سزائیں دی جائیں گی وہ بھی دوسری آیات میں واضح ہیں، لیکن اگر دنیا کی سزا سے کسی طرح کوئی آدمی بچ بھی جائے گا تو آخرت میں تو ہم اس کو جہنم میں ڈالیں گے وہاں سے تو چھوٹنے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے اب یہ ظالم کو جہنم میں ڈال دینا یا ظالم کو سزا دے دینا یہ بھی اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ مظلوم کی حمایت کرے اور ظالم کی گردن کو توڑے ورنہ اگر ظالم کے اوپر کوئی کسی قسم کی گرفت نہیں کرے گا تو دنیا کا عذاب........................

جیسے یہ اپنے لئے چاہتا ہے ڈھیل، جن لوگوں کے حقوق تلف کر رہا ہے آخر وہ بھی تو اللہ کے بندے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ایک کی جان و مال کی حفاظت کرے تو جو حد سے تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا ملنا یہ بھی اس کی رحمت کا تقاضا ہے، ''وکان اللہ علیٰ ذلك یسیراً'' اور جہنم کے اندر ڈال دینا یہ اللہ پر آسان ہے اللہ کو کوئی ایسے انتظام نہیں کرنے پڑتے جو اس کی بناء پر کوئی مشکل پیش آئے اور تم یہ چاہو کہ جب ہم اتنے سارے ہوں گے تو انتظام ہی نہیں ہو سکے گا تو سزا کیسے ہو جائے گی، ایسی بات نہیں ہے اللہ کے لئے سب کام آسان ہیں یہ وعید آ گئی تاکہ اس وعید کی وجہ سے جس طرح سے پہلے ''ان اللہ کان بکم رحیما'' کے اندر ترغیب کا پہلو ہے کہ یہ قاعدے سارے کے سارے رحمت کے ہیں اب اس کے ذریعے وعید کا پہلو آ گیا۔

''ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنہ'' جن چیزوں سے تمہیں روکا گیا ہے اگر ان میں سے تم بڑی بڑی چیزوں سے بچتے رہو تو چھوٹے موٹے گناہ جو ہیں ہم ویسے ہی اپنی رحمت کے ساتھ معاف کرتے جائیں گے یہ بھی ایک ترغیب کا پہلو ہے، بڑی بڑی غلطیوں سے بچو اور چھوٹے چھوٹے قصور جو ہو جاتے ہیں ہم اپنی رحمت کے ساتھ تمہیں معاف کر دیں گے اس میں گناہ کبیرہ ہوتے ہیں گناہ صغیرہ ہوتے ہیں کبیرہ اور صغیرہ کا معیار کیا ہے؟ اس کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں اگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو گناہ کی حقیقت اللہ کی نافرمانی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی عظمت اور حقوق کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی کوئی نافرمانی چھوٹی نہیں ہر نافرمانی بڑی ہے اور بندہ کے بندگی کے یہ خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس لئے بعض حضرات کا قول یہ بھی آتا ہے کہ اللہ کی نافرمانی جو بھی ہے وہ سب کبیرہ ہی ہے، اور یہ کبائر اور صغائر کا لفظ جو بولا جاتا ہے یہ اضافی ہے، ''کل ذنب کبیرۃ بنظر الی ماتحتہ و کل ذنب صغیر بنظر الی فوقہ'' کہ پچھلے گناہ

دیکھتے ہوئے ہر گناہ بڑا ہے اوپر والے گناہ کی طرف دیکھتے ہوئے ہر گناہ چھوٹا ہے، کیونکہ درجات کا فرق تو یقیناً ہے کسی میں نقصان کم ہوتا ہے کسی میں زیادہ یا مال کے اندر درجات کا فرق تو یقیناً ہے۔

ایک ہے کسی کو جان سے ماردینا یہ بھی گناہ ہے اور ایک ہے کہ راستے کے اندر کانٹے ڈال دے، چلنے والوں کے پاؤں میں چبھیں یہ بھی گناہ کبیرہ ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ دونوں میں بڑا فرق ہے جس طرح سے نیکیوں میں فرق ہے کہ نماز پڑھنی ہے جہاد کرنا ہے، ہجرت کرنی ہے، اور ایک راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو اٹھا دینا ہے نیکیاں تو دونوں برابر ہیں لیکن درجات کا یقیناً فرق ہے تو نافرمانی ہونے کے اعتبار سے تو کوئی گناہ بدکار نہیں اس لئے سرور کائنات ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ جن گناہوں کو چھوٹا چھوٹا سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچا کرو، کیونکہ اللہ کی طرف سے اس پر بھی مطالبہ ہوسکتا ہے، اگر پکڑنا چاہے تو اس پر بھی پکڑ سکتا ہے، حسی طور پر اس کی مثال دیا کرتے ہیں علماء کہ گناہ جو ہیں یہ اسی طرح سے ہیں جیسے آگ کا ایک بڑا انگارہ ہے اور ایک چھوٹا انگارہ ہے تو بڑے انگارے سے آگ ذرا جلدی لگ جاتی ہے اور ایک چھوٹا انگارا اٹھا کر اپنے کپڑوں پر رکھ لو، تو کپڑے جلا تو وہ بھی دے گا چاہے اتنا نقصان نہ ہو جتنا بڑے انگارے سے ہوا ہے، تو جیسے انسان بڑے انگارے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو چھوٹے انگارے سے بچنے کے لئے بھی ایسی کوشش چاہیئے اس لئے گناہ ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہونے کے اعتبار سے تو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور بعض حضرات کے نزدیک کبائر اور صغائر کی تقسیم یہ حقیقی ہے کہ بالتعیین گناہ جو ہیں وہ کبیرہ ہیں اور بعضے گناہ جو ہیں وہ صغیرہ ہیں ان کے نزدیک کبیرہ کی تعریف اور اصح قول بھی یہی ہے، ہر وہ گناہ کبیرہ ہے، جس کے اوپر اللہ تعالیٰ نے لعنت کا ذکر کیا غضب کا ذکر کیا اس کے اوپر نار جہنم کی وعید سنائی یا وہ اپنے نقصان اور اثرات کے اعتبار سے ان گناہوں میں سے کسی گناہ کے برابر ہو جس پر لعنت غضب یا نار جہنم کی وعید آئی ہے، یہ تو کبیرہ کی تعریف ہوگئی اور اس کے مقابلے میں دوسرے ہوئے صغیرہ، تو کبیرہ کے بارے میں شریعت کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے تو یہ بغیر توبہ کے معاف نیں ہوتے اس کا ازالہ توبہ استغفار کے ساتھ کرنا پڑتا ہے، اور جو دوسرے گناہ ہیں صغائر جو اس درجے کے نہیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ عام نیکیوں کی برکت سے بھی جیسے وضو کیا تو گناہ معاف ہو گئے، اور نماز پڑھی تو گناہ معاف ہو گئے، چھوٹے موٹے صغائر جتنے ہیں وہ ان عبادات کی برکت سے معاف ہوتے رہتے ہیں، اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کی تفسیر میں یہاں کبیرہ اور صغیرہ کا ایک اور معیار بھی بیان فرمایا، حاصل اس تقریر کا یہ ہے کہ جو یہ فوائد میں لکھی ہوئی ہے، کہ بعضے گناہ ایسے ہیں جو کہ مقاصد کے درجے میں ہوتے ہیں اور بعضے کام ایسے ہیں جو مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بطور ذریعہ کے اختیار کئے جاتے ہیں، اور بعضے کام ایسے ہیں جو مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بطور ذریعہ کے اختیار کئے جاتے ہیں، مثال کے طور پر

شہوت پرستی میں مقصد کے درجے میں گناہ ہے جس کو ہم زناء کہتے ہیں جس کا مفہوم ہے قضاء شہوت ''ادخال الفرج فی الفرج'' یہ صورت واقعی ہے زنا کی لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے بہت لمبا چوڑا میدان انسان کو طے کرنا پڑتا ہے، پہلے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے، انسان سوچنا شروع کرتا ہے، اور پھر اس محل کی طرف جہاں یہ مقصد حاصل ہوسکتا ہے قدموں سے چل کر جاتا ہے پھر زبان کے ساتھ بہکانے پھسلانے کی کوشش کرتا ہے، نگاہ اس کے اوپر ڈال کر تلذذ حاصل کرتا ہے، ہاتھ اس کی طرف بڑھ جاتا ہے، بدن بدن کے ساتھ لگاتا ہے، اور پھر کہیں جا کر اس مقصد تک پہنچتا ہے، جس کو ''ادخال الفرج فی الفرج'' کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مقصد کے درجے میں جو چیز ہے یہ ہے کبیرہ اور اس کو حاصل کرنے کے لئے جو ذرائع اختیار کیے گئے ہیں یہ اس وقت تک صغیرہ ہیں جب تک انسان اس مقصد تک نہیں پہنچتا، اور اگر اس مقصد تک پہنچ گیا تو اس مقصد تک پہنچنے کے بعد جب سے اس نے سوچنا شروع کیا تھا اور اس مقصد کے لئے اپنے بدن کو حرکت دی تھی وہاں سے لے کر اس قضاء شہوت تک، یہ سارا عمل یہ زنا کی صفت میں آ گیا یہ سارا ہی کبیرہ گناہ ہے اب اس میں کسی نیکی کی برکت سے کوئی چیز معاف نہیں ہوگی نہ ہاتھ کا گناہ معاف ہوگا نہ آنکھ کا گناہ معاف ہوگا، نہ کان کا گناہ معاف ہوگا نہ قدموں کا معاف ہوگا نہ دل کا معاف ہوگا، جب تک کہ توبہ کر کے اصل زنا سے معافی نہ لے لے، اور اسی طرح سے قتل کے سلسلے میں کسی کو جان سے مار دینا یہ مقصد کے درجے میں ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو چھوٹے موٹے کام کرنے پڑتے ہیں وہ سارے کے سارے ذرائع ہیں وہ صغائر ہیں، اگر تو یہ بڑے گناہ سے بچ گیا تو جو صغائر ہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی برکت سے معاف ہو جائیں گے، لیکن اگر قتل تک نوبت آ گئی اب یہ جو صغائر تھے یہ صغائر نہیں رہے کبائر ہو گئے لہٰذا اب ان کی معافی جو ہے وہ نیکیوں کی برکت سے نہیں ہوگی، جس وقت تک کہ قتل کا گناہ معاف نہیں ہوگا، اس کے ذریعے کے طور پر جو چھوٹی چھوٹی حرکتیں ہوئی تھیں یہ معاف نہیں ہوں گی، تو پھر یہ لفظوں کے بھی عین مطابق ہو جاتی ہے، بات کہ کبیرہ سے بچو گے صغائر معاف کیے جائیں گے، اگر تم کبیرہ سے نہیں بچو گے تو صغائر بھی معاف نہیں ہوں گے، یہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر لفظوں کے مطابق ہے، پھر صغائر مراد ہوں گے اسی سلسلے کے جس سلسلے کا کبیرہ ہے، جس سلسلے کا کبیرہ ہے اسی سلسلے کے صغیرہ مراد ہوں گے، اگر مقاصد کے درجے کا جو گناہ ہے اس سے بچو گے تو ہم تمہارے چھوٹے موٹے گناہ معاف کر دیں گے، اور اگر مقصد تک پہنچ گئے اور معصیت کو انتہاء تک پہنچا دیا تو پھر اس سلسلے کے جتنے چھوٹے چھوٹے گناہ ہیں پھر وہ بھی معاف نہیں ہوں گے، تو پھر سارا سلسلہ ہی کبیرہ بن گیا، اب کبیرہ سے توبہ کر کے کبیرہ کی معافی ہوگی تو صغائر بھی معاف ہوں گے ورنہ صغائر بھی معاف نہیں ہوں گے۔

بہر حال اس میں دو درجے نکل آئے اور اصل اہمیت جو واضح کی گئی وہ ہے کبیرہ سے بچنے کی بڑے بڑے گناہوں سے بچو اور چھوٹے ہوئے گناہ جو ہیں وہ اللہ تعالیٰ عبادت کی برکت سے بھی معاف کر دیں گے، اور ویسے عادب بھی یہی ہے کہ جو آدمی بڑے گناہ سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ چھوٹوں سے بھی بچ جاتا ہے اور جو بڑے بڑے گناہ سے بچنے کی کوشش نہ کرے تو پھر چھوٹوں کا سلسلہ تو پھر ساتھ چلتا ہی رہتا ہے، اور اگر کوئی شخص کوئی چھوٹے گناہوں سے تو بچنے کی کوشش کرتا ہے معمولی چیزیں کہتا ہے کہ آداب کے خلاف نہ ہو مسجد میں داخل ہوتے وقت اگر کسی کو دیکھ لے کہ اس نے بایاں پاؤں پہلے رکھ لیا ہے تو اس پر تو ناک منہ چڑھاتا ہے اور آداب کی تو انتہائی پابندی کرتا ہے لیکن بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب نہیں کرتا، حسد میں مبتلا ہے، کبر میں مبتلا ہے، ریا میں مبتلا ہے دوسری قسم کی مالی لعنتوں میں مبتلا ہے نفسانی خیانتوں میں مبتلا ہے، لیکن ظاہری طور پر وہ آداب تک کی پابندی کرتا ہے یہ تو بالکل ہی حماقت اور بالکل ہی پاگل پن ہے، یعنی اس کی مثال تو یوں سمجھیں جیسے انسان مجبور کو چھانے اور اونٹ کو نگل جائے یا۔

یا جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مثال دی اپنے ایک واعظ میں کہ ایک حاکم تھا وظیفے بڑے بڑے کیا کرتا تھا، نوافل کی بڑی پابندی کرتا تھا فجر کی نماز کے بعد کہتے ہیں مصلی پر بیٹھ جاتا جب تک اشراق نہیں پڑھتا تھا، اٹھتا نہیں تھا، اور یہی وقت ہوتا تھا اہل مقدمہ کے ساتھ معاملہ طے کرنے کا کہ جس وقت وہ آتے آکے کوئی بات چیت ہوتی تو بولنا تو وظیفے میں منع ہے بولتا نہیں تھا، وہ ذکر کا تسلسل نہ ٹوٹے تو جب وہ مقدمے والے آتے تو اشارے سے کہتا کہ دو سو روپیہ دیدو انگلیوں سے معاملہ طے کرتا بولتا نہیں تھا، وظیفہ خراب نہ ہو جائے، مصلیٰ اوپر کو اٹھا دیا کرتا تھا، اور پیسے نیچے رکھ دیا کرتے تھے تو جس وقت وہ اٹھتے تو مصلیٰ کے نیچے سے برکت ہی برکت ملتی رحمت ہی رحمت ملتی، نوٹ ہی نوٹ ہوتے تھے، بولتے نہیں تھے کہ یہ بولنا جو ہے یہ ادب کے خلاف ہے، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعضوں بعضوں کا تقویٰ جو ہے یہ کلابی تقویٰ ہوتا ہے، کلاب یہ کلب کی جمع ہے اور کلب کتے کو کہتے ہیں، کہتے ہیں کہ کتا بڑا پرہیز گار ہے جس وقت پیشاب کرنے لگے تو ٹانگ اٹھالیتا ہے کہ کہیں چھینٹے نہ پڑ جائیں اور پاخانہ مل جائے تو سارا کھا جاتا ہے، تو جیسا اس کا تقویٰ ہے منہ کو بچاتا نہیں ٹانگوں کو بچاتا ہے، اسی طرح بعض لوگ جو ہیں وہ ادب آداب کی اتنی رعایت کرتے ہیں کہ دیکھیں کہیں ایسے نہ ہو جائے، بالکل وہ استحباب اور اولیٰ چیزوں کے پیچھے تو یوں پڑیں گے کہ بالکل سنوار کے رکھیں گے، لیکن جہاں حرام کاموں کا تذکرہ آ جائے گا تو پرواہ ہی کوئی نہیں یہ کلابی تقویٰ ہے۔

یہ بالکل اس آیت کی حکمت کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کا ہے چھوٹی غلطیاں اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں گے لیکن اگر کوئی چھوٹی موٹی غلطیوں سے تو بچنے کی کوشش کرتا ہے اور بڑی بڑی

غلطیوں کا ارتکاب کرتا ہے، جیسے ہمارے استاذ نے ایک دفعہ سنایا تھا کہنے لگے کہ ایک آدمی نے کسی عورت کے ساتھ برا کام کرلیا زنا کرلیا، اور حمل ٹھہر گیا جس کی وجہ سے وہ فعل ظاہر ہوگیا، تو بعد میں رسوائی ہوئی تو کسی نے اس کو ملامت کرتے ہوئے کہا کہ بھائی اگر تو نے منہ کالا کیا ہی تھا اور اس قسم کی بدمعاشی تو نے کی تھی تو تو کم از کم عزل کرلیتا تاکہ حمل نہ ٹھہرتا، ازل کا معنی ہے نطفہ باہر گرادیتا، جو طریقہ ازل کا ہے حمل نہ ٹھہرتا، تو یہ رسوائی تو نہ ہوتی وہ کہنے لگا کہ خیال تو مجھے بھی آیا تھا لیکن پھر یاد آیا کہ فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے، اس قسم کا تقویٰ شریعت کو مطلوب نہیں ہے کہ ظاہری طور پر تو تم اتنے پختہ معلوم ہوؤ کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ادب کے خلاف بھی نہیں کرتے، اور جہاں حرام کاری کا آجائے، مالی خیانت کا آجائے کسی کا حق دبانے کی بات آجائے، کسی کا قرض دبانے کی بات آجائے کسی کے مال سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی بات آجائے تو وہاں کوئی پرواہ ہی نہیں، اور اس طرح سے حسد میں مبتلا ہیں بغض میں مبتلا ہیں کبر میں مبتلا ہیں، مسلمان کی غیبت کرتے ہیں، بہتان لگاتے ہیں غلط بیانی کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں لیکن جس وقت مسواک کی نوبت آئے گی تو کوشش کریں گے کہ پکڑی اس طرح سے جائے جس طرح سے فقہاء نے لکھا ہے یہ نہ ہو کہ انگلیاں ساری اوپر آجائیں یا کوئی نیچے آجائے اتنی موٹی ہو اتنی لمبی ہو اس کی پابندی یوں کریں گے جس طرح فرائض کی کی جاتی ہے۔

یہ مقصد نہیں ہے شریعت کا آداب ادب کی جگہ وہ بھی مطلوب، مکروہات اپنی جگہ ان سے بچنا بھی ضروری لیکن اصل مقصد جو ہے وہ یہ ہے کہ کبائر سے رکو فرائض کا ترک یہ بھی کبیرہ کے حکم میں ہے فرائض کی پابندی کرو، محرمات سے بچو، فرائض کو ترک نہ کرو، اور جتنی ترقی کرتے چلے جاؤ اولیٰ کی بھی پابندی کرو افضل کی بھی پابندی کرو، آداب کی بھی پابندی کرو، ترتیب یہ ہے، یہ نہیں کہ ان فرائض کو چھوڑ کر محرمات کا ارتکاب کر کے پھر آداب کی پابندی کرو، برعکس تقوی ہے اور یہ کلابی تقویٰ ہے، یہ مطلوب نہیں ہے پابندی جو ہے وہ فرائض کی ہے اور بچنا محرمات سے ضروری ہے، پھر آگے ترقی کرتے چلے جاؤ، فرائض کے بعد واجبات کی پابندی کرو اور سنن کی پابندی کرو اور پھر مستحبات کی پابندی کرو، آداب کی پابندی کرو، اب تم نے اس فعل کی لائن کو پورا کرلیا، حرام سے سے بچو مکروہات سے بچو خلاف اولیٰ چیزوں سے بچو اور جو چیزیں خلاف شریعت لے جانے والی ہیں ان سے دور رہو، مطلوب اس طریقے سے ہے، اور ظاہری طور پر پابندی ہو اور اس قسم کے فرائض سے انسان غفلت برتے تو یہ شریعت کی حکمت کے خلاف ہے، تو بڑے بڑے کاموں سے تم بچو چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہم تمہاری معاف کرتے چلے جائیں گے ''وندخلکم مدخلا کریما'' اور تمہیں عزت والی جگہ میں داخل کریں گے۔

''ولاتتمنوا ما فضل الله به بعضکم علی بعض'' اس میں بھی ایک حکمت بتلائی کہ آپس میں حسد کے اندر مبتلا ہونا یہ بھی بہت سارے فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بعضی چیزیں ایسی ہیں کہ جن میں ہم بعض کو بعض

پر فضیلت دیتے ہیں، اور اس چیز کا حاصل کر لینا تمہارے اختیار میں نہیں ہوتا ایک آدمی خوبصورت ہے اور دوسرے کو اللہ نے بدصورت پیدا کر دیا اب بدصورت اگر کہے کہ میں بھی خوبصورت بن جاؤں اس کے بس میں نہیں، ایک کو اللہ تعالیٰ نے عقل فہم جو ہے وہ زیادہ دیا ہے دوسرے کا عقل فہم جو ہے وہ کمزور ہے تو یہ کمزور عقل فہم والا چاہے کہ میں بھی اسی طرح سے عقل فہم حاصل کرلوں، یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے، ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ اور اونچے خاندان میں پیدا کر دیا، اور ایک کو اللہ تعالیٰ نے کسی درجے کم خاندان میں پیدا کر دیا تو اپنی قومیت بدل لینا یا دوسرے خاندان میں پیدا ہو جانا یہ انسان کے بس کی بات نہیں ہے، بدنی صلاحیتیں عقلی صلاحیتیں اور اسی طرح نسبی اور خاندانی صلاحیتیں یہ علیحدہ علیحدہ ہوا کرتی ہیں یہ اس قسم کی چیزیں ہیں کہ جس کو مل جائیں اللہ کی نعمت ہے لیکن اس کو کوئی دوسرا حاصل کرنا چاہے اس کے بس کی بات نہیں ہے۔

مالی نشیب وفراز بھی اسی طرح سے ہوتا ہے جائیداد کے اعتبار سے بھی نشیب وفراز ایسے ہی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس چیز میں ہم بعض کو بعض پر فضیلت دیدیں تو تم اس کی تمنا نہ کیا کرو، یہ غیر اختیاری امور میں تمنا کرنے کی ممانعت کرنا مقصود ہے، کیونکہ اس کے نتیجے میں سوائے اس کے کہ تم حسد میں مبتلا ہو جاؤ اور اپنے آپ کو پریشانی میں ڈال لو اور کچھ حاصل نہیں ہوگا اگر تم جلو گے دوسرے کی چیز دیکھ کر کہ میں بھی ایسا ہوتا، یہ کیوں ایسا ہے تو اس سے پریشانی علیحدہ اور اس حسد میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے اپنی نیکیوں کو علیحدہ برباد کر بیٹھو گے، کوئی عورت تمنا کرے کہ کاش میں مرد ہوتی، یا کسی مرد کے دل میں تمنا پیدا ہو جائے کہ میں عورت ہوتی، اب اس قسم کی تمنائیں جو ہیں یہ سوائے پریشانی کے اور کیا ہیں، ان کا کچھ حاصل نہیں ہے، ایسی چیزوں کے پیچھے نہ پڑا کرو، یا تو تقدیر پر شاکر رہو جیسے اللہ نے بنا دیا ہے ٹھیک ہے، ہمارے لئے یہی مصلحت ہے۔

اور ایک ہیں امور اختیاریہ فضائل جن کے کرنے پر اللہ تعالیٰ ثواب دیتے ہیں یہ میدان ہے مسابقت کا یہاں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو، مرد جو کام کریں گے ان کو ثواب ملے گا عورتیں جو کام کریں گی ان کو ثواب ملے گا، اپنی صلاحیتیں اس میدان میں خرچ کرو، اور آج یہ حب جاہ کے اندر مبتلا ہو کر لوگ جو ہیں وہ ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں یہ دوسرے کے حال کے اوپر رشک اور حسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس میں پریشانی ہے، مسابقت دوڑ ایک دوسرے سے آگے نکلنا یہ نیکی کے میدان میں، جتنی نیکی کرو گے اتنا اللہ سے ثواب لے لو گے، یہ میدان وسیع ہے اپنی صلاحیتیں یہاں صرف کرو، اپنی محنت یہاں پر لگاؤ، اور ویسے اللہ تعالیٰ سے ہر وقت اس کا فضل مانگتے رہا کرو، فضل کا تعین کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے، دعا اللہ سے یہی کرو کہ اے اللہ ہم پہ فضل فرما، جو ہمارے حق میں بہتر چیز ہے وہ ہمیں عطا فرما، پھر اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور مہربانی کے ساتھ جس حال میں تمہیں رکھے اس میں شکر گزار رہو، اللہ تعالیٰ کے سامنے دعائیں کرو، اللہ سے اس کا

فضل مانگو اس کی رحمت مانگو، پھر فضل کبھی تو تمہارے پاس مال کی صورت میں آئے گا، اگر اللہ کی حکمت وعلم کا تقاضا یہ ہے کہ تمہیں مال دیا جائے تو تمہارے حق میں اچھا ہے فقر وفاقہ کے اندر مبتلا کر دیا جائے تو تمہارے حق میں اچھا نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ کا فضل مال کی صورت میں ظاہر ہو جائے گا۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی ہے کہ تم پر مہربانی کا تقاضا یہی ہے کہ تمہیں زیادہ مال نہ دیا جائے ورنہ اگر تمہیں مال دیدیا گیا تو تم سرکش ہو جاؤ گے باغی ہو جاؤ گے مختلف قسم کے گناہوں میں مبتلا ہو جاؤ گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں مال سے محروم کردے گا پھر یہی اس کا فضل ہوگا پھر اسی پر تم شاکر رہو، اسی طرح سے دوسری چیزیں اپنے لئے تجویز کرنا کہ فلاں چیز مجھے ضرور مل جائے انسان اپنے مستقبل سے غافل ہے اس کو کوئی پتہ نہیں اس میں کتنا نفع کا پہلو ہے کتنا نقصان کا پہلو ہے یہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اس لئے عافیت اور اللہ کا فضل اللہ سے طلب کرو اور جس حال میں اللہ تعالیٰ تمہیں رکھے اس میں شاکر رہو۔

"ولاتتمنوا ما فضل الله به بعضكم على بعض " تمنا نہ کیا کرو اس چیز کی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لئے حصہ ہے ان کی کمائی سے یہاں کسب واحتساب اپنے اختیاری اعمال یہ جتنے کرو گے مردوں کو ان کا حصہ ملے گا عورتوں کو ان کا حصہ ملے گا، عورتوں کے لئے حصہ ہے اس چیز میں سے جس کو وہ کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور اپنے علم کے مطابق وہ تمہیں فضل دے گا، جو اس کی علم وحکمت کا تقاضا ہوگا، پھر جو برتاؤ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ ہو اسی کے اوپر شکر گزار رہو۔

آخر میں پھر ایک اجمالی حکم ذکر کر دیا گیا کہ پہلے زمانے میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ایک معاہدہ کرتے تھے، جس کو مولیٰ موالات کہتے ہیں، میراث کی کتابوں میں آپ پڑھتے ہیں مولیٰ موالات وہ وارث ہو جایا کرتا تھا حقیقی وارثوں کو محروم کر دیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کہ اب اس طریقے کو چھوڑ دو جو ہم نے وارث متعین کر دیے ہیں چھوڑا ہوا مال انہی کو ملنا چاہیئے، باقی اگر تم نے کسی کے ساتھ عقد کیا ہوا ہے، وصیت اگر کر جائے مرنے والا تو اس کو اس کا حصہ دیدیا جائے ورنہ اس کا حصہ ختم اصل وارث اگر موجود ہوں تو مولیٰ موالات کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق جیسے بیان القرآن میں انہوں نے لکھا کہ پہلے مولیٰ موالات وارث ہوتا تھا، پھر ان کا حصہ منسوخ کر دیا گیا، وارث مکمل تو نہیں ہوگا البتہ چھٹا حصہ اس کے لئے متعین کر دیا گیا، اور پھر بعد میں وہ آیت بھی اتری۔

"واولوا الارحام بعضهم اولىٰ ببعض "اس کے بعد اس کا حصہ بالکل ختم کر دیا گیا، تو انہوں نے یہاں نصیب سے چھٹا حصہ مراد لیا ہے، یعنی ان کو ان کا حصہ دیدیا کرو، جو کہ اس وقت چھٹا حصہ تھا، اور دوسرے مفسرین نے اس کو

وصیت پہ محمول کیا ہے کہ اگر کوئی وصیت کر جائے تو ان کا حصہ ان کو دیدیا جائے باقی اگر کوئی وصیت نہ کر کے جائے تو پھر اصل وارث جو ہیں مال پھر انہی کو ملے گا یعنی جس کے ساتھ دوستی کا عقد ہو جائے، مولیٰ موالات جن کو بنالیا جائے ان کو حصہ نہیں دیا جائے گا، گویا کہ تتمہ ہے اس وارث کے حکم کا جو پیچھے آپ کے سامنے تفصیل سے آچکا، ہر کسی کے لئے ہم نے وارث بنادیے ہیں اس مال سے جس کو والدین چھوڑ کر جائیں، ''اقربون چھوڑ کر جائیں اور جن کے ساتھ ہماری قسمیں واقع ہوئی ہیں، یا جن کے ساتھ تمہارے عہدوں کو تمہاری قسموں نے مضبوط کیا ہے، ان کو ان کا حصہ دیدیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر نگہبان ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى
بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ
لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ
وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا
عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ
بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ
يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾
وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا
وَّبِذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰى
وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ

يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾
وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا
فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ
مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ
بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ
اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ

ترجمہ:

"الرجال قوامو ن علی النساء" قوام قام سے لیا گیا ہے قام کھڑا ہونا اور جس وقت اس کا صلہ علی آجاتا ہے قام علیہ تو کفیل ہونا ذمہ دار ہونا، منتظم ہونا اس کے مفہوم میں داخل ہو جاتا ہے، قوام قیم قیوم سنبھالنے والا کنٹرول کرنے والا، ذمہ دار اس قسم کے مفہوم کو یہ لفظ ادا کرتے ہیں، "الرجال قوامون علی النساء" مرد حاکم ہے عورتوں پر مرد عورتوں کو سنبھالنے والے ہیں یا مرد عورتوں پر کنٹرول کرنے والے ہیں عورتوں کے ذمہ دار عورتوں کے کفیل میں یہ سب مفہوم اس لفظ میں ہیں، "بما فضل الله بعضهم علی بعض" ما مصدر یہ ہے بسبب فضیلت دینے اللہ تعالیٰ کے بعض کو بعض پر، "وبما انفقوا

اموالھم '' یہ ما بھی ہے اور بسبب خرچ کرنے مردوں کو اپنے ماموں، '' فالصلحات قانتات '' پس نیک عورتیں فرمانبرداری کرنے والی ہیں، '' حافظات للغیب '' للغیب کا ترجمہ '' وقت غیب ازواجھن '' اپنے خاوندوں کی غیر حاضری میں حفاظت کرنے والی، کس چیز کی حفاظت کرنے والی ہیں، حصول اس کا محذوف ہے، عزت کی ناموس کی اموال کی گھر بار کی بال بچے کی اپنے خاوندوں کو عدم موجودگی میں، عزت مال اہل وعیال گھر بار کی حفاظت کرنے والی ہیں، '' بماحفظ اللہ '' بحفاظت الٰہی، اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ تو حافظات کا مفعول محذوف نکال لیا گیا، اور للغیب کو وقت غیب کے معنی میں لے لیا گیا، اور اگر غیب سے مغیبات مراد لے لی جائیں تو پھر ترجمہ یوں ہو جائے گا، نیک عورتوں فرمانبرداری کرنے والی ہیں اور چھپی ہوئی چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہیں، '' بماحفظ اللہ '' اللہ کی حفاظت کے ساتھ بحفاظت الٰہی اور چھپی ہوئی سے مراد خاوند کے راز اس کے بھید اس کے اسرار، '' والتی تخافون نشوزھن '' اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی کا منافقت کا اندیشہ ہو نشوز یہ مصدر ہے ناموافقت سرکشی بغاوت کے مفہوم میں یہ آتا ہے، جن کی سرکشی کا تمہیں اندازہ ہو، '' فعظوھن '' تو تم انہیں نصیحت کیا کرو، '' عظوا '' امر کا صیغہ ہے واعظ سے، '' واھجروھن فی المضاجع '' مضاجع مضجع کی جمع ہے لیٹنے کی جگہ، بستر چھوڑ دیا کرو ان عورتوں کو، منفردات فی المضاجع ''۔

اس حال میں کہ وہ بستروں میں جدا ہوں ان کو بستروں میں تنہا چھوڑ دیا کرو، '' واضربوھن '' اور انہیں مارا کرو، '' فان اطعنکم '' پھر اگر وہ عورتیں تمہاری اطاعت کریں، '' فلاتبتغوا علیھن سبیلا '' پھر تم ان پر الزام تراشی نہ کیا کرو، ان پہ راستے نہ تلاش کیا کرو یعنی ان کو مارنے کے ان کو تنگ کرنے کے لئے راستے تلاش نہ کرو، '' ان اللہ کان علیا کبیرا '' بے شک اللہ تعالیٰ علو والا ہے اور کبریائی والا ہے، '' وان خفتم شقاق بینھما '' اے مسلمانو! اگر تمہیں اندیشہ ہو زوجین کے درمیان ضد کا، آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت کا، '' فابعثوا حکما من اھلہ '' تو بھیج دیا کرو ایک حکم مرد کے خاندان سے حکم فیصلہ کرنے والا منصف، '' وحکمامن اھلھا '' اور ایک حکم عورت کے خاندان سے، '' ان یریدااصلاحا '' اگر یہ حکمین یہ دونوں حاکم اگر حالات درست کرنے کا ارادہ کریں گے، '' یوفق اللہ بینھم ا '' تو اللہ تعالیٰ زوجین کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا، یریدا کی ضمیر عام طور پر مفسرین نے حکمین کی طرف لوٹائی ہے کہ اگر یہ حکمین نیک نیتی کے ساتھ ارادہ کریں تو زوجین کے درمیان موافقت پیدا ہو جائے گی، اور یریدا کی ضمیر زوجین کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے کہ وہ زوجین اگر حالات درست کرنے کا ارادہ کریں تو حکمین کے سامنے اپنے حالات ذکر کر کے جو وہ مشورہ دیں اس کو قبول کریں، اللہ تعالیٰ موافقت پیدا کر دیں گے، اور یہ مفہوم زیادہ چسپاں ہے بایں معنی کہ اگر حکمین چلے بھی جائیں اگر زوجین ہی ٹھیک ہونا نہیں چاہتے تو حکمین کا فیصلہ پھر کیا کرے گا ان کی اصلاحی تدابیر ناکام ہو جائیں گی، اگر زوجین ٹھیک ہونا نہ چاہیں اگر ان کا ارادہ ہو

ٹھیک ہونے کا تو پھر حکمین کے جانے کے بعد اللہ تعالیٰ موافقت پیدا کردے گا، کیونکہ ان کے مشورے پر عمل کریں ان کی اصلاحی تدبیر کو قبول کریں، ''ان اللہ کان علیما خبیرا'' بے شک اللہ تعالیٰ علم والا ہے خبر والا ہے۔

''واعبدوا اللہ ولاتشرکوا بہ شیئا'' اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، ''وبالوالدین احسانا'' اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، ''واحسنو ا بالوالدین احسانا'' والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور قرابت والوں کے ساتھ، قربیٰ مصدر ہے قرابت کے معنی میں یعنی رشتہ دار کے ساتھ، ''والیتمی'' اور یتیموں کے ساتھ ''والمساکین'' اور مسکینوں کے ساتھ ''والجار ذی القربی'' جار پڑوسی، ذی القربیٰ ذی قرابت، اور آپس میں نسبی قرابت بھی مراد ہوسکتی ہے، اور مکانی قرابت بھی نسبی قرابت کا مطلب ہوگا رشتے دار پڑوسی اور مکانی قرابت کا مطلب ہوگا قریب والا پڑوسی، ''والجار الجنب'' میں دونوں مفہوم ہیں جنب اجنبی جو آپ کا رشتہ دار نہیں ہے۔ جنب جو کہ دور ہے قریب نہیں ہے، اور اس پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو جو تمہارا رشتہ دار ہے، اور اس پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کر جو اجنبی ہے، یا جو بالکل گھر کے قریب ہے اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، اور جو دور ہے اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، جیسے جوار کا مفہوم کچھ عام ہے کہ دیوار کے ساتھ دیوار لگتی ہے، دروازے کے سامنے دروازہ ہے، اور ایک اہل محلہ بھی کسی درجے میں پڑوسی ہوتے ہیں اور اسی طرح سے تعمیم ہوتی چلی جائے گی، باقی لوگوں کے مقابلے میں شہر والے اپنے گاؤں والے بھی ایک درجے میں پڑوسی ہوتے ہیں، لیکن قرب اور بعد کے اعتبار سے فرق پڑے گا، جو زیادہ قریب ہے اس کا حق زیادہ ہے جو کچھ دور ہے اس کا حق کم ہے اس طرح سے اگر کوئی رشتہ دار ہے تو اس کا حق زیادہ ہے تو پڑوسی بھی ہو اور رشتے دار بھی ہو، اور اگر وہ رشتہ دار نہیں ہے تو رشتے دار کے مقابلے میں اس کا حق کم ہے۔

''والصاحب بالجنب'' جنب پہلو کو کہتے ہیں پہلو کا ساتھی، ساتھ بیٹھنے والا ہم نشین یہ عارضی پڑوسی ہے جیسے سفر میں جاتے ہو بس میں ایک سیٹ پر بیٹھ گئے یا عارضی طور پر جس طرح سے آپ ایک کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں درس گاہ کے اندر آپ ایک دوسرے کے پاس بیٹھ جاتے ہیں عارضی طور پر جس کے ساتھ بیٹھنے کا اتفاق ہوجائے اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو پہلو میں بیٹھنے والا ساتھی، ''وابن السبیل'' اور مسافر کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، ''وماملکت ایمانکم'' اور ان کے ساتھ احسان کرو جن کے مالک ہیں تمہارے دائیں ہاتھ، یعنی غلام اور لونڈیاں، ''ان اللہ لایحب من کان مختالا فخورا'' بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا محبت نہیں رکھتا ان لوگوں سے جو کہ اکڑنے والے ہیں، فخر کرنے والے ہیں، من چونکہ معنی جمع ہے اس لئے ترجمہ جمع کے ساتھ کیا جائے گا، مفرد کے ساتھ کرنا چاہیں تو بھی ٹھیک ہے، نہیں محبت رکھتا اللہ تعالیٰ اس شخص سے جو کہ اکڑنے والا ہے اور فخر کرنے والا ہے، ''الذین یبخلون'' یہ معنی کے اعتبار سے جمع آگیا'' جو لوگ

بخل کرتے ہیں، ’’ویأمرون الناس بالبخل‘‘ اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں، ’’ویکتمون ما اٰتاھم من فضله‘‘ اور چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے دی ان کو اپنے فضل سے ’’واعتدنا للکافرین عذابا الیما‘‘ اور تیار کیا ہے ہم نے کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب، ’’والذین ینفقون اموالھم رئاء الناس‘‘ اور روہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لئے، رئاء یہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے راء یرائی رئاء قتال کی طرح جو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، ’’ولایؤمنون بالله ولاباليوم الآخر‘‘ اور نہیں ایمان لائے اللہ پر اور نہ یوم آخرت پر، ’’ومن یکن الشیطان له قرینا فساء قرینا‘‘ اور وہ شخص کہ شیطان اس کا ساتھی بن جائے پھر وہ بہت برا ساتھی ہے، ’’وماذا علیھم‘‘ کیا ہے ان پر یعنی کیا ان پر مصیبت آجائے گی کیا ان کا نقصان ہوگا، ’’لو آمنوا بالله والیوم الآخر‘‘ اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان لے آئیں اور پچھلے دن پر ایمان لے آئیں، ’’وانفقوا مما رزقھم الله‘‘ اور خرچ کریں اس میں سے جو اللہ نے انہیں دیا، ’’وکان الله بھم علیما‘‘ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق علم رکھنے والا ہے، ’’ان الله لایظلم مثقال ذرة‘‘ بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ کے برابر، مثقال وزن کو کہتے ہیں، اور ذرۃ چھوٹی سے چھوٹی چیز، یہ روشن دان میں سے دھوپ اندر آرہی ہو تو آپ دیکھیں گے کہ غیر محسوس ذرات اس میں حرکت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو ذرہ کا مصداق وہ ہیں، یا ذرہ چیونٹی کے بچے کو کہتے ہیں، بہر حال یہ شیء قلیل مراد ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ظلم کرے گا ذرہ برابر۔

”وان تك حسنة یضاعفھا“ اور اگر وہ عمل نیکی ہوا تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھادے گا، ’’ویؤت من لدنه اجرا عظیما‘‘ اور دے گا اپنی طرف سے اجر عظیم ’’فکیف اذا جئنا من کل امة بشھید‘‘ پس کیا حال ہوگا جس وقت ہم لائیں گے ہر امت سے گواہ ’’وجئنا بك علی ھؤلاء شھیدا‘‘ اور لائیں گے ہم آپ کو ان لوگوں پر گواہ، ’’یومئذ یود الذین کفروا‘‘ جس وقت یہ حال پیش آئے گا ’’یوم اذ کان کذا‘‘ جب معاملہ اس طرح سے ہوگا جب یہ حال پیش آئے گا اس دن چاہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ’’وعصوا الرسول‘‘ اور جنہوں نے اللہ کے رسول کی نافرمانی کی چاہیں ’’لو تسوی بھم الارض‘‘ کیا ہی اچھا ہو کہ ان کے ساتھ زمین برابر کردی جائے یعنی ان کو مٹی کر کے مٹی کے اندر ملا کر زمین کے ساتھ ان کو برابر کر دیا جائے برابر کردی جائے ان کے ساتھ زمین ’’ولا یکتمون الله حدیثا‘‘ نہیں چھپا سکیں گے اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو۔

تفسیر:

شروع سورت سے اصلاح معاشرہ کے متعلق احکام چلے آرہے ہیں اور آپس میں حالات کو سدھارنے کے لئے

ھدایات دی جارہی ہیں ہر قسم کے حقوق کا تحفظ کیا جارہا ہے، تفصیل آپ کے سامنے آچکی زیادہ تر احکام مرد وعورت کے معاملات کے متعلق ہی دیے گئے ہیں اس رکوع کی ابتدائی آیات بھی انہیں حالات سے متعلق ہے، پہلے آپ کے سامنے اس بات کی وضاحت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حقوق مردوں کے ذمے لگائے ہیں جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمے لگائے ہیں، ''ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف'' عورتوں کے لئے بھی حقوق میں مردوں کے ذمے جس طرح سے مردوں کے حقوق عورتوں کے ذمے ہیں یہ نہیں کہ جاہلیت کی طرح کہ عورتوں کا تو کوئی حق ہی نہیں، عورتوں کو اس طرح سے استعمال کیا جائے جس طرح باقی حیوانات وغیرہ ہوتے ہیں اوران کا کوئی مقام اور حق نہ پہچانا جائے، یہ بات غلط ہے، انسانی برادری سے تعلق رکھنے کی وجہ سے عورت کو بھی انسانی حقوق حاصل ہیں، اور مرد کے ساتھ جس وقت نکاح کا معاہدہ ہوتا ہے تو اس طرح سے جس طرح سے مرد کے حقوق عورت پر آتے ہیں اس طرح سے عورت کہ یہ ذمہ داریاں مرد پر بھی ڈالی جاتی ہیں، لیکن اس کے باوجود بعض چیزوں میں مرد کو اللہ تعالیٰ نے فوقیت دی ہے۔

''وللرجال علیھن درجة'' کا لفظ پہلے بھی آیا ہے اور یہاں بھی یہی بات ہے کہی جارہی ہے خاندانی امور کو درست رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس خاندان کا کوئی نہ کوئی سربراہ ہو، ویسے بھی اجتماعی زندگی کا اصول ہے کہ اگر پھر لوگ مل کر وقت گزارنا چاہتے ہیں تو جب تک ان میں سے ایک کو مطاع قرار نہیں دیا جائے گا، حاکم قرار نہیں دیا جائے گا، اور باقی لوگ اس کے احکام کی پابندی نہیں کریں گے تو کس طرح بھی اجتماعی زندگی نبھ نہیں سکتی، ملکوں کے لئے بادشاہ اور صدر فلسفے کے تحت ہیں، قبیلوں کے سرداراسی فلسفے کے تحت ہیں تو یہ اپنا خاندان جو ہوا کرتا ہے گھریلو زندگی یہ ایک چھوٹی سی ریاست ہوتی ہے، جس میں چند افراد مل کر وقت گزارتے ہیں، تو جب تک اس میں کسی کو سربراہ متعین نہ کیا جائے اور اس کو یہ حق نہ دیا جائے کہ باقی لوگ اس کی ہدایات کی پابندی کریں گے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کریں گے اس وقت تک یہ خاندانی انتظام بھی درست نہیں رہ سکتا، جس طرح سے ریاستوں کا نظام درست نہیں ہوتا، ملکوں کا نظام درست نہیں ہوتا، جماعتوں کا نظام درست نہیں ہوتا کہ جب تک ان میں کوئی امیر نہ ہو اسی طرح سے خاندان کے نظم کے لئے بھی کسی ایک کو سربراہ متعین کرنا ضروری ہے، اور وہ دسربراہ کس کو متعین کیا جائے مرد کو کیا جائے یا عورت کو کیا جائے ان میں سے ایک ہی ہوسکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نشاندہی یہ فرماتے ہیں کہ خاندان کی سربراہی کے لئے مرد موزوں ہیں عورتیں موزوں نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاملہ یوں تقسیم کر دیا گیا کہ خاندان کی سربراہی مرد کے لئے اور گھریلو ذمہ داریاں اور مرد کے احکام کی پابندی یہ عورت کے ذمے ہے، تقسیم کار ہو گیا جیسے سربراہ مملکت ہوتا ہے، اور باقی چھوٹے چھوٹے اندرون ملک نظام سنبھالنے کے لئے متعین کر دیئے جاتے ہیں کہ جیسے ملکوں کے لئے ایک وزیر خارجہ ہوتا ہے ایک وزیر داخلہ ہوتا ہے

، تو عورت کی حیثیت گھر کے اندر وزیر داخلہ کی ہے، گھر کے نظم کو درست رکھنا اس کے ذمے ہے، بچوں کی نگہداشت گھر بار کی حفاظت یہ عورت کرے تا کہ اندرون خانہ زندگی سے مرد بے فکر ہو، اس کی طبعیت میں کسی قسم کی تشویش نہ ہو، کہ میں نے بچوں کو کپڑے پہنانے ہیں بچوں کا منہ دھونا ہے، ان کو کھانا کھلانا ہے، ان کو سلانا ہے اور گھر کی صفائی کرنی ہے سامان سنبھالنا ہے، ادھر سے یہ بے فکر، اور باہر کے معاملات جتنے ہیں کمانے کے اور کاروبار کے اور باہر کی ذمہ داریاں وہ ساری کی ساری مرد کے ذمے تو جب اس طریقے سے تقسیم ہو جائے گی، تو تقسیم کے ساتھ پھر معاملہ جو ہے وہ سکون کے ساتھ اور وقار کے ساتھ ہوتا چلا جائے گا، اور خاندانی سکون نصیب ہو جائے گا، اور اگر ذمہ داریاں یوں تقسیم نہ کی جائیں بلکہ عورت کہے کہ میں بھی مرد کے برابر ہوں اور ہر میدان کے اندر برابری ہے کاروبار کے اندر بھی ساتھ شریک ملازمت کے اندر بھی ساتھ شریک اور باہر کی ذمہ داریاں بھی عورت اپنے ذمے لینے کی کوشش کرے اور مرد کو کہے کہ اندر کی ذمہ داریوں میں تو بھی شریک ہو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ زندگی کا نظام خراب ہو جائے گا، باہر کی ذمہ داریاں عورت نہیں نبھا سکتی، باہر کی ذمہ داریاں نبھائے گی تو اندر کی نہیں نبھا سکتی۔

اور اگر مرد اندر کی ذمہ داریاں قبول کرے گا تو باہر کی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکتا اگر اس نے باورچی خانے میں بیٹھنا ہو اور بچوں کو سنبھالنا ہو تو باہر کی دکان داری کاروبار ملازمت آنا جانا وہ کس طرح سے ہو سکے گا، اور بعض کام ایسے ہیں کہ مرد عورت کے ساتھ شریک ہو ہی نہیں سکتا، اگر مرد اور عورت آپس میں معاہدہ کریں کہ یہ معاملے میں مساوات ہے بالکل برابر سرابر، ایک بچہ تو جنا کر ایک میں جنا کروں گی اور اس طرح سے باقی معاملات میں بھی برابری کرنے کی کوشش کریں تو اب فطرت سے جنگ ہے، اور کیا ہو سکتا ہے، بعض چیزیں اس طرح سے تقسیم کر دیں، اب عورت جس وقت بچہ جننے میں مشغول ہو جاتی ہے، اب اس کو جس قسم کی تکلیفوں کا سامنا ہوتا ہے اور جس قسم کی باتیں اس کے اوپر گزرتی ہیں مرد اس میں ہاتھ بٹا سکتا ہے، مرد تو پانچ منٹ میں فارغ ہو گیا اس سے اور اس کو دو سال کے لئے مشغول کر دیا، اب لازماً عورت کو مراعات اس قسم کی دینی پڑیں گی کہ وہ کمانے سے بے فکر ہو، باہر کے الجھاؤ سے بے فکر ہو، باہر کی لڑائی بھڑائی سے بچی ہوئی ہو معاشی ذمہ داری اس کے اوپر نہ ہو، یہ سارے کے سارے بوجھ مرد اٹھائے تب جا کے انتظام گھر کا ٹھیک رہ سکتا ہے، یہی فلسفہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ مرد عورت کے اوپر نگہبان ہے گھر کے کنٹرولر ہیں ان کو سنبھالنے والے ہیں، گھر کے سفیر ہیں ان کے ذمہ دار ہیں ان کے اوپر حاکم ہیں، ''قوام'' کے اندر یہ سارے مفہوم ہیں جس میں مردوں کا مقام جو تھا وہ عورتوں کے مقابلے میں متعین کر دیا یہ ذمہ داری ان پر ہے ان پر کیوں ڈالی گئی یہ ذمہ داری، یہ بھی ایسے ہی نہیں کہ بلا وجہ ایک کو حاکم دوسرے کو محکوم بنا دیا۔

دو وجہیں بیان کیں یہاں پر مردوں کو عورتوں پر فوقیت کی، پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، اس لئے مرد کی عورتوں پر فضیلت غیر اختیاری ہے جس کو ہم خلقی فضیلت کہہ سکتے ہیں، مرد میں بدنی قوت زیادہ، دفاع کی صلاحیت زیادہ، علمی اور عملی قوتیں عورت کے مقابلہ میں اس میں زیادہ ہیں یعنی آپ اندازہ کرتے رہتے ہیں کہ عورت اکیلی سفر پر جائے تو ہر کسی کا دل دھڑکتا ہے وہ دو تین بھی مل جائیں تو لوگ کہتے ہیں کہ لو جی لڑکیاں اکٹھی ہو کر اکیلی چلی گئی ہیں، وہ اکیلی ہوتی ہیں بے شک دس ہی کیوں نہ ہوں اور اگر ان کے ساتھ ایک مرد ہوتا ہے تو وہ اکیلی نہیں سمجھی جاتیں اور مرد اکیلا پھرتا رہے تو کوئی نہیں کہتا کہ یہ خطرہ ہے کہ اکیلا ہی سفر پر چلا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے اندر دفاع کی قوت نہیں ہے اگر اس کے اوپر ہاتھ ڈالنا چاہے تو یہ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتی، اور مرد کے اندر دفاع کی قوت ہے، بدنی طاقت اور جس قسم کے محنت اور مشقت کے کام مرد کر سکتا ہے، عورت نہیں کر سکتی، یعنی اگر آپ نظر ڈالیں گے تو بداہۃ آپ کو یہ فرق معلوم ہوگا کہ عورتوں کی حیثیت مردوں کے مقابلہ میں اس طرح سے ہے جیسے پھول اور کلیوں کی ہوتی ہے کہ یوں کر کے انسان اگر مسلنا چاہے تو مسل کر رکھ دے۔

تو یہ برتری دی ہے اللہ تعالیٰ نے آدمی کو بدنی قوت زیادہ ہے علمی صلاحیت زیادہ ہے دفاعی صلاحیتیں زیادہ ہیں، مشکلات برداشت کرنے کا جذبہ زیادہ ہے، یہ ایک خلقی فضیلت ہے جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو دی ہے، یہ فضائل بھی تقاضا کرتے ہیں کہ سربراہی مرد کے سپرد کی جائے اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے معاشی ذمہ داریاں عورت پہ نہیں ڈالی ہیں، اور جو خرچ کیا کرتا ہے وہ بالا دست ہوا کرتا ہے اور جس پر خرچ کیا جائے وہ زیر دست ہوتا، یہ ایک اختیاری بات ہے کہ جس وقت مرد نے معاشی ذمہ داریاں قبول کر لیں تو سربراہی اسی کے پاس ہونی چاہیئے ''وما انفقوا من اموالھم'' جو وہ اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تو یہ انفاق کہ معاشی ذمہ داریاں ان پر ہیں وہ بھی اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ حاکمیت مردوں کی ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ معاشی ذمہ داریوں میں عورت مرد کے ساتھ شریک نہیں ہے، اس کا پورے کا پورا خرچ مرد کے سر پہ ہے، جس وقت وہ شادی شدہ نہیں ہوتی، تو باپ اس کا کفیل ہے اور جس وقت ان کی شادی ہوگی تو خاوند کفیل ہے تو یہ کمانا جو ہے یہ عورت کا کام نہیں، کمانا مرد کا کام ہے، اور یہ شروع فطرت سے ہی یہ بات ہے، سورۃ طٰہٰ میں آپ کے سامنے آئے گا کہ اللہ تعالی نے جنت میں آدم اور حوا کو ٹھہرایا اور ٹھہرانے کے بعد خبردار کای کہ ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں بہکا دے اور جنت سے نکلوا دے وہاں ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے الفاظ بیان فرمائے ہیں، ''لا یخرجنکم من الجنۃ فتشقی'' ''تمہیں شیطان نکال نہ دے ''تشقی'' یہ آگے مفرد کا صیغہ آ گیا تم دونوں کو نہ نکال دے شیطان، ''فتشقی'' مشقت میں تو پڑ جائے گا نکلیں گے دونوں مشقت میں پڑ جائے گا تو، مشقت میں تو کیسے پڑ جائے گا، لفظ آ گئے ہیں کہ ''ان

لك ان لاتجوع فیها ولاتعریٰ'' بھوک نہیں لگتی تم ننگے نہیں ہوتے اور''وانك لاتظمؤفیها ولاتضحیٰ'' نہ پیاسے ہوتے نہ بھوک لگتی، ''لایخرجنکما'' شیطان تم دونوں کو نہ نکالے ﷺ نکلنا دونوں نے ہے، آدم علیہ السلام نے اور ہوا ہے لیکن یہاں ذکر کیا ہے''تشقیٰ'' کہ مشقت میں تو پڑ جائے گا، کون سی مشقت بھوک کی مشقت پیاس کی مشقت، اور لباس کی مشقت اور دھوپ کی مشقت بھوک لگے گی روٹی کی فکر تجھے، پیاس لگے گی پانی کی فکر تجھے، ننگے ہوگئے کپڑے کی فکر تجھے، دھوپ لگے گی مکان کی فکر تجھے، یعنی جنت میں جو اللہ تعالیٰ نے ضرورتیں پوری کی تھیں یہی کھانا پینا رہنا سہنا روٹی کپڑا امکان یہ تینوں بنیادی ضرورتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے مرد کے اوپر ڈال دی ہیں، ورنہ جنت سے تو دونوں نے نکلنا تھا باہر، تو پھر مشقت آتی تو دونوں پر آتی، ایسے نہیں مشقت ساری تیرے پر آگئی، روٹی کا انتظام تجھے کرنا پڑے گا، کپڑے کا انتظام تجھے کرنا پڑے گا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدوفطرت سے ہی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے، مشقت مرد اٹھاتا ہے عورت نہیں اٹھاتی، یہ فوقیت کی ایک وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انفاق جو ہے یہ مرد کے ذمے لگایا ہے، یہ تو ہوا مرد کا کام۔

اب نیک عورتیں کون ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کو پسند عورتیں کون سی ہوتی ہیں، ''والصالحات'' پس نیک عورتیں وہ ہوتی ہیں جو خاوند کی فرمانبردار ہوتی ہیں، خاوند کی فرمانبرداری کرنے والی یہ ان کا کام ہے...

''قٰنتٰت'' اطاعت کرنے والی اور نیک عورتیں وہ ہوا کرتی ہیں جو خاوندوں کے اسرار کی حفاظت کرنے والی ہوں، یہ بھی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے عورت پر، کیونکہ خاوند کے ساتھ اس کی بیوی زندگی میں اس طرح شریک ہوتی ہے کہ نہ تو گھر کا راز اس سے چھپا ہوا ہوتا ہے دولت مال کہاں رکھا ہوا ہے کتنا گھر میں ہے اور خاوند کی مخفی سے مخفی کمزوریوں سے واقف ہوتی ہے، اس لئے اگر عورت مرد کی پردہ دار نہ ہو تو مرد کبھی باعزت نہیں رہ سکتا، اور اپنے جان مال کی حفاظت نہیں کرسکتا، عورت راز دار ہونی چاہیئے، وہ گھر کی بھید کی بات کسی کو نہ بتائے اس کی حفاظت کرے، جو چھپانے کی چیز ہے اس کو چھپائے، مرد کی خامیاں لوگوں کے سامنے نمایاں نہ کرے اور گھر کے راز جس قسم کے ہوا کرتے ہیں وہ لوگوں کے سامنے نہ کھولے، عورت کہ یہ ذمہ داری ہے ان چیزوں کی حفاظت کرنا، نیک عورت وہ ہوا کرتی ہے جو راز دار ہو، جو خاوند کے اور گھر کے اسرار کو چھپانے والی ہو، اور اس کی نگہداشت کرنے والی ہو ورنہ اگر عورت ہی جاسوس ہو کر گھر میں بیٹھی ہوئی ہے گھر کی باتیں باہر نکالنے والی ہو تو یہ تیسرے دن آدمی لٹ جائے، اور اپنی کمزوریوں کی بناء پر نت لوگوں سے لڑے کوئی خامی خاوند کی ایسی نہیں ہوتی جس پر بیوی مطلع نہ ہو، ہر خامی سے واقف ہوتی ہے، اس لئے تو جس کی بیوی اس کی معتقد ہو جائے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ وہ بہت اچھا شخص ہے۔

سرور کائنات ﷺ کے جو کمالات ذکر کئے جاتے ہیں ان میں بنیادطور پر اس بات کو ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی بہت مداح تھیں اور انہوں نے جو حضور ﷺ کا نقشہ کھینچا ہے اس وقت جب حضور ﷺ غار سے آئے

تھے اور آ کے کہا تھا کہ مجھے تو میری جان کا اندیشہ ہو گیا کہ جس قسم کے حالات میرے سامنے آگئے ہیں، تو بہت بنیادی اخلاق ہیں، جو ایک اچھے سے اچھے انسان کے اندر پائے جاسکتے ہیں، اور شہادت بیوی نے دی ہے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت با کمال ہونے کی ایک بنیادی شہادت ہے جو بیوی نے دی ہے تو "حافظت للغیب" میں یہ بات ہو جائے گی، اور دوسرا ترجمہ بھی کیا گیا ہے کہ جب خاوند گھر میں موجود نہ ہو تو پھر وہ عزت کی حفاظت کرتی ہے، خاوند کے مال کی حفاظت کرتی ہے، اس کے بال بچوں کی حفاظت کرتی ہے، اور وقت غیوبت کو اس لئے ذکر کر دیا کہ جب خاوند گھر میں موجود ہوتا ہے اس وقت عموماً عورتیں اس قسم کی حفاظت کر لیتی ہیں، اور خاوند کی موجودگی میں کسی خلل کا اندیشہ نہیں ہوتا، عزت ناموس کا خود خیال رکھتی ہیں، لیکن اصل کا تب پتہ چلتا ہے کہ جب خاوند گھر میں موجود نہ ہو، اگر اس وقت وہ کوئی شرارت کرنا چاہیں مال کو نقصان پہنچانا چاہیں عزت کو نقصان پہنچانا چاہیں تو ایسا کر سکتی ہیں، لیکن نیک بیوی وہ ہو گی جو کہ خاوند کی عدم موجودگی میں ہر قسم کی نگہداشت کرتی ہے۔

"بما حفظ الله" اللہ کی حفاظت کے ساتھ بتوفیق الٰہی، بحفاظت الٰہی وہ خاوندوں کے پشت پیچھے حفاظت کرنے والی ہیں ہر قابل حفاظت چیز کی، عورتوں کے لئے یہ معیار ذکر کر دیا گیا کہ اچھی عورتیں یہ ہیں، اب جس وقت مردوں کو حاکم بنا دیا گیا اور عورتوں کو بنا دیا گیا محکوم پھر طبعی طور پر کبھی کبھی حاکم کو اپنے محکوم کی اصلاح کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے، اب کوئی اپنے منصب سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کرے کہ محکوم تو ہے لیکن حکومت قبول نہیں کرتا، اور ہر بات کی پابندی نہیں کرتا ایسا بھی ہو سکتا ہے تو پھر اگر حاکم کے پاس فوت نہ ہو، اصلاح کی تو تب بھی معاملہ گڑبڑ ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسی تدبیر کو بتاتے ہیں کہ اگر اس قسم کا اندیشہ پیدا ہو جائے کہ ھدایات کی پابندی نہیں کریں گی ان کی طرف سے نشوز ہے، ان کی طرف سے ناموافقت ہے، ان کی طرف سے سرکشی ہے، تو پہلا تو یہ ہے کہ ان کو نرمی کے ساتھ سمجھاؤ، وعظ کرو انہیں، نفع نقصان سمجھاؤ کہ دیکھو جس طریقے پر تم چلنے لگی ہو اور یہ کہتی ہو کہ میرا بھی اسی طرح سے حق کہ میں بھی آزاد پھروں جس طرح سے تو آزاد پھرتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم تو سارا دن گھر میں پابند رہیں اور تو سارا دن باہر پھرتا رہے، ہم بھی اس طرح سے پھریں گی اور جس قسم کی ذمہ داریاں ہم پر ڈال دی گئی ہیں یہ ہم پر ظلم ہے یہ ہم پر زیادتی ہے، ہم ان ذمہ داریوں کو قبول کرنے پر تیار نہیں، حالانکہ عقد نکاح ہو جانے کے بعد قبول تو کر لی محکوم تو بن گئی اصولاً، لیکن اگر ذمہ داریوں سے کتراتی ہیں تو پھر انہیں سمجھاؤ کہ یہ نیک عورتوں کا کام نہیں ہے اور یہ خاندانی زندگی کو برباد کرنے والی بات ہے، سکون نہیں رہے گا، سکون اسی صورت میں ہے کہ تم گھر میں رہو اور مرد کی محکوم بن کر رہو، اس طرح سے ان کو نفع و نقصان سمجھاؤ، کوئی اللہ کا خوف دلاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو خاوند کی فرمانبرداری ہو۔

رسول اللہ کے ذریعے سے جو اللہ تعالیٰ نے وعدے کیے ہیں انہیں وہ یاد دلاؤ روایات بھری ہوئی ہیں، حدیث شریف میں بہت ساری روایات آتی ہیں اگر وہ اس طرح سے ٹھیک ہوجائیں تو بہت اچھی بات ہے، وعظ ونصیحت سے ہی کام چل گیا اور اگر وہ وعظ ونصیحت سے متاثر نہیں ہوتیں تو پھر دوسرے نمبر پر یہ ہے کہ پھر ان کے پاس لیٹنا چھوڑ دو، رہو گھر کے اندر ہی گھر کے باہر نہ جاؤ لیکن اعراض اتنا سا نمایاں ہوجائے کہ ان کا بستر علیحدہ کردو، ان کی چارپائی علیحدہ کردو تو یہ عورت کے لئے ایک بہت بڑی تنبیہ ہے، تنبیہ اس اعتبار سے ہے کہ عورت اگر خاوند کے گھر آیا کرتی ہے اپنے ماں باپ کا پیار چھوڑ کر، بہن بھائیوں کی ہمدردی چھوڑ کر تو وہ روٹی کے لئے نہیں آیا کرتی کپڑے کے لئے نہیں آیا کرتی، روٹی کپڑا تو ہوسکتا ہے کہ اس کے ماں باپ کے گھر آپ کے گھر سے بھی اچھا ملتا ہو وہاں وہ زیادہ نازنخرے کے ساتھ رہتی ہے، کھانے کے لئے بھی اچھا ملتا ہے پہننے کے لئے بھی اچھا ملتا ہے، سارے اس کے ساتھ محبت بھی کرتے ہیں تو یہ خاوند کے ساتھ عورت کا جو تعلق ہے، اس میں اصل نوعیت یہ اداء حقوق والی ہے یہ زوجیت والا تعلق، اور اگر خاوند اس سے اعراض کرے اور اس کے ساتھ بیویوں والا پیار نہ کرے یہ عورت کے لئے بدترین ذہنی سزا ہے، اور کوئی شریف عورت اس بات کو برداشت نہیں کرسکتی، اکثر و بیشتر ان کے پیچ اور بل جو ہیں ٹھیک ہوجاتے ہیں، لیکن یہ بھی تبھی ہوگا کہ جب مرد اپنی حاکمیت کو بچائے ہوئے ہو، اور اپنے آپ کو وہ سمجھتا ہے کہ میں بالادست ہوں اور اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ہو، ورنہ اگر عورت ذہن پر مسلط ہوجائے تو عورت دھمکی دیتی ہے اور یہ کہتی ہے کہ میں قریب نہیں آنے دوں گی تو یوں مطالبے منوالیتی ہے۔

یعنی الٹا حساب یعنی ہونی تو چاہیئے تھی دھمکی مرد کی طرف سے لیکن اب یوں ہوتا ہے کہ عورت یوں دھمکی دیتی ہے اور جب وقت آتا ہے تو مطالبے سامنے رکھ دیتی ہے، پہلے یہ مانو یہ مانو تو یہ ہوگا، اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنے منصب سے ہٹ گیا، اور یہ غالب ہونے کی بجائے مغلوب ہوگیا، مرد نے جہاں اور بہت سارے کام کرنے ہیں اس کو اپنی شہوت پر بھی اتنا کنٹرول چاہیئے کہ عورت اس کے اس جذبے سے فائدہ نہ اٹھا سکے، اگر یہ اس کو دل دے بیٹھا اور شہوت سے اتنا مغلوب ہے تو پھر یہ اللہ کی حکمت کے خلاف ہے، اللہ کہتا ہے کہ تم انہیں چھوڑ دو لیکن پھر ہوگا یہی کہ عورتیں اپنا مطالبہ منوانے کے لئے مرد کو چھوڑتی ہیں، اور وہ قریب نہیں آنے دیتیں جس وقت تک ان کا مطالبہ نہ مان لیا جائے، یہاں پھر معاملہ گڑبڑ ہوجاتا ہے تو اس حکم کی حکمت یہی ہے کہ مرد اپنی حاکمیت کی شان بحال رکھے، اپنے جذبات کے ساتھ ان کے سامنے نیچا نہ ہو، بلکہ عورت کو بتائے کہ میں گزارہ کرسکتا ہوں تیرے بغیر اس لئے اگر تو سیدھی نہیں ہوتی، تو چل وہ تیرا بستر اور یہ میرا بستر، اور یہ عورت کے لئے بہت بڑی دھمکی ہے۔

اگر اس کے ساتھ بھی ٹھیک نہ ہو معاملہ وہ کوئی زبان سخت واقع ہورہی ہے تو پھر آگے ضرب یضرب کے باب کی بھی

اجازت ہے یہ باب بھی پڑھ سکتے ہیں آپ قرآن کریم میں تو صرف اتنا ہی آیا ہے کہ تم صرف مار لیا کرو، لیکن سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسے طور مارو کہ کہ "ضربا غیر مبرع" کہ جو نشان نہ چھوڑے بدن پر تو مطلب یوں ہے کہ جس میں کھڑکا زیادہ اور چوٹ کم لگے، کھڑکا ہونے کے ساتھ ذرا ذہن پر رعب پڑتا ہے، اور بدن پر نشان نہ پڑے کوئی ہڈی نہ ٹوٹے یہ حضور ﷺ نے بیان فرمایا لیکن ساتھ ہی یہ کہا کہ اچھے لوگ جو ہیں وہ یہاں تک نہیں پہنچتے، عورتوں کو مارا نہیں کرتے، بہت ہی مجبوری اگر آجائے تو ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے، تو اپنے زیر دستوں کو سیدھا رکھنے کے لئے اس قسم کی چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی بھی اجازت دی ہے، "فان اطعنکم" پھر اگر اس طرح کرنے کرانے کے ساتھ وہ فرمانبردار ہو جائیں پھر پچھلی باتیں بھلا دیا کرو، پھر خواہ مخواہ ان پر الزام کے لئے راستے نہ تلاش کرو کہ کوئی بہانے ملے ان کو مارنے کا ان کو تنگ کرنے کا یہ تمہارے لئے بھی اچھی بات نہیں ہے، پہلے جو بات ہو اس کو فراموش کر جاؤ پھر سیدھے ہو کر ان کے ساتھ اچھی طرح سے نبھاؤ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ علم والا ہے کبریائی والا ہے، تمہیں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر بلندی دی ہے تو تم پر بھی کوئی بلند ہے اس کی علو اور کبریائی کو مستحضر رکھو، آج تمہارے زیر دست ہیں اگر ان کے حقوق تلف کرو گے اور اپنے زیر دستوں کا خیال نہیں کرو گے تو زبردست تمہارے اوپر بھی بیٹھا ہوا ہے، اور یہ ایک ایسا تصور ہے جو انسان کو ادائے حقوق کے لئے پابند کرتا ہے۔

جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی اپنے غلام کو مار رہے تھے اور پیچھے سے حضور ﷺ نے آواز دی "یا اباسعود لا اللہ علیک منك علی ھذا" اے ابوسعود اللہ تعالیٰ تیرے اوپر زیادہ قدرت رکھنے والا ہے بمقابلہ تیرے اس غلام پر، جتنی تجھے اس پر قدرت حاصل ہے اللہ تجھ پر زیادہ قدرت رکھنے والا ہے، یعنی اگر یہ تمہارے عارضی طور پر غلام بن گئے اور زیر دست آگئے تو تم بھی کسی کے ماتحت ہو اس بات کا خیال رکھا کرو، جیسے اپنے ساتھ برتاؤ چاہتے ہو بڑوں کی طرف سے، اپنے چھوٹوں کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤ رکھا کرو، اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے علو اور کبریائی کو یاد دلایا، پھر اگر خاندانی حالات خاوند خود ٹھیک نہ رکھ سکے ایسا بھی ہوتا ہے بسا اوقات کہ بیوی ایسی پلے پڑ گئی کہ نہ تو وعظ و نصیحت سے مانتی ہے اور نہ ہی اس قسم کی ہجران وغیرہ کی دھمکی سے ٹھیک ہوتی ہے اور وہ کھڑکا دھڑکا کر کے دیکھ لیا تو بھی وہ ٹھیک نہیں ہوتی، تو چونکہ خاندانی تعلقات کی شریعت میں اہمیت بہت زیادہ ہے کہ یہ گھر کا فساد خاندانوں تک پہنچتا ہے، خاندانوں کا فساد پھر آگے سرایت کرتا ہے، حالات بہت زیادہ خراب ہو جاتے ہیں تو زوجین خود اگر اپنے حالات کو سنبھال نہ سکیں تو اس کو جلدی سے ختم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔

پھر اگر اس بات سے باہر نکل آئے گھر سے بات باہر آگئی رشتہ داروں میں آگئی، اپنے دوست احباب میں آگئی

تو کچھ لوگ خاوند کے ہمدرد ہوا کرتے ہیں کچھ بیوی کے ہمدرد ہوا کرتے ہیں، پھر اگلی اصلاحی سکیم یہ ہے کہ ایک آدمی لے لو جو خاوند کا ہمدرد ہے اس کے خاندان میں سے لے لو جو سمجھدار ہو، حکم کے لفظ سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ وہ آدمی بات سمجھ سکتا ہو، فیصلہ کر سکتا ہو فیصلہ کی قوت اس میں موجود ہو، اتنا سمجھ دار ہے اپنے معاملات کو سمجھتا ہے ایسا آدمی مرد کے ہمدردوں میں سے لے لو اس کے خاندان سے، ایک عورت کے خاندان سے یہ دونوں جائیں جانے کے بعد حالات کا جائزہ لیں نیک نیتی کے ساتھ، وجہ معلوم کریں جس کی زیادتی ہو اس کو بتائیں کہ تیری یہ زیادتی ہے تو یوں کہ کیا کر، تو اگر یہ دونوں نیک نیتی کے ساتھ کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ موافقت پیدا کر دے گا، پھر آپ کو ایک شرط زائد لگانی پڑے گی بشرطیکہ زوجین بھی ان کے فیصلے کو قبول کریں، ورنہ یہ اگر اپنے طور پر اچھی سے اچھی تدبیر بتاتے ہیں لیکن زوجین ہی ان کے فیصلے کو قبول نہیں کرتے تو ان کی اصلاح کیسے ہوگی، اس لئے اگر ''ان یریدا اصلاحا'' کی ضمیر کو زوجین کی طرف لوٹا دیا جائے تو پھر اس کے اندر ایک زائد قید لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کہ حکم جس وقت منانے گئے تو ان کا ارادہ اصلاح کا ہوگا تو وہ ٹھیک ہو جائیں گے، اور اگر ان کا ارادہ درست ہونے کا نہیں ہے، خاوند اپنی ضد پر اڑا ہوا ہے وہ کوئی تبدیلی نہیں کرنا چاہتا، اور بیوی اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے تو حاکمین جو کچھ کہتے ہیں پھر اصلاح کیسے ہوگی۔

تو ان حاکمین کا کام یہی ہے کہ وجہ معلوم کر کے ہدایات دینا، اور زوجین کا کام یہ ہے کہ اگر وہ اصلاح چاہتے ہیں تو وہ ان ہدایات کو قبول کریں، ہاں البتہ اگلی بات بھی ہے کہ اگر زوجین ان کو اختیار دیدیں فیصلہ کا تو طلاق تک کا اختیار بھی انہیں دیا جا سکتا ہے، کہ یہ حاکمین کو یہ اختیار دیدیا کہ اگر تمہیں معلوم ہو کہ نبھاؤ غیرہ نہیں ہوتا، تو خاوند کہہ دے کہ میری طرف سے اجازت ہے عورت کہہ دے کہ میری طرف سے تمہیں خدا کرنے کی اجازت ہے میری طرف سے تمہیں فیصلہ کرنے کی اجازت ہے تو پھر یہ اختیارات ان حاکمین کو حاصل ہو جائیں گے، ورنہ ان کی اصل پوزیشن یہی ہے کہ حالات معلوم کر کے انہیں کوئی اصلاحی تدابیر بتا دیں، اگر نیک نیتی ہوئی زوجین میں کہ واقعی وہ حالات کو سدھارنا چاہتے ہیں تو اگر آپس میں نشاندہی نہیں کر سکے کہ کس کی زیادتی ہے کس کو بدلنا چاہیئے تو حاکمین کا فیصلہ قبول کر لینا چاہیئے ''ان اللہ کان علیما خبیرا'' بے شک اللہ تعالیٰ علم والا ہے خبر والا ہے۔

حقوق کا بیان جس وقت شروع ہوا تھا تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی گئی تھی، اب یہ بات جو ہے اگلی آیات پر ختم ہو رہا ہے تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے تقویٰ کی تاکید آرہی ہے، اور اجمالی طور پر سب کے حقوق ادا کرنے کا ذکر آرہا ہے، پھر حقوق کے ادا کرنے میں جو رکاوٹیں جو پڑتی ہیں، تو بسا اوقات غرور اور فخر یہ باعث ہوتا ہے کہ حقوق ادا نہیں کر پاتا انسان، کہ صاحب حق کی اس کے دل میں کوئی عزت نہیں ہے، اس کی کوئی وقعت نہیں ہے، اس کی تحقیر

کرتا ہے، اس کا حق نہیں پہنچاتا، یہ فخر ہے ایک دوسرے کے مقابلہ میں، یہ اکڑ ایک دوسرے کے مقابلہ میں یہ حقوق ادا کرنے سے مانع ہوتا ہے کہ انسان پیسے خرچ نہیں کرتا، اور جو کچھ اللہ نے اسے دے رکھا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھتا ہے، ظاہر یہ کرتا ہے کہ میرے پاس تو ہے ہی کچھ نہیں، اور یا حقوق کے ادا نہ کرنے میں آخرت کے عقیدے کے ضعف یہ مانع ہو جاتا ہے، انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ کیا ہے مجھے کون پوچھنے والا ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کی عظمت دل میں نہیں ہوتی، تو آخری آیات کے اندر یہی چیز ذکر کی جائے گی، کچھ آخرت کا خوف دلایا جائے گا، اور بخل کی مذمت کی جائے گی فخر اور تکبر کی مذمت کی جائے گی اور بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ آدمی میں دکھلاوے کا جذبہ ہے کہ جہاں دکھلاوا ہو وہاں تو کچھ کر کرا لیتا ہے اور جہاں دکھلاوا نہیں ہے تو وہاں کچھ کوتاہی کر جاتا ہے تو اس لئے ریاء کی مذمت کی جائے گی اس طرح اس باب کو یہاں مکمل کیا جا رہا ہے اور اگلے رکوع سے کلام کسی اور مضمون کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

"واعبدوا الله ولا تشركوا به شيئا" اللہ کی عبادت کیا کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا کرو، "وبالوالدين احسانا" اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو، اچھا برتاؤ کیا ہوتا ہے کہ اس کی تفصیل آپ کے سامنے ہوتی رہتی ہے کہ مالی خدمت بدنی خدمت گفتگو کے آداب کی رعایت کرنا، اور ان کو خوش رکھنا اور ان کے دل کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا یہ سب احسان میں داخل ہے، "فلا تقل لهما اف" کے اندر جس طرح سے آئے گا کہ والدین کے سامنے ایسے طور پر نہ بولا کرو جس کی وجہ سے ان کو تکلیف ہو ان کے سامنے اف بھی نہ کیا کرو، یہ گفتگو کے آداب کی رعایت رکھی جائے اور رشتے داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو یتیموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، مسکینوں سے اور پڑوسیوں سے، پڑوسی گویا کہ تین قسم کے ذکر کر دیئے گئے، رشتہ وغیرہ رشتہ دار اور بالکل عارضی پڑوسی جو کچھ وقت کے لئے آدمی کے ساتھ ہم نشین ہو جائے یا یہ ہے کہ قریب والا دور والا جس کا گھر قریب ہے جس گھر کچھ دور ہے یا بالکل عارضی رفیق ان سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو ان سب کے متعلق روایات میں تاکید آتی ہے اور حضور ﷺ نے وضاحت کے ساتھ ان کے حقوق بتائے ہیں۔

حدیث شریف کے اندر آپ پڑھتے رہتے ہیں پڑوسی کے متعلق تو آپ نے اتنی تاکید فرمائی کہ ایک آدمی پوچھتا ہے حضور ﷺ سے کہ یا رسول اللہ مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں اچھا ہوا یا برا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا تو اپنے پڑوسیوں کی بات سن لیا کرو، وہ اگر تجھے اچھا کہتے ہیں تو تو اچھا ہے، وہ تجھے برا کہتے ہیں تو تو برا ہے، یعنی اچھے برے ہونے کا معیار یہی ہے کہ پڑوسیوں کی نظر میں اچھا ہے یا برا، اور فرمایا کہ مجھے اتنی تاکید کی جبرئیل نے پڑوسی کے بارے میں کہ مجھے یہ تو اندیشہ ہو گیا کہ یہ شاید وارث ہی نہ بنا دے گا پڑوسی کو، اتنی تاکید ہے اور وہ تو آپ سنتے رہتے ہیں عام طور پر لوگ پڑھتے ہیں" لا يؤمن احدكم " "تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں" "من لا يأمن جاره بوائقه" "جس کی تکلیفوں سے اس کا پڑوسی امن میں نہ ہو

یا خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو، ایسا شخص مؤمن نہیں اس میں سب پڑسیوں کے حقوق ذکر کئے گئے ہیں۔

"وابن السبیل " یہ مسافر آ گیا یعنی اجنبی عارضی طور پر چلتا چلتا کہیں آٹھہرا ہے تو اس کا بھی حق ادا کرو اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، روٹی کی ضرورت ہے اس کو روٹی دو، ٹھہرنے کی ضرورت ہے اس کو جگہ دو، جتنا اس کے ساتھ تعاون کر سکتے ہو اور اپنے غلام اور باندھیوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا اس شخص کو جو اکڑنے والا ہے فخر کرنے والا ہے، دوسرے کی تحقیر کرتا ہے اس لئے دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی طرف اس کی توجہ نہیں ہے، اپنی برتری کا اسے احساس ہے اور وہ دوسرے پر توجہ نہیں کرتا، ایسے لوگ اللہ کو اچھے نہیں لگتے۔

اور جو خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کا حکم دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یا تو عملا کہ جب یہ بخل کریں گے تو دوسرا بھی ان کی ریس کرے گا، دوسرا بھی ان کی طرف دیکھ کر بخل کرے گا، یا ہمیشہ یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ جو شخص بخیل ہو اور وہ مال خرچ نہیں کرتا تو وہ کوشش کیا کرتا ہے کہ دوسرے بھی میری طرح بخل کریں جیسے میں پیسہ بچاتا ہوں دوسرے بھی خرچ نہ کریں بچائیں، کیونکہ اگر سارے ہی یوں کرنے لگ جائیں گے تو پھر اس کو برا کوئی نہیں کہے گا، اور اگر باقی خرچ کرنے والے ہونگے اور یہ ایک درمیان میں بخل کرنے والا ہوگا تو پھر سارے اس کو بری نگاہ سے دیکھیں گے اس کو کوشش اس کی یہ ہوتی ہے بزدل آدمی دوسروں کو بزدل بنانے کی کوشش کرتا ہے، بخیل آدمی دوسرے کو خرچ کرتا ہوا دیکھ نہیں سکتا بلکہ انہیں بھی کہتا ہے کہ یہاں خرچ نہ کرو، پیسے بچا کر رکھو، ایک آدمی اگر ناک کٹا ہو تو دوسرا آدمی اگر ناک والا ہوگا تو لوگ اس کو ناک کٹا کہیں گے، اور اگر سارے ہی ناک کٹے ہوں تو پھر اس کو طعن کون کرے گا، تو اس طرح سے جس کا ناک کٹ گیا وہ کوشش کرتا ہے کہ باقیوں کا بھی کٹا ہوا ہو تا کہ میرا یہ کٹا ہوا محسوس نہ ہو، تو بخیل آدمی باقیوں کو بھی کہے گا کہ یوں پیسے خرچ نہ کرو، اس طرح نہ کرو پیسے بچا کر رکھنے چاہئیں کام آئیں گے، مقصد اس کا یہ ہے کہ اگر یہ روک بھی رکھیں گے تو مجھے برا کوئی نہیں کہے گا، ورنہ اگر باقی لوگ خرچ کرتے رہے تو میرا بخل ہر کسی کو محسوس ہوگا، بخیل آدمی دوسرے کے متعلق بھی یہی چاہتا ہے کہ یہ بزدلی کریں تا کہ ہم سب ایک جیسے ہو جائیں، ورنہ اگر باقی لوگ بہادری کا مظاہرہ کریں گے تو یہ ایک بزدل ہوگا تو ہر کسی کو محسوس ہوگا تو اپنی باتوں سے اپنے عمل سے ترغیب دیتے ہیں بخل کی۔

اور جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے اس کو چھپاتے ہیں، یعنی پیسے ہیں تو صحیح لیکن ظاہر نہیں کرتے تا کہ دوسرا آدمی مطالبہ نہ کرے، کہ جب تیرے پاس پیسے ہیں تو ہمیں دے، تو عادت اسی طرح سے ہوتی ہے کہ جب آدمی کسی کو دینا نہیں چاہتا تو طریقہ کیا ہوتا ہے کہ جب بخل کرے گا تو کہے گا جی کہ کیا کریں فلاں خرچہ سر پر پڑ گیا فلاں جگہ سے گھاٹا آ گیا، فلاں جگہ سے آمدنی نہیں آئی فلاں کو اتنا دینا پڑ گیا، مطلب یہ ہے کہ ظاہر یہ کرنا چاہ رہا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں، اس لئے میں اگر تمہیں

نہیں دیتا کوئی گدا گر آ جائے تو اس کے سامنے بسا اوقات یوں باتیں کرنے لگ جاتا ہے، کوئی صاحب حق آ جائے تو اس کے سامنے بھی بسا اوقات یوں باتیں کرنے لگ جاتا ہے اور جو کچھ اللہ نے دے رکھا ہے اس کو جمع کیے ہوئے ہیں اور اس کو چھپاتا ہے کہ کہیں دوسرا آدمی مطالبہ نہ کرے، انہی کی مذمت ہے کہ ہم نے ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپاتے ہیں اور ناشکری کرتے ہیں، اور صاحب حق کا حق ادا نہیں کرتے۔

اور ایسے ہی یہ لوگ اللہ کو اچھے نہیں لگتے جو دکھلاوے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں کیونکہ جس میں دکھلاوے کا جذبہ ہو وہ بھی صحیح طور پر حق ادا نہیں کر سکتا، جہاں کوئی شہرت کا کام یا شہر کی امید ہوگی وہاں تو کچھ کام کرے گا کچھ خرچ کرے گا، اور جہاں شہرت اور دکھلاوا نہیں وہاں خرچ نہیں کرے گا، اور عقیدے کی کمزوری یہ بھی بسا اوقات حقوق میں خلل ڈالنے کا باعث بن جاتی ہے، تو یہاں ان کی مذمت بھی آ گئی، جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لئے وہ نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور یوم آخرت پر، اور جس شخص کا شیطان ساتھی بن گیا، بری عادتیں سکھانا شیطان کا کام ہے، یہ شیطانی جذبات ہیں جس شخص کا شیطان ساتھی بن گیا بس وہ بہت برا ساتھی ہے کیا نقصان ہے ان کا اگر یہ ایمان لے آئیں اللہ پر یہ ترغیب ہے اگر یہ ایمان لے آئیں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور خرچ کریں اس مال میں سے جو اللہ نے انہیں دیا ہے ان کا کیا نقصان ہے کیا مصیبت ان کے اوپر آئے گی، فائدہ ہی فائدہ ہے ایمان میں بھی فائدہ ہے انفاق میں بھی فائدہ ہے، بخل میں روک رکھنے میں فائدہ نہیں، یہ انسان کی ذہنی غلطی ہے خرچ کرنے میں فائدہ ہے پانی جس وقت تک جاری رہتا ہے تو یہ صاف ستھرا رہتا ہے، اور جہاں رک کر کھڑا ہو جائے تو یہ بدبودار ہو جاتا ہے، بالکل یہی حیثیت ہے مال کی۔

ویسے بھی اگر کنویں سے پانی نکالنے جاؤ تو نیچے سے اوپر آتا چلا جائے گا فائدہ اٹھاتے چلے جاؤ نیچے سے اور جمع ہوتا چلا جائے گا، اور جب نکالنا بند کر دیا جائے تو پانی ایک جگہ پر ٹھہر جاتا ہے، پھر وہ مفید نہیں رہتا، بلکہ نقصان دہ ہو جاتا ہے، تجربے کی بات یہی ہے کہ مال جتنا خرچ کرو اتنا اس میں برکت بھی ہوتی ہے، اور اس کے نقصانات کم ہوتے ہیں، اور فوائد زیادہ ہوتے ہیں، روک کر رکھنا شروع کر دو تو ایسا ہی ہے جیسے پانی سیرابی کا باعث تھا حیات کا باعث تھا، نباتات کا باعث تھا، لیکن تالابوں میں بند ہونے کی وجہ سے بیکار ہو گیا۔

اس طرح سے اگر مال کو بھی روک کر رکھ لیا جائے تو یہ بھی بیکار ہو جاتا ہے اس لئے اس سے بھی کوئی استفادہ نہیں ہوتا، حاصل یہی ہے کہ یہ حرکت میں رہے، جب حرکت میں رہے گا تو فائدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے متعلق علم رکھنے والا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا، اگر کوئی تمہاری خصلت کوئی نیکی ہے تو اس کو بڑھائے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دے گا آگے ترہیب ہے کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہم ہر امت سے گواہ لائیں گے اس گواہ کا مصداق اس امت کا نبی ہے جو آ کے بتائے گا کہ یا اللہ میں نے تو دین پورا پورا پہنچایا ہے باقی اگر انہوں نے عمل نہیں کیا تو قصور انہیں کا ہے، امت

کے خلاف گواہی دیں گے انبیاء، ہم آپ کو بھی ان لوگوں پر گواہ بنائیں کرلائیں گے تو نبی کی شہادت تو ہو جائے کہ میں نے سارے کا سارا دین پہنچا دیا، اب اگر دین قبول نہیں کیا اور اس پر عمل نہیں کرو گے تو پھنس جاؤ گے پکڑے جاؤ گے، اور وہ دن ایسا ہوگا جس دن یہ شہادتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے تو کافر لوگ یہ چاہیں گے اور رسول کے نافرمان چاہیں گے کہ ان کے ساتھ زمین کو برابر کر دیا جائے، زمین کے برابر کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو مٹی کر کے زمین میں ملا دیا جائے، ''یلیتنی کنت ترابا'' کافر کہے گا اے کاش کہ میں مٹی ہوتا اور اس زمین کے اندر خلط ملط ہو جاتا اور مجھے کسی قسم کا حساب نہ دینا پڑتا اور عذاب نہ ہوتا، پھر مٹی بننا چاہیں گے، ''ولا یکتمون اللہ حدیثا'' اور اللہ تعالیٰ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا
مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ
وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا
فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ
غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ
اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا

لَّهُمۡ وَ اَقۡوَمَ ۙ وَ لٰكِنۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ
اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۴۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا
لِّمَا مَعَكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدۡبَارِهَاۤ
اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ ؕ وَكَانَ اَمۡرُ اللّٰهِ مَفۡعُوۡلًا ﴿۴۷﴾
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰ لِكَ لِمَنۡ
يَّشَآءُ ۚ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدِ افۡتَرٰۤى اِثۡمًا عَظِيۡمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمۡ
تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ
وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ﴿۴۹﴾ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ
وَكَفٰى بِهٖۤ اِثۡمًا مُّبِيۡنًا ﴿۵۰﴾ ع

ترجمہ:

''یاایھاالذین آمنوا لاتقربوا الصلوۃ'' اے ایمان والونماز کے قریب نہ جایا کرو''وانتم سکاری''اس حال میں کہ جب تم نشے میں ہو، سکاری سکران کی جمع ہے نشے میں مست نشے میں دھت،''حتیٰ تعلموا ماتقولون''حتی کے بعد محاورۃً نفی کا ترجمہ جب تک کہ تم جاننے نہ لگ جاؤ اس بات کو جو تم منہ سے بولتے ہو یعنی اس وقت تک نماز کے قریب نہ جایا کرو نشے کی حالت میں جب تک کہ تمہیں معلوم نہ ہونے لگ جائے کہ تم منہ سے کیا کہہ رہے ہو،''ولا جنبا'' یہ بھی حال واقع ہو رہا ہے اور عطف اس کا انتم سکاری پر ہے، یہ''لاتقربوا الصلوۃ ''میں جو نفی آئی ہے یہ لا اسی کی تاکید ہے، اور نہ قریب جایا کرو نماز کے جنبی ہونے کی حالت میں''الا عابری سبیل'' مگر یہ کہ تم راستے کو عبور کرنے والے ہو، مگر اس حال میں کہ تم راستے کو عبور کرنے والے ہو، عابرین تھا اصل میں، اضافت کی وجہ سے نون گر گیا، اور یہ بھی حال واقع ہو رہا ہے،''عابری سبیل'' سے مراد مسافرین اور سفر کی حالت میں جنبی ہونے کی حالت میں بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے بعض صورتوں میں جس کا

ذکر آگے آرہا ہے''حتیٰ تغتسلوا'' کا تعلق ہے جب کے ساتھ، ''لاتقربوا الصلوۃ جنبا حتی تغتسلوا'' جنبی ہونے کی حالت میں تم نماز کے قریب نہ جایا کرو جب تک کہ تم غسل نہ کرلو، ''حتی تغتسلوا'' حتی کے بعد وہی محاورۃ نفی کا ترجمہ، جب تک کہ تم نہا نہ لو، غسل نہ کرلو، ''وان کنتم مرضیٰ'' مرضیٰ مریض کی جمع ہے اگر تم بیمار ہوؤ، ''او علیٰ سفر'' یا تم سفر پر ہوؤ، ''اوجاء احدمنکم من الغائط'' غائط کا لفظی معنی ہے پست زمین یہ گڑھے وغیرہ جو ہوتے ہیں، عام طور پر چونکہ عادت یہی ہے کہ قضاء حاجت کے لئے انسان پست زمین اور گڑھے کو تلاش کرتا ہے، تا کہ دوسرے آدمی کی نظر نہ پڑے، اور یہ غائط کا لفظ جو بول کر کنایہ ہوتا ہے حاجت سے، تم میں سے کوئی جائز ضرورت سے آیا ہو یعنی پیشاب پاخانے سے فارغ ہو کر آیا ہو، جس کے ساتھ کہ حدث اصغر لاحق ہو جاتی ہے، وضو کی ضرورت پیش آجاتی ہے یا تم میں سے کوئی آیا ہو جائز ضرورت سے یا تم نے عورتوں سے ملامست کی ہو، ملامست مجامعت کے معنی میں ہے جس سے انسان جنبی ہو جاتا ہے، اور غسل کی ضرورت پیش آتی ہے یا تم نے عورتوں سے مجامعت کی ہے، ''فلم تجدوا ماء'' پھر تم پانی نہ پاؤ''فتیمموا صعیدا طیبا'' قصد کیا کرو پاک مٹی کا، صعید زمین کی سطح کو کہتے ہیں، طیب پاک مٹی، تو پاک مٹی کا قصد کیا کرو، تو پاک مٹی سے طہارت حاصل کرنے کے لئے قرآن کریم میں چونکہ ''تیمموا'' کا لفظ استعمال ہوا تو اصطلاح فقہاء میں اب اس طریقہ طہارت کو تیمّم سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے، تو تیمّم کا اصطلاحی معنی ہے مٹی سے طہارت حاصل کرنا، ورنہ اس کا لفظی معنی جو ہے وہ قصد کرنا ہے، آپ کے سامنے پہلے گزر چکا کہ مال میں سے ردی مال کی طرف قصد نہ کیا کرو خرچ کرنے کے لئے، ''فامسحوا بوجوھکم'' پھر تم مسح کرلیا کرو اپنے چہروں کا ''بایدیکم'' اور اپنے ہاتھوں کا ''ان اللہ کا ن عفوا غفورا'' بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا ہے معاف کرنے والا ہے۔

''الم ترالی الذین اوتوانصیبامن الکتاب'' کیا آپ نے دیکھا نہیں ان لوگوں کی طرف جو کتاب سے ایک حصہ دیے گئے ''یشترون الضلالۃ'' اختیار کرتے ہیں وہ گمراہی کو ''ویریدون ان تضلواالسبیل'' اور وہ ارادہ رکرتے ہیں کہ تم راستے سے بھٹک جاؤ، ''واللہ اعلم باعدائکم'' اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے، ''و کفی باللہ ولیا'' کافی ہے اللہ تعالیٰ کارساز ''و کفی باللہ نصیرا'' اور کافی ہے اللہ مددگار باللہ کے اوپر با زیادہ ہے اور اللہ کفی کا فاعل ہے، ''من الذین ھادو ایحرفون الکلم عن مواضعہ'' ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے بعض لوگ ایسے ہیں جو بدلتے ہیں باتوں کو ان کی جگہوں سے، مواضع موضع کی جمع ہے کلمات کو ان کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں تحریف پھیرنے کو کہتے ہیں، موڑنے کو یعنی لفظ جس معنی پر محمول ہوتا ہے اس پر اس کو محمول نہیں کرتے بلکہ اس کا مطلب اور کا اور بنا دیتے ہیں، ''ویقولون سمعنا وعصینا'' اور وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی، ہم نے سن لیا اور نہ مانا، ''واسمع'' اور تو سن ''غیر مسمع''

اس حال میں کہ تو سنایا ہوا نہیں ہے،''وراعنالیابالسنتھم ''اور وہ راعنا کہتے ہیں اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے''وطعنا فی الدین ''اور دین میں طعن کرتے ہوئے لیاً یہ مصدر ہے''ولو انھم قالوا''اور اگر یہ لوگ کہتے''سمعنا واطعنا''ہم نے سن لیا اور مان لیا،''واسمع ''اور تو سن''وانظرنا ''اور تو ہمارا خیال کر،''لکان خیرا لھم ''تو ان کے لئے یہ بہتر ہوتا،''واقوم ''اور زیادہ درست ہوتا،''ولکن لعنھم الله بکفرھم '' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر لعنت کی ان کے کفر کی وجہ سے ،''فلایؤمنون الا قلیلا''پس یہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت کم''یاایھاالذین اوتواالکتاب ''اے وہ لوگو جو کتاب دیئے گئے''آمنوا بمانزلنا مصدقالمامعکم ''ایمان لے آؤ اس چیز کے ساتھ جو ہم نے اتاری اس حال میں کہ وہ تصدیق کرنے والی ہے اس بات کی جو تمہارے ساتھ ہے،ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ ہم مٹا دیں چہروں کو،''نطمس ''مٹا دینا،کسی چیز کے آثار نشانات علامات مٹا دینا،قبل اس کے کہ ہم مٹا دیں گے چہروں کو''فنردھا''پھر ہم لوٹا دیں گے ان چہروں کو''علی ادبارھا ای علی ھیۃ ادبارھا ''ادبار دبر کی جمع ہے ان چہروں کی پچھلی جانب کی ھیت پر،پچھلی جانب یہ گدی کی جانب۔

یعنی جس طرح سے تمہاری گدی کی جانب کوئی نشان نہیں ہے کسی چیز کا تو اس طرح سے اگلا حصہ بھی مسخ کرکے یہ نشانات مٹا کر اس کو ایسا کر دیں گے جیسے پچھلے حصہ ہے قبل اس کے کہ مٹا دیں ہم چہروں کو پھر لوٹادیں ان کو ان کی گدیوں کی ھیت پر''اونلعنھم ''یا قبل اس کے ہم ان پر لعنت کریں''کما لعنا اصحاب السبت ''جس طرح سے ہم نے سبت والوں پر لعنت کی تھی،سبت ہفتہ وہ جو انہوں نے ہفتہ کے دن انہوں نے شکار کرنا شروع کر دیا تھا،سورۃ اعراف یہ قصہ آئے گا،''وکان امر الله مفعولا''اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہتا ہے اللہ تعالیٰ جس بات کا حکم دیدیں وہ ہو کر رہتا ہے،''ان الله لا یغفر ان یشرک به''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے،''ویغفر مادون ذٰلك لمن یشاء''اور بخش دے گا اس کے علاوہ جس کے لئے چاہے گا''ومن یشرك بالله'' اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے''فقدافتریٰ اثماعظیما''پس بے شک اس نے گناہ عظیم گڑھا،افتراء کیا اس نے گڑھا اس نے گناہ عظیم،''الم ترالی الذین یزکون انفسھم ''کیا آپ نے دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنے آپ کو پاک صاف قرار دیتے ہیں''بل الله یزکی من یشاء'' اپنے آپ کو پاک صاف قرار دینے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ پاک صاف قرار دیتا ہے جس کو چاہتا ہے''ولایظلمون فتیلا''اور یہ لوگ ظلم نہیں کئے جائیں گے دھاگے کے برابر،فتیل فتل باٹنے کو کہتے ہیں بٹی ہوئی چیز،تو طویل مقصود ہے جس سے نفی کرنی مقصود ہوا کرتی ہے،دھاگے کے برابر بھی ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا''انظر کیف یفترون علی الله الکذب'' دیکھ یہ کیسے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں،''وکفی به اثمامبینا''کافی ہے یہی بات از روئے صریح گناہ ہونے کے۔

تفسیر:

شروع سے آپ کے سامنے اصلاح معاشرہ کی باتیں ذکر کی جارہی تھیں، اور مختلف قسم کے احکام واضح کیے گئے ہیں اسی سلسلے میں ایک آیت آپ کے سامنے آئی تھی، ’’واللہ یرید ان یتوب علیکم ‘‘اس رکوع کی ابتدائی آیت پر یہ جواب تلاوت کیا گیا احکام کا سلسلہ ختم ہورہا ہے، آگے شروع ہورہا ہے ذکر یہود کا پھر منافقین کا مشرکین کا اور یہ اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی تھی، کہ جولوگ متبع شہوات ہیں وہ تمہیں موڑنا چاہتے ہیں وہ یہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم میلان اختیار کرجاؤ یعنی سیدھے راستے کی طرف، دوسری طرف ہٹ جاؤ توان متبعین شہوت کی تفصیل بیان کی جائے گی اوران سے ماتحت رہنے کی تلقین کی جائے گی ،ان کی مذمت کی جارہی ہے کیونکہ مسلمانوں کے معاشرے میں یہود کی کثرت تھی مدینہ منورہ کے اردگرد یہود کے قبیلے آباد تھے اور انصار کی ان سے دوستیاں تھیں جاہلیت کے زمانے میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ان کے معاہدے تھے میل جول تھا تو وہ لوگ مختلف قسم کے شبہات مسلمانوں میں پھیلاتے رہتے تھے، تو جس وقت تک ان سے معاہدہ ختم نہ کیا جائے اوران کو دوست کی بجائے دشمن نہ سمجھا جائے تواس وقت تک یہ کفر کے وسوسے اور کفر کی تلقین یہ ختم نہیں ہوتی تھی،اور ذہنی یکسوئی نصیب نہیں ہوتی تھی تو گویا کہ اب یہ واضح کیا جارہا ہے کہ یہ اچھے اچھے احکام جوتم کو دیئے جارہے ہیں ان کے اوپر پابند ہوجاؤ اور یہ شیطانوں کے گروہ جوتمہارے ساتھ خلط ملط ہیں ان کو اپنا دشمن سمجھو اگر یہ تمہارے ساتھ دوستی کا دعوہ بھی کرتے ہیں توان کے اس اظہار پر اعتماد نہ کرو۔

”واللہ اعلم باعدائکم “ تمہارے دشمنوں کو اللہ خوب جانتا ہے حقیقت کے اعتبار سے یہ دشمن ہیں اس مناسبت سے آگے کلام منتقل ہوجائے گی ان اہل کتاب کی طرف، کیونکہ مسلمانوں کے معاشرے میں یہ خلط ملط تھے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام سے باطل کرنے کے لئے کفر کی طرف مائل کرنے کے لئے آئے دن کوششیں کرتے رہتے تھے،توان کی مذمت کی جائے گی، پہلی آیت جوآپ کے سامنے پڑھی گئی اس میں ذکر آیا ہے نماز کے مسئلے کا اوراس کے ساتھ طہارت کا اس کی مناسبت اس حکم کے ساتھ ہے گزشتہ رکوع میں آیا تھا”واعبدوااللہ ولاتشرکوابہ شیئا“اللہ کی عبادت کرواس کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہراؤ تو عبادت میں سے چونکہ نماز ایک بہت اہم عبادت ہے اس کے متعلق یہ حکم ذکر کیا جارہا ہے جس کے شان نزول میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے رفقاء کی صحابہ کی دعوت کی ہوئی تھی اس وقت یہ شراب حرام نہیں ہوئی تھی تواس دعوت کے اندرکوئی ماء نوشی کا انتظام بھی کیا گیا تھا،تو کھانے کے بعد یہ شراب بھی پی گئی جیسے اس وقت عادت تھی اوراسی شغل میں لگے ہوئے تھے مغرب کا وقت ہوگیا ، امامت کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو

کھڑا کردیا گیا نماز پڑھانے کے لئے تو انہوں نے یہ سورت پڑھی ''قل یاایھاالکفرون'' نشے کی حالت میں تھے پتہ نہیں تھا منہ سے کیا نکل آیا تو ''لااعبد ماتعبدون'' کی بجائے منہ سے نکل آیا ''اعبد ماتعبدون'' لا چھوٹ گیا اب آپ جانتے ہیں کہ جب لا چھوٹ گیا تو معنی شرک والا پیدا ہوگیا مفہوم یہ ہوگیا کہ میں پوجتا ہوں اس چیز کو جس کی تم پوجا کرتے ہو تو گویا کہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کے نتیجے میں یہ شرکیہ کلمہ نماز میں جاری ہوگیا، اور شراب کے متعلق پہلے یہ بات آچکی تھی کہ اس کے نقصانات جو ہیں وہ زیادہ ہیں منافع کم ہیں، وہ ابتدائی بات تھی جو شراب کے متعلق قرآن کریم میں آئی جس کا ذکر آپ کے سامنے سورۃ بقرۃ میں گزرا ہے، اب یہ دوسرا قدم اٹھایا گیا اس عادت کو ختم کرنے کے لئے کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جایا کہ تم اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہو اور نشے کی حالتمیں اس عبادت کے مفہوم سے انسان غافل ہوتا ہے، اور زبان سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے خلاف ہوتی ہیں ایسے کلمات نکل سکتے ہیں جو شرک کے معنی پر مشتمل ہوتے ہیں۔

اسی طرح سے جب تم پوری طرح سے ہوش نہ سنبھال لو تمہیں پتہ نہ لگنے لگ جائے کہ تمہاری زبان سے کیا نکل رہا ہے اس وقت تک نماز کے قریب نہ جایا کرو، اب بظاہر تو نہی کی جارہی ہے نماز کے قریب جانے سے لیکن آپ جانتے ہیں کہ نماز تو وقت پر پڑھنا فرض ہے، نماز تو وقت پر پڑھنی فرض ہے تو اصل کے اعتبار سے نہی ہوگی کہ نماز کے اوقات میں نشہ نہ کیا کرو، یہ مطلب نہیں کہ نشہ پینے کے لئے تو آزادی دیدی گئی کہ جب چاہو پیو جتنا چاہو پیو، ہوش آجایا کرے تو نماز پڑھ لیا کرو نہ ہوش آیا کرے تو نہ سہی، شراب کے بارے میں تو چھٹی دیدی جائے اور نماز کے بارے میں یہ تسہیل کر دینا کہ ہوش آجائے تو پڑھ لینا اگر نہ آئے تو نہ سہی نشے کی حالت میں نہ پڑھا کرو، یہ مطلب نہیں، نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا فرض ہے اس کو مؤخر نہیں کیا جاسکتا اب اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ ایسے وقت میں نشہ نہ پیا کرو جو نماز کے وقت تک وہ نشہ باقی رہے اب آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ ظہر کے بعد عصر کی نماز جلدی آجاتی ہے تو اس حکم کے آجانے کے بعد شراب پینے کی گنجائش نہیں رہے گی، مغرب اور عشاء کا وقت جلدی آجاتا ہے تو مغرب کے بعد شراب پینے کی گنجائش نہیں رہی۔

اب اگر کوئی گنجائش رہی تو صرف یہ کہ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد پی لی جائے کیونکہ ظہر کا بہت دیر سے آتا ہے، اب باقی اوقات میں پابندی لگ گئی کہ ان اوقات کے اندر شراب نہ پیا کرو اس سے اس عادت میں کمی آجائے گی اور پھر اس کے بعد سورۃ مائدہ کے اندر حکم آئے گا کہ جس میں اس کو رجس قرار دیکر مطلقاً بچنے کا حکم دیدیا، تو یہ شراب نوشی جو کہ عرب کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اور نشے کی عادت بنی ہوئی تھی، اور طبعیت کے لئے ایک لازمی چیز بنی ہوئی تھی، اب اس کو اس طرح سے تدریجاً تدریجاً تو گویا کہ شراب کے سلسلے کی یہ دوسری آیت ہے مناسبت اس کی اس طرح سے واضح ہوگئی کہ چونکہ واقعہ ایسا پیش آیا کہ نماز پڑھی گئی تو جب نشے کی حالت میں پڑھی گئی تو اس میں خشوع وخضوع بھی نہیں ہوسکتا کلمات بھی زبان پر ایسے جاری ہوں

گے جس میں شرک والا مفہوم ہے، تو ''واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ'' اس کے یہ بات خلاف ہے جس کی بناء پر شراب کی ممانعت کردی گئی نماز سے روکنا مقصود نہیں اصل میں نشے سے روکنا مقصود ہے۔

''لاتقربوا الصلوۃ'' نماز کے قریب نہ جایا کرو اس حال میں کہ تم نشے میں ہو جب تک کہ تم جان نہ لو کہ تم کیا بول رہے ہو اتنی ہوش ہونی چاہیئے کہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ تمہیں معلوم ہوں کہ صحیح نکل رہے ہیں یا غلط نکل رہے ہیں، اب مدار چونکہ اس پر رکھا گیا ہے کہ نشے کی حالت میں پتہ نہیں چلتا کہ میرے منہ سے کیا نکل رہا ہے، غلط باتیں نکل سکتی ہیں ،کفریہ باتیں نکل سکتی ہیں شرکیہ کلمات نکل سکتے ہیں تو اب شراب نہ پی ہوئی ہو کوئی دوسرا نشہ کیا ہوا ہو جس سے انسان کی آواز ٹھیک نہیں ہے تو بھی مسئلہ یہی ہے نشہ نہیں پیا ہوا لیکن غشی کی کیفیت ہے یا جیسے فقہاء لکھتے ہیں، روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے نیند کا اتنا غلبہ ہو کہ انسان کا دماغ مستحضر نہیں ہے، حاضر نہیں ہے اس کو پتہ نہیں چل رہا کہ میں کیا بول رہا ہوں تو ایسے وقت میں بھی نماز پڑھنے کی اور دعا کرنے کی ممانعت ہے، روایات میں وجہ وہاں بھی یہی ذکر کی گئی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے خیال کے مطابق دعا کرتا ہے لیکن وہ کر بیٹھے اپنے لئے بددعا جس طرح سے دعائیہ کلمات میں بھی لا چھوٹ جائے تو مفہوم غلط ہو جائے گا لانہیں تھا آپ نے بڑھا دیا مفہوم غلط ہو جائے گا۔

مثلاً دعا کرتے ''اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اجتنابہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اتبعاعہ'' کہ لفظ ادل بدل ہونے میں کوئی پتہ نہیں چلتا انسان کو الٹا معاملہ ہو جائے کہ اے اللہ حق میں حق دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق دے، باطل ہمیں باطل دکھا اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے بالکل غلط ہو جائے گا، اب جیسے کوئی ''اللھم اغفرلی'' کی بجائے کہے ''اللھم اعفرلی'' غ کی بجائے ع پڑھ لیا تو مطلب یہ ہو جائے گا کہ اے اللہ مجھے مٹی میں ملا دے، مجھے ذلیل کردے، ایک نکتے کے بدلنے کے ساتھ کسی لفظ کے بڑھنے کے ساتھ کسی لفظ کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے کے ساتھ بددعا کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے، تو اگر اس طرح نیند کا غلبہ ہے انسان کو پتہ نہیں کہ میں منہ سے کیا نکال رہا ہوں ایسی صورت میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے اور دعا کرنے کی بھی ممانعت ہے شراب پی ہوئی ہو کوئی دوسرا نشہ کیا ہوا ہو، یا کسی وجہ سے دماغ حاضر نہیں ہے ایسے وقت میں نماز سے احتیاط کرنی چاہیئے، ''حتی تعلموا ماتقولون'' جب تک کہ تمہیں پتہ نہ چل جائے کہ تم کیا بول رہے ہو''ولا جنبا'' جنابت کا مسئلہ ساتھ ذکر کردیا، جس میں ایک شراب کی قباحت کی طرف اشارہ ہے کہ شراب کی حالت میں انسان نماز کے لائق نہیں جیسے جنبی نماز کے لائق نہیں اور آگے جا کے جیسے نجس قرار دیدیا جائے گا تو بالکل ہی مشابہت ہو جائے گی، نماز کے قریب نہ جایا کرو جنبی ہونے کی حالت میں، جنابت کی حالت بھی ایک ایسی حالت ہے، جس میں اللہ سے بعد ہوتا ہے اور شیطان کی طرف قرب ہوتا ہے یہ بھی حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس مکان کے اندر جنبی موجود ہو، سستی کی بناء پر غسل

نہیں کر رہا، تو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، جس طرح تصویر کی موجودگی میں نہیں آتے کتے کی موجودگی میں نہیں آتے، اسی طرح سے جنبی کا ذکر بھی ایک روایت میں ہے کہ جنبی کے قریب رحمت کے فرشتے نہیں آتے، جنبی ہونے کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جایا کرو جب تک کہ تم غسل نہ کرلو، جنابت سے غسل کرنا فرض ہے۔

"الاعابری سبیلی" مگر اس حال میں کہ تم راستہ عبور کر رہے ہو سفر کی حالت میں ہوتا اس کا حکم آگے ذکر کیا جا رہا ہے تو چونکہ سفر میں زیادہ مشکل پیش آتی ہے کیونکہ پانی نہیں ملتا تو بسا اوقات پانی موجود ہوتا ہے تو انسان اس کے استعمال کرنے پر قادر نہیں ہوتا سفر کے اندر، یا سردی بہت ہے اور سردی سے بچاؤ کے لئے انسان کے پاس سامان نہیں، یا ریل میں ہے پانی اگرچہ اردگرد نظر آ رہا ہے، اور ریل سے اتر کر انسان استعمال کرنے پر قادر نہیں جہاز کے سفر میں ہے ایسے حالات پیش آسکتے ہیں اور زیادہ پیش آتے ہیں سفر میں اس لئے اس حالت کو مستثنیٰ کر دیا یہ جو کہا جا رہا ہے کہ بغیر نہائے نماز کے قریب نہ جایا کرو جنبی ہونے کی حالت میں اس سے سفر کی حالت مستثنیٰ ہے اس کا حکم آگے واضح کیا جا رہا ہے۔"وان کنتم مرضیٰ" "اور اگر تم بیمار ہو بیماری سے ایسی بیماری مراد ہے کہ جس کے اندر پانی کا استعمال کرنا نقصان دیتا ہے ہر بیماری مراد نہیں ہے،"اوعلیٰ سفر" "یا تم سفر پر ہو۔

"اوجاء احد منکم من الغاء اولمستم النساء" یہ دونوں حالتیں عام ہیں یعنی تم بیمار بھی نہیں سفر پر بھی نہیں لیکن حالت ایسی پیش آگئی کہ تم پیشاب کر آئے یا ایسی حرکت کرلی جس کے بعد غسل فرض ہے اور پانی نہیں ملا، بیماری کی حالت ہو تو پانی کا نہ ملنا یہ ہے کہ پانی کے استعمال کرنے پر قدرت نہیں، سفر میں ہو لیکن پانی نہیں ملا، یا پانی ہے لیکن استعمال کرنے پر قدرت نہیں یا عام حالات میں بھی اگر تمہارا وضو ٹوٹ گیا، یا تمہارا غسل ٹوٹ گیا اور پھر تمہیں پانی نہیں مل رہا، پانی استعمال کرنے پر قادر نہیں ہو، چاہے اصطلاحاً تم مسافر بھی نہیں اور تمہیں اس قسم کی کوئی بیماری بھی نہیں لگی ہوئی جس میں پانی کا استعمال نقصان دیتا ہے عام حالات میں بھی یہ صورت پیش آسکتی ہے تو پھر تم ان سب صورتوں میں پاک مٹی کا قصد کرلیا کرو، اس زمین کا پانی پاک ہونا ضروری ہے جہاں سے طہارت حاصل کی جاتی ہے، قصد کرلیا کرو طہارت حاصل کرنے کے لئے جس کو اصطلاح فقہاء میں تیمّم ہی کہا جاتا ہے، اور یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی کو بھی ہمارے لئے طہارت کا ذریعہ بنا دیا، اور پھر طہارت حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے دونوں قسم کا تیمّم چاہے جنابت سے ہو چاہے حدث اصغر سے ہو طریقہ ایک ہی ہے۔

"فامسحوا بوجوھکم" "تم اپنے چہروں پر مسح کیا کرو یعنی پاک مٹی کے ذریعہ سے پاک مٹی پہ ہاتھ مارا اور پھر وہ اپنے چہرے کے اوپر پھیر لیا،"وایدیکم" "اور اپنے ہاتھوں کا مسح کیا کرو تو حدیث شریف میں جو تفصیل کی گئی ہے اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ تیمّم کرنے کے لئے دو ضربیں ضروری ہیں ایک دفعہ زمین پر ہاتھ ماریں اس کے ساتھ چہرے کا مسح کرلیں، دوسری دفعہ زمین پر ہاتھ مار کر بازوؤں کا مسح کرلیں، وہاں تک جہاں تک وضو میں دھوئے جاتے ہیں، یہ مرافق تک سارے یدین کہنیوں تک اور بغلوں تک ہاتھ نہیں پھیرنا، بلکہ اتنے حصے پر ہی جتنے حصہ میں وضو کے اندر پانی بہایا جاتا ہے، اتنے حصے پر مسح کرلیجئے اس سے طہارت حاصل ہوگی اور پانی تک قدرت ہونے تک اس طہارت کے ساتھ آپ عبادات کرسکتے ہیں"ان الله کان عفوا غفورا" بے شک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا ہے بخشنے والا ہے۔

یہاں احکام کا جو سلسلہ تھا وہ ختم ہوگیا، آگے کلام منتقل ہوگی انہی لوگوں کی طرف جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف سازشیں کرتے تھے اور اس اصطلاحی سکیم میں رکاوٹیں ڈالتے تھے اور مختلف طریقوں کے ساتھ مسلمانوں کے دلوں میں کفر کی طرف میلان پیدا کرتے تھے آگے ان کی نشاندہی کی جارہی ہے ان کی مذمت کی جارہی ہے تاکہ اہل ایمان ان سے متاثر نہ ہوں اور ان کو اپنا دینی اور دنیاوی دشمن سمجھیں،"الم ترالی الذین اوتوا نصیبامن الکتاب" کیا آپ نے دیکھا ان لوگوں کی طرف جو کتاب کا ایک حصہ دیے گئے اس سے مراد تورات ہے تورات کی بچی کھچی کافی آیات ان کے پاس موجود تھیں، کہ جن کو چاہتے تو ہدایت کا ذریعہ بنا سکتے تھے یا ان کو کتاب کے فہم کا ایک اچھا خاصہ حصہ ملا تھا جو اختیار کرتے ہیں گمراہی کو "ویریدون ان تضلوا السبیل" اور تمہارے متعلق بھی ان کا ارادہ یہ ہے کہ سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ، تو گویا کہ تمہارے دینی دشمن ہیں، خود یہ گمراہ ہیں اور تمہیں بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں، اور بظاہر تمہارے ساتھ دوستی کا اظہار کرتے ہیں ان پر اعتماد نہ کرنا اللہ تعالیٰ جو اظہار کررہا ہے کہ یہ تمہارے دشمن ہیں یہی بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو خوب جانتا ہے بمقابلہ تمہارے زیادہ جانتا ہے اس لئے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نشاندہی کردے کہ یہ تمہارا دشمن ہے اس کو دشمن ہی سمجھو ان کو اپنا خیرخواہ اور ہمدرد نہ سمجھو، اور پھر تم جب ان سے دشمنی کا اظہار کروگے تعلق توڑو گے تو پہلے سے جو تمہارے ان کے ساتھ تعلقات ہیں تمہاری ضروریات ہیں یہ تمہارے کام آتے ہیں وقت پر تم ان سے مدد لیتے ہو یہ خیال نہ کرنا کہ اگر ہم ان سے تعلق توڑلیں گے علیحدگی اختیار کرلیں گے پھر ہمارے کام رک جائیں گے، ہمیں کوئی نقصان پہنچے گا نہیں بلکہ اللہ پر اعتماد کرو اللہ تعالیٰ کافی ہے اور ولی ہے اور مددگار ہے، کارساز ہونے کے اعتبار سے بھی اللہ کافی ہے مددگار ہونے کے اعتبار سے بھی اللہ کافی ہے۔

ان یہودیوں کے ساتھ تعلقات کاٹنے کی صورت میں تمہیں زندگی میں کوئی مشکلات پیش نہیں آئیں گی، بسا اوقات یہ خیال آتا ہے کہ دیکھو ہماری کتنی ضروریات ان کے ساتھ متعلق ہیں وقت پر ان سے قرضے لیتے ہیں، وقت پر ان سے فلاں کام لیتے ہیں تو اگر ہم ان سے تعلقات کاٹ لیں گے تو ہمارے کام کیسے چلیں گے، دوسری قوموں کے ساتھ اس قسم کے روابط

دنیاوی مفاد کے تحت قائم کیئے ہوئے ہوتے ہیں، اس تعلق کو کاٹنے سے انسان سمجھتا ہے کہ اس کی زندگی میں مشکلات پیش آجائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ وہم بھی دماغ سے نکال دو۔

"من الذین ھادوایحرفون الکلم " یہودیوں میں سے بعضے لوگ ایسے ہیں جو باتوں کو ان کی جگہوں سے ہٹادیتے ہیں، کلمات کو ان کی جگہ سے ہٹادیتے ہیں کلاموں کے مفہوم بدل دیتے ہیں لفظ بھی تبدیل کر دیتے تھے اور مفہوم بھی بدل دیتے تھے اور آگے وہ ان کی کمینی خصلت جن کا ذکر کچھ آپ کے سامنے سورۃ بقرۃ میں آیا تھا "لاتقولوا راعنا" کے ذکر کے ساتھ کہ وہ حضور ﷺ کی مجلس میں آتے تو مجلس میں آکر باتیں کچھ اس قسم کی کرتے تھے جس میں ان کے کمینے جذبات ہوتے تھے اور وہ اس قسم کی باتیں کر کے ہبڑاس نکالتے، حضور ﷺ کی تحقیر کرتے دین میں طعنے دیتے تو لفظ ایسے بولتے جو ذواحتمالین ہوتے اور ان کا ارادہ ہوتا غلط کا اور مسلمان بسا اوقات سننے والے یہ سمجھ لیتے تے کہ صحیح مطلب کے ساتھ اس لفظ کو استعمال کر رہے ہیں جس وقت انسان کسی بڑے کے سامنے مجلس میں بیٹھا ہوتا ہے تو گفتگو کے اندر یہ بات آیا کرتی ہے کہ سامنے بیٹھنے والے اپنی زبان سے اس قسم کے لفظ بولتے ہیں جس سے بڑے کی بات کی ایک قدر عظمت احترام کا اظہار کا مقصود ہوتا ہے۔

مثلاً بڑے آدمی مجلس میں بیٹھا ہوا ایک بات کرتا ہے تو سننے والے کہتے ہیں کہ ہاں جی بالکل ٹھیک ہے صحیح فرمایا ہے بجاارشاد ہے اور یہ بات تسلیم کے قابل ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں، سر تسلیم خم، اور جب انسان متوجہ کرتا ہے اپنی طرف ہمارا لحاظ فرمائیے، ہماری رعایت کر لیجئے اس بات کو دوبارہ کہہ دیجئیے بات ہمیں سمجھ ہی نہیں آئی ذرہ دوبارہ سمجھا دیجئے، اور ایسے ہی بات سن کر دعائیہ کلمات ادا کرنے کی بھی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی دشمن کی بات نہ سنائے کوئی ایسی بات آپ کے کان میں نہ پڑے جو آپ کے لئے خطرناک ہو میں آپ سے ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں اللہ کرے وہ بات آپ کے لئے گوارہ ہو آپ کے لئے ناگواری کا باعث نہ بنے، یہ اس قسم کے لفظ گفتگو کے اندر آیا کرتے ہیں کہ جب انسان کسی بڑے کی بات سن رہا ہوتا ہے تو جواباً اس قسم کے لفظ بولتا ہے عرب میں بھی رواج تھا تو اصل رواج تو یہ تھا کہ سننے والا یوں کہے "سمعنا واطعنا" آپ کوئی بات ذکر کریں سننے والا کہے کہ ہاں جی ہم نے سن لیا مان لیا سر تسلیم خم ہے، جو آپ نے فرمایا بجا فرمایا یہ ہے نیاز مندی اور وہ یہود آتے آکے مجلس میں بیٹھے، اب دل میں تو چونکہ حضور ﷺ کی قدر ومنزلت ہوتی نہیں تھی، دل میں تو مخالفت تھی عداوت تھی اب مجلس میں جس وقت بیٹھے گفتگو سنتے تو ایسے انداز کے ساتھ وہ جو بھی کاروائی کرتے کہ بظاہر دیکھنے والے کو سمجھتا کہ شاید یہ آداب مجلس کے طور پر یہ لفظ ادا کر رہے ہیں۔

حالانکہ وہ اس کا مفہوم جو تھا وہ غلط لیتے تھے کہتے "سمعنا واطعنا" اور اطعنا کو وہ کچھ اس طریقے سے منہ کو موڑ کر

ادا کرتے کہ عصینا والا بن جاتا، یا دل میں تو استہزاء اور مذاق اڑاتے تھے لیکن ظاہری طور پر اپنا لب ولہجہ بدل لیتے کہ جس سے معلوم ہوتا کہ یہ بطور تحقیر کے ادا کر رہے ہیں یا اونچی آواز سے تو سمعنا کہتے تھے اور پھر آہستہ سے کہتے تھے کہ سن لیا عصینا مانیں گے نہیں، اس طرح سے مفہوم ادا کرتے یا اطعنا کی ادائیگی ایسے طور پر کرتے کہ اپنے نزدیک اس کو عصینا بنا دیتے تھے اگر کوئی سننے والا گرفت کرے تو وہ کہتے تھے کہ ہم نے عصینا نہیں کہا تو اطعنا کہہ رہے ہیں، کسی کی گرفت کی صورت میں یہ تاویل کرتے تھے اور یونہی جب حضور ﷺ کو خطاب کرنا پڑتا تو '' واسمع '' ہماری بات سنیے ''غیر مسمع '' اس حال میں کہ آپ سنائے ہوئے نہیں ہیں، اس کا صحیح مفہوم تو یہ تھا کہ آپ کے کان میں کوئی غیر مناسب بات نہ پڑے لیکن وہ اس سے ارادہ کر لیتے کہ بہرے ہو جائیں آپ، آپ کے کان میں کوئی بات نہ جائے، یا ایک مفہوم یہ بھی ادا کیا گیا ہے کہ '' واسمع '' وہ مجلس میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو کہتے جس طرح سے ہم کہا کرتے ہیں ایک آدمی بات کر رہا ہو اور دوسرا اپنے ساتھی کو متوجہ کر رہا ہو کہ سن کیسی پیاری بات کر رہا ہے، خیال کرو کتنا عجیب نکتہ بیان کیا ہے، ان سنی بات ھم نے آج سنی جو کبھی پہلے سننے میں نہیں آئی تھی ایسی پیاری بات بتائی یہ آپس میں ایک دوسرے کو خطاب کرتے ہیں بسا اوقات انسان تقریر میں بیٹھا ہو وعظ کی مجلس میں بیٹھا ہوا، درس کی مجلس میں بیٹھا ہوا ہے جب کوئی عجیب بات سنتا ہے پسندیدہ تو اس طرح سے بھی کہتا ہے تو وہ اس طرح سے کہتے '' واسمع غیر مسمع '' یعنی سنو ان سنی بات، اور ان کے دل میں کہ سن لو ایسی بات بھی کہیں سنی ہوگی آپ نے، آج سن رہے ہیں اور یہی بات بظاہر وہ کہتے توقیر کے لہجے سے لیکن دل میں استہزاء ہوتا کہ کیسی باتیں کر رہے ہیں کہ جو کبھی سننے میں نہیں آئیں اب لفظ جیسا ہی ہے لیکن مفہوم میں فرق پڑ گیا۔

اور ایسے وہ راعنا کہتے راعنا کا مطلب پہلے آپ کے سامنے گزر چکا کہ راع امر کا صیغہ ہے مراعات سے اور نا مفعول اور اگر یہ معنی لیا جائے تو اس کا معنی ہے ہماری رعایت کی جئے لیکن وہ ذرا سا زبان کو لچکا لیتے لچک پیدا کر لیتے تو راعنا کی بجائے راعینا بنا لیتے، ہمارا چرواہا، یا راعنا رعونت سے لیکر وہ معنی بے وقوف والا مراد لیتے، اور حضور ﷺ کے سامنے اس لفظ کو استعمال کرتے تو یہ بظاہر وہ لفظ استعمال کرتے تھے جو توقیر والا ہے مقصود تحقیر ہوتی تھی، کمزور آدمی بزدل آدمی کمینہ خصلت آدمی بسا اوقات اپنے دل کی بڑاس نکالنے کے لئے اس قسم کی شرارتوں کا سہارا لیا کرتا ہے کہ چاہے اس سے دوسرے کا بگڑتا کچھ نہیں لیکن انسان خوش ہو جاتا ہے اس قسم کی بات اپنی زبان سے نکال کر تو اسی کی نشاندہی کی جا رہی ہے کہ یہ کہتے ہیں '' سمعنا وعصینا '' اور اسے طرح سے کہتے تھے '' واسمع غیر مسمع '' اور '' راعنا '' کا لفظ کہتے ہیں، زبانوں کو موڑتے ہوئے اور دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے، طعنہ زنی اصل کے اعتبار سے تو پیغمبر پر ہے اور پیغمبر چونکہ مجسمہ دین ہوتا ہے اس لئے اللہ کے رسول پر کوئی کسی قسم کا نشتر چلانا طعنہ زنی کرنا یہ حقیقت کے اعتبار سے دین کا استہزاء ہے۔

روایات میں جس طرح سے تفصیل آتی ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں جس وقت وہ آتے تو ''السلام علیکم'' جوایک مجلسی لفظ ہے کہ آتے ہیں ''السلام علیکم'' کہو، اس میں دعا ہے کہ تم پہ سلامتی ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں ہر قسم کی عافیت اور مصیبت سے محفوظ رکھے، ہماری طرف سے آپ سلامتی میں رہیں، ہمارا ارادہ آپ کے متعلق سلامتی کا ہے اس قسم کا مفہوم ہے اس لفظ کا، لیکن حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب وہ آتے تو ''السلام علیکم'' کی بجائے لا کو دبا جاتے اور جلدی سے کہہ جاتے ''السام علیکم'' لام زبان پر نہ آتا، اور سام جو ہے یہ موت کو کہتے ہیں، السام علیکم یہ مفہوم ہو گیا بددعا کا کہ تم پر موت پڑے اس طرح سے وہ اپنے دل کا غبار نکالتے پھر باہر نکل کر بغلیں بجاتے کہ دیکھو ہم نے یوں کہا اور انہیں پتہ ہی نہیں چلا، اور اگر یہ اللہ کے پیغمبر ہوتے تو اس قسم کی باتوں پر ہم پر گرفت کیوں نہیں ہوتی۔

اٹھائیسویں پارے میں یہ بات آئے گی ''اذاجاؤک حیوک بمالم یحیک بہ اللہ ویقولون فی انفسھم لو لا یعذبنا اللہ بمانقول'' ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا، یوں پھر باہر نکل کر وہ اپنی ان باتوں کے اوپر خوش ہوتے تھے کہ ہم نے ایسی باتیں کرلیں اوران کو پتہ ہی چلا دیکھو یہ اگر اللہ کے رسول ہوتے تو ہم پر گرفت ہو جاتی تو یہ ان کے طریقے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''لوانھم قالوا'' اگر یہ صرف'' سمعنا'' کہتے اور صرف ''اطعنا'' کا لفظ استعمال کرتے اور صرف ''واسمع'' کہتے اور ''راعنا'' کی بجائے ''انظرنا'' کہہ لیتے، کیونکہ ''انظرنا'' کے اندر اس قسم کی خرابی کا اندیشہ نہیں جس قسم کی خرابی وہ لفظ ''راعنا'' میں پیدا کر لیتے تھے، مفہوم اس کا وہی ہے ''راعنا'' والا، کہ ہمارا خیال کیجئے ہم پر نظر کریں ہم پر شفقت فرمائیں یہ بات دوبارہ سمجھاویں دوبارہ کہہ دیں، اس قسم کے موقع پر ''انظر'' کا لفظ استعمال کرلیا جائے تو ''لکان خیرا لھم'' تو یہ بات ان کے لئے بہتر ہوتی اور زیادہ درست ہوتی، لیکن یہ لعنتی ہیں ان کے اوپر لعنت ہو چکی یہ پھٹکارے گئے اس لئے ان کو شرارتیں سوجھتی ہیں کبھی بھی سیدھا راستہ اختیار نہیں کرتے، ''ولکن لعنھم اللہ بکفرھم'' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر لعنت کی ان کے کفر کی وجہ سے ''فلایؤمنون الا قلیلا'' پس یہ نہیں مانیں گے مگر تھوڑے سے، ان کے اندر کچھ لوگ ہوں گے جن کے اندر ایمان کی صلاحیت ہے جو اس قسم کی شرارتوں سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے، باقی جتنے بھی ہیں جب ان پر لعنت ہو گی پھٹکار ہو گی تو ان کی طبعیت کا میلان شرارتوں کی طرف تو ہو گا بری باتوں کی طرف تو ہو گا صحیح بات کی طرف یہ نہیں آئیں گے یہ اللہ کی طرف سے لعنت کا اثر ہے ملعون ہونے کا اثر ہے۔

اے وہ لوگو جو کتاب دیئے گئے ایمان لے آؤ اس بات پر جو ہم نے اتاری اس حال میں کہ وہ مصداق بننے والی ہے اس کتاب کا جو تمہارے ساتھ ہے تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ مٹا دیں پھر ہم چہروں کو اور پھر لوٹا دیں ان کو ان کی گدیوں کی ہیئت پر، یا قبل اس کے ہم ان پر لعنت کریں جیسے ہم نے اصحاب

سبت پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے یہ وعید ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ کہیں اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا نہ کر دے اللہ نے تمہیں آنکھ کی نعمت دی ہے، ناک کی نعمت دی ہے کانوں کی نعمت دی ہے، نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ، صحیح بات دیکھو صحیح بات سنو صحیح بات سمجھو زبان سے صحیح الفاظ نکالو، اور اگر تم نعمتوں کی شکر گزاری نہیں کرتے تو تمہیں ڈرنا چاہیئے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ یہ نعمتیں واپس لے لے، اور تمہارے آنکھ ناک کان مٹا کر ایسے کر دے جس طرح پچھلا گدی کا حصہ ہے، یہ وعید ہے کہ انسان کو یہ احتمال ہونا چاہیئے کہ اللہ کہیں ایسا نہ بنا دے۔

اس کا وقوع دنیا کے اندر ضروری نہیں جس طرح سے سرورِ کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ ''اغتنم خمسا قبل خمس'' پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو، ''شباب قبل......'' اپنی جوانی کو غنیمت سمجھو بڑھاپے سے پہلے یعنی یہ احتمال ہے کہ جوانی کے بعد بڑھاپا آجائے گا جوانی کی قدر کر لو، لیکن ضروری نہیں کہ جوانی کے بعد بڑھاپا آئے آدمی تو پہلے بھی مر سکتا ہے، ''غناك قبل فقرك'' اپنے غناء کو غنیمت جانو فقر سے پہلے محتاج ہونے سے پہلے پہلے اپنی دولت سے فائدہ اٹھا لو یعنی ہر وقت تمہارے دل میں یہ احتمال ہونا چاہیئے کہ آج ہمارے پاس پیسے ہیں آج ہم نیکی کا کام کر لیں اچھا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو ہم محتاج ہو جائیں باقی یہ ضروری نہیں کہ غناء کے بعد فقر ضرور ہو گا، یہ احتمال کافی ہے کہ غناء کے بعد کہیں فقر نہ آجائے ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک آدمی مرنے تک بالکل غنی رہتا ہے اور فقر آتا ہی نہیں، لیکن احتمال ہر وقت ہے کہ اگر تمہارے پاس مال ہے تو تم اس سے فائدہ اٹھاؤ، اسی طرح سے اپنی صحت کو غنیمت جانو بیماری سے قبل ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آدمی تندرست رہتا ہے تندرستی میں مر جاتا ہے یک دم، بیمار ہوتا ہی نہیں، لیکن احتما ہر وقت رہتا ہے کہ آج صحت ہے ہو سکتا ہے کہ کل کو یہ صحت نہ رہے، اس لئے اس صحت سے فائدہ اٹھا لو، جیسے یہاں اس کو احتمال کے ذریعے سے محتاط کرنا مقصود ہے یہاں بھی یہی بات ہے کہ تمہیں ناک کان اللہ نے دیے ہیں، آنکھیں دی ہیں ان اعضاء سے فائدہ اٹھا لو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دی ہوئی نعمتیں واپس لے لے اور پھر تمہارے چہرے کا اگلا حصہ ایسا ہو جائے گا جیسے کہ پچھلا حصہ ہے گدی کی طرف ہو جائے گا یہ نعمتیں چھن جائیں گی ہم لعنت کریں گے باطنی مسخ آجائے گا جیسا کہ ہم اصحاب سبت پر لعنت کر چکے ہیں اور پھر وہ باطنی نسب پھر ظاہری نسب بھی بنا پھر بندر کی شکل ہو گی، ''کونوا قردۃ خاسئین'' ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری صورتیں ایسی مسخ کر دی جائیں جس طرح سے اصحاب سبت کی کر دی گئیں تھیں لعنت کا سبب اس صورت میں ظاہر ہوا تھا، تم پر بھی تو یہ ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں اللہ تعالیٰ جو حکم دے دے وہ ہو کر رہتا ہے۔

''ان اللہ لایغفر ان یشرك به'' یہ بھی انہی کے لئے وعید ہے کیونکہ وہ بھی شرک میں مبتلا ہو گئے تھے، اور مسلمانوں کے مقابلے میں مشرکین کی حمایت کرتے تھے مشرکین کی حمایت اس لئے بھی شرک کی شرط پائی جاتی ہے،

اب شرک کے اوپر وعید ہے بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے نہیں بخشے گا یعنی سزا دے کر بھی، سزا دیکر بھی نہیں بخشے گا اور اس شرک کے علاوہ جو کچھ ہے اللہ بخش دے گا جس کے لئے چاہے گا، چاہے بلا سزا چاہے سزا دے کر، اور سزا ہو جانے کے بعد اس کا بخشا جانا یقینی ہے اللہ کے وعدے کے تحت کہ ایک آدمی مؤمن دنیا سے گیا مشرک نہیں ہے اور اس نے بہت بڑے بڑے گناہ کئے ہوئے ہیں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر سزا کے معاف کردے اور اگر اللہ نے سزا دینے کا ارادہ کرلیا تو سزا کے بعد تو معاف ہونا یقینی بات ہے، آیات و روایات کے اندر یہ بات واضح کردی گئی تو جب بڑے بڑے گناہ سزا کے بعد یقیناً معاف ہو جائیں گے صرف شرک معاف نہیں ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ سزا کے بعد بھی معاف نہیں ہوگا، یہ ایسا جرم ہے جو سزا کے ساتھ بھی ختم نہیں ہوگا، اس کی سزا دائمی ہے شرک میں کفر بھی داخل ہے یعنی ہر وہ کیفیت جو ایمان کے منافی ہے اس کے اندر داخل ہوگی، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اس بات کو کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے اور بخش دے گا اس کے علاوہ جس کے لئے یہ چاہے گا یعنی بغیر سزا کے اور شرک نہیں بخشے گا سزا کے بعد بھی، ورنہ اگر کوئی مشرک نہیں اور مؤمن ہے اور اس کے ذمے کچھ گناہ ہیں وہاں دونوں باتیں ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ویسے ہی معاف کردے اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ سزا ہونے کے بعد معافی مل جائے سزا ہونے کے بعد معافی جو ہے وہ یقینی ہے مومن کے لئے، اور جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اس نے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کیا بہت بڑا گناہ کیا اس نے۔

کیا آپ نے دیکھا ان لوگوں کی طرف جو اپنی تعریف خود کرتے ہیں ''یزکون انفسھم'' اپنے آپ کو پاک صاف قرار دیتے ہیں یعنی ہیں یہ مشرک اور ہیں یہ بدباطن، خبیث، ملعون، اور اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم بڑے پاک صاف ہیں ہم جائیں گے ہی جنت میں جہنم میں ہمارا کیا کام، اپنے آپ کو بڑا پاک قرار دیتے ہیں تو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے مشرک کو کفر کو خباثت کو اختیار کرنے کے بعد بھی وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے محبوب ہیں تو ان چیزوں کو گویا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ مردود قرار نہیں دیتے بلکہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ قرار دیتے ہیں، یہی جھوٹ ہے جو مشرک ہونے کے بعد کہتے ہیں ہم بخشے جائیں گے یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں اپنی تعریف کرتے ہیں اپنے آپ کو پاک صاف قرار دیتے ہی، یہ ذہن تھا ان یہود کا ہر قسم کی خباثتوں میں مبتلاء ہونے کے باوجود کہتے تھے کہ ہم چونکہ بڑوں کی اولاد ہیں لہذا ہم جو کچھ بھی کرتے رہیں ہم تو بخشے بخشائے ہیں، ''سیغفرلنا'' جو کچھ بھی کیا جائے ہم تو بخشے جائیں گے گویا کہ اپنا تزکیہ کیا کرتے ہیں اپنے آپ کو پاک صاف قرار دیتے ہیں، مجرم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مجرم سمجھتے نہیں ہیں بلکہ سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے محبوب ہیں دیکھا ہے ان کی طرف جو اپنے آپ کو پاک قرار دیتے ہیں خود اپنے آپ کو پاک قرار دینے سے انسان پاک نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتے

ہیں پاک قرار دیتے ہیں اور یہ لوگ دھاگہ برابر بھی ظلم نہیں کئے جائیں گے ان کے کردار کی پوری پوری سزا ہوگی، کوئی کام کیا نہ ہو اس کی سزا دی جائے ایسا نہیں ہوگا، دیکھ کیسے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں یعنی ان حرکتوں کے باوجود اپنے آپ کو مغفور قرار دینا اپنے آپ کو پاک صاف قرار دینا جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ کفر اور شرک اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے دیکھ کیسا جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر" وکفیٰ بہ اثما مبینا" ان کی یہی بات صریح گناہ ہونے کے اعتبار سے کافی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ
وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ؕ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ
النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ۙ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ
فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ
سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا
نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ؗ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ

بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ
شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع

ترجمہ:

"الم ترالی الذین اوتوا نصیبامن الکتاب " کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جو دیئے گئے کتاب کا ایک حصہ جن کو کتاب میں سے ایک حصہ ملا "یؤمنون بالجبت والطاغوت " ایمان لاتے ہیں جبت کے ساتھ اور طاغوت کے ساتھ، جبت کا معنی عام طور پر مترجمین نے بتوں کے ساتھ کیا ہے ایمان لاتے ہیں بتوں کے ساتھ، اور طاغوت کا معنی سرکش شیطان جیسے طاغوت کا معنی کیا گیا "کل ما رودمن دون الله " جیسے سورۃ بقرہ میں ذکر کیا گیا تھا ایسے بالجبت کا معنی بھی "کل مارودمن دون الله " کے ساتھ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا جس چیز کی عبادت کی جائے وہ جبت اور طاغوت کا مصداق ہے اور جبت کا معنی جادو بھی کیا گیا ہے، اعمال کہانت رمل جفل اس قسم کی چیزیں تطیل جو عرب میں مروج تھیں اوہام پرستی کا مفہوم، تو جبت کا معنی ہو جائے گا بے حقیقت چیزیں، اوہام کا مجموعہ اوہام پرستوں پر ایمان لاتے ہیں، اعمال سیۂ پر ایمان لاتے ہیں، اور شیطان پر ایمان لاتے ہیں طاغوت کا مصداق شیطان، "ویقول اللذین کفروا "اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا "هولاء اهدی من الذین آمنواسبیلا " یہ لوگ زیادہ ھدایت یافتہ ہیں بمقابلہ ان لوگوں کے جو ایمان لے آئے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ازروئے راستے کے، "الذین آمنوا" کا مصداق سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے اور "الذین کفروا" کا مصداق مشرکین مکہ، کہتے کہ یہ مشرکین کے متعلق کہ یہ لوگ مؤمنین کے مقابلے میں زیادہ راحت پانے والے ہیں یہ مفہوم ہوا ان لفظوں کا، "اولئك الذین لعنهم الله " یہی لوگ ہیں کہ ان کے اوپر اللہ نے لعنت کی ہے، "ومن یلعن الله فلن تجد له نصیرا " اور جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ لعنت کردے تو اس کے لئے کوئی مددگار نہیں پائے گا، "ام لهم نصیب من الملك " کیا ان کے لئے سلطنت میں سے کوئی حصہ ہے "فاذا لا یوتون الناس نقیرا"

اگران کے لئے سلطنت میں کوئی حصہ ہوتا، فاذ اذاً اکے اوپر جوتنوین ہے یہ مضاف الیہ ہے حکم میں ہے، ”ان کا ن کذا ” اگرایسی بات ہوتی سلطنت میں سے ان کا کوئی حصہ ہوتا تو یہ نہ دیتے لوگوں کو کچھ بھی، نقیراً، نقیر کا معنی ہے کیا جاتا ہے، ”ان مقرہ فی ظھر بنات ” یہ کجھور کی گھٹلی جس کی پشت پر آپ دیکھتے ہیں کہ چھوٹا سا گرہ بنا ہوا ہوتا ہے جیسے داغ پڑا ہوا ہوتا ہے ایک پشت کی جانب ایک طرف تو لمبی سی لکیر ہوتی ہے دوسری جانب اگر آپ دیکھیں گے تو معمولی سا سوراخ ہوتا ہے، اس کو نقیر کہتے ہیں، تو شیٔ قلیل کی مثال دینی ہو تو جس طرح سے ہمارے ہاں تل برابر لفظ بول دیتے ہیں دھاگے کے برابر ذرہ برابر، تو یہ لفظ ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ تو یہ لوگوں کو کچھ بھی نہ دیتے ذرہ برابر چیز نہ دیتے ویسے مصداق جو ہے ”نقیراً“ کا وہ گڑھا ہے جو گھٹلی کی پشت پر ہوتا ہے۔

”ام یحسدون الناس “ یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں ”علی ما اٰتٰھم اللہ من فضلہ “اس چیز پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیدی، ”فقد اٰتینا ابراھیم الکتاب“ پس تحقیق ہم نے دیدی ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت ”واٰتیناھم ملکا عظیما “ اور انہیں بڑی سلطنت دیدی، ”فمنھم من اٰمن بہ“ ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس کے ساتھ ایمان لاتے ہیں، ”بہ“ کی ضمیر یہ کتاب حکمت کی طرف لوٹے گی ”المذکور“ کی تاویل سے ان میں سے بعض وہ ہے جو اس پر ایمان لاتے ”ومنھم من صدعنہ“ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس سے رکتے ہیں، صد صدوداً اگر مصدر ہو تو ”یصدون علیك صدودا“ قرآن کریم میں آئے گا پھر یہ لازمی کا مفہوم ادا کرتا ہے رکنا، آپ سے رکتے ہیں رکنا، صد صدوداً اگر ہو باب ”وھم یصدون عن سبیل اللہ“ اللہ کے راستے سے وہ روکتے ہیں تو یہاں یہ لازم ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس کے ساتھ ایمان لائے اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس سے رک گئے، ”وکفی بجھنم سعیرا“ بجہنم میں با زائدہ ہے جہنم کفیٰ کا فاعل ہے، وہ کافی ہے جہنم اررو ئے بھڑکنے والی آگ کے، ”ان الذین کفروا بایاتنا“ بے شک وہ لوگ جو ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں ”سوف نصلیھم نارا“ ہم ان کو عنقریب داخل کریں گے آگ میں ”کلما نضجت جلودھم “جب کبھی جل جائیں گی ان کی کھالیں ”بدلناھم جلودا غیرھا“ تو ہم ان کو بدل دیں گے ان کھالوں کے علاوہ اور کھالیں، ”لیذوقوا العذاب“ یہ لیذوقوا دوام کو بیان کرنے کے لئے ہے تا کہ چکھتے رہیں عذاب تا کہ عذاب کا مزا چکھتے رہیں کہ جلنے کے بعد بے حسی پیدا ہو جائے گی تو عذاب کا مزہ نہیں آئے گا تو ہم ان کی کھالیں تبدیل کرتے رہیں گے تازہ بتازہ یہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں، ”ان اللہ کا ن عزیزا حکیما“ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ”والذین اٰمنوا وعملوا الصالحات“ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں ”سندخلھم جنات تجری من تحتھا الانھار“ ضرور داخل کریں گے ہم انہیں باغات میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں ہمیشہ رہنے

والے ہوں گے ان باغات میں "لھم فیھا ازواج مطھرۃ" ان کے لئے ان باغات میں صاف ستھری بیویاں ہوں گی "وندخلھم ظلاظلیلا" اور ہم انہیں داخل کریں گے گھنے سائے میں ظل سایہ اور ظلیلا اس کی تاکید ہے، "ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامنت الی اھلھا" بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ادا کرو امانات اہل امانات کی طرف، امانات سے حقوق واجبہ مراد ہیں، جو بھی ذمے حق لگا ہوا ہو اس کو امانات کے ساتھ تعبیر کر دیا جاتا ہے، امانات کو ان کے اہل کی طرف ادا کرو، "واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل" اور اللہ تعالیٰ تمہیں یہ بھی حکم دیتا ہے کہ جب تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان تو فیصلہ کیا کرو عدل کے ساتھ برابری کے ساتھ، "ان اللہ نعما یعظکم بہ" نعما نعم ماشیء کے معنی میں ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جس چیز کے ساتھ تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ چیز بہت اچھی ہے وہ شیء جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے ، بے شک اللہ تعالیٰ جس چیز کے ساتھ تمہیں نصیحت کرتا ہے وہ چیز بڑی اچھی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے، "یایھا الذین آمنوا " اے ایمان والو "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول " اللہ کی اطاعت کرو اللہ کا کہنا مانو اور رسول کی اطاعت کرو رسول کا کہنا مانو، "واولی الامر منکم " اور اپنے میں سے اولی الامر کا کہنا مانو جو امر والے ہیں اور امر سے یہاں حکم مراد ہے جو حکموں والے ہیں جن کا تم پہ حکم چلتا ہے حاکم لوگ جو تمہارے اوپر حکومت کرتے ہیں تم پر اقتدار رکھتے ہیں ان کا کہنا مانو، "فان تنازعتم فی شیء" پھر اگر تمہارا آپس میں کسی معاملے پر جھگڑا ہو جائے، "فردوہ الی اللہ والرسول" پس رد کر دیا کرو اس بات کو اس شیء کو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، "ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر" اگر تم ایمان لاتے ہو اللہ پر اور پچھلے دن پر "ذلک خیر" یہ جو کچھ تمہیں کہا جا رہا ہے اللہ کی اطاعت اللہ کے رسول کی اطاعت اور اس کے پہلے امانات کا ادا کرنا، لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا، اور جھگڑے کے وقت اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف بات کو لوٹا دینا یہ بہتر ہے اور بہت اچھا ہے از روئے انجام کے، تاویل کا معنی ہوتا ہے کہ کسی بات کو اس کے انجام کی طرف لوٹا دینا ، یعنی یہ بات اپنے انجام کے اعتبار سے بہت اچھی ہے۔

تفسیر :

پچھلے رکوع میں احکام کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد کلام منتقل ہوگئی تھی اہل کتاب یہودیوں کی طرف "الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب" یہاں سے یہودیون کا تذکرہ شروع ہوا تھا کہ ان لوگوں کو اللہ نے کتاب کا حصہ دیا ہے، کتاب کا فہم کچھ انہیں حاصل ہے، بچی کچھی کتاب لیکن ھدایت کافی ان کے حصے میں آئی یہ گمراہی کو اختیار کرتے ہیں، ہدایت کو اختیار نہیں کرتے نہ صرف یہ کہ خود گمراہ ہیں بلکہ تم کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں، اس سے نشاندہی کی گئی تھی ان دشمنوں کی

جو دینی اعتبار سے مسلمانوں کے دشمن تھے اور دنیاوی طور پر بھی نقصان پہنچانا چاہتے تھے وہی سلسلہ کلام آگے چلا آرہا ہے، پچھلے رکوع کی آخری آیتوں میں بھی انہی کی کرتوتیں مذکور تھیں، خاص طور پر شرک کی مذمت تھی کہ یہود جو کہ حامل کتاب ہیں اور ہر کتاب کی جان ہے عقیدہ توحید بلکہ ہر دین کی بنیاد جو ہے وہ عقیدہ توحید پر ہے جو شخص اس عقیدے کو محفوظ رکھتا ہے وہ اپنے دین کی کسی نہ کسی درجے میں حفاظت کر لیتا ہے، چاہے اس سے دیگر احکام کی کتنی مخالفت کیوں نہ ہو جائے، گویا کہ دین کا اصل اس کے پاس محفوظ ہوتا ہے جس کی بنیاد پہ آخرت میں اس کی مغفرت ہو جائے گی، اور دیگر گناہ اللہ تعالیٰ سزا دے کر سزا معاف کر دیں گے، لیکن جو شخص اس دین کی جڑ کو ہی کاٹ دے اور اس عقیدہ توحید کو محفوظ نہ رکھے بلکہ شرک میں مبتلاء ہو جائے اس نے اپنے دین کی جڑ کاٹ دی اب اگر ظاہری طور پر وہ کچھ نیکیاں کرے بھی تو وہ نیکیاں بے حقیقت ہیں، ان نیکیوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، تو شرک کی مذمت کی تھی کیونکہ یہود جو ہیں وہ بھی شرک میں مبتلاء ہو گئے تھے، اور پھر شرک میں مبتلاء ہونے کے باوجود وہ لوگ اپنی زبان سے اپنی تعریفیں کرتے رہتے تھے، اور یوں سمجھتے تھے کہ ہم چونکہ بزرگوں کی اولاد ہیں، اللہ کے مقبولین کی اولاد ہیں لہذا ہم تو پاک ہی پاک ہیں صاف ہی صاف ہیں جیسے بھی ہیں ہم بخشے جائیں گے، ان کی اس بات کی مذمت کی گئی اور ان کو کہا گیا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے ہیں مشرک اللہ کا محبوب نہیں ہو سکتا، اور کوئی شخص بھی اپنے نسب اور نسل کے اعتبار سے بخشا نہیں جا سکتا اگر اس کے پلے میں توحید نہیں ہے۔

اگلی آیات اسی مضمون سے متعلق ہیں ان کا شان نزول یہ ذکر کیا گیا ہے کہ غزوہ احد کے بعد یہود میں سے حیی ابن اقطب یہ غالباً بنو نضیر سے تعلق رکھتا ہے اور کعب بن اشرف یہ بنو قریظہ سے تعلق رکھتا ہے، یہ دونوں مکہ معظّمہ گئے مشرکین کے پاس تاکہ مسلمانوں کے خلاف کوئی متحد محاذ قائم کر لیا جائے مشرکین کے پاس جا کر انہوں نے ان کو بہکایا اکسایا اب چونکہ انہیں ساتھ ملانا تھا سیاسی اغراض سامنے تھیں اور جس وقت سیاسی اغراض سامنے ہوتی ہیں تو برے سے برا آدمی بھی اچھا لگتا ہے، اور جو اپنے سیاسی مفاد کے مطابق نہ ہو اچھے سے اچھا آدمی بھی ہو تو برا لگنے لگ جاتا ہے، اب یہ جو اہل کتاب تھے یہ توحید کے مدعی تھے، آخرت کے قائل تھے، اور اپنی زبان سے شرک کی مذمت کرتے تھے کہ شرک جائز نہیں ہے، اب چاہیئے تو یہ تھا کہ حق کا اظہار کرتے، جہاں کوئی عقیدے کی بات آئی تو مشرکین کی حمایت نہ کرتے بلکہ مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کو اچھا کہتے لیکن یہاں مشرکوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے مکہ معظّمہ میں جا کر انہوں نے مشرکین کی تعریف کی، اور کہا کہ تمہارا طریقہ بڑا اچھا ہے ان لوگوں کے مقابلہ میں جو اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کرتے ہیں۔

بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کو خوش کرنے کے لئے انہوں نے ان کے بتوں کو سجدے بھی کئے، تاکہ ظاہر کر دیا جائے کہ ہم آپ کی طرف قریب ہیں اور مسلمانوں کی مخالفت پر مشرکوں کو بہکایا جائے، بھڑکایا جائے تو اس قسم

کے شرک کا ارتکاب کیا ان لوگوں کی ضد میں آ کے اس لئے پہلے اللہ تعالیٰ نے شرک کی مذمت کی اور آگے یہ نشاندہی کی کہ دیکھو ہیں کتاب کے حامل کتاب ان کو ملی ہوئی ہے، لیکن حال ان کا یہ ہے کہ بتوں پر اور شیطانوں پہ ایمان لاتے ہیں اب اگر یہ حامل کتاب ہیں، کتاب ان کے پاس موجود ہے تو کیا فائدہ اس کتاب کا جس وقت تک کتاب کے درجات تک عقیدہ نہ رکھا جائے اور اس کے مطابق عمل نہ کیا جائے، اس وقت تک اس کتاب کا کیا فائدہ، اس لئے جو عمل وہدایت کی وارث ان کے پاس چلی آ رہی ہے انہوں نے وہ ضائع کر دی اس لئے جبت وطاغوت کا معنی ہو گیا کہ بتوں پر ایمان لاتے ہیں، شیطان پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ جو بت پرستی ہے وہ سب شیطان کی طرف منسوب ہے آگے بھی اس کی وضاحت ہو گی یہ تو خاص واقعہ کے متعلق ہو گئیں یہ آیات کہ انہوں نے ایسا کیا تھا، اور مشرکوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ ہدایت یافتہ قرار دیا تھا باوجود اہل کتاب ہونے کے اور اس کے علاوہ آپ کے سامنے پہلے پارے میں گزرا تھا کہ یہود میں جادو کا چرچا بھی بہت ہو گیا تھا، یہ پہلے پارے میں آیا تھا ''واتبعوا ماتتلوا الشیاطین علی ملك سلیمن وماکفر سلیمن الخ'' ان آیات کے اندر ذکر کیا گیا تھا کہ یہودی کتاب اللہ کو چھوڑ کر جادو کے پیچھے ٹونے ٹوٹکوں کے پیچھے بدشگوفیوں کے پیچھے اس قسم کی اوہام پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

اور جادو جو شخص بھی کرے گا اور جادو میں مہارت پیدا کرنا چاہے گا تو اس کو ارواح خبیثہ کے ساتھ مناسبت کرنی پڑتی ہے جنات کے ساتھ اور ارواح خبیثہ کے ساتھ تو جس میں وہ شرکیہ اعمال ان کے نام وظیفے پڑھنا ان کے نام کے چڑھاوے دینا اور ایسے طریقے اختیار کرنا گندے جن کے ساتھ ارواح خبیثہ کے ساتھ مناسبت پیدا ہو، تو ان کے ٹونے ٹوٹکوں کے اندر یہ اثرات پیدا ہوتے ہیں تو سحر کی یہ خاصیت ہے چونکہ اس میں زیادہ تر تعلق خبیث جنوں کے ساتھ ہوتا ہے تو خبیث حرکتیں کرنی پڑتی ہیں، تو باوجود اس بات کے کہ یہ کتاب کے حامل تھے لیکن یہ کتاب کے متبع نہ رہے، بلکہ ان کی ساری کی ساری توجہ جو تھی وہ اس جادو کی طرف ٹونے ٹوٹکوں کی طرف بدشگونی کی طرف ستارہ شناسی کی طرف اس قسم کی اوہام پرستی میں مبتلا ہو گئے اور اس اوہام پرستی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ان کا تعلق جو تھا وہ طاغوت کے ساتھ ہو گیا شیطان کے ساتھ ہو گیا اگر اس طرح سے اس کا مطلب بیان کیا جائے گا تو اس خاص واقعہ سے یہ بات متعلق نہیں رہتی بلکہ یہودیوں کے عمومی کردار کی نشاندہی ہے کہ کتاب پر تو یہ عامل نہ رہے اور نہ اس کے متبع رہے، بلکہ اس قسم کی خبیث حرکتوں میں مبتلا ہو گئے، اور ارواح خبیثہ کے ساتھ مناسبت پیدا کرنے کے لئے شرکیہ اعمال میں مبتلاء ہو گئے تو ان کو جو دین الٰہی کا حامل بنایا گیا تھا کتاب اللہ کا امین ان کو بنایا گیا تھا اس قابل ہی نہیں رہے کہ یہ امانت ان کے پاس رہے اس لئے یہ امانت ان سے منتقل جا رہی ہے بنو اسماعیل کی طرف، اور جب ان کے کرتوتوں کی بناء پر اس امانت کو ان سے چھین

لیا گیا اور ان کو ہر دینی عزت سے محروم کر دیا گیا اب مسلمانوں کے ساتھ یہ ضد رکھتے ہیں اور مشرکوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ان کی مخالفت کرتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو یہ فضل کیوں حاصل ہو رہا ہے یہ علم وحکمت کی امانت ان کی طرف کیوں منتقل ہو رہی ہے اس حسد کی بناء پر پھر یہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔

تو اس جماعت کا جو عمومی کردار تھا ان آیات کے اندر وہ دکھایا جا رہا ہے، کیا دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جو کتاب کا ایک حصہ دیے گئے ایمان لاتے ہیں جبت پر، جبت سے مراد بت ہے یا جبت سے مراد ہیں امور وہمیہ جن کے پیچھے وہ لگے ہوئے تھے، جس کے اندر جادو بھی داخل ہے اور کہانت بدشگونی یہ ساری چیزیں داخل ہیں جو اس قوم کے اندر رواج پکڑ گئی تھیں، اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں شیطان کی پوجا کرتے ہیں، شیطان پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ جادو وغیرہ ٹونے ٹوٹکے جب یہ کیے جاتے ہیں تو بھی شیطان سے استعانت حاصل ہوتی ہے، ارواح خبیثہ سے استعانت ہوتی ہے اس لئے جادو کفر ہے، ''وما کفر سلیمن ولکن الشیاطین کفروا'' کے اندر یہ بات ذکر کی گئی تھی جس میں غیر اللہ سے استعانت کی جاتی ہے تو اس اعتبار سے بھی ان کا طاغوت پر ایمان ہے اور مشرکوں کے سامنے انہوں نے جب بت کے ساتھ عقیدت ظاہر کی بتوں کو سجدہ کیا یا بت کے ساتھ عقیدت ظاہر کی تو یہ بھی در پردہ شیطان پر ایمان ہے اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا اس کا مصداق مشرکین مکہ ہیں کہ یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ''ھؤلاء اھدیٰ'' یہ لوگ زیادہ ہدایت پانے والے ہیں راستے کی بمقابلہ ان لوگوں کے جو ایمان لائے ''الذین آمنوا'' کا مصداق حضور ﷺ کی جماعت ہے اور مشرکین کو جا کر کہتے ہیں کہ مؤمنین کے مقابلے میں یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔

"اؤلئک الذین لعنھم اللہ" یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اللہ نے پھٹکار کی یہ ملعوں لوگ ہیں مردود دھتکارے ہوئے کہ اللہ کی کتاب ان کے ہاتھ میں ہے، لیکن ہمدردیاں مشرکوں کے ساتھ ہیں توحید کے مدعی ہیں اور تعریف مشرکوں کی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتاب کے درجات کو چھوڑ کر جادو کے پیچھے پڑتے ہیں، تو یہ لوگ ملعون ہیں اللہ کی لعنت کا اثر یہ ہے کہ اب ان کو بات صحیح سمجھ نہیں آرہی، لعنت کا مفہوم ہوتا ہے رحمت سے دور کر دینا، جس وقت اللہ کسی پر لعنت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور اللہ کی رحمت یہی ہے جو انسان کے لئے خیر اور سعادت کا ذریعہ بنتی ہے، جب اس کو خیر وسعادت سے محروم کر دیا گیا، شقاوت اور سوائے نار جہنم کے اس کے پلے کیا رہ جائے گا، اور جب کوئی انسان کسی دوسری پر لعنت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی بددعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت محروم کر دے، اور جب کسی کے متعلق یوں کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ملعون ہے تو گویا کہ ہم اپنی طرف سے فیصلہ کرتے ہیں کہ فلانا شخص اللہ کی رحمت سے دور ہٹا دیا گیا۔

اور اس لفظ کی حقیقت کی طرف دیکھتے ہوئے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کسی کے اوپر لعنت کرنا کتنی بڑی ذمہ داری ہے اللہ کی رحمت کا کوئی انسان ٹھیکے دار نہیں ہے اس بات کو ذرا اچھی طرح سے سمجھ لیجئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو شخص تھے ایک بڑا زاہد پرہیز گار صوفی نیک آدمی تھیا اپنے خیال میں اور ایک تھا بیچارہ ایک عامی سا آدمی جس وقت اس سے کوئی غلطی ہوتی تو یہ نیک آدمی جو تھا زاہد صوفی یہ اس کو ملامت کرتا جب ملامت کرتا تو گناہ گار آگے سے کہتا، بھائی میں گناہ گار ہوں غلطی ہوگئی ایک دفعہ اس شخص کو کوئی گناہ کرتے ہوئے دیکھ لیا جس کو اس صوفی نے بہت بڑا جانا کہ یہ تو اس نے بہت بڑا گناہ کیا ہے اور لگا پھر ملامت کرنے ملامت کرتے ہوئے اس کے منہ سے یہ بات نکل گئی کہ اللہ کی قسم اللہ تجھے جنت میں داخل نہیں کرے گا یا اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے گا نہیں، جب یہ بات اس کے منہ سے نکل گئی کیونکہ یہ ایک فاخرانہ بات تھی جس میں در پردہ اپنے اچھے ہونے کا دعویٰ تھا، تو دل میں وہی تکبر کے جذبات آگئے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ کون ہے یہ شخص جو میرے بارے میں قسمیں کھاتا ہے، دونوں کی روح قبض ہوئی دونوں مرے اللہ کے ہاں پیش ہوئے اس گناہ گار کو اللہ نے کہا کہ چل میں تجھے اپنی رحمت سے معاف کیا اور اس کو کہا کہ تجھے کس نے اجازت دی تھی میری رحمت پر پابندی لگانے کی کہ میں اس پر رحم نہیں کروں گا میں اس کو بخشوں گا نہیں، کس نے اجازت دی تھی تجھے تو جو قسمیں کھاتا تھا اللہ تجھے بخشے گا نہیں، حکم دیا فرشتوں کو کہ اس کو گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے، یہ حضور ﷺ نے واقعہ بیان فرمایا دو اسرائیلیوں کا تو جس میں یہ بات ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اللہ کی رحمت کس پر ہے کس پر نہیں ہے، اللہ کس کو بخشے گا کس کو نہیں بخشے گا، یہ فیصلہ کرنا کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

اس لئے شرعی حکم یہ ہے کہ لعنت کسی کے اوپر متعین طور پر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کا قطعی کافر ہونا معلوم ہو اور قطعی طور پر پتہ ہو کہ کفر پر اس کی موت آئی ہے، جیسے ابولہب ہو گیا ابوجہل ہو گیا، اس قسم کے مشرک کہ جن کی موت اگر کفر پر یقینی ہے قطعی ہے ان کے متعلق تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ملعون ہیں اور جن کی موت کفر پر یقینی نہیں قطعی نہیں گناہ گار قسم کے تھے وہاں متعین کر کے کسی کو ملعون قرار نہیں دیا جا سکتا، اور کسی پر لعنت نہیں کی جا سکتی، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس وقت کوئی شخص کسی دوسرے پر لعنت کرتا ہے اگر وہ شخص اس لعنے کے قابل ہو تو وہ لعنت اس پر جا پڑے گی اور اگر وہ شخص اس قابل نہ ہوا تو لوٹ کر یہی ملعون ہو جائے گا، لعنت کرنے والا یہ خود اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائے گا، اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن جو ہوتے ہیں صدیق جو ہوتے ہیں وہ لعنتیں نہیں کیا کرتے، اور فرمایا کہ جو شخص کثرت کے ساتھ ایک دوسرے پر لعنتیں کرتے ہیں یہ بخشے بھی گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو مقام شفاعت پر نہیں لائے گا، یہ کسی سفارش کرنے کے حق دار نہیں ہوں گے، ان کو اس شرف سے محروم کر دیا جائے گا۔

اور ایک دفعہ عورتوں کو ترغیب دیتے ہوئے صدقے کی حضور ﷺ نے فرمایا ''اریتکن اکثر اھل النار'' عورتوں سے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ جہنمیوں میں زیادہ تر عورتیں ہوں گی عورتیں جہنم میں کثرت سے جائیں گی، تو عورتوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ کس وجہ سے سے عورتیں جہنم میں جائیں گی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اندر دو خرابیاں ایسی ہیں، ایک تو تم لعنت بہت کثرت سے کرتی ہو، زبان کے اوپر لعنت کے لفظ چڑھے ہوئے ہیں، آپ نے دیکھا ہو گا کہ جس وقت یہ لعنت کرتی ہیں تو پھر وہ ایک نہیں کرتی، ان کی زبان کے اوپر لفظ لاکھ لعنت یعنی ایک ہی لفظ میں لاکھ، یہ لاکھ لعنت یہ تو عام زبانوں پر چڑھا ہوا ہوتا ہے، پھٹے منہ لاکھ لعنت یہ تکیہ کلام ہے ان کا۔

(نوٹ) سورۃ النساء کی آیت نمبر ۵۲ اولئک الذین لعنھم اللہ سے لے کر آیت نمبر ۶۵ ویسلموا تسلیما تک تشریح نہیں ہے۔ آگے لکھا جا رہا ہے،

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا
مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۗ وَلَوْ اَنَّهُمْ
فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ ۙ
وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ ۙ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا
مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ
وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ۭ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ
اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ ۧ

((((اس کا بھی ترجمہ نہیں ہے))))

تفسیر:

جیسا حکم اللہ کی طرف سے آجائے اس کو تسلیم کرنا ہی نسان کو دین اور ایمان کے اوپر ثابت رکھنے کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہوتا ہے کہ احکام کی جتنی اتباع کرو گے اتنا ہی ایمان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مضبوطی ہوتی چلی جاتی ہے، یہی بات آگے کہی جارہی ہے کہ اگر ہم اس پہ لکھ دیتے ان پر لکھ دیتے یہ ضمیر عام ہے مؤمنین منافقین سب کی طرف لوٹتی ہے کہ قتل کرو تم اپنے نفسوں کو یا اپنے لوگوں کو یا نکل جاؤ تم اپنے گھروں سے، تو نہ کرتے ان میں سے یہ کام مگر تھوڑے سے، اگر یہ کام کرتے جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور زیادہ سخت ہوتا ان کے قدم جمانے کے لئے، دین کے اندر ان کے قدم زیادہ جمتے، اگر یہ لوگ اس پر عمل کریں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو وصیت کی جاتی ہے تب اذاً کی ترمیم جو ہے یہ عوض مضاف الیہ ہے کہ جب یہ نصیحت کئے ہوئے امر پر پابندی کرتے تب ہم انہیں اپنے پاس سے اجر عظیم دیتے اور انہیں سیدھے راستے پر چلاتے، اور ان کو سیدھے جنت کے راستے پر چلاتے اور ان کو جنت میں پہنچادیتے، اگر یہ ایسا کریں تو ان کو سیدھا راستہ نصیب ہوجائے گا اور ہماری طرف سے اجر عظیم بھی مل جائے گا۔

آگے بشارت ہے اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لئے جو کوئی اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرے یہاں اطاعت میں وہی درجات نکلیں گے ایک درجہ اطاعت کا تو وہ ہے جس کے بغیر انسان مؤمن نہیں ہوتا، اور ایک درجہ اطاعت کا وہ ہے کہ جس کے بغیر انسان مؤمن صالح نہیں بنتا، بلکہ فاسق ہوتا ہے، تو جیسے جیسے درجات ہوں گے اطاعت میں ویسے ویسے آگے بشارت ہوگی، اللہ اور اللہ کے رسول کی جو شخص اطاعت کرے گا تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، منعم علیہم کی رفاقت نصیب ہوگی، ان لوگوں کو جو اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، منعم علیہم میں کون لوگ شامل ہیں پہلے درجے پر تو انبیاء علیہم السلام یہ منعم علیہم ہیں اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ دنیا اور آخرت میں انبیاء علیہم السلام کی رفاقت نصیب ہوجائے تو اس کا طریقہ بھی اطاعت ہے، اللہ کے احکام کی اطاعت کرو اللہ کے رسول کے احکام کی اطاعت کرو جتنی تمہارے بس میں ہے اسی درجے کے مطابق نبیوں کی رفاقت نصیب ہوجائے گی جنت میں ان کے ساتھ رہنا نصیب ہوجائے، جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوال کیا کہ یارسول اللہ! مجھے آپ سے بہت محبت ہے، اور یہاں دنیا میں رہتے ہوئے میں کبھی آپ کو نہ دیکھوں تو مجھے بے چینی ہوتی ہیاب یہ سوچ کریں پریشان ہورہا ہوں کہ دنیا میں تو ہم آپ کی زیارت کرلیتے ہیں مل لیتے ہیں لیکن آخرت میں آپ تو ہوں گے انبیاء علیہم السلام کے درجات میں اور ہم پتہ نہیں کہاں ہوں گے اور وہاں پھر آپ سے ملاقات کی کوئی صورت نہیں ہوگی تو پھر اس بے چینی کا کیا علاج ہوگا آپ کی زیارت

کیے بغیر تو ہمارا گزر راہ مشکل ہے یہ اس نے سوال کیا۔
تو سرور کائنات ﷺ نے جواب دیا کہ "المرء مع من احب" انسان اسی کے ساتھ ہی ہوگا جس کے ساتھ اس کو محبت ہے، حضرت انس فرماتے ہیں کہ اس روایت کے سننے کے بعد مسلمانوں کو جتنی خوشی ہوئی ایمان حاصل ہو جانے کے بعد شاید کسی دوسری بات پر نہ ہوئی ہو کیونکہ اس وقت جو مؤمن موجود تھے ان کو سب سے زیادہ محبت تھی اللہ کے ساتھ اور سمجھتے ہیں کہ محبت کے نتیجے میں رفاقت نصیب ہو جائے گی، اور ایک روایت میں خود حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول آتا ہے کہ یہ روایت ہمارے لئے یہ حضور ﷺ کا فرمان ہمارے لئے بڑی بشارت ہے کہ مجھے سب سے زیادہ محبت ہے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان دونوں کا اضافہ بھی کیا، میں امید کرتا ہوں کہ آخرت میں مجھے ان کی رفاقت نصیب ہوگی، اور ایک روایت میں اس قسم کا مضمون بھی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے وہ کہتا ہے کہ جی تیاری تو کوئی نہیں کی بس اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے آپ ﷺ نے اس کے جواب میں بھی یہی فرمایا "انت مع من احببت" تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تجھے محبت ہے، جس کے ساتھ محبت ہے تو اسی کے ساتھ ہوگا، گویا کہ قیامت کی تیاری کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت یہ بھی بہت بڑا سرمایہ ہے۔

اور محبت کا معیار یہی ہے کہ جو محبّ ہوا کرتا ہے تو حتی الوسعی محبوب کی اطاعت کرتا ہے لیکن یہاں اطاعت کا یہ مطلب نہیں کہ پورے پورے احکام فرض واجبات مستحبات اور دیگر اولیٰ کام سب کی پابندی کرو تو محبت کا معیار پورا ہوگا، اور اسی طرح سے مکروہات غیر اولیٰ کام سب سے بچو تو محبت کا معیار پورا ہوگا اگر یہ شرط ٹھہرا لی جائے تو پھر ایسا کرنے والا انسان خود صالحین میں صدیقین میں شہداء میں شامل ہو گیا اور یہاں جو رفاقت ذکر کی جارہی ہے رفاقت کا مطلب یہ ہے کہ عمل اگر اس درجے کا نہ بھی ہو تو بھی اللہ تعالیٰ اس اطاعت کی برکت سے اطاعت نصیب کر دیں گے، مطلب یہاں پر یہ ہے کہ حتی الوسع احکام کو ماننے اور اطاعت سے روگردانی نہ کرے، پھر عمل کے اندر اس معیار پر نہ بھی ہوا تو بھی اللہ تعالیٰ محبت کے صدقے محبت والے عمل کے صدقے اس عملی کوتاہی کو پورا کر دیں گے جو عام طور پر عوام الناس میں ہو جایا کرتی ہے، وہ عوام الناس جو علماء اور صلحاء کے درجے کے نہیں ہوتے محبت کی برکت سے ان کو رفاقت نصیب ہو جائے گی چنانچہ یہ مضمون بھی صراحتاً حدیث شریف میں ہے کہ حضور ﷺ سے ایک آدمی پوچھا کہ یا رسول اللہ ایک آدمی کسی قوم سے محبت رکھتا ہے، "ولم یلحق بھم" لیکن ان کے ساتھ لاحق نہیں ہے یعنی عمل کے اعتبار سے ان جیسا نہیں ہے محبت تو آپ نے وہاں بھی یہی جواب دیا کہ "المرء مع من احب" کہ انسان اسی کے ساتھ ہی ہوگا جس کے ساتھ محبت ہے تو مطلب یہ ہو کہ محبت عملی کوتاہی کی تلافی

کردیتی ہے، بشرطیکہ انسان عام طور پر اطاعت کو اختیار کیئے ہوئے ہو اور فسق و فجور کے اندر زیادہ مشغول نہ ہو تو پھر اس درجے کا نہ بھی ہو جس کو صلحاء یا اولیاء کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے تو محبت رکھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کی رفاقت دیدیں گے تو انبیاء علیہم السلام کی رفاقت رکھنے کا یہی طریقہ ہے۔

ایک اور روایت بھی ہے کہ ایک صحابی حضور ﷺ کے ساتھ تھے کسی سفر میں غالباً کعب ان کا نام ہے مشکوۃ شریف میں ان کی روایت گزری رات کو حضور ﷺ عبادت کے لئے اٹھے تہجد کے لئے تو اس نے سامان جو ہوتا ہے وضو کا لوٹا پانی مسواک اس قسم کی چیزیں پیش کیں، تو رسول اللہ ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو، سوال کرو کیا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں جنت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ اور وہ کہنے لگا نہیں جی بس جنت میں آپ کی مرافقت چاہتا ہوں فرمایا کہ بہت اچھا میری مدد کرنا تو اپنے کثرت سجود کے ساتھ، یعنی میں بھی کوشش کرنا اور تو بھی اس سلسلے میں میری اعانت کرنا، اعانت اس طرح سے کہ سجدے اللہ کو کثرت سے کیا کرو، یعنی نماز کثرت سے پڑھا کرنا، نوافل کثرت سے پڑھا کرنا تو رفاقت کا ذریعہ بنایا گیا، تو محبت اور اطاعت تقریباً تقریباً دونوں لازم ہیں کہ جب کسی کے ساتھ محبت ہو جایا کرتی ہے پھر انسان دل کے ساتھ اس کو تسلیم کیا کرتا ہے اور کوشش کرتا ہے اپنے محبوب کو خوش آنے کی اور احکام کے مطابق چلنے کی تو پہلا درجہ تو منعم علیہم کا نبیین ہیں اور دوسرا درجہ صدیقین کا ہے، صدیق زیادہ سچا آدمی قول و فعل کا سچا، یہ اعلیٰ درجہ کے مؤمنین ہوئے شہداء تیسرے نمبر پر آگئے جو کہ امن کے ساتھ اپنی ایمان کی شہادت دیتے ہیں اور اپنی جان قربان کر کے اپنے عقائد کی صحت کی شہادت دیتے ہیں، گویا کہ اللہ اور اللہ کے رسول پر ان کا ایمان ہے اپنی جان قربان کر کے اس کی تصدیق کر دیتے ہیں جان قربان کرنے والے شہداء اور صالحین کا مصداق ہے اولیاء اللہ جن کو کہہ دیا جاتا ہے عام دیندار نیک قسم کے لوگ صالحین کا مصداق یہ لوگ ہو جائیں گے۔

لیکن درجے جو چار ذکر کیئے گئے ہیں تو نبی سب سے اخص ہے، اور صالحین سب سے عام ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ اخص کے اوپر عام صادق آیا کرتا ہے لیکن عام کے فرد کے اوپر خاص صادق نہیں آیا کرتا، منطق میں جس طرح آپ تفصیل پڑھا کرتے ہیں کہ انسان اخص ہے اور حیوان عام ہے تو ''کل انسان حیوان'' یہ تو ٹھیک ہے ہر انسان کے اوپر حیوان صاق آتا ہے لیکن حیوان کے ہر فرد کے اوپر انسان صادق نہیں آتا، اسی طرح سے نبی اخص ہے اور صدیق اس سے عام ہے نبی جو بھی ہوگا وہ صدیق ہوتا ہے ''صدیقا نبیا'' قرآن کریم کے اندر کئی جگہ پر آپ نے پڑھا تو ہر نبی صدیق ہے لیکن ہر صدیق نبی نہیں ہوتا، اور شہداء جو ہیں یہ صدیق سے عام ہیں کہ صدیق جو ہے وہ شہید ہو سکتا ہے ''کل صدیق شهید'' کہہ سکتے ہیں بایں معنی کہ اپنے عمل کے ساتھ اپنے قول کے ساتھ اپنی مالی جانی قربانی کے ساتھ وہ اپنے عقائد کی صحت پر گواہی دیتا ہے اللہ کے دین

کے اوپر گواہی دیتا ہے جس کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ میدان میں جان قربان ہو جائے ،لیکن ہر شہید جو ہے وہ صدیق نہیں ہوتا ، اور اسی طرح سے یہ شہید جو ہے وہ صالح ہوگا اس کے لئے صالح علیہ السلام صادق آئے گا ،لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر صالح جو ہے وہ شہید ہو تو صالحین سب سے عام ہے تو جس وقت صالحین کا عنوان اختیار کر لیا جائے تو اس کے ضمن میں نبی بھی آجاتے ہیں صدیق بھی آجاتے ہیں شہداء بھی آجاتے ہیں۔

تو جس کا مطلب یہ ہو گیا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو تو تمہیں صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی ، اولیاء اللہ کے ساتھ رہنا نصیب ہوگا اور اولیاء اللہ کے افراد میں یہ سارے شامل ہیں تو یہ بہت بڑا انعام ہے اللہ تعالیٰ کی طرف اولیاء اللہ کی رفاقت دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ، دنیا میں بھی کسی کو ایسا ماحول حاصل ہو جائے ان لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نصیب ہو جائے ان کے ساتھ رہنا سہنا نصیب ہو جائے دنیا میں بھی بہت بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ کی کیونکہ اسی معیت اور اسی رفاقت کے ساتھ انسان میں نیکی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں صحبت کے اثر کے ساتھ انسان میں بھی صالحیت آتی ہے ، اور اگر کوئی شخص فساق اور فجار کے مجمع میں رہنے لگ جائے اور اس کے رفقاء جو دنیا کی زندگی کے اندر ہیں فاسق فاجر قسم کے آدمی ہوں تو اگر دل کے اندر ایمانی حس موجود ہے تو انسان اس ماحول کو اپنے لئے جہنم سمجھتا ہے ، زندگی کے اندر پریشانی کی بات ہوتی ہے ، دنیا کے اندر بھی انسان اطمینان کی زندگی نہیں گزار سکتا ، اگر اس کو صالحین کا ماحول نہیں ملا تو بلکہ وہ فساق فجار کے ماحول میں پھنسا ہوا ہے اور اس طرح آخرت کا ماحول صالحین کا یہ تو پھر کیا ہی کہنا ، اور آخرت میں جا کر انسان فساق فجار کے ساتھ شامل کر دیا جائے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی بدبختی نہیں ہے۔

یاد ہوگا آپ حضرات کو کہ سورت فاتحہ کی تفسیر کے اندر یہ بات ذکر کی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں دعا تلقین کی ہے وہ یہ ہے "اھدنا الصراط المستقیم" اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا "صراط الذین انعمت علیھم" راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے انعام کیا ، تو گویا کہ منعم علیہم کا راستہ یہ صراط مستقیم ہے ، اور اس کے اوپر چلنے کی بھی دعا تلقین کی گئی کہ تم یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں منعم علیہم کے راستے پر چلائے ، اور منعم علیہم وہ لوگ ہوتے جو نہ تو مغضوب ہوتے ہیں اور نہ ضالین ہوتے ہیں ، ان دونوں لفظوں کا مفہوم بھی آپ کے سامنے ذکر کیا گیا تھا ، کہ ضالین کا مطلب تو یہ ہے کہ جہالت کی وجہ سے بھٹکتے پھریں ، اور مغضوب کا مطلب یہ ہے کہ جاننے کے باوجود بدعملی میں مبتلا ہوں ، تو منعم علیہم وہ لوگ ہوئے کہ جن کو علم صحیح حاصل ہے اور ان کا علم صحیح کے مطابق عمل ہے وہ ہوں گے منعم علیہم ، تو علم صحیح والے عمل صحیح والے اس کا اعلیٰ درجہ نبی دوسرا درجہ صدیق تیسرا درجہ شہداء چوتھا درجہ صالحین ، اور عام مفہوم لے لیا جائے تو صالحین سب پر صادق آ گیا تو جس سے معلوم یہ ہو گیا کہ صالحین وہ لوگ ہوا کرتے ہیں اولیاء اللہ وہ لوگ ہوا کرتے ہیں کہ جن کو علم صحیح حاصل ہوتا ہے قرآن اور حدیث کو وہ صحیح سمجھتے

ہیں اور پھر سمجھنے کے ساتھ اس کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں، اور ان دونوں باتوں کو جوڑنے کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر تم صراط مستقیم پہچاننا چاہتے ہو تو صراط مستقیم یہی صالحین کا راستہ ہے۔

ہمیشہ اولیاء اللہ کے حالات کو دیکھنے کے بعد وہ لوگ جن کو عام طور پر مقبولین کہا جاتا اہل اثر اہل علم نے ان کے ہم زمانہ اہل علم نے ان کے اچھے ہونے کی شہادت دی ہو اور وہ امت کے اندر مقبولین شمار ہوئے آئے ہوں، ان لوگوں کا راستہ ہی صحیح معنوں میں صراط مستقیم ہے اس لئے ان کے احوال دیکھنے کے بعد ان کے اقوال دیکھنے کے بعد جو طرز عمل ان کا سمجھ میں آئے تو صراط مستقیم کا مصداق وہی ہے ان اولیاء اللہ کے طریقوں کے خلاف کوئی اگر تمہیں طریقہ سمجھاتا ہے چاہے اپنے طور پر وہ کتنے ہی قوی دلائل کیوں نہ رکھتا ہو لیکن وہ طریقہ اختیار کرنے کے قابل اس نکتے کو ذہن میں بٹھالو، زندگی کے اندر یہ کام آنے والی بات ہے، منہم کے اندر انسانی غلطی کر سکتا ہے، دلائل میں الجھ کر انسان کسی صحیح بات کو غلط سمجھ سکتا ہے، غلط بات کو صحیح سمجھ سکتا ہے لیکن اگر آپ اس راستے کے اوپر چلنا چاہتے ہیں جو راستہ اللہ تک پہنچاتا ہے جس کو صراط مستقیم کہتے ہیں تو یہاں اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلو، جس راستے پر آپ کو یہ مقبولین چلتے ہوئے نظر آئیں آنکھیں بند کر کے اس راستے پر چلتے چلے جاؤ، اولیاء اللہ کے طریق کو اپناؤ ان کی طرز زندگی اختیار کرو یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول طریقہ ہے اور یہی صراط مستقیم ہے، جو انسان جو جنت تک پہنچاتا ہے، تو صالحین کی رفاقت اور اولیاء اللہ کی دوستی اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا دنیا میں بھی اور آخرت میں اس چیز کا حاصل ہو جانا بہت بڑی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔

جیسے آگے ذکر کیا جا رہا ہے ''وحسن اولئك رفيقا'' رفیق ہونے کے اعتبار سے بڑے اچھے لوگ ہیں اور ان کی رفاقت کا نصیب ہو جانا یہ اللہ کا فضل ہے اللہ کے فضل سے یہ چیز حاصل ہوتی ہے اللہ کا فضل جس وقت آپ مانگیں اللہ تعالیٰ سے جس وقت طلب کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا فضل نصیب کرے تو یہ بات بھی ہے کہ خود نیکی کی توفیق دے اور نیکوں کی رفاقت نصیب فرمائے، ''وكفىٰ بالله عليما'' اللہ تعالیٰ جاننے والا کافی ہے یعنی کسی کی کوئی بات مخفی نہیں جس درجے کی اطاعت ہوگی اسی درجے کا اللہ تعالیٰ اجر دے گا اسی درجے کا صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا
جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ

مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ
مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ
يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾
وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ
الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا
مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ
وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ
فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع

ترجمہ:

"یاایھاالذین آمنوا خذواحذرکم" اے ایمان والو! اپنی احتیاط اختیار کرو، حذر بچاؤ اور اسی طرح سے یہ اس سامان پر بھی بولا جاتا ہے جو انسان کے لئے بچاؤ کا ذریعہ بنتا ہے صبر ڈھال زرہ وغیرہ جس کو انسان اپنے بچاؤ کے لئے استعمال کرتا ہے پھر مطلقاً اس کا اطلاق اسلحہ جنگ پر بھی ہو جاتا ہے، اس لئے حذر کا مفہوم لفظ ہتھیار کے ساتھ بھی واضح کیا جاسکتا ہے اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حذر کا ترجمہ ہتھیار کے ساتھ ہی کیا ہے، اے ایمان والو! اپنے ہتھیار اختیار کرو اور یہ حاصل مفہوم ہے جو میں نے اپنے لفظوں میں ادا کیا کہ اپنی احتیاط اختیار کرو جس میں یہ بات بھی آگئی کہ دشمن تمہیں نقصان نہ پہنچانے پائے اور اس میں یہ بات بھی آگئی کہ دشمن تمہیں نقصان نہ پہنچانے پائے اور اس میں یہ بات بھی آسکتی ہے کہ ہر وقت اس طرح مسلح ہو کر دشمن پر غلبہ پانے کا کوئی موقع تمہارے ہاتھ نہ چھوٹے، "فانفروا ثبات اونفروا جمیعا" ثبات یہ ثبت کی

جمع ہے ثبت کہتے ہیں جماعت کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چھوٹی چھوٹی جماعتیں،''فانفروا ''بس کوچ کیا کرو چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی صورت میں یا کوچ کیا کرو سارے اکٹھے،''وان منکم لمن لیبطئن ''بطأ تاخیر کرنا سست پڑ جانا یہ اس کا لازم مفہوم ہے اور سست کر دینا یہ متعدی مفہوم ہے یہ لفظ لازمی اور متعدی دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے جیسے حدیث شریف میں جملہ آتا ہے،''من بطأبه عمله ''جس کو اس کا عمل سستی میں ڈال دے یا پیچھے ہٹا دے اس کا نسب اس کو تیز نہیں چلا سکتا،نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا بے شک تم میں سے البتہ وہ شخص ہے جو سستی کرتا ہے تاخیر کرتا ہے پیچھے ہٹتا ہے ڈھیلا پڑ جاتا ہے ،''فان اصابتکم مصیبة'' پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے''قال ''تو یہی پیچھے ہٹنے والا شخص کہتا ہے''قد انعم الله علی ''تحقیق اللہ نے میرے اوپر انعام کیا،''اذ لم اکن معهم شهیدا ''جب کہ میں ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں حاضر نہیں تھا شہید کے معنی حاضر،''ولئن اصابکم فضل من الله ''اور اگر تمہیں اللہ کا فضل پہنچ جاتا ہے،اللہ کی طرف سے فضل پہنچ جاتا ہے یعنی تم فتح یا غنیمت حاصل کر لیتے ہو''لیقولن '' البتہ ضرور کہے گا یہ شخص ،''کان لم تکن بینکم وبینه مودةیلیتنی'' یلیتنی ''اور اس کے بعد الفاظ یہ ہیں قال کا مقولہ البتہ ضرور کہے گا وہ شخص کہے گا کہ کاش''کنت معهم ''میں ان کے ساتھ ہوتا''فافوز فوزاعظیماً'' پھر میں کامیاب ہو جاتا بڑا کامیاب ہو جانا حاصل کرتا میں بڑی کامیابی ، یہ بات وہ کہنے لگا''کان لم تکن بینکم وبینه مودة'' یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی وہ ایسے طور پر کہے گا گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان میں کوئی محبت کا تعلق ہی نہیں جیسے اجنبیت ہوتی ہے،اس کے درمیان اور تمہارے درمیان محبت نہیں ہے ایسے طور پر وہ کہے گا کہ کاش میں ان کے ساتھ ہوتا پھر میں بھی بہت بڑی کامیابی حاصل کر لیتا۔

"فلیقاتل فی سبیل الله الذین یشرون الحیوة الدنیا" یہاں مفسرین نے ترکیب دو طرح سے کی ہے'' الذین یشرون الحیوة الدنیابالآخرة '' یہ فلیقاتل کا فاعل ہے یا مفعول،اگر ہم اس کو فلیقاتل کا فاعل بنائیں تو پھر یشرون کا ترجمہ بیچنے کے ساتھ کرنا ہے،''شری یشری '' خریدنے کے معنی میں بھی آتا ہے بیچنے کے معنی میں بھی آتا ہے سورت یوسف میں آپ یہ لفظ پڑھیں گے''وشروه بثمن بخس دراهم معدودة و کانوا فیه من الزاهدین ''بیچ دیا ان بھائیوں نے اس یوسف کو گھٹیا پونجی کے بدلے میں جو چند درہم تھے ان کو یوسف میں کوئی رغبت نہیں تھی،ان کے نزدیک یوسف کوئی قیمتی سامان نہیں تھا،اس کی طرف سے بے رغبت تھے،اس لئے گھٹیا پونجی کے بدلہ میں بیچ دیا یہاں شریٰ بیچنے کے معنی میں ہے ،اور اسی طرح سے شریٰ یشری یہ خریدنے کے معنی میں بھی آتا ہے،''من یشری نفسه '' جو اپنے نفس کو خریدتا ہے،تو پھر جب بیچنے کے معنی میں ہوا تو ترجمہ پھر یوں ہوگا ، چاہیے کہ قتال کریں اللہ کے راستہ میں چاہیے کہ لڑیں اللہ کے راستے میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دنیاوی زندگی کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتے ہیں ،آخرت کو اختیار کرتے ہیں انہیں چاہیئے کہ اللہ کے راستے

میں قتال کریں اس ترجمہ میں ”الذین یشرون الحیوۃ الدنیا“ یہ فلیقاتل کا فاعل بن گیا۔
اور اگر اس کو مفعول بنایا جائے تو پھر یشرون کا ترجمہ خریدنے کے ساتھ کرنا ہے، اور ”فلیقاتل“ کی ضمیر لوٹے گی پچھلے شخص کی طرف جو کہتا تھا ”یلیتنی کنت معھم“ اس شخص کو چاہیئے جو آخرت کی کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے جو فوز عظیم چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ اللہ راستے میں لڑے ان لوگوں کے ساتھ جو کہ خریدتے ہیں دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے جو خریدتے ہیں دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے یہ ہوئے کافر ان کافروں کے ساتھ قتال کرنا چاہیئے اس شخص کو جو کہ فوز عظیم کی تمنا رکھتا ہے، کامیاب ہونے کی جو تمنا کرتا ہے جو کہتا ہے ”یلیتنی کنت معھم فافوزفوزاعظیما“ اسے چاہیئے کہ ان لوگوں کے ساتھ اللہ کے راستے میں لڑے جو دنیاوی زندگی کو اختیار کرتے ہیں آخرت کے بدلے، یعنی کافروں کے ساتھ فاعل بنا کر ترجمہ کیا ہے حضرت شیخ نے اور مفعول بنا کر ترجمہ کیا ہے حضرت تھانوی نے، ”ومن یقاتل فی سبیل اللہ“ اور جو کوئی شخص قتال کرے اللہ کے راستے میں ”فیقتل“ پھر وہ مقتول ہو جائے ”اویغلب“ یا غالب آجائے ”فسوف نؤتیہ اجراً عظیما“ بس عنقریب ہم اسے دیں گے اجر عظیم، ”ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ“ تمہیں کیا ہو گیا تمہیں کیا عذر ہے کہ تم لڑائی نہیں کرتے اللہ کے راستے میں ”والمستضعفین من الرجال“ والمستضعفین کا عطف ہے سبیل اللہ پر یہ بھی فی کا مجرور ہے، اور مستضعفین کا مضاف محذوف نکال لیا جائے، ”وفی خلاص مستضعفین“ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم لڑائی نہیں کرتے اللہ کے راستے میں اور کمزور لوگوں کو چھڑانے کی خاطر اور وہ کمزور لوگ مرد ہیں عورتیں ہیں بچے ہیں، یہ من بیانیہ ہے، مستضعفین مردوں میں سے اور عورتوں میں سے اور بچوں میں سے یعنی مستضعفین جو مرد بھی ہیں عورتیں بھی ہیں بچے بھی ہیں ان کے چھوڑنے کے لئے لڑائی کیوں نہیں کرتے ان کی خلاصی کے لئے اللہ کے راستے میں کیوں نہیں لڑتے ان کی خاطر یہ مفہوم بھی کر سکتے ہیں اللہ کے راستے میں مستضعفین کی خاطر اپنی زبان میں اس مفہوم کو اس لفظ کے ساتھ بھی ادا کیا جا سکتا ہے ، ایسے مستضعفین جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار نکال ہمیں اس بستی سے ”ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا“ نکال ہمیں اس بستی سے کیونکہ اس کے رہنے والے ظالم ہیں، جس بستی کے رہنے والے ظالم ہیں پس اس سے ہمیں نکال دے ، ”واجعل لنامن لدنک ولیا“ اور بنا دے ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی حمایتی، ”واجعل لنامن لدنک نصیرا“ اور بنا دے ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار ”الذین آمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ“ جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ اللہ کے راستے میں لڑائی کرتے ہیں، ”والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت“ اور جو لوگ کافر ہیں وہ شیطان کے راستے میں لڑائی کرتے ہیں ”فقاتلوا اولیاء الشیطان“ قاتلوا کا خطاب آ گیا ”الذین آمنوا“ کو ”اولیاء الشیطان“ کے مقابلے میں، اولیاء اللہ کہلانے کے حقدار ہیں جیسے کہ قرآن کریم میں ہی ان ایمان والوں کو حزب اللہ کے ساتھ تعبیر کیا

اور دوسروں کو حزب الشیطان کے ساتھ تعبیر کیا، کہ ایک شیطان کا گروہ ہے ایک اللہ کا گروہ ہے تو یہاں اولیاء الشیطان کافر ہیں اور ان کے مقابلے میں "الذین آمنوا" یہ اولیاء رحمٰن ہیں اے اللہ کے دوستو لڑائی لڑو شیطان کے دوستوں کے ساتھ اے ایمان والو! اے اللہ کے ولی اللہ کے اولیاء اور لیاء رحمٰن لڑائی لڑو شیطان کے دوستوں کے ساتھ، "ان کید الشیطان کان ضعیفا" بے شک شیطان کا مکر شیطان کی تدبیر کمزور ہوتی ہے۔

تفسیر:

مختلف قسم کے احکام چلے آرہے ہیں اور اس رکوع میں خصوصیت کے ساتھ جہاد کا تذکرہ ہے مدینہ منورہ میں اللہ تعالیٰ نے جس وقت سرور کائنات ﷺ کو اور آپ پر ایمان لانے والوں کو جہاد کی اجازت دی تو سرور کائنات ﷺ نے جہاد کی کاروائیاں شروع کیں اور یہ جہاد جو ہے لڑائی اس کے دو انداز ہیں، ایک انداز ہے کہ بڑی فوج لیکر جائے بھرپور فوج لشکر جرار جسے کہتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں باقاعدہ صف بندی کر کے میدان میں لڑائی لڑی جائے ایک تو یہ ہے جنگ اور ایک یہ ہے کہ جس کو آج کل گوریلا کاروائی کہتے ہیں، چھاپہ مار جنگ اس چھاپہ مار جنگ میں یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے سامنے بالمقابل ہو کر صف بندی کر کے تو مقابلہ نہیں ہوتا بلکہ چھپ چھپا کر موقع پا کر دشمن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے جس کو عربی کے اندر تبییت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، رات کو چھاپہ مارنا اور انگریزی میں اس کے لئے گوریلا وار لفظ استعمال ہوتا ہے، گوریلا جنگ یعنی چھاپہ مار جنگ کہ مجاہد ایک ایک دو دو چار چار کر کے چھاپے مارتے ہیں اور جہاں کوئی موقع آئے نقصان پہنچانے کا تو اس دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر حملہ کر دیا اور نقصان پہنچا دیا، اور یہ دونوں قسم کی جنگیں اسلام کے اندر جائز ہیں، اور سرور کائنات ﷺ نے دونوں طریقے اختیار فرمائے ہیں۔

آپ سیرت کی کتابیں پڑھیں گے تو ان کے اندر یہ بات آئے گی کہ حضور ﷺ چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعتوں کو تیس تیس آدمی چالیس چالیس آدمی پچاس پچاس آدمی بھی مختلف اطراف میں بھیجے ہیں جنہوں نے جا کر کافروں کو نقصان پہنچایا، ان کے تجارتی قافلوں کے راستے روکے اور اسی طرح سے موقع محل پا کر کافروں کو نقصان پہنچایا، تو یہ چھاپہ مار جنگ تھی جس کو سرایا کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں حضور ﷺ بھیجا کرتے تھے اور بڑی جماعت کی شکل میں بھی آپ ﷺ تشریف لے گئے بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ بھی، دشمنوں کے ساتھ اس طرح بھی مقابلہ کیا جس طرح کھلے میدانوں میں ہوتی ہے، بدر میں ایسا ہوا، احد میں ایسا ہوا، احزاب میں ایسا ہوا، مکہ میں ایسا ہوا فتح مکہ کے موقع پر حنین میں ایسا ہوا غزوہ تبوک میں اسی طرح سے ہوا کہ بڑے بڑے لشکروں کے ساتھ حضور ﷺ خود تشریف لے گئے

تو یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی بات سمجھائی جارہی ہے کہ اے ایمان والو اپنے احتیاط اختیار کرو غافل نہ ہوؤ، جب دشمن کے ساتھ ٹکراؤ ہو جائے تو پھر غافل نہیں ہونا چاہیئے کہ دشمن تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھالے اور تمہیں نقصان پہنچائے ہر وقت چوکنے رہو محتاط رہو، جس میں یہ بھی آگیا کہ جنگ کی تدبیر سے غافل نہ ہوؤ، اوراس میں یہ بھی آگیا کہ اپنے بچاؤ کا سامان بھی اختیار کر کے رکھو، خود ہوگئی یہ سر کے اوپر جو لوہے کی ٹوپی پہنی جاتی ہے ڈھال ہوگی جس کے ساتھ دوسرے کا وار روکا جاتا ہے ،ذرہ ہوگئی جو سینے کے اوپر پہن لیتے ہیں، اس قسم کی چیزیں اختیار کرنا یہ بھی اخذ حذر ہے۔

اور ایسے ہی اپنے آپ کو مضبوط کر کے رکھنا قوت جمع کر کے رکھنا ہتھیار جمع کر کے رکھنا تاکہ دشمن کے اوپر رعب رہے اوران کو پتہ ہو کہ قوم بڑی مسلح ہے اوران کے پاس اتنی قوت ہے کہ اگر ہم نے ان کو چھیڑا تو ان کا پنجا کمزور پنجا نہیں ہے، آہنی پنجا ہے کہ اگر ہم نے ان کے ساتھ پنجا ڈالا تو یہ ہمارا بازو مروڑ دیں گے، اسی طرح سے دشمن کے اوپر رعب ڈال کر رکھنا یہ بھی ایک احتیاطی پہلو ہے، اگر اپنی کمزوری دشمن کے سامنے نمایاں ہو تو دشمن کے سامنے نمایاں ہو تو دشمن دلیر ہو جاتا ہے اس کے حوصلے بڑھتے ہیں اور اگر اپنا زور جنگ نمایاں کر کے رکھا جائے تو دشمن کے اوپر رعب پڑھتا ہے اوراس سے بھی انسان بچتا ہے یہ بھی ایک بچاؤ کی تدبیر ہے، تو ''خذوا حذرکم ''میں ساری باتیں آگئیں کہ اپنی احتیاط اختیار کرو اپنا بچاؤ اختیار کرو اپنے تحفظ کی تدبیر سے غافل نہ ہوؤ، آگے تمہیں دونوں طرح سے اجازت ہے اگر موقع محل ہو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کی شکل میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں کسی طرف جانے کا تو اس کی بھی اجازت ہے،''فانفروا ثبات'' چھوٹی چھوٹی جماعتوں کی شکل میں جاؤ''اونفروا جمیعا'' پھر جب کوئی موقع ہو اکٹھے جانے کا تو پھر سارے اکٹھے جاؤ لشکر کی شکل میں جاؤ، یہ دونوں باتوں کی اجازت دیدی گئی امام وقت جس طرح مصلحت سمجھے اس طرح سے کفر کے مقابلہ میں جہاد کے لئے مسلمانوں کو روانہ کر سکتا ہے، اعلان کر کے باقاعدہ لشکروں کی شکل میں بالمقابل ہو کر ایک دوسرے سے لڑنے کا موقع ہو تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے اعلان کر کے باقاعدہ لشکروں کی شکل میں بالمقابل ہو کر ایک دوسرے سے لڑنے کا موقع ہو تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔

جس وقت یہ جہاد کا حکم آگیا، اور یہ حکم آیا تھا مدینہ منورہ میں تو ہر شخص کا مزاج ایک جیسا نہیں ہوتا بعض کے دل کمزور ہوتے ہیں اور بعضوں کے قوی ہوتے ہیں، بعضوں میں اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہوتا ہے، اور بعضوں میں اخلاص کی کمی ہوتی ہے اور مدینہ منورہ میں واقعہ کے مطابق بعض منافق بھی تھے جو صرف اپنے مفاد کو پیش نظر رکھتے تھے اوران کو جماعتی مصلحت مذہبی فائدہ اسلام کی بالادستی اس قسم کی چیزوں سے کوئی غرض نہیں تھی، اور آپ کے سامنے تفصیل آئے گی خاص طور پر سورت براءت میں کہ وہ لوگ جہاد سے جان چھڑانے کی کوشش کس طرح سے کرتے تھے، اس کی پوری تفصیل آپ کے سامنے سورت براءت کے اندر آئے گی ،اللہ تعالیٰ یہاں بھی اشارہ فرماتے ہیں اور نسبت ہے تمام مؤمنین کی طرف جماعتی حیثیت

سے کیونکہ جب کسی جماعت کے اندر ایک دو فرد بھی ایسے ہوں تو ان کی تعیین کرنے کی بجائے یوں بھی کہا جاتا ہے کہ تم میں بعضے لوگ ایسے بھی ہیں ایسے بھی ہیں تو جن کے اندر یہ بیماری ہوگی خود ہی سمجھ جائیں گے کہ یہ ہماری نشاندہی کی جارہی ہے کہ نسبت جماعت کی طرف ہوگی، تمہاری جماعت میں ایسے لوگ ہیں ایسے نہیں ہونے چاہئیں تھے یہ اچھے لوگ نہیں ہیں ان کے ایسے جذبات ہیں تو جب یوں تبصرہ کیا جائے گا تو جس کے اس طرح کے جذبات ہوں گے اس کو اپنا دل کا چور خود ہی معلوم ہوگا اور وہ سمجھ جائے گا کہ یہاں تو میرا تذکرہ ہو رہا ہے اور ویسے کلیۃً ساری جماعت محتاط ہو جائے گی، کہ ہمارے اندر ایسے لوگ بھی ہیں جو خود غرض قسم کے ہیں اپنے مفاد کو سامنے رکھتے ہیں تو پھر ان پر کڑی نظر رکھی جائے تاکہ کسی موقع پر اپنے مفاد کی خاطر ہمیں نقصان نہ پہنچادے۔

اس قسم کے لوگوں کو پہچان کر رکھنا اور ان کے اوپر نگرانی کرنا یہ بھی جنگی مصلحت ہے تو یہاں حسی اصول کے تحت جماعت کی طرف ذکر کر کے کہا جارہا ہے کہ تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو پیچھے کو ہٹتے ہیں جب جہاد کا موقع آتا ہے تو ڈھیلے بن جاتے ہیں مختلف قسم کے عذر کر کے گھروں میں بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، لڑائی میں حوصلہ کے ساتھ شریک نہیں ہوتے، ان کے جذبات جو ہیں وہ لڑنے مرنے کے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے راستے میں وہ جان فدا نہیں کر سکتے، جب کوئی موقع آتا ہے تو اس طرح سے ڈھیلے ہو جائیں گے سست ہو جائیں گے، پیچھے ہو جائیں گے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کرتے اور پھر ڈر کر بیٹھ تو گئے گھر میں بیٹھ گئے لڑائی کے لئے نہیں نکلے اب آگے دو حال ہیں کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جو جماعت جہاد میں گئی تھی اب وہ تکلیف اٹھا کر آگئی، ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مال غنیمت حاصل نہیں ہوا بدنی تکلیف پہنچ گئی لڑائی میں، لڑائی کا معاملہ تو ڈاوانڈول ہی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے ''الحرب سجال'' کبھی کسی نے ڈول بھر لیا کبھی کسی نے، کبھی کسی کو تکلیف ہوگئی کبھی کسی کو فائدہ پہنچ گیا، تو یہ معاملہ ڈاوانڈول ہی ہوتا ہے تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ جو جماعت جہاد پر جائے اور وہ کوئی نقصان اٹھا کر آجائے مال غنیمت حاصل نہ ہو، تو ایسا موقع جس وقت آتا ہے تو پھر یہ لوگ جن کے دل کے اندر اپنی مفاد پرستی ہے مذہب کے لئے لڑنا مرنا وہ نہیں جانتے ہر وقت اپنے فائدے کے لئے سوچتے ہیں پھر وہ بغلیں بجاتے ہیں کہتے ہیں دیکھا ہم کیسے ہوشیار نکلے کہ پیچھے رہ گئے اگر ہم ساتھ ہوتے تو یہ مصیبت ہمیں بھی پہنچ جاتی ایسے موقع پر اپنے پیچھے ہٹنے پر وہ خوشیاں مناتے ہیں۔

اور اگر کوئی ایسا اتفاق ہو جائے کہ جو جماعت گئی تھی وہ بغیر کسی نقصان اٹھانے کے کامیاب ہو کر آگئی انہوں نے فتح پالی، مال غنیمت حاصل ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے کامیابی دیدی، تو جب یہ حال پیش آتا ہے تو پھر ان کو اپنے پیچھے رہنے پر افسوس ہوتا ہے کہ بڑی غلطی ہوگئی ضرور جانا چاہیئے تھا کہ دیکھو تکلیف تو ہوئی نہیں اور ان کو اتنا مال مل گیا جو غنیمت آتی تھی وہ حضور ﷺ

غانمین میں تقسیم کرتے تھے، پھر ہاتھ مسلتے ہیں افسوس کرتے ہیں کہ بڑی غلطی ہوگئی، ہمیں ساتھ چلنا چاہیئے تھا، دیکھو بالکل کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور اتنا فائدہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ باتیں ان کی ایسے انداز میں ہوتی ہیں کہ جیسے ان کا تمہارے ساتھ کوئی محبت کا معاملہ ہے ہی نہیں ان کی ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں ہی نہیں، وہ تمہیں اپنا سمجھتے ہی نہیں کیونکہ جب کسی کے ساتھ محبت کا معاملہ ہوتا ہے شخصی طور پر یا جماعتی طور پر دونوں طرح سے ہی تو جب اس شخص کو جس کے ساتھ ہمارا محبت کا معاملہ ہے اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو انسان خوش ہونے کی بجائے اس کی تکلیف میں شریک ہوتا ہے، اسی طرح سے رنجیدہ ہوتا ہے غم کرتا ہے افسوس کرتا ہے کہ میرے دوست کو یا میری جماعت کو نقصان پہنچ گیا ہے اس کا دل اسی طرح سے ٹوٹتا ہے کہ گویا کہ اس کا شخصی معاملہ ہے شکست جماعت نے کھائی ہے لیکن یہ دکھ ایسے محسوس کرتا ہے کہ جیسے اس نے خود شکست کھائی ہے، زخمی اس کا بھائی ہوا میدان کے اندر مارا گیا اس کا بھائی لیکن اس کو تکلیف اس طرح سے ہے جیسے یہ خود زخمی ہو کر آیا ہے اور اس کی جان چلی گئی۔

جب محبت کا معاملہ ہوتا ہے تو انسان دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے ایسے ہی ہے ہمیشہ جو مخلص لوگ ہوا کرتے ہیں وہ جماعت کو نقصان پہنچنے کی صورت میں ان کو ایسے ہی صدمہ ہوتا ہے کہ اور افسوس ہوتا ہے کہ جیسے کہ اس کا ذاتی نقصان ہوگیا، اور اگر وہ کامیاب ہو جائے اور میدان کو جیت لیں مال غنیمت حاصل ہو جائے چاہے بظاہر کامیاب وہی ہوئے ہیں لیکن ہم اس کو جماعتی کامیابی دیتے ہوئے اپنی کامیابی قرار دیں گے اور اسی طرح سے خوشیاں منائیں جس طرح سے ذاتی فتح پانے والوں نے خوشیاں منائیں، جب محبت کا معاملہ ہوتا ہے تو محبت کے آثار یہ ہیں کہ دوست دوست کی تکلیف میں شامل ہوتا ہے راحت میں شریک ہوتا ہے اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے، اس کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتا ہے، اور یہ کوئی دوستی نہیں کہ دوسرے کی تکلیف پر کوئی خوشی منائی جائے کہ اچھا ہوا اس کا رگڑا نکل گیا میں بچ گیا، اور اگر اس کو کوئی کامیابی حاصل ہو جائے فائدہ حاصل ہو جائے تو حسد میں مبتلا ہو انسان کہ یہ کامیاب کیوں ہو گیا اس میں تو میری شرکت چاہیئے تھی مجھے فائدہ پہنچنا چاہیئے تھا، یہ جذبات اگر کسی شخص کے اندر پاؤ تو پہچان جایا کرو کہ یہ خود غرضی ہے اس کو اپنے مفاد سے غرض ہے تو اس کا تمہارے ساتھ کوئی محبت کا برتاؤ نہیں۔

محبت کے آداب میں سے یہ نہیں ہے کہ ہمیشہ اپنی غرض کو سامنے رکھو کہ تم بچ گئے تو تم اس پر خوش ہو کہ چاہے دوسرا زخمی ہو جائے اور اب تمہیں کچھ نہیں ملا تو تمہیں افسوس ہے کہ چاہے دوسرے کو کتنی فتح حاصل ہو جائے ایسے موقعوں پر غمی خوشی کے ساتھ شریک نہ ہونا یہ دوستی کے آداب کے خلاف ہے ایسے لوگوں کو تاک کر رکھنا چاہیئے یہ مطلب پرست ہوتے ہیں خود غرض ہوتے ہیں، یہ آج کل کے محاورے کے مطابق دودھ پینے والے مجنوں ہوتے ہیں، خون دینے والے مجنوں نہیں ہوتے

تو ایسے مجنون جو ہوتے ہیں وہ ہمیشہ اپنے مطلب کی سوچتے ہیں دوسروں سے انہیں کوئی غرض نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ جماعت کے اندر ایسی نشاندہی کرتا ہے کہ تمہارے اندر ایسے لوگ بھی موجود ہیں تو ایک تو جن کے یہ جذبات ہیں ان کی یہ اصلاح ہو جائے گی کہ یہ تو ہمارے دل کا چور پکڑا گیا، ہم نے تو اپنے دل کے جذبات کسی کو بتائے نہیں ہیں لیکن دیکھو قرآن کریم میں یہ بات آ گئی اللہ کی کلام ہے، ''اللہ علیم بذات الصدور'' ہے اور ہمارے دل کے چور کی نشاندہی ہو گی اس سے ان کی بھی اصلاح ہو سکتی ہے، اپنی غلطی پر وہ متنبہ ہو سکتے ہیں اور اگر وہ متنبہ نہیں ہونگے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چوکنا کر دیا گیا کہ تم بے خبر نہ ہوؤ، تمہاری جماعت میں ایسے لوگ موجود ہیں اور ان کو تاڑ کر رکھا کرو یہ اپنے مفاد کی خاطر کہیں تمہیں نقصان نہ پہنچا دیں تو اس قسم کے لوگوں کو تاڑ کر رکھنا اور ان کی نگرانی کرنا یہ بھی ایک جنگی مصلحت ہے۔

ورنہ اس قسم کے لوگ اپنے مفاد کی خاطر پوری کی پوری قوم کو تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیتے ہیں تو یہ نشاندہی یہاں کی گئی ہے، ''وان منکم'' کم کا خطاب جماعت کو ہے کہ جماعت کے اندر اس قسم کے لوگ موجود ہیں بے شک تم میں سے بعض البتہ وہ ہیں من چونکہ لفظوں کے اندر مفرد ہے اس لئے ''لیبطئن'' مفرد کا صیغہ آ گیا من اس کا کوئی فرد متعین نہیں ہے، جمع ہے اس لئے اس کا ترجمہ جمع کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے، تم میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو جہاد کا حکم آ جانے پر سستی کرنے میں پیچھے کو ہٹنے میں ڈھیلے پڑ جاتے ہیں یا تم میں سے کوئی ایسا شخص بھی ہے جو ایسا کرتا ہے مفرد کے ساتھ بھی تعبیر کر سکتے ہیں، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو کہتا ہے کہ اللہ نے میرے پہ انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہیں تھا میں جہاد میں نہیں گیا ورنہ یہ نقصان مجھے بھی پہنچتا گویا کہ اس کا اپنا تکلیف سے بچ جانا اس کے لئے خوشی کا باعث ہے، اور تمہیں تکلیف پہنچ گئی اس کا اسے کوئی رنج نہیں ہے خوشی اس بات پر ہے کہ میں وہاں نہیں تھا ورنہ میرا بھی رگڑا نکل جاتا تو تمہاری غمی میں شریک نہیں، تمہاری مصیبت کو اپنی مصیبت نہیں سمجھتا، اور اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فضل حاصل ہو جاتا ہے مال غنیمت حاصل ہو گئی فتح ہو گئی، اللہ نے عزت اور دولت عطا فرما دی تو پھر وہ کہتا ہے کہ ہائے کاش پھر وہ حیرت کے ساتھ اپنے ہاتھ کاٹتا ہے کہ میں ساتھ کیوں نہ گیا، مجھے ساتھ جانا چاہیئے تھا تا کہ میں بھی کامیابی حاصل کر لیتا، اور یہ باتیں اس کی اس انداز کی ہیں گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی محبت کا رشتہ ہے ہی نہیں، کوئی ہمدردی انہیں تمہارے ساتھ کوئی خیر خواہی نہیں اگر محبت کا رشتہ ہوتا محبت کا تعلق ہوتا تو وہ تمہاری تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا، اور تمہاری فتح کو تمہاری خوشی کو یہ اپنی فتح اور اپنی خوشی قرار دیتا، محبت کا رشتہ ہو تو جذبات ایسے ہوتے ہیں، اور یہ ساری کی ساری باتیں اس کی خود غرضی کی وجہ سے ہیں آپس میں محبت کا رشتہ نہیں ہے۔

''فلیقاتل فی سبیل اللہ'' دونوں طرح سے ترجمہ کہ یہ کامیابی صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوا کرتی، گھر بیٹھے

تمنا کرتے رہو کہ میں بھی کامیابی حاصل کرلیتا میں بھی کامیابی حاصل کرلیتا میں بھی کامیاب ہوجاتا، تمناؤں سے نہیں حاصل ہوگی ہوا کرتی جو کامیابی حاصل کرنے کا متمنی ہے اسے چاہیئے کہ اللہ کے راستے میں ان لوگوں کے ساتھ لڑے جو دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں اختیار کرتے ہیں مراد اس سے کافر اس کو کافروں کے ساتھ اللہ کے راستے لڑنا چاہے اللہ کی رضا کے لئے لڑنا چاہیئے، تب جا کے کامیابی حاصل ہوگی، کامیابی گھر بیٹھ کر تمنا کر کے سے حاصل نہیں ہوا کرتی، جب وہ کافروں سے لڑے گا تو اس لڑنے کی صورت میں "فوز عظیم" حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے اللہ نے یہ قاعدہ قانون بنا دیا کہ جو بھی اللہ کے راستے میں لڑتا ہے اللہ کی رضا کے لئے اللہ کے راستے میں لڑائی وہی جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اللہ کی بات کو اونچا کرنے کے لئے اللہ کو خوش کرنے کے لئے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک شخص نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کوئی شخص تو بہادری دکھانے کے لئے لڑتا ہے کوئی شہرت حاصل کرنے کے لئے لڑتا ہے کوئی جماعتی عصبت کی بناء پر لڑتا ہے، اس کی طبعیت میں یہی بات ہے کہ چونکہ ہماری جماعت لڑ رہی ہے لہذا ہم بھی لڑ رہے ہیں ان میں سے فی سبیل اللہ کونسی لڑائی ہے، مشکوۃ شریف کتاب الجہاد میں یہ راویت موجود ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ "من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا فھوفی سبیل اللہ" کہ جو شخص اس جذبے کے ساتھ لڑتا ہے تا کہ اللہ کی بات اونچی ہوجائے دین حق کے غلبہ کی نیت سے لڑتا ہے یہ جہاد فی سبیل اللہ ہے، بہادری دکھانے کے لئے شہرت حاصل کرنے کے لئے اس قسم کے مقصد کے تحت جو لڑائیاں ہوا کرتی ہیں وہ فی سبیل اللہ نہیں ہیں، اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے لڑو، دین کی بالادستی کے لئے لڑو، جو بھی اللہ کے دین کے لئے لڑے گا اللہ کے راستے میں لڑے گا اللہ کی بات کو اونچا کرنے کے لئے لڑے گا پھر آگے دونوں صورتیں ہی ہیں کہ چاہے وہ مقتول ہوجائے میدان میں جس کو ظاہر دیکھنے والے دنیا کے اندر ناکامی سمجھتے ہیں، اور چاہے وہ غالب آجائے جس کو دنیا والے بھی کامیابی سمجھتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس مجاہد کی دونوں صورتیں ہی کامیابی کی ہیں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے میدان میں چلا جائے جس وقت میدان میں چلا گیا آگے دونوں صورتیں ہیں چاہے مقتول ہوجائے چاہے غالب آجائے، تو اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم حاصل کرنے کے لئے میدان میں غالب آنا ہی ضروری نہیں نیک نیتی کے ساتھ میدان میں پہنچ جانا ضروری ہے، کسی شاعر نے اپنے اس اردو کے شعر میں اسی مطلب کو ادا کیا ہے،

بنے ہم نہ ہندی نہ ترکی نہ تازی
بنالیں بس اپنے آپ کو سچا حجازی
ہم ہی پھر بہرحال لے جائیں گے بازی

مریں تو شہداء اور ماریں تو غازی

کہ اگر مر گیا تو شہید اور مار آئے تو غازی پھر بازی بہرحال ہماری ہے تو یہاں یہی بات ہے دونوں صورتیں ذکر کردیں، ''فیقتل '' مقتول ہو جائے، ''اویغلب'' یا غلبہ پالے، ''فسوف نؤتیہ اجراً عظیما'' دونوں صورتوں میں ہم اپنا اجر عظیم دیں گے تو پھر کامیابی ہی کامیابی ہے، پھر اس راستے میں ناکامی نہیں بشرطیکہ اللہ کی رضا کے لئے انسان میدان میں اترے، یہ تو ترجمہ کیا ہے میں نے آپ کے سامنے ''الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالآخرۃ'' کو مفعول بنا کر اور بیان القرآن میں یہی ترجمہ کیا گیا ہے۔

اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو فاعل بنایا تو پھر یشرون سے بیچنے کے معنی میں ہوگا پس چاہیئے کہ لڑیں وہ اللہ کے راستے میں وہ لوگ جو دنیاوی زندگی کو بیچتے ہیں آخرت کے بدلے میں جن میں یہ جذبہ ہے کہ ہم دنیاوی زندگی کو قربان کر کے آخرت حاصل کریں، جو آخرت کے طلب ہیں ان کو چاہیئے کہ اللہ کے راستے میں لڑائی لڑیں، اللہ کے راستے میں جہاد کریں، آخرت کو طلب کرنے کا یہی ایک سیدھا راستہ ہے، جن کو آخرت مطلوب ہے ان کو چاہیئے کہ اللہ کے راستے میں لڑیں، اور جو بھی اللہ کے راستے میں لڑے گا پھر وہ مقتول ہو جائے یا غالب آجائے پس عنقریب ہم اس ک اجر عظیم دیں گے ،اگلی آیات ترغیب جہاد کے لئے ہے، ''ومالکم '' تمہیں کیا ہو گیا یعنی تمہیں کیا مانع ہے تمہیں کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہیں کرتے ،حالانکہ داعیہ موجود ہے، وہ کیا خاص طور پر مکہ معظّمہ میں اور ایسے ہی بعض دوسری بستیوں میں بھی لوگ ایمان لے آتے اور ہجرت نہ کر سکتے یا تو اس لیے کہ ان کے پاس ہجرت کا سامان نہیں یا اس لئے کہ کافروں نے پکڑ کر گرفتار کر لیا، باندھ کر ڈال دیا پٹائی ہوتی ہے ظلم ہوتا ہے مار پڑتی ہے جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات میں آپ پڑھتے رہتے ہیں مکہ معظّمہ میں جو کچھ ہوتا تھا، بچے ہیں عورتیں ہیں وہ اکیلے ہجرت کرنے پر قادر نہیں ہیں ان کو اسباب مہیا نہیں ہیں، وہ بھی کافروں کے ظلم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں مرد ہیں بالغ چاہے وہ قوت والے ہیں کافروں نے ان کو پکڑ لیا گرفتار کر لیا، باندھ لیا یہ اللہ کے نام پر ان بستیوں میں ماریں کھا رہے ہیں جن میں بالغ مرد اور نابالغ بچے اور عورتیں بھی ہیں۔

ان کو چھڑانے کا طریقہ تمہارے پاس سوائے جہاد کے کیا ہے جہاد کرو کافروں پر غلبہ پاؤ، ان ظالموں کا پنجہ مروڑ دو جو صبح و شام ظلم کے اوپر ظلم کر رہے ہیں اور ان کو ان کے ظلم سے چھڑاؤ، جب تمہارے ہی بھائی اور اللہ کے نام لیوا جن کے ساتھ تمہارا رشتہ مذہبی رشتہ ہے جب تمہیں پتہ ہے کہ بستیوں کے اندر ان پر ظلم ہو رہا ہے تو یہ ایک قسم کی بہت بڑی کمزوری کی علامت ہے کہ تم اپنی جگہ آرام سے بیٹھے رہو اور انہیں اس ظلم سے چھڑانے کی کوشش نہ کرو جس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد ایک یہ بھی ہے کہ کمزوروں کی مدد کی جائے اور کمزوروں کو ظالموں کے ہاتھوں سے چھڑانے کی کوشش کی جائے یہ بھی جہاد کا ایک داعیہ ہے،

جیسے اگر کوئی شخص تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو اپنا دفاع کرنا یہ بھی جہاد کی ایک قسم ہے تمہیں کوئی جان سے مارنا چاہتا ہے تم اس سے بچنے کے لئے اس سے لڑتے ہو اپنی جان بچانے کے لئے، یا تم سے کوئی مال چھیننا چاہتا ہے تو تم اپنے مال کو بچانے کے لئے اس سے لڑتے ہو یا تمہیں کوئی دین بدلنے پر مجبور کرتا ہے تو تم اپنے دین کو بچانے کے لئے اس سے لڑتے ہو تو یہ تمام صورتیں جہاد کی ہیں، اور اگر ان میں کوئی انسان اپنی جان دے بیٹھے تو اللہ کے ہاں شہید ہے۔

"من قتل دون نفسه فهوشهيد من قتل دون ماله فهوشهيدمن قتل دون دينه فهوشهيد" اپنی جان بچاتے ہوئے اپنی جان بچانے کے لئے لڑتے ہوئے مرجاؤ تو بھی تم شہید اپنا دین بچانے کے لئے لڑتے ہوئے مرجاؤ تو بھی تم شہید اور اپنا مال بچاتے ہوئے لڑتے ہوئے مرجاؤ تو بھی تم شہید، یہ ساری کی ساری شہادت کی صورتیں ہیں، جس طرح سے کمزور مسلمانوں کی امداد کے لئے کافروں سے لڑنا تاکہ ان کمزور مسلمانوں کو کافروں سے چھڑالیا جائے تو یہ بھی جہاد ہے اور اس وقت یہ قوی داعیہ موجود تھا کہ تم مدینہ منورہ میں پر امن بیٹھے رہو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے جہاد کرو تاکہ ارد گرد کمزور مسلمان ان ظالموں سے نجات پائیں تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کے راستے میں نہیں لڑتے اور ان کمزوروں کو چھڑانے کے لئے نہیں لڑتے، وہ کمزور مرد بھی ہیں عورتیں بھی ہیں بچے بھی ہیں جو یوں فریاد کر رہے ہیں اللہ کے سامنے اور کہتے ہیں کہ اے اللہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

اب یہاں دیکھئے کہ قریۃ کا اصل مصداق مکہ معظمہ ہے اور اسی کے حکم میں ہوں گی وہ بستیاں ارد گرد تھیں اور اس میں کوئی بھی ایمان والا کافروں کے ہاتھ میں مظلوم تھا وہ بھی اسی کے حکم میں ہوں گی، مکہ معظمہ جیسا شہر جس مں اللہ کا گھر موجود ہے اور ایمان لانے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کا تعلق بھی مضبوط ہوتا ہے اس لئے اہل ایمان کے نزدیک مکہ معظمہ محبوب ترین شہر تھا سرور کائنات ﷺ نے جس وقت ہجرت کی ہے فضائل مکہ معظمہ کے اندر یہ حدیث شریف آتی ہے کہ باہر نکل کر حضور ﷺ ایک ٹیلے پر کھڑے ہو گئے اور مکہ معظمہ کی طرف دیکھا اور مکہ معظمہ کو خطاب کر کے کہا کہ تو سب شہروں سے اچھا شہر ہے اور تو تمام شہروں سے مجھے زیادہ محبوب ہے، اگر میری قوم مجھے نہ نکالتی تو تیرے علاوہ کسی دوسرے شہر میں رہنا گوارہ نہ کرتا، اس سے کتنا قوی تعلق معلوم ہوتا ہے اس شہر کے ساتھ، اور ویسے بھی لوگ کہا کرتے ہیں "حب الوطن من الایمان" وطن کی محبت یہ بھی ایمان کی علامت ہے، اور طبعی طور پر انسان کو اپنے وطن کے ساتھ محبت ہوتی ہے جہاں کی انسان پیداوار ہوتا ہے اور جہاں کھا پی کر جوان ہوتا ہے در و دیوار سے محبّ ہوتی ہے اپنے علاقے کے سفر میں آپ چلے جائیں تو باہر آپ پھرتے رہیں جو کتنے اچھے شہر کتنے خوبصورت شہر ہوں گے لیکن جس وقت آپ لوٹ کر اپنی کچی بستی میں آئیں گے تو آپ کی طبعیت میں عجیب سا سکون معلوم ہوتا ہے لیکن جس وقت انسان ایمان قبول کر لیتا ہے تو اولیت ایمان کو حاصل ہے ایمان کی خاطر وطن

قربان کیا جاسکتا ہے وطن کی خاطر ایمان کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔

اس لئے جذبہ وطنیت یہ جذبہ ایمان کے تابع ہونا چاہیئے تب تو ہے اسلام اور اگر جذبہ اسلام جو ہے وہ وطنیت کے تابع ہوگیا وطنیت اصل قرار پاگئی تو پھر یہ اسلام نہیں تو پھر یا کفر کا شبہ ہے اور آج سب سے بڑی خرابی جو آرہی ہے مسلمانوں میں بھی وہ یہی جذبہ وطنیت ہے اس جذبہ وطنیت کے تحت اپنے ہم وطنوں کو وہ ترجیح دیتے ہیں چاہے کافر ہی کیوں نہ ہوں اور جو اپنے ہم وطن نہیں ہیں چاہے مؤمن ہیں ان کو ترجیح نہیں دیتے بنگلہ دیش میں کیا ہوا؟ جس وقت یہ تحریک چلی تھی بنگلہ دیش کی آپ حضرات کو معلوم ہوگا کہ بنگالیوں کے نزدیک مسلمان بنگالیوں کے نزدیک بنگالی ہندو وہ قابل قدر تھا، اور غیر بنگالی مسلمان اس کا خون بہادیا، کتنے مارے گئے اور کتنے ہی لوگ تھے دوسرے صوبوں کے رہنے والے ان کو قتل کردیا صرف اس وجہ سے کہ وہ بنگالی نہیں ہیں یہ جس کو جذبہ وطنیت کہتے ہیں اور آج سب سے بڑا فتنہ جو ہے وہ جذبہ وطنیت ہے کہ بنگالی ہونے کی صورت میں بنگالی ہندوؤں کو تو گوارہ کریں گے وہ تو ان کا بھائی ہے وطنی بھائی ہے لیکن جن کے ساتھ اسلامی رشتہ ہے یہ مخلوقی بات ہے، یہی جذبہ سندھ میں نشو ونما پارہا ہے کہ سندھیوں کے نزدیک ہندو سندھی وہ قابل قدر ہے اس کے جان مال کی حفاظت وہ کریں گے ان کو اپنا سمجھتے ہیں اور غیر سندھی مسلمان بھی ہو تو ان کے نزدیک واجب القتل ہے تو یہ جب فساد ہوتا ہے اسی حیثیت سے ہوتا ہے یہ ہے وہ ایک مشرکانہ جذبہ یعنی وطن کو اتنی اہمیت دیدی کہ اس کے مقابلے میں ایمان والا رشتہ کوئی رشتہ نہیں رہا۔

اور اسلام نے جو تعلیم دی ہے اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ اصل رشتہ ایمانی رشتہ ہے اور اصل چیز دین ہے اور ایمان ہے وطن کے ساتھ اس وقت تک تعلق رکھا جاسکتا ہے جس وقت تک کہ اپنا عقیدہ محفوظ ہے اور اپنا ایمان محفوظ ہے اور اگر ایمان محفوظ نہ ہو تو وہ چاہے کتنی نسلوں سے پشتوں سے چلا آرہا ہو پھر وطن وہ اس طرح سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سے یہاں کوئی درندوں کی بستی ہے یہاں رہنے کے لئے ہمارے پاس کوئی گنجائش نہیں، پھر انسان بے تاب ہوتا ہے تڑپتا ہے کہ کسی طریقے سے یہاں سے نکل جاؤں اور کسی ایسی جگہ چلا جاؤں جہاں جا کر میرا ایمان اور عقیدہ محفوظ رہ جائے تو اس سے اندازہ کیجئے کہ کلمہ پڑھنے والوں کے دل میں وطنیت کی کیا قدر تھی اپنے دین اور ایمان کو بچانے کے لئے کہ اپنا وہ وطن جو آپ کا محبوب ترین شہر ہے وہ "قریۃ الظالم اھلھا" معلوم ہوتا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس بستی کے رہنے والے تو درندے ہیں یہاں رہنے کا فائدہ کیا؟ یہاں تو ہم رہ سکتے نہیں، اور چیختے ہیں کہ یا اللہ کوئی اسباب ایسے مہیا کردے کہ ہم یہاں سے نکل کر بھاگ جائیں تو وطنیت مغلوب ہوگی اس عقیدہ ایمان کے ساتھ اور یہی اصل کے اعتبار سے اسلام کی تعریف ہے کہ مقصود جو ہے وہ ایمان ہے اور اصل رشتہ ہمارا انہیں لوگوں کے ساتھ ہے جو ہمارے ایمانی بھائی ہیں، وطن کوئی چیز نہیں ہے کوئی حبشہ سے

آ گیا وہ بھی ہمارا بھائی ہے کوئی روم سے آ گیا وہ بھی ہمارا بھائی ہے، حضرت بلال حبشی تھے اور ان کو وہی قدر و قیمت حاصل تھی ، جو مکہ والوں کو حاصل تھی اور اسی طرح سے جو دوسرے علاقوں سے آ گئے ، ان کو بھی وہی اہمیت حاصل تھی جو مدینہ کے رہنے والوں کو حاصل تھی۔

وطنیت کی بناء پر کسی سے نفرت کرنا اور عقیدے کو بنیاد نہ بنانا یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے، اور عرب کے اندر کیا ہوا؟ جو ترکوں سے لڑائیاں ہوئیں ترکوں کے خلاف جو بغاوتیں ہوئیں یہ انگریزوں نے عیسائیوں نے اسی چیز کو تو ہوا دی تھی ، وطنی جذبہ کہ عرب کے اوپر غیر عرب حکومت کیوں کرے؟ اور اسی سے سب جگہ بغاوت کروادی اور خلافت کا معاملہ جو تھا سارے کا سارا درہم برہم کر کے رکھ دیا ، تو یہ توڑ پھوڑ کرنے والی ہے مسلمانوں کی جماعت کبھی منظم نہیں ہو سکتی جس وقت اس میں جذبہ حب وطنی پیدا ہوا جئے ، بلکہ جذبہ ہونا چاہیئے کہ جس کے ساتھ کلمہ کا رشتہ ہو ایمان کا رشتہ ہے وہ ہمارے بھائی ہیں چاہے کسی وطن کے رہنے والے ہوں اور وطن رہنے کے قابل وہی ہے جس میں ایمان اور عقیدہ محفوظ ہو جس میں ایمان اور عقیدہ محفوظ نہیں ہے وہ رہنے کے قابل نہیں ہے کتنی نسلوں سے کیوں نہ چلا آ رہا ہو ترک کرنے کے قابل ہے، یہاں وہی جذبہ نمایاں ہے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار نکال ہیں اس بستی سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں،''وجعلنا من لدنك وليا'' یہ بھی دیکھو ان کی مجبوری ''من لدنك'' ظاہری طور پر تو کوئی اسباب نہیں ہیں لیکن تو اپنے پاس سے خاص طور پر ہمارا کوئی حمایتی پیدا کر دے اور ہمارے لئے کوئی اپنی طرف سے مددگار پیدا کر یہ ظاہری اسباب کی طلب ہے کوئی ظاہری طور پر ہمارے حمایتی کھڑے کر دے ہمارے لئے مددگار کھڑے کر دے، اور ہمیں ان ظالموں سے بچالے تو یہ ترغیب دی جا رہی ہے ان اہل ایمان کو جو مدینہ منورہ میں تھے اور ان کو امن کی زندگی حاصل تھی کہ وہ مدد کے لئے پکار رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ولی اور نصیر مانگ رہے ہیں تو اللہ کے سپاہی دنیا میں تم ہی ہو چلو اٹھو ان کی مدد کے لئے اور ان کافروں کے پنجے سے چھڑاؤ۔

"الذين آمنوا يقاتلون في سبيل الله " ایمان والے اللہ کے راستہ میں لڑا کرتے ہیں لڑائی کرتے ہیں وہ اللہ کے راستے میں اللہ کی رضا کے لئے اور کافر لڑتے ہیں شیطان کے راستے میں، یہاں طاغوت سے شیطان مراد ہے یہ بھی ایک ترغیب کا پہلو ہے کہ کافر یہ شیطانی فوج ہے یہ حزب الشیطان ہے''اُولئك حزب الشيطان'' اور مومن جو ہے یہ اللہ کی فوج ہے''فقاتلوا اولياء الشيطان'' اولیاء اللہ اے اولیاء رحمٰن تم شیطان کے اولیاء کے ساتھ لڑو،''ان كيدالشيطان كان ضعيفا'' جب ایک طرف اللہ کی جماعت ہے تو اس کے ساتھ اللہ کی نصرت ہوگی دوسری طرف شیطان کی جماعت ہے تو شیطان انہیں بھی تدبیریں سمجھائے گا انہیں بھی تدبیریں بتائے گا لیکن یاد رکھو شیطان کی تدبیریں کمزور ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے مقابلے میں کام نہیں آ سکیں گی ، اس لئے حوصلے کے ساتھ اپنے آپ کو اللہ کے سپاہی سمجھتے ہوئے شیطان کے

سپاہیوں کے خلاف لڑائی لڑو، اوریقین کرلوکہ شیطان کی تدبیریں کمزور ہیں توتم نیک نیتی کے دین کے غلبے کے لئے یہ مظلوموں کی حمایت کے طور پر مقابلے میں جاؤ گے، تو اللہ تعالیٰ کی نصرت تمہیں حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہیں کامیابی دے گا۔

یہاں دیکھئے ''ان کید الشیطان کان ضعیفا'' یہ بات بطور لطیفے کے عرض کررہا ہوں شیطان کا قائد کمزور ہے اور دوسری جگہ قرآن کریم میں آتا ہے ''ان کید کن عظیم'' کنا کی ضمیر عورتوں کی طرف لوٹ رہی ہے کہ تمہاری تدبیر جو ہے بڑی مضبوط ہوتی ہے بہت بڑی مکار ہوتی ہے عورت، تو شیطان کی تدبیر کو قرآن کریم نے ضعیف کہا، اور کید کن کو عظیم کہا تو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں جو ہیں جس طرح سے حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ بھی شیطان کے جال میں اور انہی کے ذریعے سے یہ انسانوں کو پھیلاتا ہے، پھیلاتا ہے یہ گمراہی کی طرف لاتا ہے، اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد عورتوں سے بڑا فتنہ مردوں کے لئے فتنہ کوئی نہیں چھوڑی جو مردوں کے لئے نقصان دے ہو، جو جس طرح سے انسان ہر وقت شیطان کی مکاریوں سے ہوشیار رہتا ہے کہ شیطان کسی مکروفریب کے ساتھ ہمیں کسی فتنے میں مبتلاء نہ کردے اسی طرح سے عورتوں کے معاملہ میں بھی آدمی کو محتاط رہنا چاہیئے کہ انسان کو یہ بہت جلد گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں اور بہت جلدی غلط راستے پر ڈال دیتی ہیں، تو ان کے کید کو قرآن کریم میں عظیم کہا گیا جب کہ شیطان کے کید کو ضعیف کہا گیا، لیکن حقیقت کے اعتبار سے نظر کریں گے تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں کید شیطان کو ضعیف کہا گیا ہے اللہ کے کید اور تدبیر کے مقابلے میں اور وہاں جو کید کن عظیم کہا گیا ہے تو وہ ہے مردوں کے مکاریوں کے مقابلے میں کہ مکار تو مرد بھی ہوتے ہیں لیکن عورت مکار زیادہ ہوتی ہے اور اس کی تدبیریں زیادہ قوی ہوتی ہیں وہاں مقابلہ مردوں سے ساتھ ہے اور یہاں مقابلہ شیطان کا اللہ کے ساتھ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا
لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ
قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ

فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ
قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ
يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۷۸ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ
اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۷۹ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ
وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۸۰ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ
فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ
تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَي
اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۸۱ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ
مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۸۲ وَاِذَا جَاۗءَھُمْ
اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ
وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ۭ
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا
قَلِيْلًا ۸۳ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ

اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ
لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ
مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا
بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ
وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

ترجمہ:

”الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم“ کیا آپ نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جن سے کہا جاتا تھا ”کفوا ایدیکم“ یہ قیل کا مقولہ ہے جن سے کہا جاتا تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو، کفوا امر کا صیغہ ہے ،کفو یکفوا روکنا، ”واقیموا الصلوۃ“ اور نماز قائم کرو ”وآتوا الزکوۃ“ اور زکوۃ دیتے رہو ”فلما کتب علیھم القتال“ پھر جب ان کے ساتھ لڑنا لکھ دیا گیا فرض کر دیا گیا، ”اذا فریق منھم“ اچانک ان میں سے ایک فریق ”یخشون الناس کخشیۃ اللہ“ لوگوں سے ڈرتا ہے جیسے کہ اللہ سے ڈرنا چاہیے یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈرنا، ”وقالوا“ اور انہوں نے کہا قال کا لفظ جس طرح سے زبان پر کہنے سے بولا جاتا ہے دل میں خیال آنے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے یہاں ان کے جذبات کی ترجمانی ہے ضروری نہیں کہ یہ بات زبان سے کہی جائے، ”قالوا ربنا لم کتبت علینا القتال“ کہا انہوں نے اے ہمارے رب کیوں فرض کر دی تو نے ہم پر لڑائی لڑنا ہم پر کیوں فرض کر دیا، ”لولا اخرتنا الیٰ اجل قریب“ کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں قریب وقت تک تھوڑی مدت تک ”قل متاع الدنیا قلیل“ آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے ”والآخرۃ خیر لمن اتقیٰ“ آخرت بہتر ہے اس شخص کے لئے جو تقویٰ اختیار کرے ”ولا تظلمون فتیلا“ فتیل دھاگے کو کہتے ہیں اور یہ دھاگہ بول کر شیءِ قلیل مراد ہے نہیں ظلم کئے جائیں گے وہ دھاگہ کے برابر یعنی کچھ بھی ظلم نہیں کئے جائیں گے فتیل بانٹنے کو کہتے ہیں فتیل بٹی ہوئی چیز جیسے رسی اور دھاگہ ہوتا ہے، ”این ما تکونوا یدرککم الموت“ جہاں کہیں تم ہو گئے تمہیں موت پالے گی ”ولو کنتم فی بروج مشیدۃ“ بروج برج کی جمع ہے برج کہتے ہیں مضبوط قلعے کو اونچی عمارت مضبوط قلعہ مضبوط اور اونچی

عمارت کے لئے، برج کا لفظ بولا جاتا ہے مشیدۃ یہ تشید سے ہے چونا گچ کیا ہوا، مضبوط کیا ہوا شائد یشید چونے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ عمارت کو جوڑا جاتا ہے جس کی جگہ آج کل ہمارے ہاں سمیٹ کا لفظ استعمال ہوتا ہے ''وان تصبھم حسنة'' اگر پہنچتی ہے انہیں اچھی حالت ''یقول ھذہ من عنداللہ'' کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے ''وان تصبھم سیئة'' اگر پہنچتی ہے انہیں کوئی بری حالت ''یقول ھذہ من عندك'' کہتے ہیں یہ آپ کی جانب سے ہے ''قل کل من عنداللہ'' آپ کہہ دیجئے کہ ہر چیز ہی اللہ کی جانب سے ہے ''فمال ھؤلاء القوم'' پس کیا ہو گیا ان لوگوں کو ''لایکادون یفقھون حدیثا'' بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں جاتے، نہیں قریب ہوتے کہ سمجھے بات بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں جاتے، ''مااصابکم من حسنة فمن اللہ'' جو اچھی حالت تمہیں پہنچتی ہے پس وہ اللہ کی جانب سے ہے، ''وما اصابکم سیئة فمن نفسك'' اور جو تجھے بری حالت پہنچتی ہے پس یہ تیرے نفس کی طرف سے ہے، ''وارسلناك للناس رسولا'' اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ''وکفیٰ باللہ شھیدا'' اللہ گواہ کافی ہے، باللہ کے اندر با زائد ہے اور اللہ کفی کا فاعل ہے۔

''من یطع الرسول فقد اطاع اللہ'' جو کوئی شخص اطاعت کرے رسول کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی، ''ومن تولیٰ'' اور جس نے پیٹھ پھیر لی ''فما ارسلناك علیھم حفیظا'' پس نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر ان پر محافظ بنا کر، ''ویقولون طاعة'' اور یہ لوگ کہتے ہیں ''امرنا طاعة'' ہمارا کام تو ماننا ہے طاعة یہ خبر ہے مبتداء محذوف ہے ''امرنا طاعة'' ہمارا کام تو ماننا ہے، ''فاذا برزوا من عندك'' اور جب آپ کے پاس سے باہر نکل جاتے ہیں ''بیت طائفة منھم غیر الذی تقول'' بیت تبییت رات کو کوئی کام کرنا، اس لئے رات کو جو چھپ کر مشورے کئے جائیں اس کو بھی تبییت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، لڑائی کے معاملے میں تبییت کا ذکر آئے تو اس کا معنی ہوتا ہے شب خون مارنا رات کو چھپ کر حملہ کرنا، اور پھر اس کو رات والے معنی سے خالی کر کے خفیہ طور پر کسی کام کو کرنے کو بھی تبییت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے، ماخذ سے اس کو خالی کر دیا جاتا ہے، رات والا معنی اس کا چھوڑ دیا جاتا ہے اس کا مفہوم ہوگا ان میں سے ایک طائفہ خفیہ طور پر مشورہ کرتا ہے سوائے اس کے جو طائفہ کہتا تھا، تقول کی ضمیر طائفہ کی طرف ہے یعنی آپ کی مجلس میں وہ جو کچھ طائفہ کہہ کر آتا ہے پھر خفیہ مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں یہ مفہوم ہے اس کا یعنی مجلس میں تو کہہ کر آتے تھے ''امرنا طاعة'' ہمارا کام تو ماننا ہے ہم تو فرمانبردار ہیں سر تسلیم خم جو آپ فرمائیں گے ہمیں تسلیم ہے ہمیں قبول ہے مجلس میں تو یہ کہہ کر آتے ہیں تو پھر جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر آتے ہیں تو خفیہ طور پر اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں ''غیر الذی تقول'' خفیہ طور پر مشورہ کرتا ہے ان میں سے ایک طائفہ غیر اس کا جو وہ طائفہ کہہ کر آیا ہے یعنی اس بات کے بغیر اور بات کرتے ہیں خفیہ طور پر، ''واللہ یکتب مایبیتون'' اللہ تعالیٰ لکھتا ہے ان باتوں کو جو وہ خفیہ طور پر کرتے ہیں، ''فاعرض عنھم'' پس آپ ان سے اعراض

کرجایئے،''وتوکل علی اللہ'' اور اللہ پر بھروسہ کیجئے،''وکفی باللہ وکیلا'' اللہ کارساز کافی ہے،''افلایتدبرون القرآن'' کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے تدبر کا معنی ہوتا ہے کسی بات کی گہرائی تک پہنچنے کی کوشش کرنا''ولو کان من عندغیراللہ'' اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا''لوجدوافیہ اختلافا کثیرا'' تو پاتے اس قرآن میں اختلاف کثیر بہت اختلاف پاتے،''واذا جاء ھم امر من الامن'' جب ان کے پاس کوئی امر آجاتا ہے امن سے یا خوف سے یعنی کوئی بات ان کے پاس پہنچتی ہے چاہے وہ بات امن کے متعلق ہو چاہے وہ بات خوف کے متعلق ہو،''اذاعوابہ'' تو اس کی اشاعت کردیتے ہیں،اذاعوا اذاعۃ سے لیا گیا ہے اشاعت کے معنی میں اس کی اشاعت کردیتے ہیں اس کو مشہور کردیتے ہیں ''ولوردوہ الی الرسول'' اگر رد کردیں وہ اس امر کو رسول کی طرف''والیٰ اولی الامرمنھم'' اور اپنے میں سے امر والوں کی طرف صاحب امر لوگوں کی طرف جن کا حکم چلتا ہے جن کا مشورہ چلتا ہے،''اولی الامر'' سے یہاں معاشرے میں ممتاز قسم کے لوگ جن کی رائے پر عام آدمی عمل کرتا ہے،معاملات کے اندر صاحب رائے سمجھے جاتے ہیں اولی الامر سے یہاں وہ مراد ہیں اگر لوٹا دیتے یہ اس بات کو رسول کی طرف اور اپنے میں سے صاحب امر لوگوں کی طرف،''لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم'' البتہ جان لیتے اس کو وہ لوگ جو اس کی تحقیق کرلیتے ہیں ان میں سے،ان میں سے جو لوگ اس امر کی تحقیق کرلیتے ہیں جن میں تحقیق کا سلیقہ ہے وہ اس کو معلوم کرلیتے ہیں کہ یہ قابل اشاعت ہے کہ نہیں ہے سچا ہے یا جھوٹا ہے،استنباط اصل کے اعتبار سے کنواں کھود کر پانی نکالنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے جب کنواں کھودا جائے نیچے سے پانی نکل آئے تو پانی کو کہتے ہیں ماء مستنبط آگے یہ لفظ اس معنی سے عام ہو گیا مختلف باتوں پر غور کرنے کے بعد جو بات سمجھی جاتی ہے اس کو بھی قول مستنبط کہتے ہیں ان باتوں میں سے نکالی ہوئی بات،''ولولا فضل اللہ'' اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی، ''لاتبعتم الشیطان،تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے سوائے کچھ لوگوں کے سوائے کچھ لوگوں کے تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے،''فقاتل فی سبیل اللہ'' پس تو لڑائی کر اللہ کے راستے میں''لاتکلف الانفسک'' پس تو تکلیف نہیں دیا جاتا مگر اپنی جان کی''وحرض المؤمنین'' اور مؤمنوں کو برانگیختہ کرتا ترغیب دے''عسی اللہ ان یکف بأس الذین کفروا'' امید ہے کہ روک دے گا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی لڑائی کو جنہوں نے کفر کیا''واللہ اشد باسا'' اور اللہ زیادہ سخت ہے ازروئے لڑائی کے اور زیادہ سخت ہے ازروئے سزا دینے کے نکال سزا کو کہتے ہیں''تنکیلا'' سزا دینا،''من یشفع شفاعۃ حسنۃ'' شفاعۃ یہ شفع سے لیا گیا ہے شفع جوڑنے کو کہتے ہیں اس لئے دو رکعات نفل جو آپ پڑھا کرتے ہیں اس کو شفع سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے مقابلے میں وتر آتا ہے جو دو پر تقسیم نہ ہو،کسی کے ساتھ جوڑا نہ ہو اس کو وتر کہتے ہیں اور جو جڑا ہوا ہو اس کو شفیع کہتے ہیں اب یہ لفظ شفارش کرنے پر بھی بولا جاتا ہے تائید کرنے پر اور شفارش کرنے پر اس میں بھی انسان دوسرے

کی رائے کے ساتھ اپنی رائے کو جوڑ کر اس کو قوت پہنچاتا ہے تائید کا معنی بھی قوت ہی پہنچانا ہوتا ہے مضبوط کر دینا دوسرے کی رائے کے ساتھ ملا دینا کسی کمزور کی حمایت کرنا اور اس کو قوت پہنچانا یہ شفاعت ہے جو کوئی اچھی شفارش کرے گا ''یکن له نصیب منها'' اس کے لئے حصہ ہوگا اس کے ثواب میں سے اس کے اجر میں سے، نصیب حصے کو کہتے ہیں ''ومن یشفع شفاعة سیئة'' اور جو کوئی بری شفارش کرے ''یکن له کفل منها'' تو اس کے لئے حصہ ہوگا اس میں سے کفل بھی حصے کو کہتے ہیں کفل نصیب ایک ہی چیز ہے، ''کفلین من الرحمة'' دوسری جگہ پر لفظ آئے گا اپنی رحمت سے دو حصے اللہ تعالیٰ دے گا اور من کو سببیہ بنالیا جائے تو اس شفاعت حسنہ کے سبب سے اس کو حصہ ملے گا اور شفاعت سیئہ کے سبب سے اس کو حصہ ملے گا پہلے نصیب سے مراد ''نصیب من الاجر'' اور دوسرے کفل سے مراد ''نصیب من الموز'' کہ گناہ میں سے حصہ ملے گا ''وکان اللہ علیٰ کل شیء مقیتا'' مقیت مقتدر قوت رکھنے والا اور یہ محافظ اور نگہبان کے معنی میں بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدر رکھنے والا ہے محافظ اور نگہبان ہے، ''واذا حییتم بتحیة'' تحیۃ اصل میں تھا تحیۃ یہ باب تفعیل کا مصدر ہے حی یحیی تحیۃ کسی کو زندگی کی دعا دینا یوں کہنا ''حیاك اللہ'' اللہ تجھے زندہ رکھے، اصل کے اعتبار سے اس لفظ کا یہی معنی ہے پھر یہ مطلق دعا کے لئے استعمال ہونے لگ گیا کسی کو دعا دینا اور السلام علیکم کہنا یہ بھی دعا ہے جس کی بناء پر تحیہ کا لفظ یہ سلام کہنے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، جب تم دعا کئے جاؤ کوئی دعا جس میں یہ بھی شامل ہے کہ تمہیں کوئی السلام علیکم کہے، ''فحیوا باحسن منها اوردوها'' تو دعا دیا کرو اسے اچھے لفظ کے ساتھ یا اسی کو لوٹا دیا کرو، ''ان اللہ کان علی کل شیء حسیبا'' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حساب لینے والا ہے ''اللہ لاالہ الا ھو'' اللہ کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی ''لیجمعنکم الیٰ یوم القیامة'' البتہ ضرور اکٹھا کرے گا تمہیں قیامت کے دن کی طرف جمع کرے گا تمہیں قیامت کے دن کی طرف یعنی جمع کرے گا تمہیں ہانکتے ہوئے قیامت کے دن کی طرف یعنی لے جائے گا لے جا کر سب کو اکٹھا کر دے گا، ''لاریب فیه'' جس دن کے آنے میں کوئی شبہ نہیں کوئی تردد نہیں، فیہ کی ضمیر یوم القیامۃ کی طرف لوٹ رہی ہے جس کے آنے میں جس کے واقع ہونے میں کوئی ریب اور تردد نہیں ہے، ''ومن اصدق من اللہ حدیثا'' اور اللہ کے مقابلے میں بات کے اعتبار سے کون زیادہ سچا ہو سکتا ہے، یعنی سب سے زیادہ سچا اللہ ہے، کون زیادہ سچا ہے اللہ کے مقابلے میں از روئے بات کے۔

تفسیر :

مکہ معظمہ میں کفار کی طرف سے ظلم و ستم انتہائی تھا اور اس ظلم و ستم کے موقع پر اہل ایمان کے دل میں بھی ولولہ آتا ہے جوش اٹھتا ہے اور وہ بھی چاہتے ہیں تھے کہ ہمیں اجازت مل جائے تو ہم کفار کے مقابلے میں ہاتھ اٹھائیں انسان کمزور بھی ہو

تو چپ کر کے بیٹھنا بڑا مشکل ہوتا ہے اندر سے ولولہ اٹھتا ہے جب دوسرا انسان مارے زیادتی کرے ظلم کرے تو آگے سے ہاتھ اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسرا اگر چار مارے گا تو ہم بھی ایک مار لیں گے، بہرحال کمزور سے کمزور انسان کے دل میں بھی یہ ولولہ پیدا ہوتا ہے، اپنے ہاتھ جوڑ کر بیٹھا رہے اور دوسرا آزادی کے ساتھ پیٹتا رہے اور ظلم وستم کرتا رہے اس کا برداشت کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے اور پھر مکہ معظّمہ میں جو لوگ ایمان لائے تھے وہ سارے کمزور بھی نہیں تھے ان میں مضبوط ترین لوگ بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو بعد میں بڑے بڑے جرنیل ثابت ہوئے ایسے لوگ بھی تھے اور ان کے جوش کا تو کیا ہی کہنا جب دوسروں کی طرف سے زیادتی ہوتی ہوگی تو ان کو تو ولولہ اٹھتا ہوگا کہ ہم بھی ہاتھ اٹھائیں، لیکن اس وقت مقابلے میں ہاتھ اٹھانا اللہ کی حکمت اور مصلحت کے مطابق نہیں تھا، تو جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس قسم کی بات ہوتی تو آپ یہی کہتے کہ بھائی اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو اور ابھی تم اپنے تعمیر نفس کی طرف متوجہ رہو، نماز پڑھو اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، صبر اور تحمل اختیار کرو، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے موقع آئے گا پھر تمہیں لڑائی کی اجازت بھی مل جائے گی، اس طرح سے ان کو کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روک کر رکھو ہاتھ اٹھاؤ نہیں، مکہ معظّمہ میں بھی یونہی ہوا اور پھر مدینہ منورہ میں آجانے کے بعد پھر ایک جماعت بھی تشکیل پا گئی تو جب اردگرد سے خبریں ملتیں کہ مسلمانوں کے اوپر ظلم ہو رہا ہے ستم ہو رہا ہے عورتوں بچوں کو پریشان کیا جا رہا ہے تو پھر اہل مدینہ جو تھے ان کے دل میں بھی ایسا ولولہ اٹھتا کہ ہمیں اجازت ملے یہاں بھی اس شر کو کسی طرح دفعہ کرے۔

مدینہ منورہ میں بھی ابتداء ابتداء میں جہاد کی اجازت نہیں تھی اس وقت بھی اس قسم کے ولولے اٹھتے لوگوں کی خبریں سن کر وہاں مدینہ میں اب ان پر کوئی زیادتی نہیں کرتا تھا، اور نہ کر سکتا تھا کیونکہ وہاں تھوڑی سی حکومت بن گئی تھی اور جماعت کچھ مضبوط ہوگئی تھی، لیکن اردگرد سے بچوں اور عورتوں کے ظلم کی خبریں آتی جیسے پچھلے رکوع کے اندر آیا، "**والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان**" ان کے قصے جس وقت پہنچتے خبریں پہنچتیں کہ مکہ معظّمہ میں مسلمانوں کے ساتھ یوں ہو رہا ہے اور عورتوں اور بچوں کو یوں ستایا جا رہا ہے اور پھر دل میں ولولہ اٹھتا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ان باتوں کے تذکرے ہوتے اب ایک صورت بھی پیدا ہوگی کہ مدینہ منورہ میں چونکہ بعض لوگ نفاق کے طور پر بھی اسلام قبول کرنے والے تھے، ان کے دل کے اندر مضبوطی نہیں تھی، اور بعضے ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان تو خلوص کے ساتھ ہی قبول کر لیا لیکن دل اتنے مضبوط نہیں تھے جتنے اہل مکہ کے تھے چونکہ وہ ماریں کھا کھا کر ہوگئے تھے پختہ اور ان کو اس قسم کی بھٹی سے گزرنے کی نوبت نہیں آئی تھی جس طرح سے مہاجرین مکہ والے مل ملا کر امتحان کی بھٹی میں سے گزر کر مضبوط ہوگئے تھے مدینہ میں ایمان قبول کرنے والوں کے

قلوب ابھی اتنے مضبوط نہیں ہوئے تھے نہ ان کے اندر جوش اور ولولہ ہوسکتا تھا جو کہ ایک مظلوم میں اور مار کھائے ہوئے انسان میں ہوسکتا ہے، لیکن جب حضور ﷺ کی مجلس میں اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا تو بڑھ چڑھ کر وہ بھی باتیں کرتے کہ ہاں جی ہمیں اجازت ملنی چاہیئے ہم یوں کردیں گے ہم وہ کردیں گے، تو پھر منافقین بھی باتیں بناتے اور یہ ایک نفسیاتی اصول ہے کہ ایک شخص اگر باطنی طور پر کمزوری میں مبتلا ہو اور وہ کچھ احساس کمتری میں مبتلاء ہوجاتا ہے لیکن اپنے اس نقص اور عیب کو چھپانے کے لئے مجلس کے اندر بیٹھ کر لافزنی اور بڑکیں سب سے زیادہ وہی مارا کرتا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں باتوں باتوں میں بہادری ظاہر کروں تاکہ وہ میری اندر کی کمزوری جو ہے وہ چھپی رہے اور وہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ بزدل ہے۔

باتیں سب سے زیادہ وہی کیا کرتا ہے اور جب کام کا موقع آتا ہے تو پھر ڈھیلا پڑجاتا ہے بڑکیں مارنا اکثر و بیشتر ایسے لوگوں کا کام ہوتا ہے جو باطنی طور پر اس کمزوری میں مبتلاء ہوتے ہیں جس کو ہم احساس کمتری سے تعبیر کرتے ہیں اور آج آپ اس کو اس لفظ سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں کہ جو کردار کے نمازی نہیں ہوتے وہ گفتار کے غازی نہیں ہوتے، جو قوال ہوتے ہیں زیادہ گفتگو کرنے والے وہ فعال نہیں ہوتے، زیادہ بولنے والے اکثر و بیشتر کردار کے کمزور ہوتے ہیں، جیسے ڈاکٹر اقبال کا بھی شعر ہے اپنے متعلق یہی کہ اقبال بڑا

من باتوں میں مھ لیتا ہے گفتار کا نمازی تو بنا

کردار کا غازی بن نہ سکا

وہ قوال جو ہوتے ہیں وہ اکثر فعال نہیں ہوتے شاعر قسم کے لوگ اکثر بدعمل ہوتے ہیں تو اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے لفظی طور پر تو باتیں خوب کریں گے بڑکیں ماریں گے بیٹھ کر ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کریں گے کہ میں یوں کردوں گا ایسا موقع آگیا تو میں یہ کردوں گا زبان گدی سے کھینچ لوں گا ٹانگیں توڑ دوں گا، یہ کردوں گا اس قسم کی باتیں زبان پر چڑھی ہوئی ہوتی ہیں، لیکن جب موقع آجاتا ہے تو پھر ہوا بہت جلدی خارج ہوجاتی ہے، اسی طرح سے وہ منافق قسم کے لوگ جو تھے جن کے اندر ایثار و قربانی کا جذبہ پختہ نہیں تھا وہ حضور ﷺ کی مجلس میں باتیں تو خوب کرتے اور حضور ﷺ انہیں سمجھاتے کہ نہیں ابھی اپنے نفس کی تعمیر کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب تک حکم نہیں آتا اپنے آپ کو روک کر رکھو ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے نمازیں پڑھو اللہ کے راستے میں خرچ کرو تاکہ عمل کی قوت پیدا ہو، جب جہاد کا موقع آجائے گا اور اللہ کا حکم آجائے گا تو پھر جہاد بھی کرلیں گے۔

اور پھر کچھ دنوں کے بعد اللہ کی طرف سے اجازت آگئی ''اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا'' کہ جن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی جارہی تھی ان کو اجازت دیدی گئی لڑنے کی، حکم آگیا کہ اب لڑو جس وقت حکم آگیا تو اب دل بیٹھنے شروع ہوگئے،

اور اس طرح سے کافروں کا خوف مسلط ہو گیا ایسے ڈرنے لگ گئے جس طرح سے اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ اس سے زیادہ کیوں اللہ تعالیٰ سے خوف عقلی ہے اور عقلی خوف کے اوپر وہ آثار طاری نہیں ہوا کرتے، اور دشمن سے خوف طبعی ہے اور طبعی خوف کے آثار جو ہیں وہ فوراً طبعیت کے اوپر نمایاں ہو جاتے ہیں، آپ اس وقت اللہ تعالیٰ کا تصور کریں اللہ تعالیٰ کی جہنم کا تصور کریں، گناہ کرتے وقت بھی انسان کو آخر خیال آتا ہے لیکن انسان کانپتا نہیں اس کا رنگ نہیں اڑتا اللہ تعالیٰ کا تصور کر کے، حالانکہ ایمانی طور پر آپ جانتے ہیں عقلی طور پر آپ جانتے ہیں کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے، اور جہنم نا قابل برداشت ہے دنیا کی جیل اس کے مقابلے میں کوئی حقیقت ہی نہیں رکھتی، اس کے باوجود آپ کے رونگٹے کھڑے نہیں ہوتے، کانپتے نہیں، آپ کا رنگ نہیں اڑتا، بدحواسی آپ پر طاری نہیں ہوتی، لیکن جب پولیس کی طرف سے گرفتاری کا خطرہ ہو جائے تو کس طرح سے ٹانگیں کانپنے لگ جاتی ہیں رنگ انسان کا اڑ جاتا ہے، اور اس دنیا کی جیل کے تصور کے ساتھ انسان کی کیا حالت ہو جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خوف طبعی ہے اور طبعی خوف کے اثرات جو ہیں وہ جلدی طاری ہو جاتے ہیں عقلی خوف کے اثرات ایسے نمایاں نہیں ہوا کرتے۔

اور پھر اللہ تعالیٰ سے ڈر ہے تو اس کی رحمت کی امید بھی ہے اور دشمن سے ڈر ہی ڈر ہوتا ہے رحمت کی امید نہیں ہوتی اس کی بناء پر بھی اس کے اثرات زیادہ سخت ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ان کے اوپر جہاد فرض کر دیا گیا لڑنا فرض کر دیا گیا تو اس طرح سے ان کے اوپر ہیبت طاری ہو گئی جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیئے اس سے بھی زیادہ لوگ ڈرنے لگ گئے اب یہ نسبت جو ہے یہ تو جماعت کی طرف سے ہے، جیسے کہ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن کریم کی حکمت یہی ہے کہ کسی کی تعیین کر کے وہ برائی نہیں کرتا جماعت کے اندر جب اس قسم کے افراد موجود ہوتے ہیں تو ان افراد کی موجودگی میں جماعت کی طرف نسبت کر کے کہا جاتا ہے کہ تم میں سے بعضے ایسے ہیں بعضے ایسے ہیں جس کے دل میں چور ہو گا وہ خود سمجھ جائے گا کہ یہ میرے متعلق کہا جا رہا ہے، اور اجمالی طور پر سب کو محتاط کر دیا جائے گا کہ بعضے تم میں ایسے بھی ہیں جن کے جذبات ایسے ہیں ان کا خیال رکھو۔

دوسری جگہ قرآن کریم میں اسی قسم کے جذبات کو ان الفاظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے "ینظرون الیك نظر المغشی علیہ من الموت" کہ جب جہاد کا حکم آیا تو آپ کی طرف یہ یوں جھانکتے ہیں جس طرح سے موت کے اوپر غشی طاری ہو رہی ہو تو موت کی غشی جس وقت طاری ہوتی ہے تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں، اور جب انسان کسی طرح سے ہیبت زدہ ہو جاتا ہے تو ہیبت میں کہتے ہیں کہ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اس کی آنکھیں کھل گئیں اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، تو جہاد کے حکم آجانے کے بعد تیری طرف ایسے جھانکتے ہیں جیسے ایسا شخص جھانکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہوتی

ہے یہ بھی اس کمزور طبقے کی نشاندہی ہے منافق ہوں تو بھی اور منافق نہ بھی ہوں اخلاص کے ساتھ ایمان قبول کیا ہو چونکہ ابھی وہ ظلم کی چکی میں پسے نہیں تھے نئے نئے مسلمان ہونے والے کافروں کی طرف سے انہوں نے چھیڑ چھاڑ کو دیکھا نہیں تھا تو ان کی طبعیت میں ولولہ نہیں تھا ایک قسم کی کمزوری تھی، تو ان کمزوروں کی حالت کا نقشہ جو ہے وہ ان الفاظ سے کھینچا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے دلوں کو مضبوط کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ انہیں اب کہہ دیجئے کہ یہ جو دل میں تمہارے ولولے اٹھتے ہیں کہ کچھ دیر اور مہلت ملتی ہم ان کے ساتھ اپنا وقت گزار لیتے انہیں کہہ دو کہ دنیا کا ساز و سامان بہت کم ہے تم جہاد سے جو جی چراتے ہو لڑنے مرنے کا جو تمہارا جی نہیں چاہتا یہ دنیا کا مفاد پیش نظر ہے، آخرت کے مقابلے میں دنیا کا مفاد کوئی چیز نہیں اور آخرت کی نعمتیں حاصل ہوں گی ان کو جو تقویٰ اختیار کریں گے، تقویٰ کا مطلب ہے کہ اللہ کے احکام کی پابندی کرو۔

اول بات تو یہ ہوئی کہ دنیا کی نعمتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے جہاد کی مشقت سے جی چرانا یہ بھی گھاٹے کا سودا ہے دنیا اور آخرت کا کوئی مقابلہ نہیں، جہاد سے ہٹو گے بظاہر تم دنیا سے فائدہ اٹھاؤ گے لیکن یہ فائدہ بہت کم ہے اور آخرت کے فائدے سے محروم ہو جاؤ گے، دوسری بات یہ کہ تمہارے دل میں یہ جذبہ ہو یہ خیال ہو کہ جہاد میں جائیں گے تو مر جائیں گے اس لئے تم موت سے ڈرتے ہوئے جہاد پر نہیں جاتے تو یہ اپنے دل میں راسخ کر لو بات کہ موت سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا نہ موت وقت سے ٹلتی ہے اگر تم بڑے بڑے اونچے اونچے محل بنا کر مضبوط اور چونا گچ کر کے ان کو سنگ مرمر کے بنالو، تہہ خانے بنالو یا اونچے مکان بنالو جہاں کہیں بھی چھپ جاؤ موت تمہیں تلاش کر لے گی، موت سے تم بچ نہیں سکتے اس قسم کی تدبیریں اختیار کرنا جان بچانے کے لئے اس سے انسان بزدل مشہور ہو کر دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھا سکتا ہے، باقی اس قسم کی چیزوں کے ساتھ موت کا لقمہ بننے سے انسان بچ نہیں سکتا اس عقیدے کو جتنا مضبوط کیا جائے گا اتنا ہی جہاد کے اندر انسان بہادری دکھائے گا اور اس کے اندر قوت پیدا ہو گی اور یہ ایک واقعہ ہے اس کے اندر شک بھی کیا ہے، جو جہاد میں جاتے ہیں سارے مر نہیں جاتے اور جو گھروں میں چھپ کر رہتے ہیں وہ بچ نہیں جاتے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ساری زندگی میں لڑائیوں میں رہے وفات مدینہ منورہ میں گھر میں ہوئی اور آخر وقت میں کہتے تھے کہ میرے بدن کی ایک بالشت بھی خالی نہیں ہے کہ جس میں تیر تلوار یا نیزے کا زخم نہ ہو، لیکن آج میں گھر میں ایڑیاں رگڑ کر جان دے رہا ہوں، بزدلوں کی آنکھیں کھل جائیں بزدلوں کو نیند نہ آئے، مقصد یہ تھا کہ میری حالت دیکھ کر بزدلوں کو چاہیئے کہ عبرت حاصل کریں کہ میدان میں جانا کوئی موت کا باعث نہیں ہے، اور گھر میں چھپنے والے جھونپڑیوں سے بھی جنازے اٹھتے ہیں، کچے مکانوں میں وہاں سے بھی جنازے اٹھتے ہیں، اور ایک ایک ہزار آدمی پہرے پر کھڑا ہو کوٹھیوں کے اندر وہ بیٹھے ہوئے ہوں تو وہاں سے بھی جنازے نکلتے ہیں، دولت کے انبار لگے ہوئے ہوں تو بھی جنازے نکلتے ہیں فقیر

ہو فاقہ مست ہو تو بھی جنازے اٹھتے ہیں تو کون سی ایسی کیفیت ہے کہ جس کے اعتبار سے آپ کہہ سکیں کہ فلانی کیفیت اختیار کرنے سے آدمی بچ سکتا ہے، جب موت نے وقت پر آنا ہے اور لازماً آنا ہے تو پھر یہ جان بچانے کی اور چھپنے چھپانے کی کیوں کوشش کرتے ہیں موت نے آنا ہے وقت پہ آنا ہے میدان میں نکلو جان دو گے بہادروں کی طرح تو اللہ کے ہاں اجر پاؤ گے ورنہ یہ جان جائے گی تو ضرور اس طرح سے ان افراد کے دلوں کو مضبوط کیا جا رہا ہے ان پہلی آیات میں کیا آپ نے دیکھا ان لوگوں کی طرف جن سے کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اس میں ہی تعمیر نفس ہے، کہ پہلے اپنی تربیت کر لو اللہ تعالیٰ کے حکم کے اوپر چلنے اور مضبوط رہنے کی عادت ڈالو، جس وقت یہ پختگی پیدا ہو جائے گی تو اس کے بعد پھر جہاد کا حکم آئے گا۔

کیونکہ ثمرات جو حاصل ہوتے ہیں وہ تبھی حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ انسان کی طبعیت میں خلوص آ جائے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کی عادت پڑ جائے، وہ جہاد جو ہوگا وہ اللہ کے حکم کے تحت ہوگا خلوص کے ساتھ ہوگا تو اس کے اوپر اچھے اثرات مرتب ہوں گے، اور جب تک انسان نے اپنے نفس کی اصلاح نہ کی ہوئی ہو تو بظاہر یہ جہاد ہوتا ہے اور حقیقت کے اعتبار سے یہ فساد کی صورت اختیار کر جاتا ہے خلوص نہ ہونے کی وجہ سے اور ہمارے اوپر اچھے اثرات اس لئے مرتب نہیں ہوتے چونکہ ہمارے نفس کی تعمیر نہیں ہے، جیسے اکبر الہ آبادی کہتے ہیں کہ

خدا کی قدرت دیکھیے کیا پیچھے ہے کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غار حرا پہلے

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے غار حرا میں بٹھایا گیا وہاں آپ سے مجاہدے کروائے گئے ریاضت کرائی گئی اور اس ریاضت اور مجاہدے کے نتیجے میں بدر کے مقام پر پہنچایا گیا، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اصلاح نفس اور اس کے بعد پھر میدانی زندگی، اور ہمارے ہاں ترتیب الٹی ہو گئی کہ اصلاح نفس کی طرف تو توجہ ہی نہیں، قانون اسلام کے اجراء کے لئے جو لوگ سٹیجوں پر جہاد کرتے پھر رہے ہیں وہ نماز تک کے پابند نہیں اسلام اسلام زبانوں پر ہو گی لیکن اخلاق سارے کے سارے برباد اور تباہ، نجی زندگی جو ہو گی وہ بالکل ہی معصیت سے آلودہ تو ایسے لوگوں کی کوشش سے پھر اسلام بھی تو ایسے ہی آئے گا، اور اگر پہلے اپنی اصلاح کی ہوئی ہو اور خود اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند ہوں پھر جو زبان سے بات نکلے گی اس میں بھی اثر ہوگا، اور کوشش کا نتیجہ بھی کوئی اچھا نکلے گا، تو یہی تربیت تھی جو صحابہ کی کی گئی تھی کہ پہلے ان کو اقامت صلوۃ ادائے زکوۃ پر پختہ کیا گیا اور کہا گیا کہ لوگوں کے ظلم برداشت کرو پھر بعد کے اندر جہاد کا حکم نازل ہوا۔

"فلما کتب علیھم القتال" جب ان کے اوپر لڑنا فرض کر دیا گیا اچانک ان میں سے ایک فریق ڈرتا ہے لوگوں

سے مثل ڈرنے اللہ سے اللہ سے ڈرنے کی طرح ''خشیۃ اللہ'' کے اندر مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈرنا، اور کہنے لگ گئے یا ان کے دلوں میں ایسے وسوسے آنے لگ گئے، دلوں میں خیالات آنے لگ گئے، زبان سے کہنا مراد نہیں ہے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہم پر لڑنا کیوں فرض کر دیا کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں قریب وقت تک یعنی تھوڑی سے اور مہلت دیدے تاکہ امن اور چین سے وقت گزر جاتا، آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا سامان بہت قلیل ہے بہت تھوڑا ہے یہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اور آخرت بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کریں، اور تم کچھ بھی ظلم نہیں کئے جاؤ گے تمہاری حق تلفی نہیں کی جائے گی، اللہ کے حکم کے ساتھ جو تم تقویٰ کرو گے اس کا اجر پورا پورا ملے گا، اور جان بچانے کا جذبہ اگر تمہارے دل کے اندر ہے تو یہ بھی سن لو کہ جہاں کہیں بھی تم ہو گے موت تمہیں پالے گی اگر چہ تم مضبوطی محلات میں ہوں اور مضبوط قلعوں میں ہوں یہ تو ہوگی اس گروہ کی اصلاح جن کے دلون کے اندر اس طرح کے وسوسے آتے تھے، اب اگلی بات جو کہی جارہی ہے اس میں بھی منافقین کے طبقے کی اصلاح کرنا مقصود ہے بغیر ان کا عنوان قائم کئے کہ منافقین کے دل میں چونکہ سرور کائنات ﷺ کی عظمت تو تھی نہیں اور وہ آپ کو اللہ کا رسول دل کے عقیدے کے تحت تو مانتے نہیں تھے، وہ تو یوں سمجھتے تھے جیسے اللہ کی طرف نسبت کر کے خواہ مخواہ ایک اپنی شان بنالی ہے، ورنہ جس طرح سے دنیا کے اندر عام لیڈر رہنما ہوا کرتے ہیں اور اپنا اقتدار چاہتے ہیں اس طرح انہوں نے بھی اپنا اقتدار قائم کرلیا، منافقین کے جذبات تو ایسے ہی تھے ہر بات پر تنقید کرنا ان لوگوں کا کام تھا اگر کسی جگہ سرور کائنات ﷺ کے ارشاد کے مطابق عمل کرنے سے کوئی مسلمانوں کو فائدہ پہنچ جاتا جیسے بدر میں فتح ہوگئی یا اس طرح سے دوسرے بعض مواقع، تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ بس جی یہ تو من جانب اللہ چیز نصیب ہوگی ورنہ اس میں تمہارا تو کوئی کمال نہیں ہے، تم نے تو بدنظمی میں کوئی کمی نہیں کی تھی لیکن بس اللہ کی طرف سے قدرتی طور پر جس طرح ہم کہتے ہیں کہ قدرتی طور پر اچھا نتیجہ نکل آیا، اس وقت اس کو منسوب کرتے تھے اللہ کی قدرت کی طرف اور اگر کوئی نقصان ہو جاتا اور بات پر عمل کرنے سے کوئی تکلیف پہنچ جاتی تو اس کو حضور ﷺ کی بے تدبیری کا نتیجہ بتاتے۔

جیسے احد میں جس وقت شکست ہوگئی تھی تو ان کی زبانیں جو کھلی اس میں یہی بات تھی کہ ہماری بات نہیں مانی اپنی رائے پر عمل کیا جس کا نقصان اٹھالیا، اگر ہماری بات مان لیتے تو نقصان کیوں ہوتا، تو پھر وہ اس طرح سے زبان کے نشتر چلاتے کہ یہ ان کی بے تدبیری بے انتظامی کا نتیجہ ہے کہ یہ نقصان ہو گیا فتح ہو جاتی تو آپ کی عقل کا یا آپ کی رائے کا کمال نہ بتاتے یہ تو قدرتی طور پر ہو گیا ان کا تو کوئی کمال نہیں، نقصان ہوتا تو ذمہ داری آپ پر ڈالتے تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ان بے سمجھوں سے کہو کہ نفع ہو یا نقصان حقیقت کے اعتبار سے تو اللہ کی جانب سے ہے اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی

ہوتا ہے اس میں تو کوئی شک نہیں لیکن اس کے باوجود جو تمہیں خیر اور فضل پہنچے جو تمہیں بھلائی پہنچ جائے تو سمجھ کرو کہ یہ تمہیں اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت سے حاصل ہوئی ہے کیوں کی جب بھی انسان کو کوئی اچھی حالت پہنچتی ہے تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ اس حالت کے مطابق اس کا عمل نہیں ہوگا اگر حساب لگایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں جو ہر وقت ہم استعمال کرتے ہیں ہمارے اچھے سے اچھے عمل اس کا و معاوضہ نہیں ادا کر سکتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمتیں ہمیں نصیب ہیں تو ہمارے اعمال ہماری اس کوشش کتنی اچھی کیوں نہ ہو یہ تو کھائی پی ہوئی نعمتوں کا معاوضہ بھی نہیں بن سکتا، تو اس کو ہم مزید فوائد حاصل کرنے کے ذریعہ کیسے سمجھ لیں، اس لئے جو اچھی حالت ہمیں ملتی ہے وہ ہماری کوشش کی بجائے زیادہ تر اللہ کے فضل کے نتیجے میں ہے جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا۔

"لن یدخل الجنة احد بعمله" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ "ولاانت" آپ بھی اپنے عمل کے سبب سے نہیں جائیں گے فرمایا "ولاانا" میں بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جاسکتا مگر یہ کہ اللہ اپنی رحمت سے مجھے ڈھانپ لے اس کی وجہ سے یہ ہے کہ نیک اعمال تو ہماری ان نعمتوں کا معاوضہ بھی نہیں بن سکتے جتنی نعمتیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس دنیا میں کھائے بیٹھے ہیں پھر جو نیکی کی توفیق ہوئی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ہاں البتہ جس وقت ہمارے سامنے کوئی بری حالت آتی ہے، کوئی برا نتیجہ نکلتا ہے تو غور کریں گے تو یقینی کسی نہ درجے میں اپنی غلطی سامنے ہوتی ہے چاہے ہوتی وہ بھی اللہ کی مشیت کے تحت ہے لیکن ظاہری نسبت اس کی ہماری طرف ہوگی کہ ہم نے اس کے ارادے کو استعمال کیا یا جو ہم پر چیز لازم تھی ہم نے اس کی رعایت نہیں رکھی اس سے اب اس حقیقت کو نمایاں کیا جارہا ہے کہ اصل بات تو یہ ہے کہ نفع ہو یا نقصان ہو یہ من جانب اللہ ہے لیکن اس ظاہری سطح کی طرف دیکھتے ہوئے اچھی حالت کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھو اور جو بری حالت تمہیں پہنچ جائے تو وہ تمہارے اپنے نفس کی کسی کمی کوتاہی کی بنا پر ہوتی ہے جیسے بدر میں فتح ہوگی تو حقیقت کے اعتبار سے بھی اللہ کا فضل، ظاہری طور پر بھی اللہ کا فضل اور رحمت ورنہ ہمارے پاس اتنے اسباب نہیں تھے، اور احد میں اگر شکست ہوگئی تو چاہے ہوئی اللہ کی مشیت کے تحت لیکن ظاہری سبب اس کا تمہاری کوتاہی بنی کیونکہ انہوں نے حضور ﷺ کی ہدایات کی پابندی نہیں کی یہ تو ہے سمجھ داری کی بات کہ حقیقت اللہ کی طرف منسوب کرنے کے باوجود انسان کسی بری حالت کو اپنے عمل کی کوتاہی کا نتیجہ سمجھے اور جو اچھی حالت آجائے تو اس کو اللہ کا فضل ہی قرار دے سمجھ داری یہ ہے کہ لیکن یہ ایسے بے سمجھ لوگ ہیں کہ یہ سمجھنے کے قریب ہی نہیں جاتے کہ ان کو وہ بات سمجھائی جائے بس اپنی رٹ لگائے جاتے ہیں۔

تو کوئی اچھی حالت آجائے تو اس کی نسبت تو اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں بایں معنی کہ اس میں تمہارا کوئی کمال نہیں ہے تمہاری کوشش کا نتیجہ نہیں ہے اور اگر کوئی بری حالت پہنچ جائے تو ذمہ داری آپ پہ ڈالتے ہیں حاصل ان سب باتوں

کا یہ ہے کہ ان کے دل میں عظمت نہیں، اور آپ ان کی باتوں سے کوئی دکھ محسوس نہ کریں ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے یہ نہیں مانتے کوئی بات نہیں اللہ اس کے اوپر گواہ ہے اس طرح سے منافقین کی جو یہ ایک نفسی شرارت تھی، نفسانی شرارت اس قسم کی باتیں کر کے وہ حضور ﷺ کی عظمت کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے ان الفاظ میں اس کی اصلاح کی گئی ہے اگر ان کو اچھی حالت پہنچ جاتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے یعنی اس میں آپ کوئی کمال نہیں قدرتی طور پر یہ نتیجہ سامنے آ گیا اور اگر ان کو کوئی بری حالت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے آپ کی بدانتظامی اور بے تدبیری کا نتیجہ آپ کہہ دیجئے حقیقت کے اعتبار سے سب اللہ کی جانب سے ہے ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات سمجھنے کے قریب نہیں جاتے، اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے جو تمہیں اچھی حالت پہنچے وہ تو اللہ کی جانب سے ہے ورنہ تمہارے عمل یا تمہاری تدبیر اس درجے کی نہیں ہوتی کہ اس کامیابی کو حاصل کر لے اور جو کوئی بری حالت پہنچے تو یہ انسان سے کہا جا رہا ہے کہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے غور کرو کوئی نہ کوئی کوتاہی سامنے آ جائے گی جس کے نتیجے میں وہ نقصان ہوا۔

"ما اصاب من سيئة" یہ خطاب عام لوگوں کو ہے اور آگے خصوصیت سے حضور ﷺ کو کہا جا رہا ہے کیونکہ جب مخاطب سارے بیٹھے ہوں تو اس طرح ضمیریں جو لوٹائی جاتی ہیں سننے والے موقع محل کے مطابق ان کے مرجع خود سمجھ جایا کرتے ہیں کہ کس کے متعلق کہا جا رہا ہے تو جب یہ بات کہی جائے گی کہ ہم نے تو صرف آپ کو رسول ہی بنا کر بھیجا ہے لوگوں کی طرف ہم نے رسول بنا کر بھیجا تو متعین ہے کاف کا خطاب حضور ﷺ کو ہے اور والے کاف کا خطاب عام ہے ہر کسی مخاطب کو اور اللہ گواہ کافی ہے جو رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے اس میں یہ بات بتائی گئی کہ رسول جو کچھ کہتے ہیں اللہ کے احکام کے تحت کہتے ہیں اللہ کے اشارے کے تحت کہتے ہیں اپنی جانب سے کچھ نہیں کہتے رسول کا حکم ماننا ایسے ہی ہے جیسے اللہ کا حکم ماننا، "من يطع الرسول فقد اطاع الله ومن تولى" اور اگر کوئی پیٹھ پھیرتا ہے جو شخص پیٹھ پھیرے اور آپ کا حکم نہ مانے اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ذمہ دار ہیں آپ ان کو صحیح راستے پر ضرور چلائیں یہ ذمہ داری آپ پر نہیں ہے، "يقولون طاعة" جب آپ کی مجلس میں آتے ہیں تو اس وقت باتیں ایسی کرتے ہیں جیسے انتہائی فرمانبردار ہیں، "امرنا طاعة" اصل ترکیب کے لحاظ سے جملہ یوں بنتا ہے ہمارا کام تو ماننا ہی ہے ہمارا کام تو اطاعت کرنا ہی ہے جس کو ہم اپنے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سر تسلیم خم جو مزاج یار میں آئے سامنے بیٹھ کر تو ایسے ہی کہتے ہیں جو فرمایا آپ نے ہمیں قبول ہے ہمارا تو کام ہی یہ ہے کہ آپ حکم دیں اور ہم اس پر عمل کریں ہم تو فرمانبردار ہیں ہم تو پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہنا ماننے کے لئے ہم آئے یہاں کس لئے ہیں آپ کہنا نہیں مانیں گے تو سامنے بیٹھ کر تو اس قسم کی باتیں کرتے ہیں بڑا جانثاری کا ثبوت دیتے ہیں یہ بھی نفاق کا ایک شعبہ ہے کہ مجلس میں بیٹھ کر تو اس قسم کی باتیں کیں

جب وہاں سے اٹھ کر چلے گئے پھر جا کر ان باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں لو جی فلانی بات ایسی کر دی یہ کوئی کرنے کی بات تھی یہ بھلا کوئی کام کرنے کا ہے جو کرنے کے لئے کہہ دیا کہ ایسے کر دو، کہ اگر اللہ کے رسول ہیں اللہ کی طرف سے مدد آتی ہے تو فلاں جگہ مار کیوں کھالی ہے پھر مجلسوں میں بیٹھ کر اس قسم کا مذاق اڑاتے ہیں تو یہ بھی ایک نفاق کا شعبہ ہے سامنے بیٹھ کر تو سر تسلیم خم اور پس پشت جا کر انہیں باتوں پر تبصرے اور مذاق اڑانا، تو یہ جو حالات ذکر کئے جا رہے ہیں اس میں ان لوگوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اپنے کردار پر نظر ثانی کرو تمہارا کردار کوئی ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے، اور معلوم بھی ہو گیا کہ کس طرح سے کرنا ہے یہ بھی نفاق کا شعبہ ہے۔

تو حضور ﷺ کی مجلس میں جس طرح سے لوگ یوں کرتے تھے ہر زمانے میں ہر دور میں اس قسم کی جماعتوں میں ہوا کرتے ہیں جب سامنے بیٹھے ہیں اپنے بڑے کے تو حال کچھ اور ہوتا ہے جب اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو حال کچھ اور ہوتا ہے یہ بھی ایک قسم کا نفاق ہے جو جماعت کے اندر بدنظمی پیدا کرتا ہے اور وں آپس میں جڑے نہ ہونے کی وجہ سے پھر اس کام کے اندر برکت نہیں ہوتی کہتے ہیں کہ ہمارا کام تو قبول کرنا ہی ہے ہمارا کام تو ماننا ہی ہے جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک طائفہ باتیں کرتا ہے غیر اس کے جو وہ کہہ کر آتا ہے یعنی مجلس کے اندر جس قسم کی فرمانبرداری کر کے آتا ہے مجلس سے نکلنے کے بعد پھر ان کے جذبات فرمانبرداری والے نہیں ہوتے اس کے خلاف مشورے کرتے ہیں اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں جیسے بیت کا مفہوم آپ کے سامنے ذکر کر دیا کہ خفیہ طور پر بات کرنے کو بھی تبییت سے تعبیر کیا جاتا ہے چاہے رات کو نہ ہی ہو ورنہ اصل کے اعتبار سے رات کو چھپ کر کام کرنے کو کہتے ہیں، جیسے لڑائی جو چھپ چھپا کر کی جائے تو اس کو تبییت سے تعبیر کر دیا جاتا ہے جس کو آج کل شب خون مارنا کہتے ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ مجلس میں جا کے جو تم اس قسم کی باتیں کرتے ہو ہم سے چھپی رہ جائیں گی، ''واللہ یکتب مایبیتون'' جو خفیہ طور پر یہ باتیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم لکھ رہے ہیں اللہ لکھتا ہے ان باتوں کو جو وہ خفیہ طور پر کرتے ہیں۔

''فاعرض عنھم '' یہ ہے بڑوں والی بات جو سمجھائی جا رہی ہے کہ آپ ان سے اعراض کر جائیں آپ ان کے پیچھے نہ پڑا کریں ذرہ ذرہ سی بات معلوم ہو جائے تو آپ کا احساس کریں، افسردہ ہو جائیں غم زدہ ہو جائیں ان سے اعراض کر جاؤ ان سے منہ موڑ جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو یہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ان سے بنے بنائے گا کچھ نہیں یہ بگاڑ سکتے، یہ کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتے یہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اللہ پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ کارساز کافی ہے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ قائد کو اس قسم کی صفات کا حامل ہونا چاہیئے کہ جماعت کے اندر اس قسم کے افراد موجود بھی ہوں تو بس ان سے لاپرواہی کرو، اگر کبھی اس قسم کی باتوں کا پتہ چل بھی گیا اور چھوٹی چھوٹی بات کو محسوس کرنا اور ان کے پیچھے پڑ جانا یہ اچھی بات نہیں ہوتی اللہ پر بھروسہ کر کے

اپنے صحیح اصولوں پر چلتے رہو اور اگر کچھ افراد جماعت کے اندر ایسے موجود ہوں جن کا آگا کچھ ہے اور پیچھا کچھ ہے اور سامنے کچھ ہیں اور گھر جانے کے بعد کچھ ہیں تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا اپنے طور پر صحیح اصولوں پر چلو اور ساتھ ان کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جن کے ایسے حالات ہیں وہ اپنے حالات کو ٹھیک کر لیں۔

"افلا یتدبرون القرآن" یہ لوگ آپ کو رسول نہیں سمجھتے اور ان کے دل میں آپ کے رسول ہونے کی عظمت نہیں ہے تو کیا یہ قرآن کریم میں غور نہیں کرتے اگر یہ غور کریں تو انہیں پتہ چل جائے کہ یہ اللہ کی کلام ہے اور یہ جب اللہ کی کلام ہے تو جس پر اتری ہے وہ اللہ کا رسول ہے اور جب رسول اس کلام کے اشارات کی تباع کرتا ہوا کوئی کام کرتا ہے تو اس میں اچھا نتیجہ سامنے آ جائے برا نتیجہ سامنے آ جائے جو کچھ بھی ہو رسول کو ملامت نہیں کی جا سکتی اگر یہ قرآن کریم میں تدبر کرتے یہ بات ان کو سمجھ میں آ جاتی کہ یہ اگر اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے لیکن قرآن کریم میں غور کرو اول سے لیکر آخر تک اس میں کسی قسم کلا اختلاف نظر نہیں آئے گا ایک ہی جیسی کلام فصاحت اور بلاغت کے اعتبار سے احکام کے اعتبار سے جچی تلی کوئی حکم مصلحت کے خلاف نہیں، واقعات کے اعتبار سے ٹھیک کوئی واقعہ ایسا نہیں جس کو آپ جھوٹا کہہ سکیں کہ یہ واقعہ پیش نہیں آیا اور آپ نے یوں کہہ دیا انسان کا کلام ہو تو آپ کو اس میں مختلف چیزیں نظر آئیں گی غصے کی حالت میں اس کی کلام اور طرح کی ہوتی ہے پیار اور محبت میں اس کی کلام اور طرح کی ہوتی ہے غصہ آیا ہوا ہو تو انسان اعتدال پر نہیں رہتے محبت کا جذبہ ہو تو انسان اعتدال پر نہیں رہتے محبت کا جذبہ ہو تو انسان اعتدال پر نہیں رہتا غصے کی حالت میں کلام ہو رہی ہو اور درمیان میں اس کا دوست بھی آ جائے تو اس کو بھی تلخ لہجے کے ساتھ جواب دے گا، چنانچہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یار موڈ ہی خراب تھا جس وقت ہم گئے تھے اس لئے بات الٹی کی ہے انہوں نے اور جس وقت وہ غصے کی کیفیت اتر جاتی ہے تو پھر انسان بات صحیح طریقے سے کرتا ہے اور اگر محبت کا جذبہ دل میں بیٹھا ہو تو دشمن بھی آ جائے تو انسان اس کے حق میں بھی نرم ہوتا ہے اس قسم کے نشیب و فراز انسان کی کلام میں بہت ہوتے ہیں۔

لیکن قرآن کو اول سے لیکر آخر تک پڑھتے جاؤ اس قسم کا نشیب و فراز آپ کو کہیں بھی معلوم نہیں ہوگا نہ غصے سے بات اعتدال سے ہٹتی ہے نہ محبت میں بات اعتدال سے ہٹتی ہے عین غصے کی حالت میں اگر نیکوں کا ذکر آ گیا تو اسی طرح سے محبت سے ہو رہا ہے عین محبت کی حالت میں نیکوں کا ذکر ہو رہا ہے، اگر درمیان میں کافروں کا ذکر آ گیا تو اس میں وہی چیز ہوگی کوئی اختلاف کسی قسم کا نظر نہیں آتا، تو ایسے جڑی ہوئی کالم کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں اس سے عقائد پیدا ہو رہے ہیں، جس طرح سے اصول ہوتے ہیں اور اس سے احکام نکال رہے جس طرح سے درخت سے شاخیں نکل رہی ہیں تو اس کے اوپر ان کے ثمرات ذکر کر رہے ہیں جس طرح سے درخت کے اوپر پھل آتا ہے تو اول سے لیکر آخر تک ایک منظّم طریقے سے زندگی

نظر آتی ہے اگر اس کے اندر کسی دوسرے کا ذہن کارفرما ہوتا اللہ کے غیر کی جانب سے ہوتا تو اس طرح سے نظم بھی اس چیز کا معلوم نہ ہوتا جیسے اللہ تعالیٰ نے اس ظاہری کائنات میں یہی دلیل دی ہے، ''لو کان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا'' اگر اللہ کے علاوہ اس میں کوئی اور الٰہ ہوتے تو اس میں فساد ہوتا اس میں نظم نہ قائم رہ سکتا، اب باوجود اس بات کہ چیزیں مختلف ہیں لیکن ان میں کس طرح سے اتحاد ہے آگ پانی مٹی ہوا، آپس میں اتحاد کی صورت میں اس دنیا کے نظم کا باعث بنے ہوئے ہیں، زمین اور چیز ہے آسمان اور چیز ہے لیکن دونوں کا آپس میں ربط ہے جس کی بناء پر دیکھو کس طرح کے ثمرات ظاہر ہو رہے ہیں، سورج ہے چاند ہے اس طرح سے ساری چیزیں اپنے نظم کے ساتھ چلتی ہیں اور ان کے اثرات کس طرح سے متفق علیہ مرتب ہوتے ہیں یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ساری کائنات کا نظم کسی ایک کے ہاتھ میں ہے اگر اللہ کے کسی غیر کے ہاتھ میں ہوتا تو اس طرح سے نظم بحال نہ رہ سکتا۔

جس طرح سے اب نظم ہے اور پھر انسانوں کی کلام ہوتی تو کتنے اختلافات اس میں نمایاں ہوتے، فصاحت کے اعتبار سے بلاغت کے اعتبار سے، واقعات کے اعتبار سے احکام کے اعتبار سے اور اسی طرح دوسری چیزوں کے اعتبار سے لیکن یہاں کسی چیز کا بھی کوئی اختلاف نہیں ہے، فصاحت بلاغت کا ایک ہی معیار ہے احکام جتنے ہیں سب اعتدال پر مبنی ہیں واقعات جتنے ہیں سب صحت پر مبنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اس طرح سے جچے تلے الفاظ میں بیان کئے گئے ہیں کہ جس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہی نہیں، اس سے ان کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی کلام ہے اور اللہ کی کلام ہونے کے بعد آپ کی رسالت کا عقیدہ بنتا ہے اور رسالت کا عقیدہ بننے سے پھر آپ کی عظمت ان کے قلب میں آتی اور آپ کی اطاعت اس طرح سے کرتے جس طرح سے کہ اللہ کی اطاعت کی جاتی ہے۔

''واذا جاء ھم امر من الامن اولخوف '' یہ ان کی بدعنوانی ہے انتظامی طور پر کہ یہ اس قسم کے ہلکے پھلکے لوگ ہیں کہ کوئی خبر پہنچ جائے تحقیق کرنے کی ضرورت محسوس ہی نہیں کرتے ایسے مشورے کر دیتے ہیں یہ پروپیگنڈہ کرنے کا جس طرح سے لوگوں کو بڑا سلیقہ ہوتا ہے بات ایک ہاتھ آ گئی فوراً اڑا دی تحقیق کی ضرورت ہی نہیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط اور بسا اوقات اس قسم کی افواہیں پھیلا دینا نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں امن کا مطلب یہ ہے کہ خبر ایسی آ گئی کہ جس میں خوشی ہے امن کی خبر ہے اس کو سن کر انسان مطمئن ہو کر بیٹھ جائے خوف کا مطلب یہ ہے کہ کسی دشمن کی طرف سے چڑھائی کا اندیشہ ہے تو بلاوجہ خوف وہراس پھیلا دینا جب کوئی فوج باہر گئی ہوئی ہے تو ایسے ہی مشہور کر دینا کہ وہ فتح پا گئی ہے اور یوں ہو گئی ہے اور کبھی ایسے ہی مشہور کر دینا کہ ان کو شکست ہو گئی، یہ ذہنی پریشانی کی چیزیں ہوتی ہیں اس لئے خاص طور پر جنگ کے دوران میں ہر ملک میں افواہیں پھیلانے کے اوپر سخت پابندی لگی ہوئی ہوتی ہے کہ افواہوں کے ساتھ بسا اوقات خراب نتائج نکلتے ہیں لوگوں کے حوصلے ٹوٹ

جاتے ہیں یا بلاوجہ لوگ مطمئن ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے نقصان سامنے آتا ہے، آپ حضرات کے سامنے ۶۵ء والی جنگ کا نقشہ تو نہ ہو یہ جو ۷ء میں ہوئی تھی اس میں بھی آپ نے ریڈیو پر سنا ہوگا کہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یہ اعلان ہوتا تھا کہ باقاعدہ افواہیں نہ پھیلائیں افواہیں پھیلانے والوں کی نشاندہی کریں ایسے لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں تو افواہیں پھیلانا جو ہے یہ ہمیشہ ملک کے اندر ایک بدنظمی کا باعث بنتا ہے، تو یہ ان کی بدنظمی ہے ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے، اگر کوئی خبر آئے تو یہ لے کر آیا کریں اللہ کے رسول کے پاس یا اس معاشرے میں جو صاحب اختیار لوگ ہیں سمجھدار قسم کے لوگ جو بات کی تحقیق کرکے یہ جان سکتے ہوں کہ یہ بات صحیح ہے یا غلط تو پھر اگر وہ صحیح کہہ دیں پھیلانے کی ہو تو اس کو پھیلا دیا جائے، نہ پھیلانے کی ہو تو نہ پھیلایا جائے، بلاتحقیق بات کو سنا سن کر آگے مشہور کردینا یہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔

اس لئے حدیث شریف میں اس کی بہت سخت ممانعت آئی ہے، الفاظ آتے ہی حدیث شریف "من حدث بکل ماسمع" کسی آدمی کے لئے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو آگے نقل کردیا کرے جس کی یہ عادت ہو کہ سنی ہوئی بات کو آگے نقل کردے گا آخر میں جھوٹوں میں شمار ہوجائے گا جب ان کے پاس کوئی امر آتا ہے امن سے یا خوف سے تو اس کو مشہور کردیتے ہیں یہ اسی کمزور جماعت کی ایک بدعنوانی ہے انتظامی اگر اس کو لوٹا دیا کریں رسول کی طرف اور اپنے میں سے سمجھدار لوگوں کی طرف اولی الامر جیسے حکام پر بولا جاتا ہے علماء فقہاء سمجھدار لوگوں پر سمجھدار لوگ متاع ہوا کرتے ہیں یہ معاشرے میں چاہے ان کو حکومت کے اعتبار سے کوئی اقتدار نہ ہی حاصل ہو تو بھی عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے ان سے بات پوچھ کر اس کے اوپر عمل کرتے ہیں ایسا سمجھدار طبقہ جو معاشرے میں اولی الامر کا مصداق ہوتا ہے فقہاء علماء صاحب رائے لوگ تو جان لیتے اس بات کو وہ لوگ جو اس کی تحقیق کرلیتے ہیں ان میں سے جن کو تحقیق کی عادت ہوتی ہے وہ جان لیتے ہیں جاننے کے بعد پھر وہ بتاتے ہیں کہ یہ اشاعت کے قابل ہے کہ نہیں ہے، اگر یوں کیا کریں تو ان کے حق میں بہتر ہے اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو تم شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے سے، تھوڑے سے جن کو اللہ نے سلیم طبع بنایا ہے جن کی عقل سلیم ہے وہ بچ جاتے ورنہ اکثر و بیشتر شیطان کے طریقوں پر چل جاتے یہ اللہ کی فضل و رحمت ہے کہ اس نے رسول بھیجا کتاب نازل کی موقع بموقع تمہیں ہدایات دی جارہی ہیں تو اس اللہ کی رحمت اور فضل کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے اور ان احکام کی پابندی کرنی چاہیئے اس میں تمہارا فائدہ ہے اگر اللہ کی طرف سے اس طرح کی راہنمائی نہ ہوتی تو تم سب لوگ خسارے میں پڑجاتے شیطانی طریقہ اختیار کرلیتے کچھ بچتے جن کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم یا طبعیت اچھی دی ہے تو وہ کوئی بچ بھی سکتے ہیں ورنہ اکثریت ایسی ہوتی جو شیطان کے متبع ہوجاتی۔

"فقاتل فی سبیل اللہ" شروع رکوع میں بعض لوگوں کا ذکر آیا تھا جو جہاد کے بارے میں اپنے دلوں کے اندر

کمزوری رکھے ہوئے تھے، اور اسی کی مناسبت سے کچھ آگے مضامین ذکر کر دیئے گئے اس آیت میں پھر رجوع ہے اسی مضمون جہاد کی طرف اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو اللہ کے راستے میں لڑائی لڑ خطاب ہے سرور کائنات ﷺ کو کہ آپ قتال کریں اللہ کے راستے میں نہیں تکلیف دیا جاتا تو مگر اپنی جان کی یعنی آپ اپنے نفس کے مکلّف ہیں اور مؤمنین کو ترغیب دیتے رہیں اگر آپ کے ترغیب دینے سے کوئی شخص جہاد پر آمادہ ہو جائے جہاد میں شریک ہو جائے اس کی سعادت ہے اور اگر آپ کے ترغیب دینے سے کوئی مائل نہیں ہوتا یا اس جہاد کے معاملے میں کوتاہی کرتا ہے تو آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں اگر آپ اکیلے بھی اللہ کے راستے میں لڑنے کے لئے نکل جائیں گے تو اللہ کی نصرت آپ کے ساتھ ہوگی، اللہ آپ کو فتح دے گا امید ہے قریب ہے یعنی امید کی جا سکتی ہے اور امید دلانا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وعدہ ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی امید دلائیں تو یہ وعدہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ روک دے ان لوگوں کی لڑائی کو جنہوں نے کفر کیا، اللہ تعالیٰ لڑائی والا ہے اور سخت سزا دینے والا ہے۔

آگے مسئلہ ذکر کیا جا رہا ہے شفاعت کا شفاعت کا مفہوم آپ کی خدمت میں عرض کر دیا گیا تھا کہ شفع جوڑنے کو کہتے ہیں اس لئے یہ دو رکعات نفل کی یہ شفع کہلاتی ہیں جس کے مقابلے میں لفظ وتر آیا کرتا ہے اور یہ جو معروف شفاعت ہے جس کو ہم شفارش کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی شخص کی رائے کے ساتھ اپنی رائے جوڑ دی اور اس کی قوت کے ساتھ اپنی قوت شامل کر دی جس سے دوسرے کا کام بن جاتا ہے اس کو تائید حاصل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اچھی شفارش کرے تو اس کی وجہ سے اس کو ثواب کا حصہ ملے گا اور اگر کوئی بری شفارش کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کو گناہ کا حصہ ملے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے، ماقبل کے ساتھ مناسبت اس کی بایں معنی ہے کہ قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی تھی، اور یہ دلالت علی الخیر ہے نیکی کے اوپر راہنمائی کرنا اور یہ اصول بتایا گیا ہے کہ ’’الدال علی الخیر کفاعلہ‘‘ اگر کوئی شخص کسی نیکی کے اوپر دلالت کرتا ہے تو وہ اس کے کرنے والے کی طرح ہوتا ہے جیسے نیکی کرنے والے کو ثواب ملتا ہے اسی طرح سے اس نیکی کی طرف راہنمائی کرنے والے کو نیکی پر دلالت کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے، اور شفارش میں بھی یہی بات ہے کہ ایک شخص کو نیکی کی ترغیب دی جاتی ہے نیکی کے لئے راہنمائی کی جاتی ہے تو جیسے نیکی کرنے والے کو ثواب ملے گا اس کو بھی ملے گا۔

سرور کائنات ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ کرام سے فرمایا مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے تو کوئی سائل آ گیا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم اس کی شفارش کر دو تمہیں اجر ملے گا باقی اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ فرمائیں گے، تمہاری سفارش کرنے کا ثواب بہرحال مل جائے گا، اس میں بھی یہی ترغیب دینا مقصود ہے کہ کسی

مسکین کسی محتاج کی شفارش کر دینا اور اس کا کام بنوانے کی کوشش کرنا یہ نیکی کا کام ہے یہ دلالت علی الخیر ہے اس سے انسان کو اجر ملتا ہے لیکن شفاعت کے ساتھ قید لگا دی حسنہ کی اچھی شفارش، اچھی شفارش کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس مقصد کے لئے شفارش کی جائے وہ مقصد بھی اچھا ہو اور اس شفارش کرنے کے لئے طریقہ کار بھی جائز اور اچھا اختیار کیا جائے اگر مقصد اچھا نہیں تو ایسی صورت میں بھی شفاعت کو شفاعت حسنہ نہیں کہیں گے، اور اگر مقصد تو اچھا ہے لیکن اس کے لئے طریقہ کا غلط اختیار کیا گیا تو ایسی صورت میں بھی شفاعت حسنہ نہیں ہوگی، بلکہ صفات سیئہ کے اندر شامل ہو جائے گی، اچھا مقصد تو یوں کہ ایک واقعی ضرورت مند ہے یا مظلوم ہے اور وہ کسی سے اپنا حق طلب کرتا ہے یا کسی سے کوئی امداد چاہتا ہے، اور آپ مناسب طریقے سے شفارش کریں کہ دوسرے کے اوپر کوئی رعب ڈالنا مقصود نہیں ہے وجاہت کا اثر ڈالنا مقصود نہیں ہے کہ وہ آپ کے سامنے مجبور ہو جائے آپ کی بات ماننے پر اور دل کے تقاضے کے مطابق وہ عمل نہ کر سکے یہ شفارش جو ہوگی یہ باعث ثواب ہے ورنہ شفارش کرنے والا اس کو مجبور کرے اور اسی طرح سے اس کے اوپر کوئی وجاہت کا اثر ڈالے اور وہ شخص طیب نفس کی خاطر اس کی امداد نہ کرے، شرما شرمی کرے آپ کے رعب میں آکے امداد کر دے۔

تو آپ کے سامنے پہلے یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کا مال حلال نہیں ہوتا مگر اس کی دل کی خوشی کے ساتھ تو یوں دباؤ ڈال کر رعب ڈال کر وجاہت کا اثر ڈال کر اس کی مرضی کے خلاف اس سے پیسے نکلوا کے کسی مسکین کی امداد کروا دی جائے تو یہ اچھی بات نہیں ہے، مقصد چاہے نیک تھا لیکن طریقہ کار اچھا اختیار نہیں کیا گیا یا مدرسے کا چندہ کرنے کے لئے کوئی ناجائز ذریعہ اختیار کیا جائے اور اس ناجائز ذریعے کے ساتھ امداد وہاں پہنچائی جائے یہ ساری کی ساری شفاعت حسنہ کے ساتھ ہے، پھر یہ شفاعت حسنہ کا مطلب یہ ہوا کرتا ہے کہ آپ شفارش کر دیں متوجہ کر دیں ترغیب دیدیں، دوسرے کے لئے اس کا ماننا ضروری نہیں ہوتا کہ دوسرا مان بھی لے اور اگر وہ نہ مانے تو شفارش کرنے والے کے لئے کوئی ناراضگی نہیں ہونی چاہیئے، یہ درجہ ہے شفارش کا، اور اگر شفارش کرنے والا ناراض ہو جائے کہ میری شفارش کیوں نہیں مانی گئی تو یہ شفارش نہیں یہ حکم ہے، حکم اور شفارش کے درمیان فرق ہے، ایک ہے کہ ایک بڑا چھوٹے کو حکم دیدے کہ یوں کام کر اس میں تو اس درجے کے مطابق تعمیل ضروری ہے، ایک ہے مشورہ اور شفارش اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی رائے ظاہر کر دی باقی دوسرے کو اختیار ہے کہ قبول کرے نہ کرے اور اگر وہ قبول نہیں کرتا تو شفارش کرنے والے کو کوئی ناراضگی نہیں محسوس کرنی چاہیئے۔

حدیث شریف میں واقعہ موجود ہے کہ جس وقت بریرۃ کو آزاد کر دیا گیا یہ لونڈی تھی باندھی تھی اور منکوحہ تھی ان کا نکاح ہو یا ہوا تھا ان کے شوہر کا نام ہے مغیث جو کہ غلام تھا بعد میں آزاد ہو گیا جب اس کو آزاد کیا گیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

طرف سے تو وہ آزاد ہو چکا تھا اس سے پہلے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی مسئلے کو واضح کرتے ہوئے بریرۃ سے کہہ دیا تھا کہ تجھے اختیار ہے چاہے تو تو مغیث کے ساتھ نکاح کو باقی رکھ چاہے تو نہ رکھ، جس کو آپ خیار عتق سے تعبیر کرتے ہیں کہ جب کوئی باندھی آزاد ہو جائے تو اس کو اجازت ہے کہ پہلا نکاح جو اس کے مولیٰ کے زمانے کا ہو یا ہوا ہے اس کو باقی رکھے یا توڑ دے اس کو خیار عتق کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے، جس طرح سے خیار بلوغ کا ذکر آپ کے سامنے آپ کی کتابوں میں آتا ہے اگر باپ اور دادا کے علاوہ کسی دوسرے متولی نے نابالغ لڑکی کا نکاح کر دیا تو بالغ ہوتے ہی اس کو اعتراض کر کے اپنا نکاح تڑوانے کا حق ہے اس کو خیار بلوغ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے باپ کا کیا ہوا نکاح اس کے خلاف اپیل نہیں ہو سکتی، دادے نے کیا ہو اس کے خلاف اپیل نہیں ہو سکتی، ہاں البتہ اگر ان کے علاوہ کسی اور ولی نے کیا ہے چچا نے کیا ہے چچا کے بیٹے نے کیا ہے، بھائی نے کیا ہے ان سب میں سے اگر کسی نے نابالغہ کا نکاح کر دیا تو مسئلہ یہ ہے کہ بالغہ ہوتے ہی وہ کہہ دے کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں ہے تو ایسی صورت میں وہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے۔

تو جس طرح خیار بلوغ ہے اسی طرح خیار عتق بھی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خیار عتق کا مسئلہ واضح فرمایا اور بریرۃ سے کہہ دیا کہ تیری مرضی اس نکاح کو باقی رکھ تیری مرضی توڑ دے بریرۃ اس نکاح کو توڑنے کے لئے آمادہ ہو گئیں نکاح اس نے فسخ کر دیا، مغیث کو بہت محبت تھی بریرۃ کے ساتھ وہ بے چارہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں بریرۃ کے پیچھے پیچھے روتا پھرتا تھا اور بریرۃ ادھر جھانکتی بھی نہیں تھی، تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عباس دیکھو مغیث کو کتنی محبت ہے بریرۃ کے ساتھ، اور بریرۃ کو کتنا بغض ہے مغیث کے ساتھ تو اس مغیث کا حال دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفارش کی اور کہا کہ بریرۃ کہ کیا ہی اچھا ہو کہ تو اس کی طرف رجوع کرے تو بریرۃ باوجود اس بات کے کہ باندھی تھی لیکن اتنی سمجھ اس کو ہو چکی تھی اسلامی معاشرے میں رہنے کی وجہ سے کہ مشورہ میں اور حکم میں فرق ہوتا ہے، تو پوچھتی ہے یا رسول اللہ! اگر حکم ہے تو سر آنکھوں پر آپ نے فرمایا کہ حکم نہیں مشورہ ہے تو فرمایا کہ پھر مجھے ضرورت نہیں، مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو جب شارع علیہ السلام کے مشورے کو بھی اپنی ثواب دید کے مطابق رد کر دے یہ کوئی نہ معصیت ہے اور نہ اس میں کوئی ناراضگی کی بات ہے تو کسی ددسرے کا درجہ کیا ہو سکتا ہے۔

اس لئے مشورے اور شفارش اور حکم میں فرق ہوتا ہے حکم کی مخالفت نہیں کی جا سکتی بشرطیکہ حکم دینے والا آپ کے اوپر کوئی حق رکھتا ہو حکم دینے کا جس درجے کی اطاعت واجب ہے اس درجے کا حکم ماننا ضروری ہے اور اگر مشورہ دیا جائے اگر بڑے کی طرف سے ہو چاہے چھوٹے کی طرف سے شفارش کی جائے چاہے بڑے کی طرف سے ہو چاہے چھوٹے کی طرف سے ہو پھر انسان اپنی ثواب دید کے مطابق قبول بھی کر سکتا ہے اور رد بھی کر سکتا ہے، اس کی یہ شرعی حیثیت نہیں کہ اس کو ضرور مانو

اوراس کے رد کرنے کی صورت میں شفارش کرنے والے کو ناراض ہونے کا کوئی حق نہیں کیونکہ اگر یہ ناراض ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو شفارش کا مطلب نہیں سمجھتا، یا یہ شفارش نہیں بلکہ حکم ہے، تو شفاعت حسنہ کے اندر یہ بات ہوا کرتی ہے کہ مقصد اچھا، اس کے لئے طریقہ کار اچھا، اور شفارش کرنے والا اپنی رائے ظاہر کر کے فارغ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد اس کا منوانا یا دوسرے کا منوانا کوئی ضروری نہیں ہوتا، اور اس کے مقابلے میں شفاعت سیئہ بری شفارش غلط مقصد کے لئے کی جیسے ایک مجرم پکڑا گیا اور اس کے اوپر شرعی سزا جاری ہو رہی ہے اور آپ اس کو بچانے کے لئے شفارش کرتے ہیں، ظالم کی شفارش کرتے ہیں تا کہ اس کو سزا نہ ہو تو برا مقصد ہے یہ شفاعت جو ہے یہ شفاعت سیئہ ہے۔

اس کے مطابق بھی واقعہ حدیث شریف میں آتا ہے فتح مکہ کے موقع پر یا حجۃ الوداع کے موقع پر جب حضور ﷺ مکہ معظّمہ میں تشریف لائے تھے اور آپ کے اختیارات وہاں قائم ہو چکے تھے حکومت اسلامی ہو گئی تھی غالباً حجۃ الوداع کے موقع کی بات ہے قریش کا خاندان تھا ایک بنو مخزوم ان کی ایک لڑکی تھی فاطمہ نامی، مالیات کے بارے میں کچھ اس کی عادت خراب تھی جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس کی عادت تھی کہ لوگوں سے مانگ کر کوئی چیز لیتی بعد میں انکار کر دیتی کہ میں نے تو لی ہی نہیں ہے مالیات کے بارے میں کچھ غیر محتاط تھی، اور وہ چوری کرتی ہوئی پکڑی گئی، سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں مقدمہ پیش ہو گیا اور وہ چوری کا ثبوت ہو گیا تو یہ مسئلہ ہے کہ جب حاکم وقت کے سامنے حد شرعی کا ثبوت مہیا ہو جائے پھر اس کی حد کے معاف کرنے کا اختیار حاکم کو بھی نہیں ہے، یہ حق اللہ ہے اس کو حاکم معاف نہیں کر سکتا، ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کسی چور کو پکڑ لیں اور اس کو وہیں معاف کر دیں، اپنا سامان اس سے لے لیں یا سامان بھی چھوڑ دیں اور مقدمہ عدالت میں نہ لے کر جائیں ایسا ہو سکتا ہے یعنی صلح چور کے ساتھ ہو سکتی ہے عدالت میں جانے سے پہلے شرعی حق ہے آپ کو صلح کرنے کا آپ اپنا حق معاف کر دیں چور کے اوپر گرفت نہ کریں یا مال اس سے واپس لے لیں اور اس کی کوتاہی اس کو معاف کر دیں آپس میں مل جل کر ایسی کاروائی کر لی جائے اس کا شرعی حق ہے، لیکن جس وقت حاکم کے سامنے جرم پہنچ جائے اور اس کے اوپر شہادت ہو جائے پھر اس کا معاف کرنے کا اختیار حاکم کو نہیں ہے یہ حد جو ہے یہ حق اللہ ہے، یہ حق العبد نہیں ہے، اس کو کوئی شخص معاف نہیں کر سکتا ثبوت مہیا ہو جانے کے بعد۔

جب حضور ﷺ کے سامنے اس کی چوری کی شہادت ہو گئی تو آپ نے فیصلہ فرما دیا ''قطع الید'' کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اب وہ خاندان جو تھا چونکہ بہت معزز تھا قریش میں سے تھی یہ لڑکی بہت فکر مند ہوئے کہ اس میں تو رسوائی ہے کہ ہمارے لڑکی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے لیکن ڈرتا ہوا حضور ﷺ کے سامنے شفارش کے لئے کوئی نہیں جاتا، سوچنے کے بعد فیصلہ ہوا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ حب رسول اللہ ﷺ یہ جرأت کر سکتا ہے، یہ حضور ﷺ کے سامنے شفارش کرنے کی جرأت کر سکتا ہے

اسامہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی بہت محبت تھی، زید بن حارثہ جس کو حضور ﷺ نے اپنا متبنی بنالیا تھا زید بن محمد رضی اللہ عنہ کہلاتا تھا اور پھر سورۃ احزاب کی آیات کے اترنے کے بعد اس نسبت کو ختم کیا گیا، اور زید بن حارثہ کہلایا، ورنہ متبنی بننے کے بعد وہ زید بن محمد رضی اللہ عنہ کہلاتا تھا، اس سے بھی حضور ﷺ کو بہت محبت تھی، اور پھر اس کا بیٹا اسامہ رضی اللہ عنہ یہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں ام ایمن رضی اللہ عنہا جو حضور ﷺ کے والد کی باندھی تھی، اور جس نے حضور ﷺ کی بھی خدمت کی تھی بچپن میں، تو اصل میں آپ نے ایمن رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کردی تھی تو اس وقت پیدا ہوا ہے تو گویا کہ دونوں نسبتوں سے حضور ﷺ اس کو عزیز رکھتے تھے، زید کی نسبت سے بھی ام ایمن رضی اللہ عنہا کی نسبت سے بھی بہت محبت تھی اس کے ساتھ، اس لئے حدیث شریف میں ان کا ذکر آتا ہے تو ان کو حب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کے محبوب، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی طرح حضور ﷺ ان سے پیار کرتے تھے انہیں کہا تو یہ تیار ہو گئے شفارش کرنے کے لئے سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اس سلسلے میں بات کی تو یہ بات سنتے ہی حضور ﷺ کو انتہائی غصہ آگیا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمانے لگے ''افی حد من حدود اللہ'' اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں شفارش کرتے ہو، پہلی امتیں اسی لئے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان کے اندر کوئی بڑا شخص چوری کرتا تھا اس کو چھوڑ دیتے تھے اور غریب آدمی چوری کر لیتا تھا تو اس پر سزا جاری کر دیتے تھے۔

اور تم ہم سے یہی چاہتے ہو کہ چونکہ یہ قریش کی لڑکی ہے بڑے خاندان کی ہے اس لئے اس کو سزا نہ دی جائے اور اگر کسی غریب خاندان کی لڑکی ہوتی غریب گھر کی لڑکی ہوتی تو کوئی اس کو بچانے کی کوشش نہ کرتا، پہلی امتوں کے لئے بربادی اسی راستے سے آئی ہے کہ بڑوں پر قانون کو جاری نہیں کرتے تھے اور چھوٹوں کا رگڑا نکالتے تھے، اس موقع پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم فاطمہ بنت مخزوم کی بات کرتے ہو اگر میری بیٹی فاطمہ ہوتی اور چوری کرتی ہوئی پکڑی جاتی میں تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا، اب اس قسم کی شفارش جو کسی مجرم کی کی جائے اور اس پر شرعی قانون کے لاگو ہونے سے بچانے کی کوشش کی جائے، ظالم کسی گرفت میں آگیا اور اس ظالم کو بچانے کے لئے جو شفارش کی جائے گی یہ شفاعت سیئہ ہے، یہ شفاعت حسنہ نہیں یہ تو برے مقصد کے لئے ہوئی، یا مقصد اچھا ہے لیکن طریقہ کار برا اختیار کیا گیا ہے، جیسے پہلے مثال میں نے آپ کی خدمت میں دیدی یہ شفاعت سیئہ ہے اس کا گناہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرر رکھنے والا ہے، یہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا ذکر فرمایا کرتے ہیں احکام کی اہمیت کو بڑھانے کے لئے تا کہ ان کے اوپر عمل کی فکر انسان کے اندر پیدا ہو جائے آگے آگیا، تحیہ کا مسئلہ ملاقات کے وقت جب دو شخصوں کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے تو اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانے میں بھی کچھ ایسے الفاظ مروج تھے ایک دوسرے کے سامنے استقبال کے طور پر تطییب خاطر کے لئے بولے جاتے تھے، جیسے عرب میں رواج تھا ''اھلا وسھلا و مرحبا'' یہ

الفاظ کہنے کا یا جس سے ملاقات ہوتی اسے کہتے ''حیك الله انعم الله بك صباحا،انعم الله عینا'' اللہ تعالیٰ تیری آنکھیں ٹھنڈی کرے صبح کے وقت تو خوش ہوجا، اس قسم کے الفاظ ملاقات کے وقت کہا جاتے تھے یا جیسے یہ انگریز میں وہ لوگ جس وقت ملتے ہیں آپس میں تو گڈ مارننگ، گڈ ایونگ، گڈ نائیٹ، اس قسم کے الفاظ صبح اچھی ہو شام اچھی ہو رات اچھی ہو، اس قسم کے لفظ وہ ملاقات کے وقت بولتے ہیں اسلام سے پہلے بھی یہ رواج تھا لیکن سرور کائنات ﷺ نے اسلامی معاشرے کے جو طریقہ بتایا ملاقات کے وقت آپس میں الفاظ بولنے کا ایسے الفاظ بولنے کی بھی اجازت ہے جس کے اندر کوئی کفر کا شرک کا معنی نہ پایا جاتا ہو، اگر کسی کافر قوم کا شعائر نہ ہوا یسے لفظ بھی بولے جاسکتے ہیں دعائیہ الفاظ لیکن ابتداء جو ہے وہ لفظ سلام سے ہونی چاہیئے السلام علیکم حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو جس وقت پیدا کیا تو آدم کو پیدا کرنے کے بعد آدم علیہ السلام سے کیا تھا فرشتوں کی ایک جماعت کے متعلق کہ ان کو جا کے کہو السلام علیکم پھر سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں، آدم علیہ السلام نے جا کر السلام علیکم کہا، فرشتوں نے وعلیکم السلام کے ساتھ جواب دیا، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے آدم علیہ السلام یہی ہے سلام تیرا اور تیری اولاد کا آپس میں، تو گویا کہ اس سلام کی تعلیم اللہ کی طرف سے ہوئی اور آدم سے اس کو شروع کیا گیا بنی آدم علیہ السلام کے اندر اسی طریقے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پسند کیا گیا کہ جب آپس میں ملاقات ہو تو ایک دوسرے کو کہو کہ السلام علیکم تو یہ لفظ سلام اصل کے اعتبار سے آپس میں تعلق اور محبت کی علامت قرار پایا، جب آپس میں تعلق اور محبت ہوتا ہے تو بھی آپس میں السلام علیکم کہا جاتا ہے جہاں محبت پیدا کرنی مقصود ہوتی ہے وہاں بھی السلام علیکم کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ترغیب اسی طرح سے آئی ہے، مشکوۃ شریف میں روایت ہے کتاب الاداب باب السلام میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''لن تدخلوا الجنة حتیٰ تومنوا'' تم ہرگز جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ایمان نہ لاؤ اور تم کامل مؤمن نہیں سمجھے جاؤ گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو، جب تک آپس میں محبت سے نہ رہو اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں اور پھر میں تمہیں ایک ایسا طریقہ بتادوں کہ جب تم کیا کرو گے تو آپس میں محبت پیدا ہوجائے گی ''افشوا السلام بینکم'' آپس میں اس سلام کو ظاہر کیا کرو جب ایک دوسرے کو السلام علیکم کہو گے دوسرا وعلیکم السلام کہے گا ،تو ان الفاظ کی تاثیر ہے کہ جس کے ساتھ علیک سلیک ہوجائے تو آپس میں تعلق بھی ہوجاتا ہے آپس میں محبت بھی ہوجاتی ہے اس لئے ترغیب دی گئی کثرت کے ساتھ سلام کہنے کی کہ چاہیئے کسی کو پہچانو چاہے کسی کو نہ پہچانو، سلام کہا کرو بلکہ یہ علامات قیامت میں شمار کیا گیا سلام معرفت جس طرح سے آج کل ہم سلام کہتے ہیں اس کو سلام معرفت کہا جاتا ہے، کوئی جان پہچان والا آگیا تو السلام علیکم اور اگر کسی کے ساتھ جان پہچان نہیں ہے تو کوئی توجہ نہیں، اس کو کہتے ہیں سلام معرفت، اور علامات قیامت ہے کہ لوگوں کے اندر یہی سلام جاری ہوگا کہ جان پہچان ہوگی تو سلام کہیں گے جان پہچان نہیں ہوگی تو السلام علیکم بھی

نہیں کہیں گے، حالانکہ صراحت کے ساتھ حدیث شریف میں ترغیب دی گئی ہے کہ چاہے کسی کو پہچانو چاہے کسی کو نہ پہچانو سلام کیا کرو۔

”علی من عرفت ولامن لم تعرف “ جس کو پہچانتے ہو اس کو بھی سلام کہو اور جس کو نہیں پہنچانتے اس کو بھی سلام کہو، ابتداء سلام کہنے والا اللہ کا محبوب ہے اور اس کو افضل قرار دیا گیا ہے جو پہلے سلام کہے اس کو افضل قرار دیا گیا ہے بمقابلہ اس کے جو سلام کا جواب دیتا ہے، تو سلام کہنا سنت ہے اور اس کی کثرت مطلوب ہے یہاں تک ہے کہ گھر جاتے ہو تو گھر میں بھی سلام کہہ کے داخل ہو کسی مجلس میں گئے ہو تو مجلس میں جا کے بیٹھے ہو تو مجلس میں سلام کر کے بیٹھ اٹھ کر آؤ، تو سلام کہہ کے اٹھ کے آؤ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار میں اسی نیت کے ساتھ جایا کرتے تھے، کیونکہ وہاں لوگوں کے ساتھ ملاقات کثرت کے ساتھ ہوتی ہے تو ہم کثرت کے ساتھ السلام علیکم کہیں گے حدیث شریف میں واقعہ آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار جاتے تھے تو اسی غرض کے ساتھ جاتے تھے کہ بھائی ہم تو اس لئے جاتے ہیں تا کہ بازار میں لوگوں سے ملاقات ہوگی اور ہم السلام علیکم کہیں گے البتہ کافر کو ابتداءً سلام نہیں کرنی چاہیئے، اور اگر کوئی کافر السلام علیکم کہہ دے پھر اگر آپ کو مغالطہ آپ کو لگ جائے اور آپ کو تحقیق ہو جائے کہ اس نے السلام علیکم لفظ صحیح نہیں ادا کیا، بلکہ یہودیوں کی طرح السام علیکم کہہ دیا لام کھا گئے، جیسے یہودی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتے تھے تو آ کے السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہتے تھے لام کو حذف کر جاتے تھے اور پھر یہ دعا کی بجائے بددعا بن جاتی سام کہتے ہیں موت کو تم پر موت ہو بددعا بن جاتی۔

تو ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں کوئی یہودی آیا تو اس نے اس طرح سے سلام کہا آپ نے اس کو برا بھلا کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سختی نہ کرو نرم زبان استعمال کرو، وہ کہنے لگیں یا رسول اللہ! آپ نے سنا نہیں کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سن لیا ہے اور میں نے بھی علیکم کہہ دیا ہے، علیکم کا مطلب یہ ہے کہ تم پر یہ ہو ان کی بددعا میرے لئے قبول نہیں ہوگی میری بددعا ان کے لئے قبول ہو جائے گی، تو چونکہ یہود اس قسم کے شرارت کیا کرتے تھے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی کہ اگر کوئی یہودی سلام کہے تو اس کو علیکم کے ساتھ جواب دیدیا کرو بس زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے بعض روایتوں میں علیکم ہے، اور بعض روایتوں میں وعلیکم ہے، بہر حال آگے سلام کا لفظ نہیں ہے لیکن بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ صراحتاً لکھا ہے کہ اگر کسی کافر نے شرارت نہیں کی اور صحیح طور پر السلام علیکم کیا ہے، تو اس کے جواب میں صرف علیکم کہہ دیا جائے تو گنجائش ہے، وعلیکم السلام کہہ دیا تو گنجائش ہے بلکہ اگر کوئی مصلحت ہو مانوس کرنے کی اور اسی طرح دفعہ ضرر کی یا کسی اور مصلحت کے تحت ابتداء بھی کافر کو سلام کہا جائے تو بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کی اجازت ہے اور سلام کہتے وقت آپس میں بھی اس موقع محل کو دیکھنا چاہیے کوئی نماز پڑھ

رہا ہے تو اس کو سلام نہ کہیں، کوئی پیشاب پاخانے میں مصروف ہے اس کو سلام نہ کہیں اور توجہ کے ساتھ کوئی کھانا کھا رہا ہے اور مطالعے کے اندر مشغول ہے اس کی توجہ ہٹے گی اس کو بھی سلام نہ کہیں اور ایسے موقع پر سلام اگر کہہ دیا تو جواب نہیں ہے عام حالات میں جس وقت سلام کیا جائے اس وقت سلام کا جواب دینا واجب ہے تو دیگر احکام ان کے حدیث شریف میں آتے رہتے ہیں، موٹی موٹی باتیں یہی ہیں جو آپ کی خدمت میں عرض کر دی گئیں۔

بہر حال اس میں کثرت مطلوب ہے جب بھی ملاقات ہو ایک دوسرے کو السلام علیکم کہو یہاں تک کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے کہ دو آدمی چلے جا رہے ہوں مل کے اور جاتے جاتے راستے میں درخت آ گیا اور ایک ادھر سے ہو گیا اور ایک ادھر سے ہو گیا، یہ ایک لمحے کے لئے جو آپس میں جدائی ہوئی ہے پھر بھی جب آمنا سامنا ہو تو السلام علیکم کہو تو اس میں انہیں خیال کرنا چاہیئے کہ ابھی تو تھے ابھی پھر السلام علیکم، نہیں جب بھی غیوبت کے بعد آمنا سامنا ہو تو کلام کی ابتداء جو ہے وہ السلام علیکم کے ساتھ ہونی چاہیئے السلام اللہ کے اسماء میں داخل ہے، اور ویسے اس کا معنی ہے سلامتی، تو جب ہم السلام علیکم کہیں گے تو اس میں اللہ کا ذکر بھی آ گیا جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ چونکہ سلام ہے سلامتی دینے والا ہے، وہ تمہیں سلامتی نصیب فرمائے، اس میں یہ دعا کا مفہوم بھی ہے تو اس سلامتی کی دعا کے اندر اس دنیا کی آفات آخرت کی آفات کی سلامتی ہے تو اللہ کا ذکر بھی ہے اور دعا بھی ہے، اور پھر ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے لئے امن کا پیغام بھی ہے تو جب آپ کسی پر السلام علیکم کہہ دیں گے تو گویا کہ آپ نے اس کو مطمئن کر دیا کہ میری طرف سے آپ کے لئے سلامتی ہے، آپ اپنی جان کا مال کا عزت کا کوئی نقصان میری طرف سے محسوس نہ کریں میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا، اور جب وہ بھی کہہ دے گا وعلیکم السلام اس صورت میں اس کی طرف سے بھی اسی بات کا اظہار ہو گیا ایک دوسرے کے لئے گویا کہ امن کا پیغام سلامتی کا پیغام یہی ذریعہ بنتا ہے پھر آگے محبت کے پیدا ہونے کا۔

تو یہ الفاظ ان تمام الفاظ سے اچھے ہیں جو مختلف لوگوں کے درمیان رائج تھے اس سلام کی ترغیب دی گئی، کہ یہ سلام کثرت کے ساتھ کیا کرو اور یہ کہا گیا کہ جو تم کو سلام کہے کوشش کیا کرو اس سے اچھا جواب دینے کی بس السلام علیکم کسی نے کہا تو آپ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہہ لیجئے اور اگر کسی نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو آپ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ دیجئے اور اگر اس نے بھی برکاتہ کا لفظ بڑھا دیا تو برکاتہ کے اوپر اضافہ یہ سنت نہیں ہے اگرچہ مشکوۃ کی ایک روایت میں "مغفرتہ" کا اضافہ بھی ہے لیکن عام روایات میں مغفرتہ کا اضافہ نہیں ہے برکاتہ تک ہے اس لئے مفسرین نے لکھا ہے کہ سنت یہاں تک ہی ہے اگرچہ جائز ہے مغفرتہ کا اضافہ اگر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس قدر یہ لفظ بڑھتے جاتے ہیں السلام علیکم کہوں دس نیکیاں ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہو تو بیس نیکیاں ہیں، اور اگر برکاتہ کا اضافہ کر تو تیس نیکیاں ہیں اور اس روایت کے اندر جس کے اندر

مغفرتہ کا اضافہ ہوا ہے کہ ایک کہنے والے نے یہ کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لئے چالیس نیکیاں ہیں مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے جواب دیتے وقت اس سے اچھا جواب دو کہ جیسے اس نے سلام کہا ایسے سلام کہو، اس سے اچھے الفاظ استعمال کرو لیکن اگر اس نے زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں تو تم کم لفظ استعمال کرو تو بالاجماع یہ بھی جائز ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے والے کو جواب صرف وعلیکم السلام کہہ دیا جائے یہ بھی کافی ہے، وجوب اس کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے جذبات اچھے ہونے چاہئیں اور الفاظ وسعت ہونی چاہیئے یہ زیادہ مطلوب ہے۔ ''واذا حییتم بتحیۃ'' اور جس وقت تمہیں کوئی دعا دی جائے لفظی معنی تو یہی ہے لیکن مراد یہاں یہ ہے کہ سلام کیا جائے کیونکہ تحیہ اب عرف شرع کے اندر سلام کے ساتھ مخصوص ہو گیا، ''فحیوا باحسن منھا'' تو تم سلام کیا کرو اس سے اچھے تحیہ کے ساتھ، تم تحیہ کیا کرو اس پر اس سے اچھے تحیہ کے ساتھ اس کو دعا دیا کرو اس سے اچھے الفاظ کے ساتھ ''اوردوھا'' یا اسی کو لوٹا دیا کرو، لوٹنا واجب ہے ابتداء سلام کہنا سنت ہے ''ان اللہ کان علی کل شیء حسیبا'' اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر محاسب ہے حساب لینے والا ہے۔

سوال عورت کو سلام کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب یہ مسئلہ تھوڑی سی کچھ تفصیل چاہتا ہے، عورت سے کیا مراد ہے ماں بھی عورت ہے، بہن بھی عورت ہے بیٹی بھی عورت ہے بیوی بھی عورت ہے ماں کو سلام کہو بالکل ٹھیک ہے، بہن کو سلام کرو بالکل ٹھیک ہے بیٹی کو کہو بیوی کو کہو اور ان کے ساتھ مصافحہ بھی جائز ہے، سلام کے ساتھ ان کے ساتھ مصافحہ بھی کیا جا سکتا ہے محارم کے ساتھ مصافحہ درست ہے اور اگر وہ عورت اس درجے کی ہے اگرچہ وہ آپ کی قانوناً محارم نہیں ہے، لیکن ہے محارموں کی طرح جیسے پھوپھی قانوناً محرم ہے خالہ محرم ہے ان کے علاوہ محلے کی کچھ عورتیں ہوا کرتی ہیں کہ جن کا احترام انسان اسی طرح سے کرتا ہے جس طرح سے ماؤں بہنوں کا کرتا ہے چچا کی بیٹیاں ہیں چچی ہے ممانی ہے ماے کی گھر والی اگرچہ یہ قانوناً محرم نہیں ہیں لیکن ان کے ساتھ معاملہ ایسے ہوا کرتا ہے جس طرح سے محرم کے ساتھ ہے آپس میں موانست ہوتی ہے کوئی کسی قسم کے فتنے کا اندیشہ نہیں ایسی عورتوں کو بھی السلام علیکم کہا جا سکتا ہے، متعدد عورتیں بیٹھی ہوں جن میں اس قسم کے فتنے کی اور شرارت کی کوئی گنجائش نہیں ہے ایسی جماعت کی صورت میں بھی السلام علیکم کہہ سکتے ہیں یہاں ممانعت صرف ایک صورت میں ہوگی کہ عورت اجنبی ہے اور اس طرح کے سلام اور پیغام کو کسی فتنے کی بنیاد بنا لینے کا اندیشہ ہو یا وہ عورت ایسی ہے جس کے ساتھ آپ کا کسی قسم کا انس نہیں اور آپس میں کوئی واقفیت بھی نہیں آپ اس کو السلام علیکم کہیں گے تو خطرہ ہے کہ اس کو شرارت نہ سمجھ لے اور سڑک پر ہی جوتا اتار کر کھڑی ہو جائے ایسی صورت میں پھر السلام علیکم نہیں کہنا چاہیئے، جہاں فتنے کا اندیشہ نہ ہو اور اس کو کسی فتنے کی بنیاد نہ سمجھا جائے ایسی صورتوں میں عورتوں کو سلام کہہ سکتے ہیں، چاہے وہ محرم ہوں چاہے وہ غیر محرم ہوں محرموں میں تو فتنے کی گنجائش ہوتی نہیں لہذا

وہاں تو ترغیب ہے سلام کہنے کی اور غیر محرموں کی تفصیل یہی ہے کہ جہاں فتنے کی بنیاد بننے کا اندیشہ ہو وہاں السلام علیکم نہ کہے اور جہاں اس قسم کے فتنے کی بنیاد نہ ہو وہاں سلام کہہ سکتے ہیں، چھوٹی بچیوں کو کہہ سکتے ہیں، بوڑھیوں کو کہہ سکتے ہیں جن کے ساتھ آپس میں موانست ہے، بہن بھائیوں کی طرح رہنے والی محلے کی لڑکیاں ہیں اپنے خاندان کی لڑکیاں ہیں سب کو معلوم ہے کہ کس طرح کے آپس میں تعلقات ہیں جس طرح بہن بھائیوں کے ہوتے ہیں بوڑھی ہے اماں ہے اماں کے درجے کی ہے تو ایسی صورت میں سلام کہنے کا کوئی حرج نہیں ہے بلکہ کہنا چاہیئے یہ تفصیل ہے عورت کو سلام کرنے کے بارے میں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک صحابیہ کہتی ہیں کہ ہم عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں حضور ﷺ پاس سے گزرے تو آپ نے السلام علیکم کہا تو کہنے والا بزرگ آدمی ہے جس کے دل میں اس قسم کی کوئی بات نہیں وہ کہے تو بھی ٹھیک ہے اور عورت کہنے والی ایسی ہے کہ جس کے متعلق پتہ ہے کہ یہ محض ایک اسلامی طریقے کے مطابق سلام کر رہی ہے، دل میں اس کے کسی قسم کی کوئی بات نہیں ہے، تو سلام کا جواب دیا جا سکتا ہے، مطلقاً عورت کے لئے سلام ممنوع نہیں ہے اس میں یہ تفصیل ہے یہاں فتنے کا اندیشہ ہو اور اس کو شرارت کی بنیاد بنائے جانے کا احتمال ہو، وہاں احتراز کرنا چاہیئے اور پھر سلام کی تکمیل جو ہے وہ مصافحہ کے ساتھ ہوتی ہے یعنی عام طور پر سلام کے ساتھ مصافحہ بھی ہوتا ہے اس میں اور زیادہ محبت کا اظہار ہے اور آگے معانقہ اور تطبیل یہ درجہ بدرجہ جیسے حدیث شریف کے اندر الفاظ آتے ہیں کہ معانقہ بھی کیا جا سکتا ہے، اور اسی طرح جیسے آپس میں محبت کا اظہار ہوتا ہے یہ بھی اپنے درجے کے ساتھ روایات کے اندر ان کا ذکر بھی ہے، لیکن لفظ سلام یہ عام طور پر استعمال کرنا چاہیئے اور اس کے ساتھ ساتھ مصافحہ یہ سلام کی تکمل کا ایک ذریعہ ہے۔

"اللہ لاالٰہ الا ھو" اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں کوئی معبود نہیں مگر وہی البتہ ضرور جمع کرے گا وہ تمہیں قیامت کے دن کی طرف یعنی قیامت کے دن کی طرف تمہیں چلاتا ہوا اکٹھا کرے گا، 'لاریب فیہ'' جس کے آنے میں کوئی کسی قسم کا تردد نہیں، اور بات کا اعتبار سے اللہ کے مقابلے میں کون زیادہ سچا ہے یعنی کوئی سچا نہیں اللہ کے مقابلے میں، اللہ سب سے زیادہ سچا ہے لہٰذا اس نے یہ جو بات کہی ہے کہ قیامت آئے گی اور قیامت کے دن تم سب کو اکٹھا کیا جائے گا یہ بالکل سچی بات ہے اور مطابق علی الواقعہ ہے اس میں کوئی تردد کی گنجائش نہیں ہے یہ احکام ذکر کرنے کے بعد اس قسم کی آیات کا آجانا یہ ترغیب ترہیب پر مشتمل ہوتا ہے تاکہ ان احکام کے ماننے اور ان پر عمل کرنے کی رغبت انسان کے دل میں پیدا ہو۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾
وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا
وَّلَا نَصِيْرًا ۙ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا
قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ
اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ
اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ
يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ
فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ
فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ
عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع

ترجمہ :

"فمالکم فی المنافقین فئتین" کیا ہوگیا تمہیں منافقین کے بارے میں تم دو جماعتیں ہوگئے "مالکم

تفرقون فی المنافقین فئتین '' یہ مفہوم ہوگا اس کا تمہیں کیا ہوگیا کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہوں میں بٹ گئے '' واللہ ارکسھم بما کسبو '' رکس ارکس ردشیء...... کسی چیز کو اس کی پہلی حالت کی طرف لوٹا دینا اللہ تعالیٰ نے ان کو لوٹا دیا ان کی پہلی حالت کی طرف '' بما کسبوا '' ان کے کسب کے سبب سے اور ان کے کردار کے سبب سے '' اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ '' کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ تم ہدایت کو ایک ایسے شخص کو جو کو اللہ نے گمراہ ٹھہرا دیا گمراہ کر دیا '' ومن یضلل اللہ فلن تجدلہ سبیلا '' اور جس کو اللہ بھٹکا دے گمراہ کر دے تو اس کے لئے ہرگز راستہ نہیں پائے گا '' ودوالوتکفرون کما کفروا '' یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ جیسے انہوں نے کفر کیا '' فتکونون سواء '' پھر ہو جاؤ گے تم سب برابر '' فلاتتخذوا منھم اولیاء '' پس نہ بناؤ ان میں سے دوست '' حتی یھاجروا فی سبیل اللہ '' جب تک کہ وہ اللہ کے راستے میں ہجرت نہ کریں ، ہجرت مہاجرت گھر بار چھوڑ دینا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت نہ کریں '' فان تولوا '' پھر اگر وہ پیٹھ پھیریں یعنی اس حکم کو قبول نہیں کرتے ہجرت والے حکم کو '' فخذوھم واقتلواھم '' پھر تم انہیں پکڑ لو اور انہیں قتل کرو '' حیث وجدتموھم '' جہاں بھی تم انہیں پاؤ '' ولاتتخذوا منھم ولیا '' اور نہ بناؤ ان میں سے کوئی یار اور نہ کوئی مددگار ان میں سے کسی کو حمایتی اور کسی کو مددگار اختیار نہ کرو '' الاالذین یصلون الی قومھم '' مگر وہ لوگ جو مل جائیں ان لوگوں کی طرف کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان ایک عہد ہے۔

یعنی معاہدہ قوم کے ساتھ کوئی لوگ جا کر مل جائیں معاہدین کے ساتھ شامل ہو جائیں یا آئیں وہ تمہارے پاس '' اوجاء و کم حصرت صدورھم ان یقاتلو کم اویقاتلوا قومھم '' ان کے دل تنگ ہوتے ہوں اس بات سے کہ وہ تمہارے ساتھ لڑائی لڑیں یا لڑائی لڑیں وہ اپنی قوم کے ساتھ ، ان کے دل تنگ ہوتے ہیں تمہارے ساتھ لڑنے میں بھی اور اپنی قوم کے ساتھ لڑنے میں بھی یعنی نہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر تمہارے ساتھ لڑنا چاہتے ہیں نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم کے ساتھ لڑنا چاہتے ہیں ، غیر جانب دار رہنا چاہتے ہیں '' ولوشاء اللہ لسلطھم علیکم '' اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو تمہارے اوپر مسلط کر دیتا '' فلقاتلو کم '' پھر وہ تمہارے ساتھ لڑتے '' فان اعتزلوکم '' پھر اگر وہ لوگ تم سے جدا رہیں جدا رہنے کا مطلب یہ ہے کہ '' فلم یقاتلو کم '' کہ وہ تم سے لڑتے نہیں '' والقوا الیکم السلم '' سلم سلامتی '' القیٰ سلام '' کا معنی ہوتا ہے کہ کسی کے سامنے ہتھیار ڈال دینا صلح اور صفائی کا پیغام دیدینا کہ ہم آپ کے ساتھ صلح کرتے ہیں ڈالیں وہ تمہاری طرف صلح ، '' فما جعل اللہ علیکم سبیلا '' پس نہیں بنایا اللہ نے تمہارے لئے ان کے خلاف کوئی راہ ان کے خلاف تمہارے لئے کوئی راستہ نہیں ہے کہ تم ان کے خلاف کوئی کاروائی کرو '' ستجدون آخرین '' عنقریب پائیں گے آپ کچھ اور لوگوں کو '' یریدون ان یأمنو کم '' وہ ارادہ کرتے ہیں کہ تم سے بے خوف ہو جائیں '' ویأمنوا قومھم '' اور ارادہ کرتے ہیں کہ اپنی

قوم سے بے خوف ہو جائیں ''کلما ردوا الی الفتنه'' جب کبھی ان کو فتنہ کی طرف شرارت کی طرف لوٹایا جاتا ہے ''ارکسوا فیھا'' تو اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں لوٹا دیئے جاتے ہیں ''فان لم یعتزلوکم '' پھر اگر یہ لوگ تم سے جدا نہ رہیں ''ویلقوا الیکم السلم '' یہ یلقوا یہ بھی کم کے نیچے داخل ہے اور وہ تمہاری طرف صلح نہ ڈالیں صلح کا اظہار نہ کریں ''ویکفوا ایدیھم '' اور تم سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں یہ یکفوا بھی کم کے نیچے داخل ہے ''فخذوھم '' پھر پکڑ لو انہیں ''واقتلوھم '' اور انہیں قتل کردو ''حیث ثقفتموھم '' جہاں بھی تم انہیں پاؤ ''واولئکم جعلنا لکم علیھم سلطانامبینا'' یہی لوگ ہیں جو ہم نے تمہارے لئے ان کے خلاف سلطان مبین بنادیا سلطان واضح حجت کو بھی کہتے ہیں سلطان مبین واضح حجت اور سلطان اختیار اور اقتدار کو بھی کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارا اختیار اقتدار ان کے اوپر قائم کردیا یا ان کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے ہم نے آپ کے لئے واضح حجت بنادی دلیل واضح ہے تمہارے لئے دلیل سلطان واضح ہے جس کی بناء پر آپ ان کے خلاف کاروائی کرسکتے ہیں۔

تفسیر:

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں کا حکم واضح فرمایا ہے روایات میں آتا ہے کہ کچھ لوگ مکہ معظّمہ سے اسلام کا اظہار کر کے مدینہ منورہ میں آگئے چندوں ٹھہرنے کے بعد پھر وہ واپس مکہ معظّمہ چلے گئے جا کے مشرکین کے ساتھ مل گئے اس بارے میں رنائے زنی کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دو قسم کے لوگ پیدا ہوئے بعضے کہتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں اگر کسی مجبوری کی بناء پر چلے گئے تو کوئی بات نہیں ہمیں انہیں مسلمان سمجھنا چاہیئے بعضے کہتے تھے کہ نہیں جب وہ واپس چلے گئے ہیں تو جیسے مشرک پہلے تھے ویسے مشرک پھر ہیں تو وہ مرتد ہو گئے، اس لئے ہمیں ان کے ساتھ وہ برتاؤ کرنا چاہیئے جو مرتدوں کے ساتھ ہوتا ہے، ایک گروہ تو یہ تھا کہ جس کا ذکر پہلی آیت کے اندر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہیں اختلاف رائے نہیں کرنی چاہیئے وہ پہلی حالت کی طرف لوٹ گئے اور جب وہ آئے تھے تو انہوں نے خلوص کے ساتھ ایمان قبول نہیں کیا تھا بلکہ منافق تھے اور اب اگر ان کے واپس لوٹ جانے کے بعد اگر پھر بھی تم ان کو ہدایت یافتہ سمجھو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جن کو اللہ نے گمراہ کردیا ہے تم ان کو ہدایت یافتہ قرار دیتے ہو اللہ کے گمراہ کرنے کے بعد پھر کوئی شخص دوسرے کو سیدھے راستے پر نہیں لاسکتا، تمہارے ہدایت یافتہ کہنے سے وہ ہدایت یافتہ نہیں ہو جائیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سابق حالت کی طرف لوٹا دیا، پہلے تو ان لوگوں کا ذکر کیا ہے کہ جب وہ مرتد ہو گئے اور پہلی حالت کی طرف لوٹ گئے اب تو تم انہیں کافر ہی سمجھو، اور اگر کسی جگہ وہ تمہارے ہاتھ آجائیں تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کرو جس قسم کا معاملہ عام کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اسی جگہ پر صراحت کی ہے بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہ پہلے پہلے ہجرت جو تھی یہ اقرار باللسان کے قائم مقام تھی کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آئے اور پھر اس کو عذر کوئی نہ ہو ہجرت کرنے سے ہجرت کر کے اگر وہ نہیں آتا تو ایسی صورت میں اس کے ایمان کا اعتبار کوئی نہیں ضروری ہے کہ اپنے علاقے کو چھوڑ کر ہجرت کر کے آئے ہجرت کر کے جب آئے گا تب سمجھا جائے گا کہ یہ صحیح سچا اور پکا مسلمان ہے تو جب انہوں نے پہلے ہجرت کی ظاہری طور پر چھوڑ کر آئے لیکن جب بعد میں واپس چلے گئے تو گویا کہ انہوں نے اقرار باللسان سے انحراف کر لیا اور جا کے مشرکین کے ساتھ مل گئے تو اب ان کا حکم جو ہے وہ مسلمانوں والا نہیں اور منافقین کے لفظ استعمال کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جب وہ آئے تب بھی وہ خلوص کے ساتھ نہیں آئے تھے۔

"فمالکم فی المنافقین فئتین" تمہیں کیا ہو گیا کہ تم منافقین کے بارے میں دو ٹکڑے ہو گئے دو گروہ ہو گئے اللہ نے انہیں رد کر دیا ان کے کردار کے سبب سے ان کے کسب کے سبب سے کیا تم ارادہ کرتے ہو کہ تم ہدایت اس شخص کو جس کو اللہ نے بھٹکا دیا یعنی تم اگر اس کو مسلمان سمجھو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جن کو گمراہی میں ڈال دیا تم ان کو ہدایت دے رہے ہو تم ان کو ہدایت یافتہ قرار دے رہے ہو، جس کو اللہ بھٹکا دے تو اس کے لئے ہر گز راستہ نہیں پائے گا، تم انہیں مومن سمجھتے ہو وہ مؤمن نہیں وہ کافر ہیں وہ تو اس درجے کے کافر ہیں کہ وہ الٹا تمہیں کافر بنانا چاہتے ہیں، وددوا یہ چاہتے ہیں کہ تم کفر کرو جیسے انہوں نے کفر کیا پھر تم برابر ہو جاؤ پس نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست جب تک وہ اللہ کے راستے میں ہجرت کر کے نہ آئیں اور اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں اپنے گھر بار کو چھوڑ کر نہیں آتے تو پکڑ لو انہیں اور قتل کر دو انہیں جہاں بھی پاؤ، یعنی ان کا حکم پھر باقی کافروں کی طرح ہے نہ ان کو اپنا حمایتی سمجھو نہ ان کو اپنا مددگار سمجھو، نہ اختیار کرو ان میں سے کوئی یار اور نہ کوئی مددگار ہاں البتہ بعض قومیں ایسی ہیں کہ جنہوں نے تمہارے ساتھ صراحتاً معاہدہ کر لیا ترک جنگ کا مصالحت کر لی اور تم سے لڑنا نہیں چاہتے پھر جو لوگ ان کے ساتھ معاہدہ کر لیں، وہ بھی تمہاری صلح کی ضمن میں آجائیں گے ان کے ساتھ بھی پھر تمہیں لڑنا نہیں چاہیئے یعنی ایک قبیلے کے ساتھ تو ہوگی ہماری صراحتاً صلح۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا واقعہ پیش آیا غالباً قبیلہ بنو مدلج لکھا ہے کہ انہوں نے صلح کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور اس صلح کے اندر یہ دفعہ بھی رکھی گئی تھی کہ جو ہمارے معاہدے ہوں گے وہ بھی صلح میں شامل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے لوگ جو تمہارے معاہد ہوں وہ بھی اور جو معاہد قوم کے ساتھ مل جائیں وہ بھی ان کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی تمہاری طرف سے نہیں ہونی چاہیئے جب تک کہ وہ تم سے صلح رکھیں، اور تمہارے خلاف ہاتھوں کو روکے رکھیں، اعتزال جدائی اختیار کریں، مقابلے میں نہیں آتے اس وقت تک جب وہ اپنے عہد پر پکے ہیں تو تم بھی اپنے عہد کے اوپر پکے رہو، اور تیسرے نمبر پر ذکر کیا

دھوکے باز لوگوں کا کہ وہ بظاہر آتے ہیں تمہارے پاس اور باتیں اس قسم کی کرتیں ہین جس سے وہ تمہاری طرف سے بھی بے خوف ہونا چاہتے ہیں اور قوم کی طرف سے بھی خوف ہونا چاہتے ہیں، دوغلا پن جسے کہتے ہیں لیکن اگر ان کو شرارت کے لئے برانگیختہ کرنے کے لئے آجائے تو وہ شرارت پر برانگیختہ ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کے عہد معاہدوں کا اور صلح کا کوئی اعتبار نہیں ہے چاہے ان کے ساتھ تمہارا عہد معاہدہ ہو یا ہوا ہے لیکن اگر وہ کہیں فتنے میں پڑ جائیں اور تمہارے مقابلے میں ہاتھ اٹھالیں تو تمہیں بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اس عہد معاہدے کی رعایت رکھنے کی بلکہ جہاں بھی پکڑ واور انہیں قتل کرو ان کا حکم بھی عام کافروں کی طرح ہوگا۔

مگر وہ لوگ جو مل جائیں ایسی قوم کی طرف یہ استثناء ہے اس سے کہ "فخذوهم واقتلواهم حيث وجدتموهم" مگر وہ لوگ جو مل جائیں ایسے لوگوں کی طرف جن کے اور تمہارے درمیان آپس میں میثاق ہے تو جب یہ ملنے والوں کو پکڑنا اور قتل کرنا جائز نہیں تو جن کا خود میثاق ہے اور عہد کیا ہوا ہے تو وہ بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہو گئے، یا وہ تمہارے پاس آتے ہیں اور ان کے دل تنگ ہوتے ہیں تم سے لڑنے سے بھی اور اپنی قوم سے لڑنے میں بھی وہ غیر جانب دار رہنا چاہتے ہیں اور آ کے کہتے ہیں کہ ہم جی آپ کے ساتھ یوں رہیں گے نہ تو آپ کے ساتھ مل کر ہم اپنی قوم کے ساتھ لڑیں گے نہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر ہم تمہارے خلاف لڑیں گے، ان کو بھی امن دیدو اور ان کی بھی صلح ہے، یہاں حضور ﷺ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کی قدر کرو جو اس طرح سے غیر جانب دار ہو جائیں ورنہ اگر اللہ چاہتا کہ انہیں جرأت دے کر تمہارے خلاف مسلط کر دیتا، اور یہ تمہارے لئے مصیبت بنتے یعنی ایسے دور میں جب اردگرد کے سب قبائل تمہارے ساتھ برسرِ پیکار ہیں جنگ میں مبتلاء ہیں اگر کچھ غیر جانب دار ہی رہنا چاہیں تو ان کی رعایت رکھو انہیں غیر جانب دار ہی رہنے دو، اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا پھر یہ تم سے لڑتے پھر اگر یہ تم سے جدا رہیں جدا رہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم سے لڑتے نہیں اور تمہاری طرف سلامت روی کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، صلح ڈالتے ہیں تمہاری طرف سلامتی کا پیغام بھیجتے ہیں۔

"فما جعل الله لكم عليهم سبيلا" اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان کے خلاف کوئی راستہ نہیں بنایا لہذا ان کی پکڑ دھکڑ جائز نہیں ہے تو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچانا اپنے اس عہد کی رعایت رکھنی ہے کچھ لوگ اور بھی ایسے آئیں گے جو ارادہ کریں گے تم سے بے خوف ہونے کا اور اپنی قوم سے بے خوف ہونے کا یہ دوغلے ادہر بھی کوئی باتیں کریں گے ایسی کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں قوم کے پاس جائیں گے وہاں باتیں کریں گے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور جب ان کو کوئی شرارت پر برانگیختہ کرے تو شرارت پر برانگیختہ فوراً ہو جاتے ہیں جب ان کو لوٹایا جائے فتنے کی طرف شرارت کی طرف فتنے سے یہاں وہی مسلمانوں کے خلاف شرارتیں برپا کرنا دین اور مذہب سے روکنے کی کوشش کرنا، "ارکسوا فيها" تو وہ اس فتنے میں

لوٹا دیئے جاتے ہیں یعنی جب بھی کوئی ان کو آکر بھڑکائے یہ فوراً بھڑک جاتے ہیں اور فتنے میں واقع ہو جاتے ہیں یہ لوگ اگر تم سے جدا نہ رہیں اعتدال اختیار نہ کریں اور تمہاری طرف سلامت روی نہ اختیار کریں تمہاری طرف صلح نہ ڈالیں، اور اپنے ہاتھوں کو روک کر نہ رکھیں بلکہ مقابلے میں نظر آجائیں کہ یہ بھی انہیں حرکتوں میں شامل ہیں تو ان کی منہ زبانی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں، پھر ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی تم انہیں پاؤ، یہی لوگ ہیں جو ہم نے تمہارے لئے ان کے خلاف ایک واضح دلیل قائم کر دی ہے یا تمہیں ان کے اوپر اختیار دیدیا ہے اس قسم کی کاروائی کرنے تو یہ مختلف قسم کے کافر تھے جن کے جذبات مختلف تھے تو ان تین درجے کے لوگوں کا یہ حکم بیان کر دیا گیا، جو نفاق کے طور پر آئے تھے، بعد میں لوٹ کر چلے گئے تو ان کے آنے کا کوئی اعتبار نہیں، آ کے اسلام کا اظہار کرنے کا کوئی اعتبار نہیں، یہ بھی محارب کافروں کی طرح ہیں اور جو تمہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں آ کر ادھر باتیں مارتے ہیں اپنی قوم کے پاس جاتے ہیں تو دوسری قسم کی کرنے لگ جاتے ہیں ان کا بھی کوئی اعتبار نہیں، ہاں البتہ جو تم سے معاہدہ کر لے اور وہ معاہدہ کے پابند ہوں تمہارے خلاف ہاتھ نہ اٹھائیں ان کے خلاف تم نے بھی ہاتھ نہیں اٹھانا اور اس عہد کی پابندی کرنی ہے۔